الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون
تذکرہ
اولیائے دیوبند
برصغیر پاک و ہند کے ۸۷ معروف اولیائے دیوبند کے
حالات و خدمات اور اوصاف و کمالات کا جامع تذکرہ
مرتبہ
حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری
مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA
اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

تذکرہ اولیائے دیوبند

برصغیر پاک و ہند کے ۸۷ معروف اولیائے دیوبند کے
حالات و خدمات اور اوصاف و کمالات کا جامع تذکرہ

مرتبہ

حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری

۱۴۲۲ھ

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-7224228-7355743

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب: .... تذکرہ اولیائے دیوبند

مرتبہ: .... حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری

ناشر: .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: .... لعل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اسلام کے قرن اول اور زمانہ سلف صالحین سے یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ علماء ومشائخ اور اکابر واسلاف کے سوانح اور تذکروں کو شائع کیا جا رہا ہے' بہت سے علماء و صلحاء اور اولیاء و اتقیاء کے حالات و واقعات لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ اور حضرات علماء و مشائخ عظام اپنے مستفیدین اور طالبین راہِ سلوک کو ہمیشہ سے ایسے تذکروں اور سوانح کے پڑھنے اور سننے کی تاکید فرماتے رہے ہیں۔ علماء اور اولیاء کے حالات اور سیرت و کردار کے مطالعہ میں اصلاح واخلاق اور عزم واستقلال کی پختگی اور ثبات قلوب کی خاصیت رکھی گئی ہے اور قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے قصص و حالات کے بیان کرنے کی یہی حکمت بیان فرمائی گئی ہے۔ ہمارے اکابر ومشائخ دیوبند اپنے اخلاق و عادات میں صحابہ کرامؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل کا بہترین نمونہ ہیں۔ صداقت وامانت' شرافت وشجاعت' سخاوت و ہمدردی' عجز و انکساری' مہمان نوازی' غرباء پروری' صلہ رحمی' تواضع و اخلاص' للّٰہیت' فنائیت' محبت و ادب واحترام مشائخ' عشق رسالت مآب' ایفائے عہد' اتباع سنت' غرض یہ کہ جتنے بھی اوصاف وکمالات ایک بہترین انسان' مومن کامل اور اولیاء اللہ کے لیے لازم ہیں وہ سب کے سب اکابر علماء ومشائخ دیوبند رحمہم اللہ کے یہاں ملیں گے اور سلوک وتصوف درحقیقت نام ہے اتباع سنت کا' جو ہمارے بزرگوں کا خاصہ ہے۔ چنانچہ بزرگانِ دین

اولیاء اللہ کے حالات و کمالات کو عوام و خواص میں روشناس کرانے کے لیے اسی معمول سلف کے مطابق دور حاضر میں ہمارے عزیز مکرم سید حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہٗ نے تذکرہ نگاری اور اکابر و مشائخ کی تعلیمات و ارشادات کو عام کرنے کا معمول اپنایا ہوا ہے- اور یہ آں عزیز کا خاص موضوع اور محبوب مشغلہ ہے- اللہ تعالیٰ نے عزیز موصوف کو سیرت نگاری اور سوانح حیات کے لکھنے کا خصوصی ذوق اور ملکہ عطا فرمایا ہے- اکابر علماء و مشائخ دیوبند کے ساتھ حد درجہ عشق و محبت اور خصوصی نسبت کی بناء پر وہ اس سلسلہ میں ہر طرح کی محنت و مشقت اور عرق ریزی کو خوشی خوشی برداشت کرنے کے عادی ہو چکے ہیں-

عزیز موصوف حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے آخری دور کے خاص متوسلین میں سے ہیں اور حضرتؒ سے انتہاء درجہ کا عشق و تعلق قائم رہا ہے، عزیز موصوف کوئی تین درجن سے زائد کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جو اکابرین دیوبند سے تعلق و محبت کی دلیل ہیں-

زیر نظر کتاب ''تذکرہ اولیائے دیوبند'' ہمارے عزیز موصوف کی نہایت ہی قابل قدر اور قابل تحسین تالیف ہے جس میں اکابر و مشائخ اولیائے دیوبند کے حالات و کمالات کو نہایت احسن طریق پر مرتب کیا گیا ہے- شیخ المشائخ حضرت اقدس میانجی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہ سے لے کر ۸۲ ممتاز علماء و مشائخ کا تذکرہ بڑی جامعیت اور خوش اسلوبی سے یکجا کتابی شکل میں محفوظ کر دیا گیا ہے- شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت حافظ صاحب تھانوی شہیدؒ، حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ، حضرت حافظ محمد صدیق بھر چونڈویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت اقدس سہارنپوریؒ، حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت میاں صاحب سید اصغر حسینؒ دیوبندی، حضرت محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا

عبدالقادر رائپوریؒ، حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ' حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ،
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مہاجر مدنی' حضرت شیخ الاسلام علامہ ظفر
احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ' حضرت مفتی محمد حسنؒ صاحب'
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ' حضرت مولانا خیر محمد
جالندھریؒ اور دیگر اولیاء اللہ کا تذکرہ اس کتاب میں شامل ہے' اللہ تعالیٰ عزیز موصوف
کی اس محنت وکاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائیں اور دنیا وآخرت میں اس کی
جزائے خیر عطا فرمائیں۔ تمام متعلقین کو اس کتاب لاجواب سے مستفید ومستفیض ہونے
کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

اولیائے دیوبند کی شان

(منظوم تاثرات)

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے

نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر

انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے

انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں

پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے

اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

عرضِ مؤلف

برصغیر پاک وہند کو عالم اسلام میں یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اس سرزمین پر اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے قدوم میمنت لزوم سے دین اسلام سے والہانہ محبت' اسلامی حمیت وغیرت کا چراغ روشن ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہوں یا حضرت خواجہ سید علی ہجویری ہوں' حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا فیضان ہو یا خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی تعلیمات ہوں' حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی درخشندہ تاریخ' یا خواجہ نظام الدین اولیاء کے کارنامے' سب اکابرین کی تاریخ ساز جدوجہد اور محنت وعرق ریزی نے انسانیت کے مردہ قلوب کو اسلام کی تابندہ روشنی سے منور کیا۔

عہد حاضر میں پوری دنیا کفر وضلالت اور الحاد ومغربیت کی زد میں جاں بلب ہے۔ مسلم ممالک تک لادینیت کے زہر سے آلودہ ہیں' دہریت اور جدت طرازی نے ایک ارب بیس کروڑ مسلمانوں کی ثقافت ومعاشرت اور تہذیب وتمدن کو تبدیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ غوایت وگمراہی کے ان مہیب سایوں' شرک وکفر اور بدعات وتوہمات کے اندھیروں میں صرف ایک روشنی کی کرن اکابرین واسلاف اور اولیائے عظام کی تعلیمات کی صورت میں پوری ملت اسلامیہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر ولایت وریاضت کے چار روحانی سلسلوں سے منسلک ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے سلسلہ قادریہ' حضرت خواجہ شہاب الدین سے سہروردیہ' حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے سلسلہ چشتیہ' حضرت مجدد الف ثانیؒ سے سلسلہ نقشبندیہ' برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں ذکر الٰہی' صفائی قلب' تزکیہ نفس

اور انسانیت کی سچی تعمیر کے لیے روبہ عمل ہے۔

ہم زیر نظر کتاب "تذکرہ اولیائے دیوبند" میں ان ۸۷ معروف برگزیدہ ہستیوں کا تذکرہ پیش کر رہے ہیں جو چاروں سلسلوں میں علم و عمل کے درخشندہ آفتاب و ماہتاب رہے ہیں۔ اور جن کے فیوضات و برکات سے پورا عالم اسلام سیراب و شاداب ہوا ہے۔ حق تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت بخشیں اور ہمیں ان بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

آخر میں ہم اپنے احباب و معاونین خصوصاً حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب احمدانی مدظلہ اور برادرم ممتاز احمد شیخ کے بے حد ممنون ہیں کہ جنہوں نے خصوصیت سے اس سلسلے میں بندۂ ناچیز کی معاونت فرمائی ہے۔

مکتبہ رحمانیہ کا بے حد ممنوں ہوں کہ انہوں نے اس عظیم الشان کتاب کو اپنے ادارہ سے شائع فرمایا ہے۔

جزاکم اللہ اَحْسَنَ الجزاء.

حق تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لیے اور ہمارے لیے ذریعہ نجات بنادے اور عوام و خواص کے لیے اسے نافع و مفید فرمادے۔ آمین

مخلص ناچیز

محمد اکبر شاہ بخاری عفی اللہ عنہ

۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
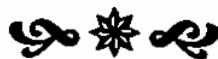
مقدمہ

اکابر دیوبند کیا تھے؟

علامہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے' سلف صالحین کا نمونہ تھے' اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے' لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لیے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔ اس لیے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مزاج و مذاق سے ہے جو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی سیرتوں اور ان کے طرزِ زندگی سے مستنیر تھا اور مزاج و مذاق وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعہ ٹھیک بیان نہیں کیا جا سکتا' جس طرح گلاب کی خوشبو کو سونگھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔

لہٰذا اس مضمون میں اکابر دیوبند کی خصوصیات و امتیازات کو نظری طور سے بیان کرنے کے بجائے ان کے چند متفرق واقعات سنانے مقصود ہیں۔ جن سے ان کی خصوصیات زیادہ واضح اور آسان طریقے سے سمجھ میں آسکیں گی۔ وباللہ التوفیق

علم وفضل اور اس کے ساتھ تواضع وللٰہیت

اگر صرف وسعت مطالعہ' قوت استعداد اور کسب معلومات کا نام علم ہوتو یہ صفت آج بھی ایسی کمیاب نہیں لیکن اکابر دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ علم وفضل کے سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود ان کی تواضع وفنائیت اور للٰہیت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی- یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ:

''پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکتی ہے''

لیکن ہمارے زمانے میں اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیوبند کی زندگی میں نظر آتا ہے اور کہیں نہیں ملتا- چند واقعات ملاحظہ فرمایئے:

۱- بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم بحر ناپیدا کنار تھے- ان کی تصانیف آب حیات' تقریر دل پذیر' قاسم العلوم' اور مباحث شاہ جہاں پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں- حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ:

''میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے- اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے''-

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اب بھی مولانا (نانوتویؒ) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور وخوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں- اس لیے مستفید ہونے سے

محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لیے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے''۔[1]

ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد' بالخصوص جب کہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو' عموماً علم و فضل کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں:

''جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے' اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے' اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا''۔[2]

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ:

''حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھالیا کرتے تھے''۔[3]

۲- یہی حال حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ انہیں ان کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابو حنیفۂ عصر'' کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ محقق جو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو ''فقیہ النفس'' کا مرتبہ دینے کے لیے تیار نہ تھے' حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ''فقیہ النفس'' فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] اشرف السوانح ص ۱۳۶' ۱۳۷ ج ۱

[2] ارواح ثلاثہ ۱۷۶ نمبر ۲۳۰

[3] ارواح ثلاثہ ص ۲۸۸

ان کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ واقعہ سناتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلباء کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے''۔[1]

۳۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے علم وفضل کا کیا ٹھکانہ؟ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ ''ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لئے اصرار کیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لئے کھڑے ہو گئے اور حدیث "فقیه و احد اشد علی الشیطن من الف عابد" پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ:

''ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے''۔

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ:

''یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آئے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں''۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا جوابی ردعمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہئے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا انداز بیان توہین آمیز ہی نہیں، اشتعال انگیز بھی تھا۔ لیکن اس شیخ وقت کا طرز عمل سنئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر:

---

[1] ایضاً ص ۲۲۷، ۲۲۸

''مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ'' میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت''۔

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرما دیا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا کہ ''غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں'' انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ أثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے''۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے ''**یاتینی مثل صلصلة الجرس و هو اشد علی**'' (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے[1]

۴۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب کانپور میں مدرس تھے۔ انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علمائے دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی۔ اس لیے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر شروع ہوئی۔

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۲۸۶، ۴۳۶

حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آ گیا۔ اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سنانا چاہتے تھے، جلسہ میں نہیں آئے تھے۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کا اندازہ ہو گا۔ لیکن ہوا یہ کہ جوں ہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان علماء کو دیکھا۔ تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ:

''حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ بیٹھ کیوں گئے؟''۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بناء پر اس یہودی سے الجھا تھا۔ اگر تھوکنے کے بعد کوئی کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس عمل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ سنت تازہ فرما دی۔ مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لیے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لیے ہوتی، اس لیے اسے

روک دیا۔[1]

۵- مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلم عالم تھے- انہوں نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی شہرت سن رکھی تھی' ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچ گئے- گرمی کا موسم تھا- وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے- مولانا معین الدین صاحبؒ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ ''مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے ملنا ہے''- وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیریؒ کو اندر لے گئے' آرام سے بٹھایا اور کہا کہ ''ابھی ملاقات ہو جاتی ہے''- مولانا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ منتظر رہے' اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا- اس کے بعد مولانا اجمیریؒ نے کہا ''حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو اطلاع دیجئے- ان صاحب نے فرمایا ''آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں'' تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا' مولانا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ''میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں' آپ انہیں اطلاع کر دیجئے''- ان صاحب نے فرمایا ''انہیں اطلاع ہوگئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے''- مولانا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا کھا لیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا- جب دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ برہم ہو گئے اور

---

[1] یہ واقعہ مذکورہ تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانوی قدس سرہ سے اور اسی کا خلاصہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حیات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۷ میں بھی کیا ہے-

فرمایا کہ آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے، ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی۔ اس پر وہ صاحب بولے کہ:

''دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں، البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے''۔

مولانا معین الدین صاحب یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کیا چیز ہیں؟[1]

۶۔ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک مجلس میں نقل کیا کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ ''اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق اور مدقق اسلام کو حق سمجھتا ہے''۔ یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامتؒ نے فرمایا ''میں کہتا ہوں کہ میرے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحب کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے''۔[2]

انہی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے

---

[1] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور انہوں نے اپنے ایک ہم سبق عالم مولانا مغیث الدین صاحب سے سنا تھا جو دیوبند سے فارغ ہو کر معقولات پڑھنے کے لیے اجمیر چلے گئے تھے اور آخر میں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ لیکن چونکہ واقعہ سنے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا اس لیے چند سال پہلے حضرت والد صاحب مدظلہم نے ان سے حرم نبویؐ میں اس کی تصدیق فرمائی۔

[2] حیات انور ص ۱۱۹ بروایت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ہیں کہ مقدمہ کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اس میں یہ بھی فرمایا کہ:

''جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے''۔

تو قادیانیوں نے اس پر اعتراض کیا:

''آپ کو چاہیے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ دیں' کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلومؒ نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے معنوی کا انکار کیا ہے''۔

اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا' سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے فرماتے ہیں:

''ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی۔ مولانا عبداللطیف صاحب ناظم دارالعلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے؟''۔

لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آواز گونجی:

''جج صاحب! لکھئے میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی اب میرے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث **لا تجتمع امتی علی الضلالۃ** تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی' لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے' نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے۔ ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں' ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں''۔

چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ

نے بیان فرمایا۔ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

''جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں، میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا''۔[1]

ایک طرف علم و فضل اور قوت حافظہ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھئے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزرسی کے ساتھ یاد رہا، دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنے بلند بانگ دعوے کرتا، لیکن خط کشیدہ جملہ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے؟ اور یہ محض لفظ ہی نہیں ہیں وہ واقعتہً اپنے تمام کمالات کے باوصف اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبویؐ کے مظہر تھے کہ:

اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا۔

۷- حضرت مولانا محمد انوریؒ ہی راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لے جا رہے تھے، بس کے انتظار میں سیالکوٹ اڈے پر تشریف فرما تھے، ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا ''نہیں! میں طالب علم ہوں'' اس نے کہا ''آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟'' فرمایا ''کچھ کچھ'' پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ ''تم غلط سمجھے ہو۔ اس کی یہ شکل نہیں ہے'' پھر نبی کریم ﷺ کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے، دس قرآن سے، دس تورات سے، دس انجیل سے اور دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کی بہت سی باتیں آپ

---

[1] انوار انوری، مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ ص ۳۲

سے معلوم ہوئیں۔[1]

۸- احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے بار بار یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں دارالعلوم دیوبند میں ملاحسن پڑھاتا تھا تو ایک روز اس کی عبارت پر کچھ شبہ ہوا جو حل نہیں ہو رہا تھا- میں نے سوچا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہیے چنانچہ میں کتاب لے کر ان کی تلاش میں نکلا' وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے' اور جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں تو ان کا کتب خانہ میں ہونا متعین تھا- میں کتب خانہ میں پہنچا تو وہ کتب خانے کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے- میں ابھی نیچے ہی تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اوپر ہی سے میرے آنے کی وجہ پوچھی- میں نے عرض کیا کہ ''ملاحسن کے ایک مقام پر کچھ اشکال ہے وہ سمجھنا تھا''- وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا ''عبارت پڑھیے'' میں نے عبارت پڑھنی شروع کی تو بیچ ہی میں روک کر فرمایا: ''اچھا! یہاں آپ کو یہ شبہ ہوا ہوگا'' اور پھر بعینہ وہی اشکال دہرا دیا جو میرے دل میں تھا- میں نے تصدیق کی کہ واقعی یہی شبہ ہے- اس پر انہوں نے اس کے جواب میں وہیں سے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام اشکال کافور ہو گئے-

اب ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ دراز سے حدیث کی تدریس میں مصروف تھے اور منطق کی کتابوں سے واسطہ تقریباً ختم ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ حافظہ اور یہ استحضار کرشمۂ قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟

۹- احقر نے اپنے والد ماجد سے بھی سنا ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم سے بھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۳۲۱ھ میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور شرح ہدایہ ''فتح القدیر'' اور اس کے تکملہ کا مطالعہ بیس سے کچھ

---

[1] انوار انوری' مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ ص ۳۲

زائد ایام میں کیا تھا اور کتاب الحج تک اس کی تلخیص لکھی تھی اور انہوں نے صاحب ہدایہ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کا جواب بھی لکھا تھا۔ اس کے بعد مدت العمر ''فتح القدیر'' کی مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور کسی تازہ مطالعہ کے بغیر اس کی نہ صرف باتوں بلکہ طویل عبارتوں تک کا حوالہ سبق میں دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۳۴۷ھ میں ہم سے یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا:

''چھبیس سال ہوئے پھر مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور جو مضمون اس کا بیان کروں گا' اگر مراجعت کرو گے تو تفاوت کم پاؤ گے''۔[1]

۱۰- حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ درس سے فراغت کے بعد میں جب بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پہلے سے لکھے ہوئے متعدد سوالات کے جواب ان سے معلوم کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کی حاضری میں ترمذی شریف کی ایک عبارت کا حوالہ میں نے دیا اور عرض کیا کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے' بہت غور کیا لیکن حل نہیں ہو سکا۔ فرمایا ''مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا' مجھے خوب یاد ہے کہ جس سال آپ دورہ میں تھے اس موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں ایک غلطی واقع ہوگئی ہے لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں چلتا' ورنہ یہ اشکال سب کو پیش آنا چاہیے''۔ پھر فرمایا کہ ''صحیح عبارت اس طرح ہے''۔

مولانا نعمانی مدظلہم لکھتے ہیں:

''اللہ اکبر! یہ بات بھی یاد رہتی تھی کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات

---

[1] نفحۃ العنبر ص ۲۷ طبع مجلس علمی کراچی۔

فرمائی تھی"۔[1]

۱۱- حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ابوالحسن کذاب کے حالات کی ضرورت تھی، مجھے ان کی تاریخ نہ ملی۔ چنانچہ میں حسب معمول حضرت شاہ صاحبؒ کے در دولت پر پہنچ گیا۔ اس وقت مرض وفات اپنی آخری حد پر پہنچ چکا تھا اور دو تین ہفتے بعد وصال ہونے والا تھا۔ کمزور بے حد ہو چکے تھے، ابتدائی گفتگو کے بعد میں نے آنے کی غرض بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے! اور تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء یاد بھی نہ رہیں گے۔ نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لیے اتنا طویل و عریض مطالعہ کروں۔ بس آپ ہی اس شخص کی دروغ گوئی کے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرما دیں، میں انہی کو آپ کے حوالے سے جزو کتاب بنا دوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے سن وار بیان فرمائی شروع کر دی جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب و غریب واقعات بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان اس طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے تعجب آمیز لہجے میں عرض کیا کہ "حضرت! شاید کسی قریبی زمانے ہی میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی؟ سادگی سے فرمایا "جی نہیں! آج

---

[1] حیات انور ص ۱۳۹

سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا- خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کے لیے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آ گیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا' بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگئیں جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا'' [1]

۱۲- یہی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ تحریک خلافت کے دور میں جب امارت شرعیہ (عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنے) کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خان صاحب گورکھپوری نے اپنے بعض نقاط نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو ان کے نقطہ نظر کی تو مؤید تھی مگر مسلک جمہور کے خلاف تھی' یہ عبارت وہ لے کر خود دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اسے پیش کیا- تمام اکابر دارالعلوم حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرے میں جمع تھے- حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد ہی کر سکتے تھے کہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اسے قبول ہی کر سکتے تھے کہ مسلک جمہور کے صراحۃً خلاف تھی- یہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اسے کسی تاویل و توجیہ سے بھی مسلک جمہور کے مطابق نہیں دیکھا جا سکتا تھا-

حضرت شاہ صاحبؒ استنجاء کے لیے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کر کے واپس ہوئے تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق بن نہیں پڑتی- حضرت ممدوحؒ حسب عادت ''حسبنا اللہ'' کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا کہ اس عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے- درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے- اسی وقت کتب خانہ سے کتاب منگائی گئی- دیکھا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی- جوں ہی اس سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا عبارت کا

---

[1] حیات انور ص ۲۲۵ تا ۲۲۸

مطلب مسلک جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا[1]

۱۳- حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء میں اختلاف ہو گیا- فریقین نے حضرت شاہ صاحب کو حکم بنایا- حضرت شاہ صاحبؒ نے دونوں کے دلائل غور سے سنے- ان میں سے ایک فریق اپنے موقف پر فتاویٰ عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کر رہا تھا- حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

''میں نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے- اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے لہٰذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں''-[2]

ایسے علم و فضل اور ایسے حافظہ کا شخص اگر بلند بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اس قافلۂ رشد و ہدایت کے فرد تھے جس نے من تواضع للہ کی حدیث کا عملی پیکر بن کر دکھایا تھا- چنانچہ اسی واقعہ میں جب انہوں نے حضرت مولانا بنوری مدظلہم کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کے ساتھ ''الحبر البحر'' (عالم متبحر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ دیئے- حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا تو قلم ہاتھ سے لے کر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوری سے فرمایا:

''آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے''-[3]

پھر ایسا شخص جو ہمہ وقت کتابوں ہی میں مستغرق رہتا ہو اس کا یہ جملہ ادب و تعظیم کتب

---

[1] حیات انور ص ۲۲۹ تا ۲۳۰

[2] نفحۃ العنبر ص ۲۷

[3] حیات انور ص ۲۳۳

کے کس مقام کی نشان دہی کرتا ہے کہ:

''میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا' بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں''۔

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

''سفر و حضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں' بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے' گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں''۔

اور یہ بھی فرمایا کہ:

''میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا''۔[1]

۱۴- دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتداء دو ایسے بزرگوں سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبہ دیوبند کے باشندے تھے- ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے- راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے چھپا ہوا ہے اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے لکھوایا ہے- ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلباء نے اس پر تعجب کا اظہار کیا- وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام و نمود کی

---

[1] حیات انور ص ۲۴۳

خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سودا سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی کتاب (جو غالباً منطق یا اصول فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی، انہیں یہ فکر تھی کہ دورہ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہو جائے چنانچہ انہوں نے ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی، ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی میرے تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوئے ہیں صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے کے لیے بازار جاتا ہوں، یہ وقت خالی گزرتا ہے تم ساتھ ہو جاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھا دوں گا۔ احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کتاب بڑی اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور و مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھا سکتے تھے۔ مگر ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ راستہ میں، کچھ قصاب کی دوکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھا دی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی۔[1]

۱۵- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے، حضرتؒ طالب علمی کے زمانے ہی سے اپنی قوت استعداد، ذہانت و فطانت اور علم و عمل میں معروف تھے۔ لیکن جب ۱۳۰۰ھ میں آپ دار العلوم سے فارغ التحصیل ہوئے، اور دستار بندی کے لیے دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ منعقد کرنے کی تجویز ہوئی تو حضرت تھانویؒ اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] ''میرے والد ماجد'' مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۵۴، ۵۵

کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ ''حضرت! ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی اور سند فراغ دی جائے گی- حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں لہٰذا اس تجویز کو منسوخ فرما دیا جائے ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی''- حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ سن کر جوش آ گیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے' یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لیے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیے' باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی' جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے۔[1]

---

[1] اشرف السوانح ج ۱ ص ۳۲

سادگی اور مخلوق خدا کا خیال

۱۶- حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے- ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق ہیں- وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جا رہا تھا' بوجھ زیادہ تھا اور وہ بمشکل چل رہا تھا- حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا- اس بوڑھے نے ان سے پوچھا! ''اجی! تم کہاں رہتے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں''- اس نے کہا: ''وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں'' اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں' مگر مولاناؒ نے فرمایا: ''اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے' ہاں نماز تو پڑھ لے ہے''- اس نے کہا ''واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟'' مولاناؒ نے فرمایا: ''میں ٹھیک کہتا ہوں''- وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا' اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو مولاناؒ کو جانتا تھا' اس نے بوڑھے سے کہا ''بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی ہیں'' اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا-[1]

۱۷- انہی مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جس کسی

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۴۸ نمبر ۱۸۸

کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور طرہ یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے' عموماً چیزیں غلے کے عوض خریدی جاتی تھیں چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاءِ ضرورت خرید کر لاتے تھے۔[1]

۱۸- یہی حال دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ علم وفضل کا تو یہ عالم کہ آج ان کی ''عزیز الفتاویٰ'' عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لیے ماخذ بنی ہوئی ہے اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا۔[2] لیکن سادگی' تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے' بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے''۔[3]

راقم الحروف نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ہی سے زبانی سنا کہ اسی سودا سلف لانے میں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی:

۱- ارواح ثلاثہ ص۱۵۳ نمبر ۱۹۷

۲- نقوش وتاثرات: مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۳۴

۳- مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص ۴۳

''مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں' میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی''۔

چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔

۱۹- حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاد تھے' ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر میں ہزاروں ہوں گے' علوم قرآن وسنت کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق' مگر بہت کم گو' حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔

انہی کا واقعہ ہے کہ آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں' ہر سال برسات کے موقع پر اس کی لپائی تپائی ناگزیر تھی جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ راقم الحروف کے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم) نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ:

''حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں' اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کرلیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے اس محنت سے نجات ہو''۔

یہ سن کر فرمایا:

''ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی' ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا''۔

پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی اور تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے تھے؟ فرمایا کہ:

''میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں' اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے مکان پکے بنواؤں''۔

حضرت والد صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوسکتی' چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے''۔[1]

۲۰- انہی حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب مدظلہم ان کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آموں سے تواضع کی' جب آم چوس کر فارغ ہو گئے تو والد صاحب مدظلہم گٹھلیوں اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھا کر باہر پھینکنے کے لیے چلے' حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو پوچھا: ''یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے؟'' عرض کیا: ''چھلکے باہر پھینکنے جا رہا ہوں'' ارشاد ہوا ''پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟'' والد صاحب نے کہا کہ ''حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو؟'' فرمایا: ''ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں' لاؤ مجھے دو''۔ خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کیے' اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے معین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں۔ والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ:

''ہمارے مکان کے قرب و جوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں' زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے' اگر وہ پھلوں

---

[1] نقوش و تاثرات ص ۴۰

کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذاء دہی کا باعث میں بنوں گا اس لیے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گزرتے ہیں' یہ چھلکے ان کے کام آ جاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں' وہ ان گٹھلیوں کو بھون کر کھا لیتے ہیں' یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہر حال ایک نعمت ہیں' ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں''۔

راقم الحروف کے برادر مرحوم مولانا محمد زکی کیفی صاحب جو اس واقعے کے وقت موجود تھے' تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں' عموماً مہمانوں ہی کے لیے ہوتے تھے اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے' اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کر دینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں''۔[1]

۲۱- انہیں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جو کھانا گھر سے آتا تھا' خود تو بہت کم خوراک کھاتے تھے' باقی کھانا محلے کے بچوں کو کھلا دیتے تھے جو بوٹی بچ جاتی اس کو بلی کے لیے دیوار پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لیے اور دستر خوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہو۔[2]

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی- ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ص ۳۸' ۳۹ ج ا مضمون حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

[2] ماہنامہ البلاغ کراچی' ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ص ۳۹ ج ا

۲۲- شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کے عشاق اب بھی شاید لاکھوں سے کم نہ ہوں، ان کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ طلباء ان کے نام سے تھراتے تھے حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی معمول نہ تھا- والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم بھی ان کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اُن کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے، سفر کے آغاز میں مولاناؒ نے فرمایا کہ ''کسی کو اپنا امیر بنالو''- ہم نے عرض کیا کہ ''امیر تو متعین ہے'' مولاناؒ نے فرمایا: ''مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے لیکن امیر کی اطاعت کرنی ہوگی''- ہم نے عرض کیا ''ان شاء اللہ ضرور!'' اب جو روانگی ہوئی تو مولاناؒ نے اپنا اور ساتھیوں کا سامان خود اٹھا لیا- ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا: ''نہیں! امیر کی اطاعت ضروری ہے'' پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لیے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا تو اطاعت امیر کا حکم سناتے-

۲۳- حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خسر محترم جناب مولانا محمود صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ رام پور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت وریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا، اور تمام اکابر دیوبند سے اس کے تعلقات تھے- جب یہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دیوبند آئے تو ان کا قیام دیوبند کی ایک چھوٹی سے مسجد کے حجرے میں ہوا جو ''چھوٹی مسجد'' ہی کے نام سے معروف تھی- حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے- ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رام پوری کھڑے تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے دیوبند آنے کا حال معلوم نہ تھا، اس لیے ان سے پوچھا کہ کب آئے؟ کیسے آئے؟ انہوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے ایک حجرے میں

مقیم ہیں- حضرتؒ حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی- وہاں ان کے سونے کے لیے ایک بستر فرش ہی پر بچھا ہوا تھا' اس وقت تو حضرتؒ یہ دیکھ کر تشریف لے آئے لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رام پور کے رئیس زادے ہیں' انہیں زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے' چنانچہ گھر جا کر ایک چارپائی خود اٹھائی اور اسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف چلے' وہاں سے فاصلہ کافی تھا' لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ اسی حالت میں گلیوں اور بازار سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے- اس وقت مولانا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد سے نکل رہے تھے- یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ رحمۃ اللہ علیہ کو خیال آیا کہ یہ مجھے چارپائی اٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی تکلیف اٹھائی' چنانچہ انہیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا:

''لو میاں! یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ' میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں''۔[1]

❋ ❋ ❋

---

[1] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور ان کو خود حضرت مولانا محمود صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا-

انابت وتقویٰ

۲۴- اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کوانابت وتقویٰ کے ایسے سانچوں میں ڈھالا تھا کہ یہ "سِیْمَاهم فِیْ وُجُوْهِهِمْ" کی مثال بن گئے تھے- اور لوگ ان کے چہرے دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے- مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا' ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے' اردگرد خدام کا مجمع تھا' ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لیے آ رہے تھے' حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اور زاروقطار رونے لگے اور پھر یہ زیارت ہی ان کے ایمان کا ذریعہ بن گئی- وہ کہتے تھے کہ ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے"۔[۱]

۲۵- تمام اکابر دیوبند کا مشترک رنگ یہ تھا کہ وہ حروف ونقوش کے کتابی علم کو اس وقت تک اہمیت نہیں دیتے تھے جب تک اس کے ساتھ انابت الی اللہ اور صلاح و تقویٰ نہ ہو- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جب خانقاہ تھانہ بھون میں مدرسہ امدادیہ قائم فرمایا تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کو اس کی اطلاع دی' حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

"اچھا ہے بھائی' مگر خوشی تو جب ہو گی جب یہاں اللہ اللہ کرنے والے جمع ہو جاویں گے"۔[۲]

---

۱ انوار انوری ص ۴۰

۲ ارواح ثلاثہ ص ۲۲۴ نمبر ۳۲۷

۲۶- چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ہی انابت الی اللہ پر تھی، راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ:

''ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے کہ جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے- دارالعلوم اس زمانہ میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دارالعلوم کا طغرائے امتیاز تھا''۔[1]

۲۷- دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ اگرچہ ضابطے کے عالم نہ تھے لیکن حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور اس درجے کے بزرگ تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

''مولانا رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہی عالم ہیں اور وہ عالم نہیں، ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں''۔[2]

ان کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک گائے پال رکھی تھی جس کی دیکھ بھال ایک خادم کے سپرد تھی- ایک روز اتفاقاً وہ خادم کسی وجہ سے گائے کو مدرسہ کے صحن میں باندھ کر کسی کام کو چلا گیا- دیوبند کے باشندے کوئی صاحب ادھر آ نکلے، مولاناؒ کی گائے کو مدرسہ کے صحن میں دیکھا تو مولاناؒ سے شکایت کی کہ ''کیا مدرسہ کا صحن آپ کی گائے

---

[1] ''میرے والد ماجد'' از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مد ظلہم ص ۵۲

[2] اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۳۹

پالنے کے لیے ہے؟'' مولاناؒ نے ان سے کوئی عذر بیان کرنے کے بجائے یہ گائے دارالعلوم ہی کو دے دی اور قصہ ختم کر دیا' حالانکہ مولانا کا عذر بالکل واضح اور ظاہر تھا' مگر یہ حضرات اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کا پہلو اختیار ہی نہ کرتے تھے۔[1]

۲۸- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مہتمم تھے- جب دارالعلوم کا کام بہت زیادہ پھیل گیا تھا' طلباء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی- بہت سے نئے شعبے قائم ہو چکے تھے اور ان کا انتظام شبانہ روز مصروفیات کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن احقر نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے کہ اس دور میں بھی نماز اور تلاوت کے دیگر معمولات کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوتا تھا اور اللہ پر توکل کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان اٹھا اور بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جان کے بھی دشمن ہو گئے' ایسے حالات میں وہ رات کو دارالعلوم کی کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے' بعض بہی خواہوں نے عرض کیا کہ ایسے حالات میں آپ کو اس طرح نہ سونا چاہیے بلکہ احتیاط کے مدنظر کمرے کے اندر سونا چاہیے- مولاناؒ نے جواب میں فرمایا کہ: میں تو اس باپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا' لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے''۔[2]

یہ دیوبند کے وہ بزرگ ہیں جو خالص انتظامی کاموں میں مصروف تھے اور جیسا کہ انتظامی امور کا خاصہ ہے وہ بعض مرتبہ مورد اعتراض بھی بنے اور عموماً اولیاء اللہ

---

[1] ''میرے والد ماجد'' ص ۶۰

[2] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے- (م ت ع)

کی فہرست میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

۲۹- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم و تدریس کی محنت اٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل وذکر میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا' حضرتؒ کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے' یہاں تک کہ حضرتؒ کے پاؤں پر ورم آ جاتا اور حتی تورمت قدماہ کی سنت نبویہ نصیب ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کے اثر سے حضرتؒ کا ضعف بہت زیادہ ہو گیا' اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا۔ آخر مجبور ہو کر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولوی کفایت اللہ صاحب کو کہلایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کر دیجئے۔ حضرتؒ کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا اس لیے خوشی سے منظور کر لیا۔ تراویح ختم ہو گئی اور اندر حافظ صاحب لیٹ گئے اور باہر حضرت شیخ الہندؒ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے' انہوں نے ہوشیار ہو کر دیکھا تو خود حضرتِ شیخ الہندؒ تھے۔ ان کی حیرت و ندامت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن مولاناؒ فرمانے لگے کہ: ''نہیں بھائی' کیا حرج ہے؟ تمہاری طبیعت اچھی نہیں ذرا راحت آ جائے گی''۔[1]

۳۰- حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات پہلے بھی آ چکے ہیں' ان کا علم و فضل اور حیرت انگیز حافظہ اس قدر مشہور ہوا کہ ان کی دوسری خوبیاں اس میں گم ہو گئیں

---

[1] حیات شیخ الہندؒ۔ از مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ص ۱۸۹

ورنہ انابت وتقویٰ اور سلوک وتصوف میں بھی انہیں ممتاز مقام حاصل تھا۔
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم سے انہوں نے خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آ رہا تھا۔ راستہ میں ایک صاحب مل گئے جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے' ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں پڑتا تھا۔ اس لیے میں نے بھی ارادہ کرلیا۔ ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام سے پیش آئے' کچھ باتیں ہوئیں' پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا ''میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں''۔ انہوں نے توجہ دینی شروع کی' اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا' کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا:

> ''کچھ نہیں ہے' لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک کرشمہ ہے ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں' اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں۔ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے''۔[1]

---

[1] حیات انور ص ۱۵۵ تا ۱۵۷

تبلیغ و دعوت کا انداز

۳۱- اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جہاں تبلیغ و دعوت دین کا جذبہ عطا فرمایا تھا وہاں اسے ''حکمت'' اور ''موعظہ حسنہ'' کے اصول پر انجام دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی- حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا تذکرہ پہلے بھی آ چکا ہے- ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کا گزر جلال آباد یا شاملی سے ہوا- وہاں ایک مسجد ویران پڑی تھی' آپ نے پانی کھینچ کر وضو کیا' مسجد میں جھاڑو دی اور بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی ہیں اور رنڈی باز ہیں' اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں-

مولاناؒ یہ سن کر خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے' وہ نشہ میں مست تھے اور رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی- مولاناؒ نے ان سے فرمایا: ''بھائی خان صاحب! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں! اور یہ مسجد آباد ہو جائے''- خان صاحب نے کہا کہ مجھ سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دو بری عادتیں چھٹتی ہیں- آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب نہیں چھوٹتی تو وہ بھی پی لیا کرو- اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ لیا کروں گا- آپ وہاں سے تشریف لے گئے' کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے- ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ سے دو باتیں ایسی سرزد ہوئیں جو کبھی نہ ہوئی تھیں' ایک یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی- دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے- فرمایا کہ: ''سجدے میں' میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت! کھڑا تو میں نے کر دیا' اب دل تیرے

ہاتھ میں ہے''۔ چنانچہ ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا' اپنا عہد یاد آیا' پھر خیال آیا کہ آج پہلا دن ہے' لاؤ غسل کر لیں' کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے۔ چنانچہ غسل کیا' پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد باغ کو چلے گئے۔ عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی' مغرب کے بعد گھر پہنچے تو ایک طوائف موجود تھی۔ پہلے کھانا کھانے گھر میں گئے۔ وہاں جو بیوی پر نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ باہر آ کر رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔[1]

۳۲۔ امیر شاہ خان صاحب (مرحوم) راوی ہیں کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا۔ اس زمانہ میں مطبع میں مولانا نانوتویؒ بھی ملازم تھے۔ اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے۔ زنانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ ڈاڑھی چڑھاتے تھے۔ نماز کبھی نہ پڑھتے تھے۔ مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کی نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے کنگھا کرتے تھے اور وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے غرض بہت گہرے دوست تھے۔ مولانا کے بعض دوست ایسے آزاد شخص کے ساتھ مولانا کی دوستی سے ناخوش تھے' مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو جب نہلا چکے تو مولانا نے فرمایا حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو میرا رنگ اور' اس لیے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کر لیتا ہوں تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھاؤ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۵۰' ۱۵۱ نمبر ۱۹۱

اتاروں گا نہ ڈاڑھی۔ وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیں چنانچہ مولانا نے ان کو کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔[1]

۳۳- دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب جن کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے' ایک مرتبہ انہوں نے محسوس کیا کہ بعض حضرات مدرسین دارالعلوم کے مقررہ وقت سے کچھ دیر میں آتے ہیں تو آپ نے حاکمانہ محاسبہ کے بجائے یہ معمول بنا لیا کہ روزانہ کو دارالعلوم کا وقت شروع ہونے پر دارالعلوم کے دروازے کے قریب ایک چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھ جاتے اور جب کوئی استاد آتے تو سلام ومصافحہ اور دریافت خیریت پر اکتفاء فرماتے زبان سے کچھ نہ کہتے کہ آپ دیر سے کیوں آئے۔ اس حکیمانہ سرزنش نے تمام مدرسین کو وقت کا پابند بنا دیا البتہ صرف ایک مدرس اس کے بعد بھی کچھ دیر سے آتے تھے ایک روز جب وہ وقت مقررہ کے کافی بعد مدرسہ میں داخل ہوئے تو سلام اور دریافت خیریت کے بعد انہیں پاس بٹھا کر فرمایا:

"مولانا! میں جانتا ہوں کہ آپ کے مشاغل بہت ہیں ان کی وجہ سے دارالعلوم پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے ماشاء اللہ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اور میں ایک بے کار آدمی ہوں خالی پڑا رہتا ہوں آپ ایسا کریں اپنے گھریلو کام مجھے بتلا دیا کریں میں خود جا کر ان کو انجام دے دیا کروں گا تا کہ آپ کا وقت تعلیم کے لیے فارغ ہو جائے"۔

اس حکیمانہ طرز خطاب کا اثر ہونا تھا وہ ہوا اور وہ مدرس بھی آئندہ ہمیشہ کے لیے وقت

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۲۴۷ نمبر ۲۲۶

کے پابند ہو گئے۔[1]

۳۴۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاح خلق کی توفیق خاص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔ اردو کے مشہور شاعر جناب جگر مرادآبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے حضرت تھانویؒ سے ذکر کیا کہ جگر مرادآبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا اس لیے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں؟ حضرت نے خواجہ صاحب سے پوچھا پھر آپ نے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا ہاں یہ تو صحیح ہے ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ''واہ خواجہ صاحب ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں مگر معلوم ہوا ہے کہ ہمارا خیال غلط تھا''۔ خواجہ صاحب کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیتے کہ ''جس حال میں ہو اسی میں چلے جاؤ ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے''۔

چنانچہ خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہو گئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنایا انہوں نے حضرت کے یہ کلمات سن کر زار زار رونا شروع کر دیا اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے حالت نازک ہو گئی۔ اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں بقدر ضرورت پینے کی تو شریعت

---

[1] ''میرے والد ماجد'' از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص ۵۹

بھی اجازت دے گی- لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس ام الخبائث کو ہاتھ نہ لگایا- اللہ تعالیٰ اہل عزم وہمت کی مدد فرماتے ہیں اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفاء کامل حاصل ہوئی اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا-[1]

۳۵- غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرت تھانوی کا بیان ہوا وہاں آپ نے فرمایا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو جو شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ صرف نصاب تعلیم کا ہی قصور نہیں بلکہ اس کا بڑا سبب وہ لادینی ماحول ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور ڈھلتی ہے- اس کا علاج یہ ہے کہ بزرگ علماء وصلحاء کی مجلسیں بحمد اللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں-

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں البتہ ان کے بعض اعمال وافعال سے نفرت ہے جو شریعت کے خلاف ہیں- یہ صاحب بولے وہ اعمال وافعال کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ "مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں سب یکساں نہیں" یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے کہنے لگے کہ "مثلاً مجھ میں کیا ہیں؟" آج کل کے عام وضع طلباء کی طرح ان کی بھی ڈاڑھی نہیں تھی حضرت نے فرمایا "بعض چیزیں تو ظاہر ہیں مگر مجمع میں اس کا اظہار کرنے سے حیاء مانع ہے اور آپ کے باقی حالات و معاملات مجھے معلوم نہیں جس پر کوئی رائے ظاہر کر سکوں"- یہ جلسہ ختم ہوا حضرت تھانہ بھون واپس آ گئے پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب علم کا خط آیا خط میں لکھا تھا کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے میں آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں مگر میری

---

[1] مجالس حکیم الامت، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۵۸

ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں اور اعمال و افعال میں بھی بہت گڑ بڑ ہے۔ ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرتؒ نے تحریر فرمایا جس حالت میں ہیں چلے آئیں فکر نہ کریں۔ یہ صاحب آ گئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات و اشکالات ہیں ان کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر ان کی صورت یہ کرنی ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں کوئی سوال نہ کریں جب آپ کی مدت قیام کے تین دن رہ جائیں اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کا مستقل وقت دوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو سوالات آپ لکھ کر رکھیں گے اس عرصہ میں کسی سوال کا جواب سمجھ میں آ جائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور جب رخصت سے تین روز پہلے حضرت نے سوالات کا وقت دیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دوران قیام اکثر سوالات کے جواب خود سمجھ میں آ گئے ان کو کاٹتا رہا اب صرف چند سوال باقی ہیں چنانچہ یہ سوالات انہوں نے پیش کیے اور حضرت سے ان کے جوابات پا کر ہمیشہ کے لیے مطمئن ہو گئے۔[1]

***

---

[1] مجالس حکیم الامت: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۰-۶۲

مخالفین سے سلوک

۳۶- اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے بھی بداخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے نہ ان کی تردید میں دل آزار اسلوب کو پسند کرتے تھے اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے بلکہ جہاں تک ہو سکتا بداخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی و خیرخواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خادم خاص حضرت امیر شاہ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چونکہ وہ مخالف مسلک کے تھے اس لیے) میری زبان سے (طنز کے طور پر) بجائے فضل رسول کے فصل رسول نکل گیا مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ ''لوگ ان کو کیا کہتے ہیں؟'' میں نے کہا ''فضل رسول'' آپ نے فرمایا تم فصل رسول کیوں کہتے ہو؟ حضرت تھانویؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ حضرات تھے جو لا تلمزوا انفسکم و لا تنابزوا بالالقاب کے پورے عامل تھے حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی''۔[1]

۳۷- بریلی کے مولوی احمد رضا خان صاحب نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے' ان فرشتہ خصلت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حضرت

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۷۵-۲۲۸

گنگوہیؒ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے فرمایا کہ ان کی تصنیفیں ہمیں سنا دو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہیں اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:

''اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں''۔[1]

اللہ اکبر یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کر لیا جائے۔

۳۸- مولانا محمود صاحب رام پوری (جن کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے' میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آ گیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا اس کو ایک چارپائی دے دی گئی۔ جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے' میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے شروع کیے۔ وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۲۱۱-۳۰۸

سوئے یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس کی خدمت انجام دوں گا مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔[1]

۳۹- مولانا احمد احسن صاحب پنجابی مدرس کانپور نے ''ابطال امکان کذب'' میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کر کے شائع کیا جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو فرقہ ضالہ مزداریہ میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کر دیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے تو اکابر دین کی نسبت زبان درازی کی انتہاء کر دی- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کو یہ رسالہ دیکھ کر طیش تو بہت آیا لیکن علم وتقویٰ کا مقام بلند ملاحظہ فرمایئے گا کہ غیظ وغضب کے جذبات کو پی کر ارشاد فرمایا:

''ان گستاخ لوگوں کو برا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جا سکتا اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دل ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور بے قصور ہیں''۔[2]

۴۰- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے امت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاج بیان نہیں- حضرتؒ کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں اور اصلاح وتربیت کے لیے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں-

ایک مرتبہ جون پور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا- وہاں بریلوی حضرات کا خاصا مجمع تھا آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں دو چار باتیں کہی گئی تھیں ایک تو یہ کہ تم جولاہے ہو دوسرے یہ کہ جاہل ہو تیسرے یہ کہ کافر ہو اور چوتھے یہ کہ

---

۱ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۵-۴۳۲

۲ حیات شیخ الہندؒ از حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ص ۱۸۳

سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت تھانویؒ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ "یہ جو لکھا ہے کہ تم جولا ہے ہو تو اگر میں جولاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ میں یہاں کوئی رشتہ ناتے کرنے تو نہیں آیا؟ احکام الٰہی سنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرما دیا سب قومیں اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال و اخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں ان سے تحقیق کر لیجئے معلوم ہو جائے گا میں جولاہا ہوں یا کس قوم کا؟ اور اگر مجھ پر اطمینان نہ ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جولاہا نہیں ہوں، رہا جاہل ہونا اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کرتا ہوں اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اس پر عمل نہ کرے۔ اور کافر ہونے کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل و قال کی حاجت نہیں میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله.

اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا تو لیجئے اب نہیں رہا۔ آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے۔

قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رکتا بھی نہیں اس لیے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیجئے اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روکے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کر دوں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انہیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔ یہ سن کر ایک معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا کڑک کر بولے "یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے آپ وعظ کہئے آپ کیسے فاروقی ہیں؟" حضرت نے فرمایا:

"میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جولا ہے سمجھتے ہیں"۔

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجئے مسجد کا تو احترام کیجئے۔ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بڑے زور شور کا وعظ ہوا اتفاق سے دوران وعظ میں بلا قصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم و بدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والا نے بلا خوف لومۃ لائم خوب ہی رد کیا لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ چاہیں تو وعظ روک دیں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے کیونکہ اس وقت تصوف کے رنگ پر

بیان ہو رہا تھا لیکن جب ردِ بدعات پر ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا کیوں کہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی انہوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر سے اتار دیا لیکن اس وقت انہوں نے دم نہیں مارا چپکے بیٹھے سنتے رہے لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑھے اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والا نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والا نے ان معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی ورنہ میں احتیاط کرتا' میں نے تو جو بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا مگر اب کیا ہو سکتا ہے اب تو بیان ہو چکا ہے ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہہ دیجئے کہ صاحبو اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہے گی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے جب بہت شور و غل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

''صاحب ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں میں آج مچھلی شہر جا رہا ہوں اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں کہ جنہوں نے خط بھیجا ہے وہ میرے بیان کا رد کرا دیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے فساد کی ہرگز ضرورت نہیں''۔

پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے جو بدعتی خیال کے ہونے کے باوجود حمایت کے لیے

آگے بڑھے تھے کھڑے ہوکر فرمایا کہ:

''صاحبو! آپ جانتے ہیں کہ میں مولود یہ بھی ہوں، قیامیہ بھی ہوں مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے''۔[1]

۴۱- احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا تھا اہل بدعت نے اس کا جو رد لکھا اس میں انہیں کافر قرار دیا- اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے ؎

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے راجزا باشد دروغے[2]

انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعری لطافت کی تو تعریف کی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ تم نے ان کو لطافت کے ساتھ ہی سہی کافر تو کہہ دیا حالانکہ فتویٰ کی رو سے وہ کافر نہیں ہیں، اس لیے ان اشعار میں اس طرح ترمیم کرلو-

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانہ بود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش

---

[1] اشرف السوانح ج ۱ ص ۶۸-۷۲

[2] تم نے مجھے کافر کہا، مجھے اس کا غم نہیں کیونکہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا- میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا، کیوں کہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے-

دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مومنی فبہا وَاِلَّا
دروغے راجزا باشد دروغے[1]

یہ چند واقعات ہیں جو کسی خاص اہتمام اور تحقیق وجستجو کے بغیر زیر قلم آ گئے۔ اس مختصر مضمون میں اس قسم کے واقعات کا احاطہ مقصود نہیں، اگر کوئی بندۂ خدا مزید تحقیق و جستجو اور مطالعہ کے بعد ان حضرات کے ایسے واقعات یکجا کر دے تو علم و دین کی بڑی خدمت ہو لیکن مذکورہ چند واقعات اکابر دیوبند کے حسن و جمال کی ایک جھلک دکھانے کے لیے امید ہے کافی ہوں گے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَ اٰخِرًا.

احقر محمد تقی عثمانی

✲ ✲ ✲

---

[1] ''تم نے مجھے کافر کہا، مجھے اس کا غم نہیں کیوں کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا اور تلخی کا جواب شیرینی سے دوں گا۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو خیر ورنہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(مختصر جائزہ)

دارالعلوم دیوبند نے کیا دیا؟

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جن رحمت بھرے ہاتھوں نے رکھی ان کی روحانی عظمت کا خود یہ شاہکار واضح نشان ہے ان کے خلوص نے بارگاہِ بے نیاز میں جو رنگ قبول پایا اسی کے نتیجے میں آج یہ اسلامی یونیورسٹی نہ صرف ہندو پاکستان میں مشہور ہے بلکہ اس کے فیض کے چشمے تمام دنیائے اسلام میں بہہ نکلے یوں تو آپ کو مصر میں جامعہ ازہر جیسا مرکز علم دیکھنے میں آسکتا ہے جس کو اسلامی سلطنت کی سرپرستی ہمیشہ سے حاصل رہی ہے لیکن روحانیت اور علمیت کا بہترین امتزاج جو آپ کو سرزمین دیوبند کے اس دارالعلوم میں ملے گا وہ دنیا کے کسی علمی ادارے میں ڈھونڈنے سے بھی آپ نہ پاسکیں گے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ایسے رحمت بھرے ہاتھوں نے ڈالی جس کو قدرت نے رنگ قبول بخش کر بقائے دوام کا تاج اس کے سر پر رکھا اور جس طرح یہ سدا بہار پھول عہد فرنگ میں کھلا تھا اسی طرح عہد برہمن میں بھی تروتازہ اور شاداب ہے وہ رحمت بھرے ہاتھ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے تھے جنہوں نے اس کی بنیاد ڈالی شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ اور دیگر اولیائے کرام کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اور قطب الارشاد امام ربانی مولانا رشید

احمد گنگوہیؒ کی سرپرستی کا پھل تھا جو حضرت نانوتوی قدس سرہ کے بعد عمل میں آئی' نیز حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ جیسے ولی کامل مہتمم اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جیسے متقی اولین شیخ الحدیث اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے بزرگوں کی برکتوں کا ثمرہ ہے۔

یوں تو دارالعلوم دیوبند نے ہزاروں عالم پیدا کیے لیکن اگر وہ صرف ایک ہی یگانہ روزگار' امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسا عظیم الشان عالم پیدا کر کے مستقبل کے لیے بند ہو جاتا تو پھر بھی لاکھوں ستاروں سے زیادہ منور شمس علامہ انور کافی تھا' لیکن آگے دیکھئے کہ دارالعلوم نے مفتی اعظم ہند مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقیہ النفس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے مجدد اعظم' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مفسر و متکلم' مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی جیسے ادیب و مفکر' مولانا سید حسین احمد مدنی جیسے عالم و محدث' مفتی کفایت اللہؒ صاحب جیسے ثانی شامی' مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے ولی کامل' مولانا عبید اللہ سندھی جیسے دیدہ ور مبصر' مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے ادیب' مولانا مرتضیٰ حسنؒ جیسے مناظر' مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقیہ و محدث' مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے فلسفی' مولانا رسول خان ہزارویؒ جیسے منطقی' مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ جیسے فقیہ و مفسر' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے محدث و مفسر' مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجرؒ مدنی جیسے محدث عالم' مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے مؤرخ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ جیسے عارف' مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ جیسے مخدوم و عارف اور علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ جیسے فاضل و متکلم پیدا کیے کوئی بتائے کہ آسمان دارالعلوم دیوبند کے علاوہ کوئی اور ایسا آسمان ہے جس پر ان جیسے آفتاب و ماہتاب چمکتے ہوں اور سرزمین دارالعلوم سے بڑھ کر اور کوئی سرزمین ایسی ہے جہاں ایسے سدا بہار پھول کھلے ہوں' بلاشبہ آج دنیائے اسلام میں ان ہی حضرات کی دھوم ہے اور ان ہی کا چرچا ہے ان میں ہر شخص ایک انجمن کی

حیثیت رکھتا ہے۔

دارالعلوم نے مسلمانوں کو کیا دیا اور اس کی شہرت کو چار چاند کیسے لگے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو علم، عمل، اخلاص، ادب اور سیاست سے مالا مال کیا اور ہر ہر پہلو اور ہر ہر کروٹ پر ان کے لیے رہنمائی اور رہنمائی کا سامان فراہم کیا، اب اہل انصاف خود فیصلہ فرمائیں کہ جس دارالعلوم نے ہر ہر قدم پر مسلمانوں کی رہنمائی کی اور ان کو علم و عمل، اخلاص اور ادب و سیاست سے آراستہ کیا اس سے بڑھ کر دارالعلوم دیوبند کا اور کیا شاہکار ہوسکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''شریعت کے تین جزو ہیں علم عمل اور اخلاص جب تک یہ تین جزو موجود نہ ہوں شریعت کا وجود نہیں ہوتا اور جب ان تینوں کے وجود سے شریعت وجود میں آ گئی تو خدائے پاک و بلند کی رضا حاصل ہوگئی جو تمام دنیوی و دینی نیک بختیوں سے بھی زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سب سے زیادہ نعمت ہے''۔ دارالعلوم نے بقول حضرت مجدد الف ثانی علم، عمل اور اخلاص سے مزین علماء پیدا کر کے دنیائے اسلام میں شریعت کو قائم کیا اور شریعت قائم کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سامان پیدا کیا جو دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے اور اسی لیے اکبر الہ آبادی مرحوم نے دیوبند کو دل روشن کہہ کر پکارا ہے۔

دارالعلوم نے علم کیونکر دیا اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اس گہوارۂ علم سے بہترین اہل ہنر پیدا ہوئے اور علم کے زیور سے آراستہ ہو کر دنیائے اسلام کے کونے کونے میں پہنچے اور جہاں جہاں پہنچے انہوں نے اپنے علم کے چراغ سے اور ہزاروں چراغ روشن کیے اور لاکھوں ارباب علم پیدا کیے اور یوں یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ آج دارالعلوم کی ہزاروں شاخیں مثلاً مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ عربیہ قاسمیہ مراد آباد، امروہہ، میرٹھ، گلاوٹھی، رڑکی، مظفرنگر، تھانہ بھون، دہلی، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، افغانستان، برما، انڈونیشیا، فلپائن، ڈابھیل اور پاکستان میں دارالعلوم کراچی، جامعہ اشرفیہ لاہور، دارالاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، مدرسہ خیر المدارس ملتان، جامعہ العلوم الاسلامیہ کراچی، جامعہ

رشیدیہ ساہیوال' جامعہ مدنیہ لاہور' اشرف المدارس کراچی' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' غرض یہ کہ جہاں جہاں فضلائے دیوبند پہنچے وہاں وہاں انہوں نے مدارس دینیہ قائم کر ڈالے اس طرح انہوں نے علوم وفنون کے ہر جگہ دریا بہائے پھر جامع مسجدوں میں خطابت کے ذریعہ علم وتبلیغ کے چشمے جاری کئے' پنڈالوں اور جلسوں میں اپنے وعظوں سے لوگوں میں علوم دینیہ پھیلائے۔

سرکاری اور دولتی یونیورسٹیوں کالجوں اور اسکولوں میں ہر جگہ آپ الحمدللہ دارالعلوم کے فاضل پائیں گے جو اپنی اپنی جگہ علم وتبلیغ کی شمعیں روشن کیے رہے اور کیے ہوئے ہیں اور جہاں مغربی اثرات نے مسلمان طلباء کے دلوں پر اپنے سکے جمائے ہوئے ہیں وہاں یہ حضرات علماء دیوبند دینی دفاع میں مصروف عمل ہیں۔ مدارس عربیہ قائم کرنے کے علاوہ دارالعلوم کے فضلاء نے تصنیفات وتالیفات کا بھی ایک زبردست ذخیرہ پیدا کیا ہے' علم شریعت' روحانیت وطریقت' زبان اور سیاست میں بہت سی کتابیں لکھیں اور اس طرح دنیائے اسلام کی زبردست خدمات انجام دیں اور علوم دینیہ پھیلانے میں بڑی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی آب حیات' تقریر دلپذیر' حجۃ الاسلام' ہدیہ شیعہ وغیرہ' قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فتاویٰ رشیدیہ' کوکب دری' زبدۃ المناسک' سبیل الرشاد' تصفیۃ القلوب' امداد السلوک وغیرہ' شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا ترجمہ قرآن مجید اردو زبان کا عظیم شاہکار ہے اور سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء کے تفسیری فوائد بہترین تفسیری فیضان ہے۔

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی لاجواب کتاب فیض الباری شرح بخاری' شرح ترمذی' عقیدۃ الاسلام' مشکلات القرآن' اکفار الملحدین اور خاتم النبیینؐ وغیرہ وغیرہ۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات تقریباً ڈیڑھ ہزار ہیں۔ ان

میں سے تفسیر بیان القرآن' قرآن کریم کا نہایت سادہ با محاورہ ترجمہ اور فوائد تفسیر یہ' بہشتی زیور' البوادر النوادر' اصلاح الرسوم' نشر الطیب' الافاضات الیومیہ وغیرہ علمی شاہکار ہیں- شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی فتح الملہم شرح مسلم دنیائے اسلام اور حنفیت کا بہترین عربی شاہکار' قرآن کریم کے بے نظیر پر مغز اور ادیبانہ مقبول عوام و خواص تفسیر عثمانی' العقل والنقل' اعجاز القرآن' الاسلام' الشہاب الروح فی القرآن اور شرح بخاری اردو عظیم علمی شاہکار ہیں-

مجاہد اسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نقش حیات اور مکتوبات وغیرہ اور اسیر مالٹا وغیرہ مشہور ہیں- فخر الاسلام مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب' دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا' اور تعلیمات اسلامیہ سہ حصص' القصیدۃ الاسلامیہ وغیرہا زیادہ مقبول ہیں-

فقیہ النفس مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ضخیم اور مبسوط جلدوں میں علمی شاہکار ہیں- عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کی تصنیفات میں مفید الوارثین' حیات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ' فتاویٰ محمدی کامل' الجواب المتین' مولوی معنوی اور حیات خضر وغیرہا-

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی سینکڑوں تالیفات کے علاوہ ''اعلاء السنن'' بیس ضخیم جلدوں میں احکام القرآن دو جلدوں میں' فتاویٰ امداد الاحکام' القول المنصور فی ابن المنصور وغیرہ شہرۂ آفاق تالیفات ہیں اور اکابر علماء کرامؒ سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں-

محقق الاسلام مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تدوین حدیث' سوانح قاسمی' سوانح ابوذر غفاری' اسلامی معاشیات' النبی الخاتمؐ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی زیادہ مقبول ہیں-

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی فتاویٰ دارالعلوم

دیوبند' احکام القرآن' ختم نبوت' الحیلۃ الناجزہ' جواہر الفقہ اور تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں شہرۂ آفاق تالیفات ہیں اور صدقہ جاریہ ہیں ان کے علاوہ سینکڑوں علمی شاہکار ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشکوٰۃ کی بے نظیر شرح عربی زبان میں عقائد اسلام "تفسیر معارف القرآن" سیرت المصطفیٰ ﷺ" اور علم الکلام علمی شاہکار ہیں۔

بدر العلماء مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ترجمان السنۃ شاہکار تالیف ہے اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی کی اسلام کا اخلاقی نظام' انسانیت کا امتیاز اور عقائد اسلام زیادہ مشہور ہیں۔ بہرحال اشاعت علوم وفنون میں علمائے دیوبند کی قابل قدر خدمات ہیں۔

دارالعلوم نے دنیائے اسلام کو علم کے علاوہ عمل دیا اور دوسری اہم مقصود بالذات چیز جو دارالعلوم دیوبند نے دنیا کو بخشی وہ عمل ہے یعنی دارالعلوم اور اس کے سرپرست' اس کے مدرسین' اس کے فضلاء دنیا کے گوشے گوشے میں علم کے ساتھ اپنا عمل لے کر پہنچے اور انہوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت کے ساتھ عمل کی دعوت دی اور بہت سے علماء نے رشد و ہدایت کے مسند پر بیٹھ کر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو اسلام کے احکام نماز' روزہ حج زکوٰۃ پر عمل کرنے کا جذبہ بخشا اور ان کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا اس سلسلے میں آپ خصوصی طور پر ہمارے اس بیان کو حقیقت کی نظروں سے پڑھیے کہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اپنے مرکز روحانی خانقاہ تھانہ بھون اور مکہ معظمہ سے ہزاروں علماء اور خواص وعوام کو مخلص مومن بنا دیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ 'حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ 'حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم

رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا مفتی محمد حسین امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری' حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے ظاہری علوم کے ساتھ باطنی اور روحانی علوم کے مدارس کھول رکھے تھے- اور جنہوں نے لاکھوں بندگان خدا کو عمل کی راہ پر گامزن کیا اور روحانیت کا درس دے کر صحیح معنی میں ان کو بندۂ عمل بنا دیا' گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ' تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور رائپوری رحمۃ اللہ علیہ خانقاہیں اور ان فرشتہ نما انسانوں کی یادگاریں ہیں جن کے قدموں میں فرشتے اپنے پر بچھاتے تھے- علمائے دیوبند میں آپ عمل اور ان کے ذریعہ عوام وخواص میں عمل کی قوت کا ایک جذبۂ خاص آپ محسوس کریں گے جو دوسری جگہ مشکل سے آپ کو ملے گا' ان بزرگوں نے وہ کچھ کیا جو نبوت کا منشاء یعنی تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب تھا-

ایک تیسری چیز علم وعمل کے علاوہ جو دارالعلوم اور اس کے اکابر نے دنیائے اسلام کو بخشی وہ احسان' اخلاص اور تقویٰ تھا چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اب تک دارالعلوم میں ہر چھوٹے اور بڑے کا یہ جذبہ رہا ہے کہ تبلیغ دین کو انہوں نے خالص اللہ کے لیے اپنا مطمع نظر بنائے رکھا' ان کے ہر دینی عمل میں خلوص اور للّٰہیت رہی ہے انہوں نے کبھی نمائش ونمود کے لیے دین کی خدمات انجام نہیں دیں' وہ کم علم اور دنیا دار پیروں اور مولویوں کی طرح جبہ ودستار سے مزین ہو کر عوام کو محصور کرنے سے مجتنب اور متنفر رہے ہیں' انکساری وتواضع' عاجزی اور فروتنی ان کی امتیازی شان رہی ہے' انہوں نے اپنے آپ کو کبھی مسجود خلائق نہیں بنایا' کبھی عوام سے سجدے نہیں کرائے نہ دست بوسی اور قدم بوسی کی عوام سے امید رکھی' نہ محراب ومنبر پر خفیف الحرکاتی ان کا شیوہ رہا' تقاریر میں اشعار بھی پڑھے تو تحت اللفظ یہی اخلاص کا ثمرہ تھا کہ بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے وصیت میں فرمایا کہ دارالعلوم کے لیے غرباء و عوام کی اعانت پر نظر رکھی جائے اور توکل کو پورے طور پر عمل میں لایا جائے چنانچہ کئی

دفعہ ایسا بھی ہوا کہ دارالعلوم کے خزانے میں ایک پیسہ بھی نہ ہوتا لیکن فوراً ہی قدرت کوئی انتظام کر دیتی تھی- اس کے مالی کام میں کبھی بھی رخنہ نہیں پڑا-

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے دو حصے ہو گئے ڈر تھا کہ اس نازک دور میں دارالعلوم کو مالی نقصان نہ پہنچ جائے لیکن بحمد للہ اب پہلے سے زیادہ آمدنی ہے مگر سب کام توکل پر چل رہا ہے یہ اخلاص ہی کا نتیجہ تھا اور ہے کہ اکابر دیوبند نے ہزاروں روپیہ ماہوار کی تنخواہوں کو ٹھکرا کر چالیس پچاس اور ساٹھ روپیہ ماہوار پر دارالعلوم میں اپنی زندگیاں ختم کر دیں' طلباء کو پرائیویٹ پڑھانے پر کوئی معاوضہ لینا سخت عیب سمجھا جاتا ہے بہر حال دارالعلوم نے اپنے فرزندوں میں اللہ کے لیے کام کرنے کا جذبہ بخشا اور خلق اللہ کی خدمات انجام دیں' وہ اپنی نظروں میں مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے سوا کسی کو جگہ نہ دیتے تھے اور جیسا کہ علامہ رشید رضا نے کہا کہ دارالعلوم کے علماء بہت زیادہ خود دار ہیں' بس اسی کام کا نام خلوص اور تقویٰ ہے- رسالہ مصطلحات صوفیائے کرام میں اخلاص کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے' کہ

''اخلاص یہ ہے کہ غیر حق سے (صوفی) مبرا ہو جائے اور مخلوق سے ہر معاملے میں (اللہ کے سوا) بے پروائی برتے''-

یہی حقیقت تھی کہ دیوبند کے اکابر اور وہاں کے تعلیم یافتہ فضلاء کبھی حکومت فرنگ کے سامنے نہیں جھکے ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ جمعیت الانصار اور ریشمی رومال کی تحریک کے باعث لندن کی پارلیمنٹ میں دارالعلوم کو بند کر دینے کا فیصلہ کر دیا گیا لیکن دارالعلوم نے اس کو چیلنج کیا اور بالآخر اس کو فتح نصیب ہوئی اور الحمدللہ کہ فرنگی کا راج کل ہندوپاک سے چلا گیا مگر دارالعلوم اپنی جگہ آج بھی رہی آب و تاب اور شان و شوکت سے قائم ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ قائم رہے گا-

دارالعلوم کے اکابر میں اگر خلوص کی بجائے حرص و طمع ہوتی تو وہ حکومت فرنگ کی گرانٹ قبول کر لیتے' لیکن انہوں نے سلطنت برطانیہ سے امداد کی خواہش تو کجا

خود حکومت کی امداد دینے کی خواہش اور درخواست کو بھی ٹھکرا دیا اور ابھی تک برہمنی راج میں بھی وہ اپنے سرپر وقار کو بلند کیے ہوئے ہیں اور بزبان حال حضرت علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر پر عمل پیرا ہیں ۔

جس کی دنیا میں نہ دیکھا میں نے فرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

بلکہ اقبال کے دوسرے شعر پر دارالعلوم کی مصلحت آمیز نظر رہی ۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی وہ بات
تو جھکا گر غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

لہٰذا دارالعلوم دیوبند نے اپنے اخلاص کی خاطر اپنے من تن سر اور آنکھ کو غیروں کے سامنے کبھی نہیں جھکایا' بس اسی اخلاص وتقویٰ پر دارالعلوم دیوبند کاربند ہے اور یہی اخلاص اس نے اپنے فضلاء اور متعلقین کو بخشا ہے' گویا دارالعلوم نے علم' عمل اور اخلاص یعنی تقویٰ دے کر جو کہ اسلام میں مقام احسان ہے- حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قول کے مطابق اپنے طلباء' علماء اور متعلقین کی شریعت کو مکمل کر دیا اور جس کی شریعت مکمل ہوگئی اس سے خدا اور رسول راضی ہو گئے' ورضوان من اللہ اکبر' اور ولایت کا مقام حاصل کیا' اسی لیے بقول حضرت مولانا محمد یٰسین دیوبندی قدس سرہٗ' دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس و مہتمم اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ خادم تک ولی کامل تھا اور یہاں کا ہر عالم و فاضل ایک عارف اور متقی ہوتا ہے' کیونکہ دارالعلوم کی بنیاد ہی اخلاص وتقویٰ پر رکھی گئی جس کی وجہ سے وہ مقبول خاص و عام ہوا اور یہی خلوص وعمل وراثت میں وہاں فضلاء وعلماء کو ملا' اور یہ حقیقت ہے کہ اکابر دیوبند کے عمل' علم اور خلوص کا مقابلہ کسی دوسرے ادارے کا کام نہیں' اور ان حضرات کی مثال سے دنیا خالی ہے-

حق تعالیٰ ہمیں اپنے اسلاف بزرگانِ دین اور اولیائے دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین

شیخ المشائخ

حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ

امام الاولیاء سراج الاتقیاء حضرت میاں جی نور محمد علوی جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ اکابرین دیوبند کے شیخ و مرشد اور سالار تھے۔ آپ کی حیات طیبہ کے نقوش مقدسہ کو دارالعلوم دیوبند اور اکابر علماء دیوبند کی زندگیوں سے گہرا رابطہ ہے' اسی وجہ سے آپ کی حیات مبارکہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند کی سنہری تاریخ کا جزو لاینفک ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی اسم گرامی سید جمال الدین محمد ہے' وطن مالوف جھنجھانہ ضلع مظفر نگر ہے' سن ولادت ۱۲۰۱ھ ہے آپ سید جمال الدین محمد علوی جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اکبر اولاد ہیں۔ آپ کے علاوہ چار بھائی اور ایک بہن آپ کے بعد پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین اور علوی سید ہیں' آپ کی نویں پشت کے بعد اکبر شیخ عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے جید علماء اور اکابرین صوفیہ سلسلہ قادریہ میں سے ہیں۔

حضرت میاں جی محمد صاحب قدس سرہ اگرچہ فارغ التحصیل عالم نہ تھے۔ تاہم دینی معلومات اور فارسی زبان پر آپ کو کافی عبور تھا' کچھ عربی بھی جانتے تھے' آپ نے دستور کے مطابق پہلے قرآن مجید حفظ کیا' پھر عربی اور فارسی دہلی کے مشہور مدرسہ رحیمیہ میں پڑھی جس کی سرپرستی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی فرماتے تھے اور درس و تدریس کی خدمات حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ انجام دیتے تھے' حضرت

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی تحصیل علم کے لیے اسی مشہور درس گاہ میں داخل ہوئے تھے اور حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی درسی کتابیں پڑھی ہیں' ان دونوں حضرات نے تکمیل علم کے بغیر درسیات کو ترک کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کسی دوسرے کام کے لیے منتخب فرمایا تھا اس لیے علم ظاہری جتنا ضروری تھا عنایت فرما دیا تھا۔

ابتداء ہی سے حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان طبع تصوف کی طرف مائل تھا اور آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی قدس سرہ سے سلوک کے منازل طے کیے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت ولایتی صاحب اس زمانہ میں کاملین سے تھے اسی لیے انہی سے حضرت میاں جی قدس سرہ نے رجوع کیا۔ اور خرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔ دہلی سے سلسلہ تعلیم ترک کرنے کے بعد آپ جھنجھانہ تشریف لے آئے اور کچھ دن یہاں قیام کرنے کے بعد آپ قصبہ لوہاری جو تھانہ بھون اور قصبہ جلال آباد سے متصل ایک چھوٹا سا قصبہ ہے' تشریف لے گئے اور وہاں ایک مسجد میں بچوں کو قرآن شریف پڑھانے کے لیے دو روپیہ ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ آپ کے کھانے کا انتظام ایک متمول خاتون اقبال بیگم کے یہاں ہوا۔ جمعرات کے دن شام کو آپ جھنجھانہ تشریف لاتے تھے اور جمعہ کے پورے دن قیام فرما کر ہفتہ کے دن اپنے مکتب لوہاری میں پہنچ جاتے تھے' یہ ہفت واری مسافت آپ ایک چھوٹی گھوڑی کے ذریعہ طے کرتے تھے جو آپ کی ملکیت تھی' اسی زمانہ میں معرکہ بالاکوٹ اور پشاور ہوا آپ اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ان کی معیت میں ان معرکوں میں شریک ہوئے' بہت سے علماء مشائخ اور اولیاء اللہ اس معرکہ میں شریک رہے اور بہت سے شہید ہوئے۔

آپ اپنے زمانہ کے اولیاء اللہ اور مشائخ عظام میں بلند مقام پر فائز تھے' اور

اولیاء اللہ کے اخلاق و عادات کا کیا کہنا' اخلاق حسنہ کے مجمع اور مظہر ہوتے ہیں- لیکن ایسا ضرور ہوتا ہے ع

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

چنانچہ حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جسامت کے اعتبار سے نحیف الجثہ' پستہ قد' گندمی رنگ تھے' وضع قطع نہایت سادی درویشانہ تھی' نیلا تہبند' گیروا کرتہ' دوپلی ٹوپی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے احتراز فرماتے تھے' سادگی انتہا سے زیادہ تھی کوئی شناخت بھی نہ کرتا تھا کہ یہ بھی کچھ ہیں- عام انسانوں کی طرح رہتے- چنانچہ جب حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بیعت ہونے کے لیے جھنجھانہ پہنچے تو حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر پوچھا- ارے دھوبی میاں جی کا مکان کہاں ہے' فرمایا' میں کپڑوں کا دھونے والا نہیں' دل کا دھونے والا ہوں-

آپ روحانیت کے نہایت اعلیٰ مقام پر فائز تھے بقول شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ جو کیفیت حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ پر صرف چند گھنٹے یا چند منٹ طاری رہی تھی اور وہ اس کو برداشت نہ کر سکے اور انا الحق کہہ دیا وہی کیفیت حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر برابر تیس سال تک مسلسل طاری رہی مگر اس قدر اعلیٰ ظرف رکھتے تھے کہ اف تک نہ کی- (نور محمدیؒ)

بایں ہمہ اتباع شریعت کمال درجہ کا تھا ہر حال میں احترام شریعت ملحوظ رکھتے تھے' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ یا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نہایت ہی خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھتے تھے کسی نے حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ یہ شخص نہایت خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سن لیں' آپ نے فرمایا:

''لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اس لیے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے لہٰذا اس کے سننے سے معذور

ہوں''۔ (ارواح ثلاثہ)

متصوفین حضرات جو کیفیات کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں اور احترام شریعت نظر انداز کر دیتے ہیں' ان کے لیے غور کرنے کا مقام ہے۔

بہر حال حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے اونچے درجہ کے کاملین میں سے تھے اور بقول حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

''آپ کے زمانہ میں ہندوستان کا دنیاوی پایہ تخت تو دہلی تھا اور روحانی پایہ تخت لوہاری تھا''۔ (نور محمدیؒ)

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ تیس سال تک کبھی جماعت کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ قناعت و توکل کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ ایک ہندو سادھو نے کیمیا دینی چاہی' آپ نے صاف انکار کر دیا' فقر و فاقہ کا یہ عالم کہ دو روپیہ ماہوار کے ملازم اور ایک درجن سے زائد افراد کے نان و نفقہ کا بار سر پر موجود' منکسر المزاجی اور تواضع کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے آپ کی شان میں کسی کے ذریعہ سے نظم سنوائی تو آپ نے فرمایا کہ:

''خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور ثنا بیان کرنی چاہیے''۔

بایں ہمہ مقبولیت اور للّٰہیت کا یہ عالم کہ جب آپ بازار کو نکلتے تو غیر مسلم دوکاندار تک تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

آپ اتباع سنت کا مجسم پیکر تھے اور اتباع سنت ایک ایسا وصف ہے جو تمام اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کو حاوی ہے کہ جس کے بعد اخلاقیات کے سلسلہ میں مزید لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔

الغرض ساری زندگی اصلاح و ارشاد میں گزاری اور تقریباً ۵۹ سال تک

عالم اسلام کو منور کرتے رہے اور بالآخر ۴ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ بروز جمعۃ المبارک وصال فرمایا- آپ کا مزار جھنجھانہ از احاطہ امام سید محمود شہید بزداری منبع فیض بنا ہوا ہے-

آپ کے ممتاز خلفاء ومریدین میں حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حافظ ضامن شہید تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت شیخ شیر محمد لوہاری رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت امام الدین تھانوی رحمۃ اللہ علیہ 'حضرت حافظ محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حافظ نور صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں-

(ماخوذ تذکرہ مشائخ دیوبند)

شیخ العرب والعجم

حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ (م ۱۳۱۷ھ) کا شمار برصغیر پاک و ہند ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائی- آپ کی ذاتِ گرامی بلند منزلت علماء ومشائخ کا مرجع تھی-

حضرت حاجی صاحب بڑے عالی نسبت بزرگ تھے- آپ کے شیوخ طریقت امیر المؤمنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ (ش ۱۲۴۶ھ) سے نسبت وبیعت کا شرف رکھتے تھے- خود حضرت حاجی صاحب کو نہایت صغر سنی کے عالم میں حضرت سید صاحب کی گود کی سعادت حاصل ہوئی تھی- یہ ۱۲۳۵ھ کی بات ہے جب کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عالی مقام حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) کے فرمان وارشاد سے دوآبے کا دورہ کیا تھا- اس مبارک سفر میں تھانہ بھون یا نانوتہ کے مقام پر ایک کمسن بچہ بھی حصول برکت وسعادت کے لیے حضرت سید صاحبؒ کی گود میں دیا گیا- آپ نے اسے بیعت تبرک میں قبول فرمایا- حضرت حاجی صاحب بچپن کے اس متبرک واقعے کو اپنی مجلس میں بیان فرمایا کرتے تھے: مولانا صادق الیقین راوی ہیں:

''فرمایا: میں تین سال کا تھا کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش میں دیا گیا اور انہوں نے مجھ کو بیعت تبرک میں قبول فرمایا''۔

(شمائم امدادیہ ص ۵۳' امداد المشتاق ص ۶)

یہ ایک عجیب قدرتی اتفاق ہے کہ اسی مبارک سفر میں چند ہی روز بعد سہارنپور میں حضرت حاجی صاحب کے دادا پیر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ اور پیرو مرشد حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت و اجازت سے شرف اندوز ہوئے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی بیعت سر حلقہ مجاہدین حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی قدس سرہ (م ۱۲۵۶ھ) سے تھی۔ وہ بھی حضرت سید صاحب کی تحریک جہاد کے رکن رکین تھے' بلکہ حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد انہوں نے تحریک جہاد کو از سر نو زندگی بخشی۔ نواب وزیر الدولہ والئی ٹونک لکھتے ہیں:

''سید صاحب کی شہادت کے بعد خلق خدا کی ہدایت' شریعت کے احیاء کا کاروبار بے آب و تاب ہو رہا تھا۔ خدا کی رحمت سے مولانا سید نصیر الدین کی بدولت اس کاروبار میں بے اندازہ رونق اور جلا پیدا ہو گئی''۔

(وصایا الوزیر جلد اول ص ۴)

الحاصل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس' آپ کے مرشد اول حضرت مولانا سید نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ' مرشد ثانی حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور پھر آپ کے دادا پیر حضرت حاجی عبدالرحیم شہید ولایتی رحمہم اللہ تعالیٰ سب کے سب امیر المومنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کے حلقہ عقیدت و ارادت اور سلسلہ بیعت و ارشاد سے وابستہ ہیں۔

این سلسلہ طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

یہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ ہی کی نسبت باطنی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شیوخ کرام و خلفاء عظام کے سینوں میں جذبہ جہاد موجزن رہا۔ حضرت حاجی صاحب اپنے مرشد اول مولانا سید نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن والد ماجد کی بیماری و وفات اور پھر اس دوران میں حضرت پیرو مرشد کی شہادت سے ارادہ موقوف ہوگیا۔

آخر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اسلاف کرام و پیران کرام کی سنت جہاد ادا کرنے کا وقت آ گیا۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے تھانہ بھون اور شاملی کے میدانوں میں علم جہاد بلند کیا۔ مجاہدین میدان جنگ میں غالب تھے کہ تقدیر نے پانسہ پلٹ دیا۔ انگریزی فوج کے غلبہ کے بعد حضرت حاجی صاحب نے مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو حرمین شریفین میں بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی۔ آپ کی عظمت وشہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ اطراف عالم سے خلق خدا انبوہ درانبوہ آپ کے حلقہ فیض وارشاد میں داخل ہوئی۔ انوار العاشقین میں ہے:

> ''متاخرین چشتیہ صابریہ میں باوجود قیام مکہ معظمہ کے وہاں حاضر ہوکر شہرت کا ہونا نادر ہے، حضرت ممدوح کے برابر مشائخ میں سے کسی کو اس درجہ شہرت نہیں ہوئی''۔ (ص ۸۶)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ بلاشبہ شیخ العرب والعجم تھے اور بالا جماع امام وقت اور سر آمد روزگار شیخ طریقت تسلیم کیے گئے۔ آپ کے خلفاء کرام بھی رجال عظیم اور اپنی اپنی جگہ مقبول عام تھے۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کو شریعت محمدیہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انوار و برکات سے معمور کر دیا۔ بالخصوص آپ کے خلفاء اعظم قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث

گنگوہی اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہما کے ذریعے اس سلسلے کے فیوض برصغیر کے حدود سے نکل کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچے۔ مسلمانوں کے سواد اعظم نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور سعادت دنیوی ونجات اخروی کی راہ پائی۔

حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے خلفاء کرام کا طرۂ امتیاز ان کا مسلک حق و اعتدال ہے۔ انہوں نے مسلمانوں میں فرقہ بندی کے تصورات کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا اور اتحاد بین المسلمین کے لیے عمر بھر کوشاں رہے۔ ان کا نصب العین کافر گری نہیں مومن گری تھا۔ انہوں نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عشق ومحبت اور باہمی الفت و یگانگت کا درس دیا۔ لاکھوں کروڑوں بندگان خدا نے ان سے خشیت الٰہی اور حب نبوی کی نعمت بے بہا اور دولت لازوال پائی۔ بلاشبہ ان مقبولانِ بارگاہ خداوندی نے اس دور میں اپنے علم وعمل سے صوفیائے متقدمین اور علماء سلف صالحین کی یاد تازہ کر دی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

شیخ عارف الکبیر امداد اللہ بن محمد امین تھانوی مہاجر مکی ان اولیائے عارفین میں سے تھے، جن کی تعریف وتوصیف میں سب زبانیں متفق ہیں۔

۲۲/صفر ۱۲۳۳ھ یوم شنبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ فارسی رسائل پڑھے حصن حصین اور مثنوی مولانا روم مولانا قلندر بخش جلال آبادی سے پڑھیں۔ پھر دہلی پہنچے اور حضرت مولانا سید نصیر الدین نواسہ حضرت مولانا رفیع الدین محدث اور شاگرد و داماد حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور ان سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا۔ ان کی شہادت کے بعد واپس ''تھانہ بھون'' آئے۔ پھر وہاں ایک عرصہ تک رہے۔ پھر ''لوہاری'' پہنچے وہاں شیخ نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور ان سے بھی خلافت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر معرفت کے دروازے کھول دیئے اور انہیں راسخ علماء کی صف میں لا کھڑا

کیا- چنانچہ اپنے مرشد کے ارشاد پر سلسلہ کی ترویج واشاعت میں لگ گئے-

۱۲۷۴ھ میں مسلمان انگریز حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے- سہارن پور اور مظفر نگر کے علماء اور صلحاء کی ایک جماعت جس کے ساتھ دیگر صالح مسلمان بھی شامل تھے' نے انگریز کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ان سب نے شیخ امداد اللہ کو اپنا امیر بنالیا- ضلع مظفر نگر کے ایک گاؤں شاملی کے میدان میں یہ جماعت انگریز حکومت کے مقابل ہوئی- اس میں حضرت حافظ محمد ضامنؒ نے شہادت پائی- انگریز کے قدم مستحکم ہو گئے اور اس نے پکڑ دھکڑ شروع کر دی- علمائے ربانیین پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہونے لگی اور کام کا میدان ہند میں تنگ ہونے لگا- بعض احباب کچھ عرصہ روپوش رہے اور بعض نے ہجرت کی ٹھان لی- شیخ امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کو ترجیح دی- ۱۲۷۶ھ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے- پھر ''صفا'' میں اقامت پذیر ہوئے- پھر ''حارۃ الباب'' میں زندگی کی آخری گھڑیوں تک رہے- بہت عرصہ تک دیگر اولیاء کی طرح فقر و فاقہ اور عسرت میں رہے- مگر اس حال میں بھی صابر و شاکر- جس حال میں اللہ رکھے اس پر راضی' یہاں تک کہ حالات نے پلٹا کھایا اور اللہ تعالیٰ نے ''عسر'' کو یسر اور تنگی کو فراخی میں تبدیل کر دیا- قلب و قالب سے مجاہدوں اور عبادتوں کی طرف متوجہ ہو گئے- ہمیشہ ذکر و فکر اور مراقبہ میں رہنے لگے- حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دی-

بڑے بڑے علماء اور مشائخ استفادہ کے لیے مائل ہوئے اور آپ سے معرفت کا درس لیا اور اسی معرفت و یقین کو آگے پہنچایا-- اللہ نے ان کی تربیت اور طریقت میں ایسی برکت دی کہ اس کے انوار تمام اطرافِ عالم میں پھیل گئے- طریقہ چشتیہ صابریہ کی تجدید کی- اس میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء داخل ہوئے-

ان سے اللہ نے ایک خلق کو نفع دیا' جس کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے- ان میں سب سے بڑے شیخ قاسم' شیخ رشید احمد' مولانا یعقوب' مولوی احمد حسن' مولوی محمد حسین

اور مولوی اشرف علی ہیں اور یہ سب اپنی اپنی جگہ شیوخ ہو گئے اور ان سے ایک خلق نے فائدہ حاصل کیا۔

وسیع المشرب تھے۔ تعصب اور تشدد سے بہت دور۔ مثنوی مولانا روم سے بے حد لگاؤ تھا۔ اس کا درس بھی دیتے تھے اور اپنے احباب کو اس کی تلقین بھی کرتے تھے کہ اسے پڑھا جائے اور اس میں غور و فکر کی جائے۔

ان کی چند عمدہ تصانیف بھی ہیں، جو سب کی سب محبت الٰہی، معرفت اور تصوف میں ہیں۔ ان میں ''ضیاء القلوب'' (فارسی میں) ''ارشاد مرشد''۔ ''گلزار معرفت''۔ ''تحفۃ العشاق''۔ ''جہاد اکبر''۔ ''غذاء روح'' اور ''درد نامہ غمناک'' سب کی سب اردو میں ہیں اور ان میں اکثر نظم میں ہیں۔

۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۱۷ بروز چہار شنبہ مکہ مکرمہ میں وصال ہوا اور ''معلیٰ'' میں شیخ رحمت اللہ کے قریب دفن کیے گئے۔[1]

مولانا محمد زکریاؒ لکھتے ہیں: ''حضرت فاروقی النسب اور حنفی المذہب، طریقت و معرفت کے امام تھے۔ حضرت کی ولادت ۲۲/صفر ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء بروز شنبہ بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ یہ قصبہ سہارنپور سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ حضرت کے ننہال کا وطن ہے۔ حضرت کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش میں دے دیئے گئے اور حضرت نے بیعت تبرک سے نوازا۔ حضرت کی عمر ابھی سات ہی برس کی تھی کہ حضرت کی والدہ بی بی حسینی بنت حضرت شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے انتقال فرمایا۔ ابتداء ہی سے حضرت کے قلب میں حفظ قرآن کا ایک شوق اور ولولہ تھا۔ اس لیے باوجود کسی دوسرے کے زور نہ ہونے کے خود اپنے شوق سے حضرت نے کلام مجید حفظ فرمایا۔ ۱۲۴۹ھ میں جب کہ حضرت کی عمر سولہ سال کی تھی

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن، ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۷۰ تا ۷۲ (عربی سے اردو)

مولانا مملوک علی صاحب کے ہمراہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا- وہاں مشائخ وقت سے علوم ظاہری کی تحصیل شروع فرمائی اور کچھ ابتدائی کتب فارسی وعربی صرف ونحو ہونے پائی تھیں کہ علوم باطنیہ کی طرف کشش ہوئی- قبل اس سے کہ علوم ظاہری سے فراغت ہو دوسرے علوم کی طرف انجذاب ہوا اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت نے شیخ وقت مولانا نصیر الدین صاحب نقشبندی کے دست مبارک پر بیعت کی اور اذکار نقشبندیہ اخذ فرمائے- حضرت شیخ، شیخ المشائخ شاہ محمد آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مسند وقت شیخ الحدیث شاہ محمد اسحٰق صاحب کے شاگرد اور داماد تھے- حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو چند روز ہی شیخ کی خدمت میں رہنے کی نوبت آئی تھی کہ شیخ کی طرف سے خرقہ واجازت سے مشرف ہوئے- اب چونکہ صفا قلب اور انوار کی کثرت ہوگئی تھی- چنانچہ مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا محمد قلندر صاحب محدث جلال آبادی سے شروع فرمائی اور حصن حصین اور فقہ اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نانوتوی سے- یہ ہر دو حضرات مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے ارشد تلامذہ سے تھے-

ایک خواب کی بناء پر حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے- کچھ ہی دن حضرت شیخ کی خدمت میں حلقہ نشیں رہے تھے کہ خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے- حضرت نے اجازت کے بعد ایک آخری امتحان فرمایا اور مجاز وخلیفہ سے دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا؟ حضرت یہ سخت امتحانی فقرہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ ''محض محبوب حقیقی کی خواہش ہے- دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیے''- روحانی باپ نے یہ فقرہ سنا اور لاڈلے بیٹے کی اس علوہمتی پر آفرین فرمائی اور بغلگیر فرما کر بے حد دعائیں دیں- یہ سلسلہ فیض جاری تھا کہ ۱۲۶۹ھ میں روحانی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا-

علماء کی جماعت میں سب سے اول حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے غالباً ۱۲۶۳ھ میں بیعت کی اور اس کے کچھ دنوں بعد حضرت اقدس

فخر المتکلمین مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ نے بیعت کی۔
اجازت بھی حضرت گنگوہیؒ کو پہلے ہے اور حضرت نانوتویؒ کو بعد میں۔ ان دونوں کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کا رجوع شروع ہوا اور حضرات ذیل مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاندھلویؒ، مولوی محمد حسن صاحبؒ پانی پتی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی مدرس اول مدرسہ دیوبند، حافظ محمد یوسف صاحب ابن حافظ محمد ضامن صاحبؒ تھانوی، مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوریؒ، مولانا فیض الحسن صاحب ''ادیب سہارنپوریؒ'' وغیرہ اکابر حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔

۲۱/رمضان المبارک ۱۲۸۲ھ کو بی بی خدیجہ بنت حاجی شفاعت خاں رامپوری سے بعوض ساٹھ ریال مہر پر نکاح کیا۔ اکثر یہ شعر وردِ زبان رہتا تھا۔

اے خدا! ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم ہم سرِ من پیدا مکن

بالآخر چوراسی سال تین ماہ بیس روز اس عالم تاریک کو منور فرما کر ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بروز چہار شنبہ بوقت اذان صبح محبوب حقیقی سے واصل ہوئے اور اہل دنیا کو مفارقت کا داغ دیا۔ جنت المعلی میں مولانا رحمت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کیرانوی ثم المکی بانی مدرسہ صولتیہ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔

تصانیف:

۱۔ حاشیہ مثنوی مولانا رومؒ یہ مثنوی رومی پر فارسی زبان میں حاشیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کی حیات میں اس کے صرف ۲ حصے طبع ہو سکے۔ باقی بعد میں طبع ہوئے۔

۲۔ غذائے روح۔ یہ ۱۲۶۴ھ میں تحریر کی گئی۔ ۳۔ جہاد اکبر یہ رسالہ ۱۲۶۸ھ میں تالیف ہوا ہے۔ ۴۔ مثنوی تحفۃ العشاق یہ ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی۔ ۵۔ رسالہ درد غمناک۔
۶۔ ارشاد مرشد۔ سنہ تالیف ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۳ھ۔ ۷۔ ضیاء القلوب (فارسی) ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں تحریر فرمائی۔ اس کتاب کا تاریخی نام ''مرغوب دل'' ہے۔

۸-وحدۃ الوجود- ۹- فیصلہ ہفت مسئلہ- ۱۰-گلزار معرفت- اعلیٰ حضرت کی یہ تالیفات اب کلیات امدادیہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں''-[1]

مولوی رحمان علی لکھتے ہیں: مولانا حاجی امداد اللہ' علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں- چشتیہ' صابریہ' قدوسیہ' چشتیہ نظامیہ قدوسیہ' قادریہ قدوسیہ' نقشبندیہ مجددیہ قدوسیہ' سہروردیہ قدوسیہ اور کبرویہ قدوسیہ- سلاسل میں جناب فیض مآب قبلہ حقیقت و کعبہ معرفت حضرت میاں جی شاہ نور محمد جھنجھانویؒ سے خلافت حاصل ہے- بہت سے مشہور علماء مثلاً مولوی رشید احمد گنگوہیؒ، مولوی محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا مرشدنا حافظ حاجی محمد حسین محبؒ اللہی والعمری الہ آبادی حضرت حاجی صاحبؒ کے مرید ہوئے اور سب کی دلی مرادیں حاصل ہوئیں- چنانچہ انہوں نے ضیاء القلوب میں وصایا کے تحت ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص کہ اس فقیر سے محبت' عقیدت اور ارادت رکھتا ہے وہ مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسمؒ کو جو علوم ظاہری و باطنی کے تمام کمالات کے جامع ہیں- فقیر (حاجی صاحب) کی بجائے بلکہ مجھ سے بلند درجہ پر سمجھے- اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس ہو گیا کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہو گیا- ان کی صحبت کو غنیمت سمجھیں کہ ان جیسے حضرات اس زمانہ میں نایاب ہیں اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہیں''-

حق یہ ہے کہ وہ (حاجی صاحب) اس زمانہ میں یادگار سلف ہیں- غدر کے زمانہ میں ہنگامہ سے چھٹکارا پا کر مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے اور اس بابرکت مقام پر ہر چھوٹا بڑا ان ہی کی طرف رجوع کرتا ہے- ہمیشہ حرم شریف میں مثنوی مولانا روم کا درس دیتے ہیں- غذائے روح' ضیاء القلوب' تحفۃ العشاق' جہاد اکبر' ارشاد مرشد اور دردغمناک ان کی مشہور تصنیفات ہیں-

---

[1] مولانا محمد زکریا: تاریخ مشائخ چشت' کراچی ۱۳۹۷ھ ص ۲۴۳ تا ۲۵۳ (سے اقتباس)

مولوی محمد یعقوبؒ نانوتوی، حافظ محمد یوسفؒ تھانوی، مولوی کرامت علیؒ انبالوی اور مولوی محمد ابراہیمؒ اجراروی ان کے خلفائے مجاز ہیں۔ نیز یہ فقیر جامع الاوراق (مولوی رحمان علی) بھی مولانا و مرشدنا حافظ محمد حسین الہ آبادیؒ کے توسط سے حضرت کے خدام میں داخل ہے اور ہر سلسلہ میں بیعت و اجازت حاصل ہے۔[1]

علامہ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''صابر یہ سلسلہ کا مرکز اس دور (اٹھارویں صدی) میں امروہہ بنا۔ وہاں حضرت شاہ عضد الدین (م ۱۱۷۲ھ) حضرت شاہ عبدالھادی (م ۱۱۹۰ھ) اور حضرت شاہ عبدالباری (م ۱۲۲۶ھ) نے تزکیۂ نفس اور تجلیۂ باطن کی وہ محفلیں گرم کیں کہ فضائیں تک جگمگا اٹھیں۔ شاہ عبدالباری کے خلیفہ حاجی سید عبدالرحیم فاطمی (م ۱۲۴۶ھ) شیخ کی مجلس سے دین کا ایسا درد لے کر اٹھے کہ جب تک زندہ رہے، احیاء سنت کے لیے کوشاں رہے۔ جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے جہاد کی تیاری کی تو ان کے ساتھ ہو گئے اور بالاکوٹ کے میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجھانوی (م ۱۲۵۹ھ) کے دامن تربیت سے ایک ایسا شخص اٹھا جس نے صابر یہ سلسلہ کو عروج کی انتہائی منزل پر پہنچا دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے فیوض ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہے۔ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی ان کے اثرات پہنچے''۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ۱۲۳۳ھ میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد حجاز چلے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کر دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں دل و دماغ کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا اور وہ

---

[1] رحمان علی: تذکرہ علماء ہند۔ کراچی ص ۱۲۲، ۱۲۳

انیسویں صدی کی تین عظیم الشان تحریکوں کا منبع ومخرج تھے۔

۱- مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کی۔ ان ہی کے خلفاء ومریدین کی پر خلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حاجی محمد عابد صاحب ان کے خلفاء تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا محمد قاسم کے جانشین تھے۔ انہی بزرگوں کی کوششوں سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔

۲- باطنی اصلاح وتربیت کے لیے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حاجی صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ لیکن مولانا تھانویؒ کی تحریک میں وہ وسعت اور گہرائی نہ پیدا ہوسکی، جو مولانا محمد الیاسؒ کی دینی تحریک کو حاصل ہوئی۔

مولانا محمد الیاسؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے، جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا تھا، اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے انہیں چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔

۳- انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادی وطن کی تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی صاحبؒ اور ان کے منسلکین نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر کے زمانہ میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحبؒ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔ آزادی وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحبؒ کے

قلب وجگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا- وہ اور ان کے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جن مصائب کا سامنا کیا' تاریخ ہند کا کوئی دیانتدار مؤرخ ان کو بھلا نہ سکے گا''-[1]

امداد صابری لکھتے ہیں:

''حضرت امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آج بھی علمائے کرام کا ہر طبقہ جانتا ہے اور ان سے عقیدت رکھتا ہے- حاجی صاحبؒ نے ہر زمانے میں ہر خیال کے عالم سے فیوض روحانی کا سکہ منوالیا تھا- ہندوستان کا ہو یا عرب ممالک کا ہو' تقریباً اس دور میں ہر مستند عالم آپ کا مرید تھا- چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی' حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی' حضرت مولانا محمود حسن' حضرت مولانا محمد افضل صاحب بخاری اکبر آبادی' حضرت مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی' حضرت مولانا شرف الحق دہلوی' حضرت مولانا سید امیر حمزہ' حضرت مولانا محب الدین مکی' مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی' مولانا عبد السمیع رامپوری بلال' مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ آپ کے مریدوں میں شمار کیے جاتے تھے''-[2]

حضرت مشتاق احمد انبیٹھویؒ لکھتے ہیں:

''حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی' صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بے شمار ہر دیار و امصار میں ہیں- متاخرین چشتیہ صابریہ میں (باوجود قیام مکہ معظمہ کے کہ وہاں حاضر ہو کر شہرت کا ہونا نادر ہے' حضرت ممدوح کے برابر مشائخ میں

---

1. علامہ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت' لاہور' بلا تاریخ ص ۲۳۳' ۲۳۴
2. امداد صابری: تذکرۂ شعرائے حجاز اردو' دہلی ص ۱۳۴' ۱۳۵

سے کسی کو اس درجہ شہرت نہیں ہوئی۔ منجملہ آپ کے خلفاء کے حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ مسلم علماء اور صلحاء گزرے ہیں''۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بھی آج کل بزرگ اور عالم باعمل مانے جاتے ہیں جیسے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند اور حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ صدر مدرس مظاہر العلوم حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ، حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحبؒ خاص گنگوہ میں مولانا کے جانشین اور اوقات کے پابند ہیں۔ راقم الحروف ان سے مل کر خوش ہوتا ہے اور جس طرح حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اس عاجز کے ساتھ نوازش و کرم سے پیش آتے تھے' اسی طرح حکیم صاحب کمال شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ یہ حضرات تو مولانا کے خلفاء ہیں مگر جناب مولوی شاہ ظہور احمدؒ انبیٹھوی کو جو نسبت روح مقدس حضرت مولانا سے یہ عاجز راقم الحروف پاتا ہے وہ فنافی الشیخ کے درجہ سے کم نہیں۔ لہٰذا یہ بدرجہ اولیٰ خلافت کے لائق ہیں۔ بارک اللہ فی عمرہم و صلاحہم۔ حاجی وارث حسن صاحبؒ بھی حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے عمدہ خلفاء میں ہیں اور مشائخانہ طریقہ اور لباس صوفیانہ رکھتے ہیں۔

حضرت مکرمی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عالم و جاہل دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ روایات صحیحہ اور مضامین عالیہ نہایت آسان عبارت میں بیان فرماتے ہیں۔ بڑے قادر الکلام ہیں زبردست مصنف ہیں۔ صدہا کتابیں تصنیف کر چکے ہیں''۔[1]

---

[1] مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی' انوار العاشقین' حیدر آباد دکن ۱۹۱۲ء ص ۸۲ تا ۸۸ (سے اقتباس)

شاعری:

مناجات کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا عجب نقش قدرت نمودار تیرا
عجب رنگ بے رنگ ہر رنگ میں ہے یہ ہے صنعت کا اظہار تیرا
تو اول تو آخر تو ظاہر تو باطن تو ہی تو ہے یا کہ ہے آثار تیرا
جہاں لطفِ گل ہے وہیں خارِ گل ہے ہر گل خار میں گل میں ہے خار تیرا
خوشی غم میں رکھی اور غم خوشی میں عجب تیری قدرت عجب کار تیرا
دوائے رضا کیا کروں میں الٰہی کہ دارو بھی تیری اور آزار تیرا
یہ کوتاہی اپنی نظر کی ہے یا رب ترے نور کو سمجھیں اغیار تیرا
نہیں وہ جگہ اور نہیں وہ مکاں ہے کہ جس جا نہیں ذکر اذکار تیرا
نظر کو اٹھا کر جدھر دیکھتا ہوں تجھے دیکھتا ہوں نہ اغیار تیرا
الٰہی میں ہوں بس خطا وار تیرا مجھے بخش، ہے نام غفار تیرا

مشرف کر کے دیدار مبارک سے مجھ اکدم مرے غم دین و دنیا کے بھلاؤ یا رسولؐ اللہ
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسولؐ اللہ

۳

کہے ہے شوق نبی یہ آ کر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
صبا بھی لانے لگی ہے اب تو نسیم طیبہ نسیم طیبہ
کہے ہے شوق اب ہوا میں اڑ کر چلو مدینے چلو مدینے

خدا کے گھر میں تو رہ چکے بس عمر بھی ہوئی ہے آخر
مریں گے اب تو نبیؐ کے در پر چلو مدینے چلو مدینے

شہر شہر کیوں پھرے ہے مارا جو دونوں عالم کی چاہے دولت
تو سر قدم ہو کر ورد یہ کر چلو مدینے چلو مدینے

یہ جذب عشق محمدیؐ ہیں دلوں کو امت کے کھینچتے ہیں
کہے ہے ہر دل جو ہو کے مضطر چلو مدینے چلو مدینے

جو کفر و ظلم و فساد و عصیاں ہر اک شہر میں ہوئے نمایاں
تو دین اسلام اٹھے یہ کہہ کر چلو مدینے چلو مدینے

رجب کے ہوتے ہیں جب مہینے بھرے ہیں شوق نبیؐ سے سینے
صدا یہ کے میں کو بکو ہے چلو مدینے چلو مدینے

ہلاکت امداد اب تو آئی جو فوج عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

۴

مرا طالع خفتہ جاگے یقین ہے — اگر خواب میں منہ دکھائے محمد ﷺ
میں اس پر فدا جان اور دل سے قرباں — مرا جان و دل سب فدائے محمد ﷺ
محمدؐ کی مرضی ہے مرضی خدا کی — خدا کی رضا ہے رضائے محمد ﷺ
خجل ہو کے خورشید کا رنگ فق ہے — اگر منہ سے پردہ اٹھائے محمد ﷺ
نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا یقیں ہے — ہوا ہے یہ سب کچھ برائے محمد ﷺ
عطا کر الٰہی تو اس کی تمنا — کہ ہے رنج بھی خاکپائے[1] محمد ﷺ

---

[1] حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، کلیات امدادیہ و گلزار معرفت کراچی، ص ۲۰۶

۵

سبز و شاداب گلستان تمنا ہووے
کاش مسکن مرا صحرائے مدینہ ہووے

ہند میں گرم تپش یوں دل مضطر ہے مدام
دام میں جیسے کوئی مرغ تڑپتا ہووے

مجھ کو بھی روضۂ اقدس کی زیارت ہو نصیب
زہے قسمت جو سفر سوئے مدینہ ہووے

جب کہیں قافلے والے کہ مدینہ کو چلے
شوق میں پھر تو مرا اور ہی نقشا ہووے

ننگے پاؤں وہیں ہو جاؤں میں اٹھ کر ہمراہ
تن میں جامہ بھی مرے ہو کہ برہنا ہووے

یوں چلوں خاک اڑاتا ہوا صحرا صحرا
جیسے جنگل میں بگولا کوئی اڑتا ہووے

گرم جولاں روش برق ہو شاداں خنداں
پاؤں پر پاؤں مرا شوق میں پڑتا ہووے

کانٹے تلووں میں چبھیں برگ گل تر سمجھوں
خاک جواڑ کے پڑے آنکھوں میں سرما ہووے

ایسی صورت سے در شاہ عرب پر پہنچوں
حال جیسے کسی ناچیز گدا کا ہووے

گرد آلودہ بدل خاک ملے چہرہ پر
اک تہبند پھٹا سا کوئی کرتا ہووے

خار پاؤں میں چبھے بال ہوں سر کے بکھرے
فکر سوزن ہو نہ کچھ شانہ کا سودا ہووے

الٰہی بتا چھوڑ سرکار تیری
کہاں جائے اب بندہ لاچار تیرا

مرض لا دوا کی دوا کس سے چاہوں
تو شافی ہے میرا، میں بیمارا تیرا

الٰہی میں سب چھوڑ گھر بار اپنا
لیا ہے پکڑ اب تو دربار تیرا

ہوں ظلمات عصیاں سے حسنات روشن
جو ہو ابر رحمت نمودار تیرا

کہاں میرے عصیاں، کہاں تیری رحمت
کہاں خس، کہاں بحر ذخار تیرا

فنا ہو گیا جو تیری دوستی میں
تو ہے یار اس کا، وہ ہے یار تیرا

الٰہی مجھے ہوش دے اب تو ایسا
رہوں میں سدا مست و میخوار تیرا

نہیں دونوں عالم سے کچھ مجھ کو مطلب
تو مطلوب، میں ہوں طلب گار تیرا

ذرا آپ اپنے میں امداد آتو	کہ ہے کون تو کیا ہے گفتار تیرا
اٹھا غم، رکھ امید امداد حق سے	تجھے غم کیا ہے اے غم خوار تیرا

آپ کے نعتیہ کلام کے چند نمونے ذیل میں دیئے جاتے ہیں:

۱) کر کے نثار آپ پہ گھر بار یارسولؐ	اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یارسولؐ
عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا	ہوں امتی تمہارا گنہگار یا رسولؐ
اچھا ہوں یا برا ہوں غرض جو کچھ ہوں سو ہوں	پر ہوں تمہارا تم میرے مختار یا رسولؐ
کس طرح آہ میں کروں خدمت میں حال عرض	ہوں خجلت گنہ سے سرشار یا رسولؐ
ذات آپ کی تو رحمت والفت ہے سربسر	میں گرچہ ہوں تمام خطا وار یا رسولؐ
کریئے نہ میرے فعل بروں پر نگاہ تم	کیجو نظر کرم کی بس اک بار یا رسولؐ
جس دن تم عاصیوں کے شفیع ہو کے پیش حق	اس دن نہ بھولنا مجھے زنہار یا رسولؐ
لیجو خدا کے واسطے اس دن مری خبر	عصیاں کا میرے جب کھلے اخبار یارسولؐ
تم نے بھی گر نہ لی خبر اس حال زار کی	اب جائے کہاں بتاؤ یہ ناچار یا رسولؐ
دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا	کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یارسولؐ
کیا ڈر ہے اس کو لشکر عصیاں وجرم سے	تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یارسولؐ
گھیرا ہے ہر طرف سے مجھے درد وغم نے آہ	اب زندگی بھی ہوگئی دشوار یا رسولؐ
ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبیں	اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یارسولؐ

۲

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یارسول اللہؐ	مجھے دیدار ٹک اپنا دکھاؤ یارسولؐ اللہ
کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی	مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یارسولؐ اللہ
اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے	مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسولؐ اللہ
شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم	تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یارسولؐ اللہ

پیاسا ہے تمہارے شربت دیدار کا عالم
کرم کا اپنے اک پیالہ پلاؤ یارسولؐ اللہ

خدا عاشق تمہارا اور ہو محبوب تم اس کے
ہے ایسا مرتبہ کس کا سناؤ یارسولؐ اللہ

کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم
ہمارے جرم وعصیاں پر نہ جاؤ یارسولؐ اللہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپکے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسولؐ اللہ

مشرف کر کے مجھ کو کلمہ طیب سے اپنے تم
پھر اب نظروں سے اپنی مت گراؤ یارسولؐ اللہ

پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر
مری کشتی کنارے پر لگاؤ یارسولؐ اللہ

اگر چہ ہوں نہ لائق ان کے پر امید ہے تم سے
کہ پھر مجھ کو مدینے میں بلاؤ یارسولؐ اللہ

حبیب کبریاء ہو تم امام انبیاء ہو تم
ہمیں بہر خدا حق سے ملاؤ یارسولؐ اللہ

شراب بے خودی کا جام اک مجھ کو پلا کر اب
دوئی کے حرف کو دل سے مٹاؤ یارسولؐ اللہ

بہت بھٹکا پھرا میں وادی فرقت میں جوں وحشی
کرم فرماؤ اب تو مت پھراؤ یا رسولؐ اللہ

باندھ کر ہاتھ کروں عرض بصد عجز و نیاز
خدمت شاہ میں جیسے کوئی بردا ہووے

یہ غلام آپ کا حاضر ہے قدم بوسی کو
وصل کا آج اشارہ شہہ والا ہووے

مری بیتابی و مسکینی پہ رحم آئے ضرور
خود درحجرۂ والائے نبیؐ وا ہووے

دوڑ کر سر قدم پاک پہ رکھ دوں اپنا
دھیان کس کو ادب و بے ادبی کا ہووے

کبھی چوموں کبھی آنکھوں سے لگاؤں وہ قدم
خاک پا آپ کی ان آنکھوں کا سرما ہووے

گوہر اشک نثار قدم پاک کروں
جز تہی دستی جو کچھ اور نہ تحفا ہووے

اور جب روئے مبارک کی تجلی دیکھوں
جلوۂ طور بھی آنکھوں میں تماشا ہووے

سن کے اس شوق کو کہتے ہیں ملائک بھی غریب
فضل حق سے تری حاصل یہ تمنا ہووے

۶

اے رسول کبریا فریاد ہے　　یا محمدؐ مصطفٰی فریاد ہے
آپ کی الفت میں میرا یا نبیؐ　　حال یہ ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل　　اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
چہرۂ تاباں کو دکھلا دو مجھے　　تم سے اے نور خدا فریاد ہے
گردن و پاؤں سے میری زنجیر طوق　　یا نبی کیجئے جدا فریاد ہے
قید غم سے اب چھڑا دیجئے مجھے　　یا شہؐ ہر دوسرا فریاد ہے

آپ کی فرقت نے مارا یا نبی ﷺ　　دل ہوا غم سے وہ پارہ یا نبی ﷺ
طالب دیدار ہوں دکھلایئے　　روئے نورانی خدارا یا نبی ﷺ
حق تعالٰی کے تمہیں محبوب ہو　　کون ہے ہمسر تمہارا یا نبی ﷺ
درد ہجراں کے سبب مجھ سے کیا　　صبر و طاقت نے کنارا یا نبی ﷺ
باغ جنت سے ہے افضل لاکھ بار　　مجھ کو وہ کوچہ تمہارا یا نبی ﷺ
مرتے دم گر دیکھ لوں روئے شریف　　زندگی ہووے دوبارا یا نبی ﷺ
لیجئے در پر بلا کب تک پھروں　　دربدر یاں مارا مارا یا نبی ﷺ
چین آتا ہے مرے دل کو تمام　　نام لیتے ہی تمہارا یا نبی ﷺ

اگرچہ بے خود و مستم و لے ہشیار می گردم
بباطن شاہ کونینم بظاہر خوار می گردم
چوں دیدم روئے خویش را بہر جائے بہر رنگے
ازیں در بحر و بر و کوچہ و بازار می گردم

عجب بے خود و مستم کہ طرفہ ماجرا این است
کہ دل دارے ببر دارم پئے دل داری گردم
مرا نافع نخواہد شد نصیحت ناصحا ہرگز
کہ سودائش بسر دارم نہ من بے کاری گردم
بیا نور محمدؐ کن دل امداؔد را روشن
کہ عکس نور بے کیفم پئے انوار می گردم[1]

[1] امداد صابری، تذکرۂ شعرائے حجاز اردو، دہلی، بلا تاریخ ص ۱۵۲

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء

۱- مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
۲- مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
۳- مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
۴- مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
۵- مولانا احمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ
۶- مولانا محی الدین خاطر رحمۃ اللہ علیہ
۷- مولانا جلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ
۸- مولانا حاجی محمد عابد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
۹- مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ
۱۰- مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ
۱۱- مولانا عبدالواحد بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲- مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳- مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ
۱۴- مولانا محمد افضل بخاری اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵- مولانا کرامت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۶- مولانا شرف الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷- مولانا سید امیر حمزہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۸- مولانا محب الدین مکی رحمۃ اللہ علیہ
۱۹- مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰- مولانا عبدالسمیع رامپوری بیدل رحمۃ اللہ علیہ
۲۱- مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ
۲۲- مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳- مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۴- مولانا فدا حسین دربھنگوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۵- مولانا سید ابوالقاسم ہنسوی فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ
۲۶- مولانا حیدر حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ
۲۷- مولانا انوار اللہ حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۲۸- مولانا سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۹- مولانا قاضی محمد اسماعیل منگلوری رحمۃ اللہ علیہ
۳۰- مولانا فتح محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۱- مولانا قادر بخش سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ
۳۲- مولانا شفیع الدین نگینوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۳- مولانا حافظ محمد یوسف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۴- مولانا محمد ابراہیم اجراڑوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵- حافظ محمد سعد اللہ ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
۳۶- مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری رحمۃ اللہ علیہ

۳۷-مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۳۸-مولانا منشی محمد قاسم نیانگری رحمۃ اللہ علیہ
۳۹-مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۰-مولانا بدرالدین پھلواری رحمۃ اللہ علیہ
۴۱-مولانا حکیم ضیاء الدین سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۲-مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
۴۳-مولانا خلیل الرحمٰن مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ۴۴-مولانا حافظ محمد احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ
۴۵-مولانا محمد شفیع اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۴۶-مولانا عنایت اللہ مالوی رحمۃ اللہ علیہ
۴۷-مولانا صفات احمد غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ ۴۸-مولانا شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ
۴۹-مولانا سید عبدالرحمٰن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰-مولانا شاہ شرف الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ
۵۱-سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲-مولانا حسن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
۵۳- مولانا محی الدین میسوری رحمۃ اللہ علیہ ۵۴-مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ (شاید نور احمد)
۵۵- مولانا حکیم زاہد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ۵۶-شیخ عبدالفتاح لازقیہ رحمۃ اللہ علیہ
۵۷-مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ۵۸-مولوی نیاز احمد جانشین حضرت حاجی صاحبؒ
۵۹-مولانا منور علی مہتمم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ ۶۰-سعد آفندی رحمۃ اللہ علیہ
۶۱- قاضی مرتضیٰ حسین عاجز حیدر آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ
۶۲- مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء لکھنو-م ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء
۶۳- مولانا کرامت علی صاحب انبالوی (احوال و آثار شیخ العرب والعجم ص ۲۳)
۶۴-مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ
۶۵-مولانا سخاوت علی انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ (احوال و آثار ص ۲۲)
۶۶- مولانا عبدالحئی چاٹگامی (م ۱۳۳۹ھ) (احوال و آثار ص ۲۲)
۶۷- مولانا شاہ عبداللہ جلال آبادی (م ۱۹۲۴ء) (احوال و آثار ص ۲۲)
۶۸-مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی لکھنوی ناظم ندوۃ العلماء (سابقاً)

☆

ذکر خیر حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر دار العلوم دیوبند اور اس کے متعلقین میں تواتر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ہم زمانہ اور رفیقوں میں سے تھے۔ عام طور پر یہ تینوں حضرات جن میں تیسرے شیخ محمد تھانویؒ تھے تھانہ بھون کی خانقاہ جو مسجد پیر محمد میں واقع ہے اس میں جمع رہتے۔ جیسا کہ حاجی صاحب کی پیدائش ۱۲۳۳ھ میں ہوئی اسی کے لگ بھگ حافظ صاحبؒ ان سے پیدائش میں پہلے ہیں۔

ہم مولانا نسیم احمد فریدی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمارے لیے ایک خزانہ مدرسہ صولتیہ کے کتب خانے سے معلوم کیا یعنی حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کے ایک رسالہ نام ''مونس مجوراں'' کا پتہ دیا جس میں ۱۸۵۷ء کے واقعات میں حافظ صاحبؒ کی شہادت اور ان کا جہاد حریت بیان کیا ہے۔ یہ رسالہ انہوں نے کسی طرح حاجی صاحبؒ کے پاس مکہ معظمہ بھیجا تھا۔ حکیم ضیاء الدین صاحبؒ رام پور منہاران ضلع سہارنپور کے رئیس اور مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت گنگوہیؒ کے دوستوں میں سے ہیں۔ مولانا نانوتویؒ کے بعض خطوط حکیم صاحب کے نام مکتوبات قاسمی میں موجود ہیں۔ بہر حال حکیم صاحب' حافظ صاحب کے مرید اور جاں نثار تھے۔ حافظ صاحب نے بمشکل حاجی صاحب کی سفارش پر حکیم صاحب کو بیعت کیا تھا ورنہ مولانا نانوتویؒ کی طرح کسی کو مرید نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی بیعت ہونے آتا تو فرماتے:

''بھائی اگر بیعت ہونا ہے تو حاجی صاحب کے پاس جاؤ وہ خانقاہ میں اندر بیٹھے ہیں۔ اور اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہے تو مولانا محمد محدث کے پاس جا

نہ کر پوچھو اور اگر حقہ پینا ہے تو میرے پاس بیٹھ جاؤ''۔

اسی رسالے میں جو''مونس مھجوراں'' کے نام سے موسوم ہے حکیم صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے اشعار جو سو سے زیادہ ہیں نقل کیے ہیں۔ مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ان کو انتخاب کیا ہے اور مضمون کے ضمن میں رسالہ ''تذکرہ'' نومبر ۱۹۶۱ء دیوبند میں شائع کیا ہے۔ ان اشعار میں مولانا نے حافظ صاحب کا سراپا لکھا ہے۔ ہم سراپا کے اشعار کا اردو میں مفہوم پیش کرتے ہیں البتہ سراپا کے اشعار مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے بیان میں آپ آگے پڑھیں گے۔

حافظ صاحبؒ کا سراپا یعنی حلیہ:

آپ کا رنگ گورا سفید تھا چیچک کے کچھ داغ چہرے پر تھے لیکن خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ قد درمیانہ درجے کا تھا اور نہایت متناسب، خوبصورت اور چہرے سے رعب نمایاں، آنکھوں میں سرخی چمکتی تھی۔ سینے پر سیاہ بال تھے۔ بھویں آپس میں ملی ہوئی نہ تھیں بلکہ کشادہ تھیں۔ سر کے بال منڈاتے رہتے تھے۔ گردن بلند تھی اور چہرے پر تبسم رہتا تھا بے تکلف سیدھے سادھے بزرگ اور ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔

عادات واخلاق:

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اخلاق و عادات کے متعلق ''مونس یاراں'' میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس ذات عالی کو کیا بے نظیر پیدا کیا تھا کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ اور بایں صورت وشان باکمال ...... ایسے بے ساختہ اور بے تکلف تھے کہ تصنع کا گمان بھی نہ آتا تھا۔ اور ظاہر و باطن وہ صاف معاملہ تھا کہ ریا کی بو باس نہ تھی۔ اور ہر ایک یہ جانتا تھا کہ مجھ سے نہایت محبت رکھتے ہیں۔ ہیبت حق، چہرہ پرنور سے ایسی عیاں تھی کہ ہر ایک دفعتہً آنکھ نہ ملا سکتا تھا۔ اور مردم شناسی کا یہ ملکہ تھا کہ کبھی خطا نہ ہوتی تھی اور جیسا جس کو دیکھتے ویسے اس سے

کلام فرمایا کرتے تھے- غرض کسی حال میں افراط وتفریط نہ تھی اور باوصف خانہ داری اور اہل وعیال کے نہایت آزاد اور مستغنی رہتے تھے- گویا فکر دنیا پاس بھی نہ آیا تھا- دانائے عصر اور علمائے زمانہ ہر ایک مخلص و منقاد تھا- نادان و منافق سے کچھ باک نہ تھا- ہر وقت عشق الٰہی میں مست و سرشار رہتے تھے- دل کی کیفیت چہرہ مبارک پر معلوم ہوا کرتی تھی- آنکھیں ہر وقت نمناک رہتی تھیں- محبت الٰہی کا صورت شریف پر ہر آن ظہور تھا''-

(مونس یاراں بحوالہ رسالہ تذکرہ دیوبند نومبر ۱۹۶۱ء ص ۱۱)

تعلیم وتربیت:

حضرت حافظ صاحب شہید کی تعلیم وتربیت اس زمانے کے مطابق معمولی سی تعلیم ہوگی کیونکہ آپ کوئی مستند تعلیم یافتہ نہ تھے- تھانہ بھون میں آپ کے زمانے میں جس مستند عالم کا نشان ملتا ہے وہ مولانا شیخ محمد تھانویؒ تھے- حاجی صاحب بھی جیسا کہ پیشتر ذکر کیا گیا منتہی عالم نہ تھے- اسی طرح کی تعلیم بہر حال حافظ صاحب کی معلوم ہوتی ہے- حافظ بھی آپ البتہ ضرور تھے-

حالات بیعت:

اس زمانے میں لوگوں میں روحانیت کا شغل خوب خوب تھا- حاجی صاحب کی طرح حافظ صاحب نے حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ سے بیعت کی- حکیم ضیاء الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:

''وقت عصر حضرت میاں جی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم آیت کریمہ ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ ختم کرلو- حضرت حافظ صاحب نے بعد عصر آیت کریمہ شروع فرمائی اور اگلی عصر تک ختم فرما کر اسی جگہ سے اٹھے- اور اس ایک رات دن میں بجز حاجت ضروری یا نماز وغیرہ ضروریات کے کوئی بات نہ کی- جب میاں جی (صاحب) نے ذکر و اشغال تلقین فرمائے اسی ہمت اور

استقامت کے ساتھ انجام کو پہنچائے - سوائے اور اشغال کے چند روز میں حلبس دم کی یہ مشق حاصل فرمائی تھی کہ ایک دم میں ذکر نفی و اثبات بعد شرائط پانسو مرتبہ تلک پہنچا کر چھوڑ دیا زیادہ حاجت نہ ہوئی ورنہ خدا جانے کہاں تک کثرت فرماتے اور کئی سال تک فقط آدھ پاؤ کے بقدر کھانا نوش جاں فرمایا کرتے تھے - اور ربط قلب شیخ کے ساتھ اس قدر پیدا کیا تھا کہ بالکل محو اور فنا فی الشیخ ہو گئے تھے - ۱۵/شعبان (شب براءت) سے آخر رمضان شریف تک ڈیڑھ مہینے تمام شب مشغول رہتے تھے - شب کو لیٹنا' سونا بالکل موقوف کر دیتے تھے - چند روز میں کمال جذب کے ساتھ سلوک طے فرمایا اور اس قدر کمال توحید اور وسعت حال حاصل ہوئی کہ خارج از بیان ہے - اس وقت تمام درویش اہل حال فن تصوف میں پیشوا سمجھتے اور خاص و عام دریافت حال و مقام میں حیران تھے''۔ (مونس یاراں بحوالہ مضمون تذکرہ نومبر ۱۹۶۱ء ص ۱۱۰)

حصول سلوک کی ابتدائی منزلوں میں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

''مشائخ دیوبند'' کے مصنف (نور محمدی) کے حوالے سے حضرت حافظ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت میاں جیو علوی جھنجھانوی کے ایک دوست دہلی میں رہتے تھے یہ دونوں حضرات سال بھر میں ایک دوسرے سے ملتے تھے - یعنی کبھی میاں جیو صاحب ان سے ملنے جاتے تھے کبھی وہ خود میانجیو صاحب سے ملنے آتے تھے - ایک بار حضرت (میانجیو صاحب) ان سے ملنے دہلی تشریف لے گئے - آپ کے ساتھ حافظ ضامن صاحب بھی تھے - ملاقات کے بعد ان دوست صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہو امسال کتنے تیار کیے - فرمایا یہاں تو یہی ایک ہیں - انہوں نے کہا جا میرے یار مدرسے میں بھی تعلیم میں پھسڈی تھا اور اب بھی ہے - دیکھو یہاں تو اس سال بیس تیار کیے ہیں - حضرت حافظ

صاحب کو اپنے مرشد کے متعلق یہ توہین آمیز الفاظ ناگوار گزرے اور آپ جامع مسجد کی حوض پر وضو کرنے بیٹھ گئے۔ ابھی داہنا پاؤں ہی دھو رہے تھے کہ حضرت کے ان دوست کو گھبراہٹ محسوس ہوئی تو حضرت میانجیو صاحب نے فرمایا "گھبراؤ نہیں ہم اپنے بادلے کو خود سنبھال لیں گے۔ اور بایاں پاؤں بغیر دھوئے ہوئے حضرت میانجیو صاحب نے حضرت حافظ کو بلایا۔ حافظ صاحب امتثال حکم کے طور پر وضو ناتمام چھوڑ کر حاضر ہوئے اور ان بیس والے صاحب سے فرمایا کہ آپ کے بیسوں تو کورے ہیں۔ کیونکہ حافظ صاحب نے ان بیسوں کی نسبت سلب کرلی تھی"۔ (مشائخ دیوبند ص ۸۲-۸۳)

نسبت کا سلب کرنا تو ولیوں کی باتیں ہیں وہی ان رموز کو خوب پہچانتے ہیں۔ تاہم کسی سے اس کا منصب چھین لینا جب کہ اس پر کوئی اور بالا دست حاکم ہو عقلاً مسلم ہے۔ یہی کچھ روحانی طاقت حافظ محمد ضامن صاحب میں پیدا ہوگئی تھی جو ان کی منزل سلوک کا پتہ دیتی ہے۔

سلوک میں ترقی:

آپ کی روحانی حالت نے بعد ازاں بہت ترقی کی حتیٰ کہ جب آپ کے پیر و مرشد میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا تو حاجی امداد اللہ صاحبؒ جو آپ کے پیر بھائی تھے ان کی روحانی تربیت کو حافظ محمد ضامن صاحب نے معراج کمال پر پہنچایا۔

مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ کا حافظ صاحبؒ سے کسب روحانیت:

مولانا شیخ محدث تھانوی جو اپنے زمانے کے جید عالم اور زبردست صاحب نسبت تھے انہوں نے تعلیم کے بعد سب سے پہلے حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ جو مولانا کے رشتے کے ماموں ہوتے تھے اور ہم عمر تھے روحانی فیض حاصل کیا اور بعد ازاں میاں جی نور محمد صاحبؒ جھنجھانوی سے بیعت کی۔

اخفائے حال:

تصوف اور طریقت کی منزل میں جو کیفیتیں حاصل ہوتی ہیں ان کا چھپانا صوفی اور عارف خدا کے لیے ظرف کی بلندی کی دلیل ہے حافظ صاحب کو اپنے حالات معرفت کو چھپانا خوب آتا تھا جس سے ان کے بلند مقامات کا پتہ چلتا ہے۔ حکیم ضیاء الدین صاحب ؒ مونس یاراں میں لکھتے ہیں:

''ابتدائے حال میں حضرت حافظ صاحب کو قمریوں سے شوق تھا۔ ایک روز بعد کھانا کھانے کے ایک روٹی قمریوں کے لیے لائے۔ جس وقت قریب پنجرے کے پہنچے (تو) ایک قمری نے صدائے حق سرہ سنائی۔ اس صدا کو سنتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے ناگاہ ایک شخص آ گیا (اس وقت ہوش آ گیا تھا) گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور یوں فرمایا کہ:

''دیکھو اکثر آدمی راہ میں پانی گرا دیتے ہیں لوگ رپٹ کر گر جاتے ہیں''

سبحان اللہ کتنا اخفائے حال تھا کہ حتی المقدور اپنے حال کو باتوں سے چھپا دیا۔ اسی وجہ سے آپ کے اکثر حال اور خرق عادات ظاہر نہ ہوئے''۔

(مونس یاراں بحوالہ تذکرہ نومبر ۱۹۶۱ء)

حکیم صاحب کی اس عبارت سے حافظ صاحب کے اخفائے حال' وجد و ذوق' عشق و معرفت خداوندی اور قمریوں کے پالنے کا پتہ چلتا ہے۔

چشتی اور فاروقی:

چونکہ آپ سلوک کے خاندان چشتیہ میں بیعت تھے اس لیے سوز عشق اور بھی زیادہ تھا اس پر ضبط حیرانی سے کم نہیں ورنہ چشتیوں کو وجد و حال بے تاب رکھتا ہے۔ اس کے برعکس نقشبند یہ خاندان والوں کے لب پر مہر خاموشی ہوتی ہے۔ الحاصل حافظ صاحب سلسلہ سلوک میں چشتیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن نسب کے اعتبار سے آپ کا سلسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا تھا اس لیے طبیعت میں جرأت' دل میں

حوصلۂ دین میں پختگی اور شدت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سی تھی۔

اتباع شریعت اور زہد وتقویٰ:

صوفی اور عارف خدا کی سب سے بڑی پہچان شریعت کی پیروی، سنت کا اتباع اور بدعت سے نفرت ہے۔ حافظ صاحب اتباع سنت اور استیصال بدعت میں بہت آگے تھے۔ حکیم صاحبؒ لکھتے ہیں:

''اور اتباع شریعت یہ کچھ تھا کہ ادنیٰ بدعت بھی جڑ سے اکھاڑ دیا کرتے تھے اور خود مسئلہ مختلف فیہا میں احتیاط پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ اور اوامر ونواہی میں شان فاروقیت کا عروج ہوتا تھا۔ زہد وتقویٰ پر ایسی کمر چست باندھی تھی کہ جان تک سے دریغ نہ فرمایا۔ اللہ اللہ کیا اوصاف بیان کروں مختصر یہ کہ ایک دریائے نور تھا، نور محمدی کا ظہور تھا''۔ (مونس یاراں)

شہادت اور کشف شہادت ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ بروز پیر بوقت ظہر بمقام شاملی:

جب ہندوستان میں جنگ آزادی کا ولولہ مسلمانوں میں آگ کی طرح پھیل گیا اور ادھر ضلع مظفر نگر اور سہارنپور بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے تو حافظ ضامن صاحبؒ اور حاجی امداد اللہ صاحبؒ کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ فقہی طور پر جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے مسئلے کی صورت حال اور جہاد کی فرضیت طے کر دی اور حاجی صاحب کو امیر جہاد بنا لیا گیا کیونکہ امیر کے بغیر جہاد جائز نہیں تو شاملی ضلع مظفر نگر میں یہاں کی تحصیل میں حکومت کا خزانہ تھا اور یہیں پر توپ خانہ اور اسلحہ بھی موجود تھا اس لیے ان حضرات نے جہاد کیا اور انگریزی فوجوں سے سخت لڑائی کی کئی گھنٹے تک میدان کارزار گرم رہا بالآخر حافظ محمد ضامن صاحب کی ناف کے نیچے گولی لگی اور شہید ہو گئے ؏ شہید ہوئے مزے عمر جاوداں کے لیے

حوریں پیالے لیے ہوئے مکانوں کی منڈیروں پر کھڑی ہیں:

شہادت سے پہلے آپ کو شہادت کا کشف ہو چکا تھا۔ حکیم ضیاء الدین

صاحبؒ نے ''مونس یاراں'' میں لکھا ہے کہ شہادت کے سال حافظ صاحب اس طرح فرمایا کرتے تھے:

''دیکھو حوریں پیالے لیے ہوئے مکانوں کی منڈیروں پر کھڑی ہیں جس کا جی چاہے لے لیوے''۔

ان ایام میں حضرت پیر و مرشد (حافظ صاحب) ولولہ و محبت الٰہی میں ایسے مست و مخمور ہوئے تھے (کہ) اکثر ذکر شہادت برزبان تھا اور بہت باتیں اسرار کی کہہ اٹھتے تھے۔ سر حال (اخفائے حال) کا چنداں لحاظ نہ رہا تھا اور جو کوئی معتقد بیعت ہوتا تھا برخلاف عادت فوراً بیعت کر لیتے تھے۔

حالانکہ اس سے پہلے حافظ صاحب اخفائے حال اور مرید نہ کرنے پر مستقل مزاج نظر آتے ہیں حکیم ضیاء الدین صاحب لکھتے ہیں:

''سر حال کا بہت خیال تھا۔ آزادانہ وضع رکھتے تھے۔ بوسیلہ سفارش حضرت حاجی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ میں مشرف بہ بیعت ہوا تھا''۔

شہادت سے پہلے:

شہادت سے آٹھ دس روز پہلے ایک خط فارسی زبان میں حافظ صاحب نے اپنے مرید حکیم صاحب کو لکھا جس کا ترجمہ حکیم صاحب نے (محسن یاراں) میں حسب ذیل لکھا ہے:

''برادر دینی حکیم محمد ضیاء الدین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام واضح رائے ہو کہ تمہاری تحریر کے موافق دل میرا متمنی ملاقات ہے۔ لازم کہ بغور مطالعہ اس خط کے اپنے تیئں یہاں پہنچاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ توقف میں حسرت ملاقات کی دل میں رہ جائے۔ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ باقی حال بروقت بیان کیا جائے گا۔ فقط والسلام''۔

شہادت کا دولہا:

میدان شہادت میں جانے سے پہلے آپ نے جو زیب و زینت کی اس کا

نقشہ حکیم صاحب نے اس طرح کھینچا ہے:

''جس وقت ارادہ معرکہ کا کیا غسل فرما کر سب لباس نیا زیب بدن شریف فرمایا اور یہ لباس بہت روز پیشتر سے رکھ چھوڑا تھا حالانکہ ان کے بعد کے کپڑے بنائے ہوئے استعمال فرمائے۔ اور وہ لباس اس دن کام آیا۔ نعلین شریفین کچھ بوسیدہ نہ تھیں مگر وہ بھی نئی منگا کر زیب پا کیں اور یہاں تلک سامان لباس وغیرہ کا اہتمام کیا تھا کہ خوشبو ملی اور سرمہ لگایا' دستار پیچدار' سپاہیانہ وضع' شمشیر لے کر شربت دیدار کی تمنا میں علم جوانمردی اٹھا کر مردانہ اور مشتاقانہ برسر معرکہ جاں بحق تسلیم فرمائی جیسا کہ کسی نے کہا ہے

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز (محسن یاراں)

اللہ اللہ حافظ صاحب کو شوق شہادت کا جذبہ کس شان سے ان کو مقتل کی طرف کھینچ رہا تھا اور آپ کو یقین تھا کہ مجھے آج شہادت کا جام پینا ہے۔ اس لیے عید کی طرح خوشیاں مناتے ہوئے یہ دولہا شہید ہوا۔ حکیم صاحب نے اوپر کی عبارت میں افسوس کہ کپڑوں کی نوعیت نہ لکھی حالانکہ جائے شہادت میں جانے سے پہلے حکیم صاحب نے ان کو خوب دیکھا تھا۔

مولانا رشید احمدؒ صاحب گنگوہی کے زانو پر:

حافظ صاحب نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو وصیت فرمائی تھی کہ بوقت شہادت یعنی نزع کے وقت میرے پاس رہنا چنانچہ مولانا گنگوہی آپ کو گولی لگنے کے بعد قریب کی مسجد میں لے گئے اور اپنے زانو پر حافظ صاحب کا سر رکھا اور اسی عالم میں یہ شہید الفت اپنے حقیقی محبوب سے جا ملا جس سے ملنے کے لیے بے حد بے چین تھا۔

سنہ پیدائش اور عمر بوقت شہادت:

آپ کی پیدائش کی تاریخ اگرچہ کہیں درج نہیں لیکن حاجی امداد اللہؒ صاحب

کے معاصر ہونے کے سبب اندازہ یہ ہے کہ ۱۲۳۳ھ سے غالباً چند سال پہلے پیدا ہوئے ہوں کیونکہ آپ حاجی صاحب سے کچھ عمر میں بڑے تھے- اور حاجی صاحب کا سن پیدائش ۱۲۳۳ھ یعنی ۱۸۱۴ء ہے- ادھر آپ کے دوسرے معاصر مولانا شیخ محمد محدث تھانوی ۱۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے تھے لیکن حافظ صاحب ان سے بھی یقیناً عمر میں بڑے تھے- قیاس اور درایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب ۱۲۲۵ اور ۱۲۳۰ھ کے درمیان میں پیدا ہوئے- اس حساب سے شہادت کے وقت آپ کی عمر تقریباً پینتالیس سال تھی- حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے شہادت کے وقت جو سراپا لکھا ہے اس کے دو شعر یہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ڈاڑھی اور سینہ کے بال اس وقت بالکل سیاہ تھے- لکھتے ہیں ۔

ان کے محاسن میں وہ چمکے عذار   شعلے کی جوں دود سیہ میں بہار

سینے پہ کچھ بال سیہ ہیں نمود   ہیں یہ اسی آتش سوزاں کے دود

یعنی حافظ صاحب کے رخسار، محاسن (ڈاڑھی) میں اس طرح چمکتے تھے جس طرح سیاہ دھوئیں میں شعلہ چمکتا ہے اور سینے پر کچھ بال تھے اور وہ بھی سیاہ تھے جو سوز عشق الٰہی کے باعث دھوئیں کی بجائے بال بن گئے تھے-

تاریخ شہادت:

حکیم ضیاء الدین صاحب کے ہم بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے ''محسن یاراں'' جیسا رسالہ لکھ کر ہمارے ہاتھوں تک تاریخی سند پہنچائی- تاریخ شہادت کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ نے ۲۴/محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو پیر کے دن ظہر کے وقت شربت شہادت نوش جاں فرمایا- آپ کی وفات وشہادت پر جو تاریخیں کہی گئیں وہ یہ ہیں:

۱- مولف رسالہ (حکیم ضیاء الدین) کے بھائی محمد علاء الدین صاحب رام پوری نے ۱۲۷۴ ''شہادت مرشد ہادی'' تاریخ شہادت نکالی-

حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

الشیخ الفاضل الکبیر محمد بن احمد اللّٰہ العمری التھانوی.

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے- آپ نے مولانا عبدالرحیم تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادیؒ سے تعلیم حاصل کی- پھر دہلی گئے- اور وہاں مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم متعارفہ پڑھے- منطق وحکمت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی بعدہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور علم حدیث حاصل کیا- آپ مفرط الذکاء سریع الادراک' قوی الحفظ اور شیریں کلام تھے- بچپن میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے- جب سن رشد کو پہنچے تو پھر میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ سیکھا- آپ ٹونک بھی گئے اور وہاں تعلیم وتدریس پر مقرر ہوئے- ایک عرصہ تک ٹونک میں رہنے کے بعد اپنے وطن لوٹے اور اپنی پوری عمر ارشاد وتلقین میں صرف کی- آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں- جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

دلائل الاذکار' القسطاس فی اثر ابن عباس' ارشاد محمدی' المکاتبۃ المحمدیہ المناظرۃ المحمدیہ' تفصیل الختنینؒ اور حاشیہ شرح عقائد-

۱۲۹۶ھ میں آپ کا وصال ہوا- ۶۶ سال کی عمر پائی- آپ کی تاریخ وفات اور مدت عمر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مجھے بتائی تھی-[1]

مولانا محمد عمر جے تھالوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی الحسنی لکھنوی' نزہۃ الخواطر' حیدرآباد دکن ج ۷

''مولانا شیخ محمد صاحب کے والد کا نام نامی مولانا احمد اللہ تھا- آپ تھانہ بھون میں ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۰ھ کو پیر کے دن پیدا ہوئے آپ پانچ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ کا اور دس سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا- آپ کا سلسلہ نسبت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے- گیارہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا- بعدازاں فارسی شروع کی اور پھر مولانا عبدالرحیم صاحبؒ سے عربی وصرف ونحو کی کتابیں پڑھیں- آپ نے مولانا محمد قلندر جلال آبادیؒ سے بھی تعلیم حاصل کی- مولانا پندرہ سال کے تھے کہ دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث سے حدیث پڑھی- ۱۹ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون مثلاً حدیث، فقہ، تفسیر، اصول فرائض، کلام، منطق، ریاضی اور فلسفہ سے فراغت کی سند حاصل کی''-

حصول تعلیم کے بعد آپ نے اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام کیا اور اہل وطن کو وعظ اور تعلیم وتدریس کے ذریعہ فیض پہنچایا- آپ نے پہلے حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ رشتہ میں آپ کے ماموں ہوتے تھے، روحانی فیض حاصل کیا- بعدازاں میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے بیعت کی اور ان کے خلیفہ مجاز ہوئے- جس زمانے میں حضرت مولانا سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون پہنچے تو آپ کے بزرگوں نے مولانا کو بھی برکت کے طور پر حضرت سید صاحب سے بیعت کرا دیا-

۱۲۶۲ھ میں ٹونک کے نواب وزیر الدولہ کی خواہش پر احادیث تہذیب اخلاق کا کام ٹونک میں رہ کر انجام دیا- بعدازاں ۱۲۶۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے- مکہ معظمہ میں حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) کے چھوٹے بھائی شاہ محمد یعقوب صاحب مہاجر (م ۱۲۸۲ھ) سے سند علوم پائی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا- حج کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور پھر ۱۲۶۴ھ میں حدیدہ اور عدن کے راستے سے بمبئی پہنچے- اثنائے راہ میں امام ابوالحسن شاذلی یمنیؒ کے مزار پر

حاضری اور فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ۱۲۷۴ھ سے ۱۲۷۷ھ تک آپ میرٹھ میں مسجد خیر المساجد واقع خیر نگر میں مقیم رہے جس میں بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ میرٹھ میں آپ نے ذکر وفکر اور درس وتدریس کا شغل جاری رکھا۔ ۱۲۷۸ھ میں نواب وزیر الدولہ مرحوم کے صاحب زادے نواب علی محمد خاں کی خواہش پر ٹونک تشریف لے گئے جہاں نواب صاحب نے آپ سے حدیث پڑھی۔ آپ کا قیام اس مرتبہ ٹونک میں ۱۲۸۰ء تک رہا۔

آپ کے اخلاق وعادات کے بارے میں آپ کے مرید حکیم محمد عمر چرتھالویؒ لکھتے ہیں:

"آپ ہمیشہ پاک وصاف، نفیس وشفاف کپڑے پہنا کرتے تھے اور لطیف و قلیل کھانا کھاتے تھے آپ کسی حالت میں کسی فرد بشر کی عیب بینی اور اس پر نکتہ چینی نہیں کرتے تھے۔ کبھی کسی کو برا نہ کہتے اور کسی وقت بے وضو نہیں رہتے تھے۔ آٹھ پہر میں کل چار گھنٹے آرام فرماتے۔ برابر میں اتباع سنت فرماتے تھے۔ آپ سے مسائل معلوم کرنے والوں میں اگر کوئی آدمی بے تکے سوال کرتا اور بہت سمع خراشی بھی کرتا تو بھی ذرا سختی کو کام میں نہ لاتے تھے۔ نہایت نرمی سے مکرر سہ کرر سمجھاتے۔ کبھی کسی سے ترشروئی یا خفگی سے پیش نہ آتے تھے بلاوجہ کسی سے بغض نہیں رکھتے تھے۔ بلا ضرورت شرعی کہیں نہ جاتے۔ ہر وقت اپنی قیام گاہ میں بیٹھا رہنا پسند فرماتے اور سفر میں کوسوں پیدل چلتے تھے۔ آپ کی صورت بہت حسین تھی۔ آپ کا حافظہ بھی بہت اچھا تھا۔ جو کتاب ایک دفعہ دیکھ لی آخر تک از بر تھی۔ تفسیر، اصول فقہ اور حدیث میں خاص ملکہ تھا"۔

یوں تو آپ کے سینکڑوں شاگرد اور ہزاروں مرید تھے ان مریدوں میں آپ کے خلیفہ قاضی محمد اسماعیلؒ منگلوری، حکیم محمد عمر چرتھالویؒ اور شاگردوں میں نواب علی محمد

خانؒ والی ٹونک، دیوان شمس الدین نائب ریاست ٹونک اور قاضی شیخ محمد محدث مچھلی شہری قاضی بھوپال) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ اپنے زمانے کے زبردست صاحب نسبت بزرگ اور بلند مرتبہ محدث تھے۔ آپ نے تصنیفات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے جو حسب ذیل ہے۔

(۱) دلائل الافکار (۲) مناظرہ محمدیہ مصنفہ ۱۲۶۴ھ (بجواب رسالہ مولانا عبدالحق خیر آبادیؒ جو کہ انہوں نے امام رازیؒ کے بعض اقوال کی تردید میں لکھا تھا (۳) مکاتیب محمدیہ (جواب اعتراض مولوی بشیر الدین قنوجی) (۴) ارشاد محمدی (فی الاشغال والاعمال) یہ رسالہ ۱۲۷۷ھ میں میرٹھ کے قیام کے زمانہ میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا (۵) انوار محمدی فی المراقبات و المشاہدات۔ یہ رسالہ مطبع ضیائی میرٹھ میں طبع ہوا (۶) رسالہ صلوٰۃ (۷) الہامات محمدیہ (۸) قسطاس فی اثر ابن عباس۔ یہ کتاب مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی کتاب دافع الوسواس کے جواب میں تحریر فرمائی ہے۔ (۹) بیاض محمدی حصہ اول۔ یہ کتاب مجرب اعمال ونقوش میں ہے۔ اور مسلم پریس دہلی میں چھپ چکی ہے (۱۰) بیاض محمدی حصہ دوم (۱۱) شرح نسائی (۱۲) رسالہ گل ولالہ (یہ رسالہ فن تصوف میں ہے اور میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں لکھا گیا ہے) (۱۳) فتاویٰ محمدی (۱۴) سماع موتی۔ یہ رسالہ آخر ماہ صفر ۱۲۹۶ھ میں لکھا گیا ہے۔ اور آپ کی آخری تصنیف ہے جو بوجہ کمزوری حکیم محمد عمرؒ چرتھالوی کو بول کر لکھائی اور مولانا رحم الٰہی منگلوریؒ کو اس روز اتفاق سے رک گئے تھے سنائی۔ یہ رسالہ دراصل سماع موتی کے ایک استفسار کے جواب میں ہے۔ (۱۵) مثنوی دفتر ہفتم۔ حکیم محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کی ۳۲ کتابوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے تصنیف کی تھیں لیکن دیگر کتابوں کے نام نہیں لکھے۔

قاضی محمد اسماعیل منگلوریؒ نے اپنے رسالہ تنبیہ کے حاشیے میں ایک اور کتاب کا حوالہ دیا ہے جس کا نام فیضان محمدی ہے۔

کتب مذکورہ میں رسالہ ''گل ولالہ'' اور ''فتاویٰ محمدی'' نہیں چھپیں بقیہ مذکورہ بالا کتابیں چھپ چکی تھیں۔ آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جو ورثاء میں منتقل ہوا۔ مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمود احمدؒ تھے جن کے چار لڑکے میاں مسعود احمدؒ میاں محمد احمدؒ میاں محمد اعلیٰ اور حافظ محمد افضلؒ تھے۔ پہلے دونوں صاحبزادے پاکستان چلے آئے۔ مؤخر الذکر یعنی حافظ محمد افضل کے دولڑکے میاں اسلم اور میاں اکمل مولوی خیر الذکر عبدالاحد صاحب مالک مطبع مجتبائی دہلی کے نواسے تھے ۱۹۴۷ء تک یہ کتب خانہ جناب اسلم صاحب کے پاس تھا[1] لیکن جب وہ پاکستان چلے آئے تو ان کے جاتے ہی پناہ گزین حضرت مولانا کے مکان پر قابض ہو گئے اور انہوں نے تمام کتب خانہ ردی میں کسی دوسری جگہ فروخت کر دیا۔

آپ نے ۷ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ کو بروز سہ شنبہ تھانہ بھون میں انتقال فرمایا۔ ''شیخ محمد مرحوم'' سے آپ کی تاریخ وفات نکلی ہے۔

آپ نے ۱۲۹۶ھ کئی نکاح کیے تھے۔ آپ کی ایک بیوی سے مولانا محمود احمد اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ دوسری بیوی سے مولانا محمد عمر اور ایک لڑکی تھیں اور تیسری بیوی سے حافظ محمد صدیق صاحب تھے۔[2]

پروفیسر محمد ایوب قادری نے لکھا ہے:

''مولانا شیخ محمد بن شیخ حمد اللہ تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) وطن ہے۔ ظہور احسن تاریخی نام ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و حفظ قرآن

---

[1] اس کتب خانہ کا یہ حال مجھے مولانا سید حامد حسن صاحب امروہی خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی ؒ تھانوی کے ایک خط سے معلوم ہوا جو انہوں نے احقر کے جواب میں لکھا تھا۔ (مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی)

[2] تذکرہ کا زیادہ تر مواد مولانا نسیم احمد کے مضمون سے ماخوذ ہے۔

تھانہ بھون میں کیا' پھر دہلی پہنچے' حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر فقہ وتفسیر وحدیث وغیرہ علوم دینیہ کی سند حاصل کی- حضرت میاں جیونور محمد جھنجھانوی سے بیعت تھے- ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۶ء میں انتقال ہوا- مولانا تھانوی کے مفصل حالات ان کے رسالہ تحقیق وحدۃ الوجود والشہود کے ساتھ مولوی ثناء الحق (ایم - اے) نے شائع کر دیئے ہیں- یہ کتاب پاک اکیڈیمی کراچی نے شائع کی ہے''-[۱]

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ محمد صاحب فاروقی' حضرت میاں جیو صاحب کے خلفائے عظام میں سے ہیں- علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے- اپنے زمانہ میں محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور تھے بڑے ذی علم لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے- آپ پر علم ظاہر کا غلبہ تھا خصوصاً علم حدیث میں کافی مہارت رکھتے تھے...... آپ کے خلفائے عظام میں قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں''-[۲][۳]

---

۱ محمد ایوب قادری' مولانا محمد احسن نانوتوی' کراچی' ۱۹۶۶ء ص ۵۳ (حاشیہ)

۲ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن' تذکرہ مشائخ دیوبند' کراچی' ۱۹۶۴ء ص ۹۳-۹۴

۳ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی' مکتوب' ۱۹۷۶ء

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

آپ کا اسم گرامی مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہے آپ مولانا محمود بخش صاحب کے صاحبزادے اور مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھتیجے ہیں' اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں' سلسلۂ نسب آپ کا یہ ہے' مولانا مظفر حسین صاحبؒ بن مولانا محمود بخش صاحبؒ بن مولوی حکیم شیخ الاسلامؒ بن حکیم قطب الدین صاحبؒ بن شیخ عبدالقادرؒ بن محمد شریفؒ بن مولوی اشرفؒ بن جمال محمد شاہ بن بابنؒ بن بہاؤ الدینؒ بن شیخ محمدؒ بن شیخ محمد فاضلؒ بن شیخ قطب شاہؒ۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی ہے مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز ترین شاگردوں میں سے ہیں' اپنے زمانہ کے مشہور مفتی اور طبیب تھے' عربی فارسی اور اردو کی شاعری میں استادانہ قدرت رکھتے تھے۔ آپ نے بانت سعاد کی شرح عربی فارسی اردو کے اشعار میں کی ہے' عربی فارسی کی چالیس تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

مفتی الٰہی بخش صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ باوجود شیخ وقت ہونے کے حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے جو آپ سے ۳۸ سال چھوٹے تھے۔ بیعت ہوئے اور استفادہ کیا۔

جب مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۲۴۵ھ میں وصال ہوا تو آپ نے اپنی بقیہ تعلیم ظاہری وباطنی حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی نواسہ وشاگرد رشید حضرت شاہ

عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوری کی اور نہایت بلند پایہ عالم ہوئے۔

سلوک و تصوف:

آپ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ ہیں لیکن مرید و خلیفہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مہاجر مکیؒ کے ہیں آپ کے زہد و تقویٰ کے متعلق مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے، تقویٰ اللہ اکبر ایسا تھا اور اس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ اگر مشتبہ چیز معدے میں پہنچ گئی تو اسی وقت قے ہو جاتی تھی''۔ (سوانح عمری ص ۸)

نہایت سیدھی سادی زندگی کے مالک تھے، ایک گاڑھے کا کرتہ، پائجامہ یا نیلی لنگی یہ آپ کا لباس تھا ایک مرتبہ آپ کی صاحبزادی امۃ الرحمٰن المعروفہ امی بی[1] نے آپ کو ململ یا تنزیب کا کرتہ سی دیا اول تو پہننے سے انکار کر دیا تھا لیکن بعد میں صاحبزادی کی خاطر پہن لیا اور جمعہ کی نماز پڑھ کر اتار دیا اور فرمایا کہ میرا گاڑھے کا کرتہ دے دو اس میں عجب پیدا ہوتا ہے۔

سواری پر کبھی سوار نہ ہوتے پیدل سفر کرتے تھے اور سامان سفر، لوٹا، لنگی، لکڑی، مشکیزہ ہوتا تھا، جہاں شام ہو گئی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] امی بی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ و حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی نانی ہوتی ہیں نہایت عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں جس وقت انتقال ہوا تو ان کپڑوں میں کہ جن میں آپ کا پاخانہ لگ گیا تھا عجیب و غریب مہک تھی کہ آج تک کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی آپ کی صاحبزادی کا نکاح حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ والد بزرگوار حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے ہوا آپ کے حالات حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے تذکرہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے کوئی مسلمان نہ تھا وہاں والوں سے کہا کہ رہنے کے لیے کوئی جگہ بتا دو تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولھو بتا دیا' آپ کے پاس روٹی تھی اس کو نوش فرمایا' اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کے لیے جنگل میں آیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن شریف پڑھتے سنا' تمام شب بے تابی سے گزاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھتا تھا وہی جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے اس کے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا' وہاں اس کے بیوی بچے سب مسلمان ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد یا شاملی گزر ہوا ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کے لیے تشریف لا کر پانی کھینچا' وضو کیا مسجد میں جھاڑو دی بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا ابھی سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو کہ شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور دو چار بھی نمازی بن جائیں گے۔

آپ ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نشہ میں مست تھی' آپ نے خان صاحب سے فرمایا کہ بھائی خان صاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور مسجد آباد ہو جائے۔ خان صاحب نے کہا میرے سے وضو نہیں ہوتا اور نہ یہ دو بری عادتیں چھوٹتی ہیں۔ آپ نے فرمایا بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اس پر اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو نماز پڑھ لیا کروں گا' آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو باتیں ایسی سرزد ہوئی ہیں جو کبھی نہیں ہوئیں اول یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی دوسرے یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے' فرمایا کہ سجدے میں میں نے جناب باری تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا اب دل

تیرے ہاتھ میں ہے۔

ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا- خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے، غسل کیا اور پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی، بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی بعد مغرب گھر پہنچے تو طوائف موجود تھی اول کھانا کھانے گھر میں گئے بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے، ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی، فوراً باہر آئے، رنڈیوں سے کہا میرے مکان پر آئندہ کبھی نہ آنا اور خادم سے کہا بستر ہ گھر میں بھیج دو، سنا ہے کہ ان خان صاحب کی ۲۵ سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

ایسے ہی ایک مرتبہ آپ گڈھی پختہ تشریف لے گئے، ایک خان صاحب سے نماز کے لیے کہا اس نے کہا کہ مجھے داڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور وضو سے یہ اتر جاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ بغیر وضو پڑھ لیا کرو خان صاحب نے کچھ روز بغیر وضو نماز پڑھی پھر خیال آیا کہ ایک مولوی کے کہنے سے تو بغیر وضو نماز پڑھنا شروع کر دی اور اللہ و رسولؐ کے کہنے سے باوضو نماز نہیں پڑھی جاتی اس کے بعد ہمیشہ باوضو نماز پڑھنے لگے۔

ایک مرتبہ آپ حج سے تشریف لا رہے تھے کہ پانی پت سے چل کر کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور آخر شب وہاں سے روانہ ہو گئے اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہو گئی، بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا ضرور وہی چور ہے، لوگ تعاقب کے لیے آئے اور جھنجھانہ کے قریب آ کر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو، آپ نے فرمایا کہ جھنجھانہ کے تھانہ میں نہ لے چلو اور کہیں لے چلو اس پر ان لوگوں کو اور بھی شبہ ہوا اور وہ جھنجھانہ کے تھانہ میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیا

جس نے حوالات میں آپ کو بند کر دیا- تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور ہو گیا عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بدمعاشی ہے اس کی جان کے درپے ہو گئے بہر حال جوں توں کر کے اشتعال ختم ہوا اور تھانہ دار نے معافی مانگی اور چھوڑ دیا-

ایک مرتبہ آپ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے آپ خالی ہاتھ تھے کہ ایک آدمی ملا اور آپ سے پوچھا کہاں جاؤ گے آپ نے جواب دیا کاندھلہ چنانچہ اس آدمی نے اپنا سامان آپ کے سر پر رکھ دیا' کاندھلہ آ کر جب اس آدمی کو معلوم ہوا تو بہت شرمندہ ہوا آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لیے ہوئے آ رہے تھے-

زمانہ طالب علمی میں آپ نے کبھی دہلی میں سالن سے روٹی نہ کھائی دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریقہ پر ہوتی ہے اس لیے میں سالن سے روٹی نہیں کھاتا' آپ دعوت میں کسی کے یہاں کھانا نہیں کھاتے تھے' ابتداء قاضی صاحب اور متولی صاحب کے یہاں کھانا کھایا کرتے تھے' انتقال کے بعد ان کے یہاں بھی کھانا چھوڑ دیا اور کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا جب ان کے لڑکے نے دریافت کیا تو فرمایا کہ تم نابالغ تھے اس لیے میں تمہارے مال سے پرہیز کرتا تھا-

آپ نہایت منکسر المزاج تھے- صبح کی نماز پڑھ کر مسجد سے جب تشریف لاتے تو جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے سب کے یہاں جاتے اور دریافت فرماتے کہ بازار سے کچھ سودا منگانا ہے' ان دنوں میں عموماً غلہ کے عوض بازار سے سامان منگایا کرتے تھے آپ کرتے کے دامن میں غلہ لے جاتے اور سامان خرید کر لا دیتے-

ایک مرتبہ آپ رامپور تشریف لے گئے ایک عورت نے شکایت کی کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا' چنانچہ آپ وہاں سے فیروز پور اس کے خاوند کے پاس گئے

اور اس کو سمجھایا کہ آئندہ ہمیشہ خرچ بھیجا کرو۔

نکاح بیوگان کے لیے سخت کوشش کرتے تھے' چنانچہ جب حضرت مفتی الٰہی بخشؒ کے صاحبزادے ابوالقاسم صاحب کا انتقال ہوگیا تو آپ نے ان کی بیوی کو اولاً ترجمہ قرآن شریف پڑھایا' ایک دن موقع پا کر نکاح ثانی کرنے کی ترغیب دی اس پر انہوں نے کہا کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے آپ نے فرمایا کہ تم تیار ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم نکاح کر دو تو میں تیار ہوں مگر ہم تم دونوں مارے جائیں گے آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر اقرار فرما لیا اور ایک موقعہ پر دو چار آدمیوں کے سامنے مخفی طور سے نکاح ہوگیا کچھ عرصہ بعد حمل ٹھہر گیا کسی کو نکاح کی خبر نہ تھی' ہر جگہ زنا کا شور مچ گیا' تھانہ بھون والے چڑھ کر آئے لڑکی والے کی طرف سے اعلان تھا کہ جو کوئی مولوی مظفر حسین صاحب کا سر اتار لائے گا اس کو ایک ہزار روپیہ انعام ملے گا۔ آپ کاندھلہ سے دہلی تشریف لے گئے' اتفاق کی بات ہے کہ ان کی والدہ سخت علیل ہوگئیں' قاضی صاحب ان کے والد بہت پریشان ہوئے کسی فقیر نے کہہ دیا کہ حافظ ضامنؒ سے دعا کراؤ۔ بہر حال ان کے لوگ بہت سر ہوئے تو فرمایا کہ دہلی سے اپنی بہن یعنی مولانا مظفر حسین صاحب کی اہلیہ کو یہیں بلاؤ' تب دعا کروں گا ان کے پہنچتے ہی خود بخود صحت مند ہوگئی۔

کیرانہ میں ایک رافضی عورت تھی اور تھی بیوہ آپ نے اس کو عقیدہ بدلنے کی ترغیب دی اس نے کہا کہ اگر تم مجھ سے نکاح کرو تو میں تیار ہوں' چنانچہ آپ نے وعدہ کر لیا اور اس نے توبہ کر لی اور آپ کا نکاح اس عورت سے ہوگیا اس عورت نے آپ کو بہت تکلیف دی' دروازہ بند کر لیتی تھی' آپ دروازہ پر لنگی بچھا کر تمام رات نماز میں گزار دیتے تھے۔

حج اور وصال:

آپ نے سات حج پیدل کیے ہیں ۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۲۸۲ھ میں جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو اسہال شروع ہوگئے' آپ نے حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ

میری خواہش ہے کہ میں مدینہ میں جا کر مروں' چنانچہ حاجی صاحب نے مراقبہ کیا اور فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے ابھی مدینہ منورہ ایک منزل باقی تھا کہ آپ پھر بیمار ہوئے اور ۱۰/محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵/مئی ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار مقدس کے قریب مدفون ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن.

کرتہ' پاجامہ' لنگی' مشکیزہ' لوٹا آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔ لنگی مریدین میں تقسیم ہوگئی' کرتا اور پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس ہندوستان بھیج دیا گیا۔ (ماخوذ از تذکرۃ الخلیل)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند سے عربی واسلامی علوم کی تاریخ لکھتے وقت ان مایہ ناز اور بلند ہستیوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا' جنہوں نے اردو اور انگریزی کے ذریعہ عربی علوم وادب کی خدمت انجام دی- اردو کے ذریعہ عربی واسلامی علوم کی جن لوگوں نے خدمت کی' ان میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام سرفہرست ہے-

آپ کی پیدائش ۱۸۳۳ء/۱۲۴۸ھ میں ہوئی- آپ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور سرسید احمد خان کے ہم جماعت اور استاد بھائی بھی تھے- آپ نے مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے مروجہ درسی کتابیں پڑھیں اور شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ سے حدیث کی سند حاصل کی- آپ نے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظرے کر کے اسلام کی برتری قائم کر دی- شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ آپ کے شاگردوں میں سے تھے- تحذیر الناس' آبِ حیات' تقریر دل پذیر' انتباہ المومنین' مباحثہ شاہجہان پور' ہدایۃ الشیعہ اور قبلہ نما آپ کی اہم تصانیف ہیں-[1]

مولوی محمد قاسم نانوتویؒ بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبد سمیع بن مولوی محمد ہاشم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے- ان کا تاریخی نام خورشید حسن ہے- اللہ تعالیٰ نے جدت طبع اور جودت ذہن فطری طور سے ودیعت فرمایا تھا- ابتداء میں شیخ نہال احمد نانوتوی[2] اور مولوی محمد نواز

---

[1] پروفیسر عبدالقیوم: تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند' لاہور ۱۹۷۱ء جامعہ پنجاب ج ۲ ص ۴۱۶-

[2] شیخ نہال احمد دیوبند کے رہنے والے تھے-

سہارنپوری رحمہما اللہ سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں دہلی پہنچے۔ مروجہ درسی کتابیں مولانا مملوک علی نانوتوی مدرس اول مدرسہ دہلی سے پڑھیں اور حدیث کی سند شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی اور تحصیل علوم سے فراغت حاصل کر کے کچھ دنوں مدرسہ انگریزی واقع دہلی سے متعلق رہے۔ پھر اس تعلق کو ترک کر کے مطبع احمدی (دہلی) میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کر لیا۔ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء میں بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ جناب مولوی شیخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر نزیل مکہ معظمہ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مرید ہو کر واپس ہوئے[1] اور مدرسہ اسلامیہ (دیوبند) کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لی۔ اس کے بعد ۱۲۸۵ھ/۱۸۲۹ء میں دوبارہ حج بیت اللہ کی زیارت کے لیے گئے۔ پھر وطن واپس آئے اور دہلی میں علوم کی تدریس و اشاعت میں مشغول ہو گئے۔ پادری تاراچند کو مذہبی مباحثہ میں خاموش کر دیا۔ ۱۲۹۳ھ /۱۸۷۶ء میں بمقام چاندپور ضلع شاہجہان پور میں ایک مجمع کے سامنے جس کا نام میلہ خداشناسی تھا اور جس میں ہر مذہب کے علماء جمع ہوئے تھے۔ صاحب ترجمہ (مولوی محمد قاسم نانوتویؒ) نے سب کے سامنے علی الاعلان تثلیث و شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات اس انداز میں فرمایا کہ حاضرین جلسہ چاہے موافق ہوں یا مخالف سب خاموش اور قائل ہو گئے۔

۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں پنڈت دیانند سرسوتی (بانی تحریک آریہ سماج) سے وجود و توحید کے متعلق اور عیسائیوں سے تحریف (انجیل) کے متعلق گفتگو ہوئی۔ پنڈت مذکور نے خاموشی اختیار کر لی اور عیسائی پادری اپنی کتابیں تک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس سلسلہ میں رسالہ حجۃ الاسلام مشہور ہے۔ اسی سال سہ بارہ زیارت بیت اللہ الحرام سے مشرف ہوئے واپس ہونے کے بعد بخار میں مبتلا ہو گئے۔ جب پنڈت دیانند مذکور نے

---

[1] آپ کی بیعت جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل کی تھی یعنی جس وقت حاجی صاحب پاک و ہند میں موجود تھے اور ہجرت نہیں فرمائی تھی۔

استقبال قبلہ کے متعلق مسلمانوں پر اعتراض کیا تو عین حالت بیماری میں اس کے جواب میں رسالہ قبلہ نما لکھا۔ بروز پنج شنبہ وقت ظہر چہارم جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں تپ اور عرض ذات الجنب کے مرض میں انتقال فرمایا۔ ان کے شاگردوں میں مولوی محمود حسن دیوبندیؒ، مولوی فخر الحسن گنگوہیؒ اور مولوی احمد حسنؒ امروہوی مشہور ہیں۔ ان کی تصنیفات سے مندرجہ ذیل کتابیں طبع اور شائع ہو چکی ہیں۔ مجموعہ رسائل قاسم العلوم، مصابیح تراویح، آب حیات، تقریر دلپذیر، مباحثہ شاہجہان پور، ہدایۃ الشیعہ، قبلہ نما۔[1]

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں۔ "۱۲۴۸ھ مطابق ۳۳-۱۸۳۲ء میں قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نامی خورشید حسن رکھا گیا۔ مشہور نام کا کسی وقت مصلحت سے اخفاء مقصود ہوتا تو بجائے "محمد قاسم" کے فرماتے کہ میرا نام "خورشید حسن" ہے۔[2]

ابھی بچے ہی تھے کہ بعض خاندان والوں کی طرف سے آپ کے والد کو یہ خدشہ ہوا کہ وہ آپ کی معصوم جان کے درپے ہیں۔[3]

چنانچہ آپ کے والد صاحب نے آپ کو نانوتہ سے دیوبند منتقل کر دیا۔ جہاں قدیم رشتہ داریاں تھیں۔ دیوبند میں شیخ کرامت حسین صاحبؒ کے یہاں رکھے گئے۔[4]

ابتدائی کتابیں گھر کے قیام ہی کے زمانہ میں پڑھ چکے تھے۔ دیوبند میں آ کر جب شیخ کرامت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہنا ہوا تو مولوی مہتاب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے چچا تھے) نے آپ کو

---

[1] مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، کراچی، ۱۹۶۱ء ص ۴۶۵، ۴۶۶

[2-3] مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی، دیوبند، جلد اول ص ۱۴۶، ۱۴۷

[4] مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی، دیوبند، جلد اول ص ۱۸۰

عربی شروع کرائی[1]

ذہین اور طباع بہت تھے- اس لیے دورانِ درس غیر معمولی محنت کی ضرورت نہ پڑتی بلکہ اسی دور سے اجتہادی شان ظاہر ہوا کرتی تھی- دیوبند کے عرصہ قیام میں مولوی مہتاب علی صاحبؒ سے عربی کتابیں پڑھتے رہے- کچھ عرصہ کے بعد اپنے نانا شیخ وجیہ الدینؒ کے یہاں سہارنپور منتقل ہو گئے- نانا خود بھی صاحب علم اور فارسی کے اچھے جاننے والے تھے- اردو کے شاعر بھی تھے- ان کی صحبت کے علاوہ آپ نے وہاں مولوی محمد نواز سہارنپوریؒ سے فارسی و عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں- ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں اچانک سہارنپور میں سخت وبائی بخار پھیل گیا' جس کا شکار ہو کر آپ کے نانا وفات پا گئے- اس کے بعد مولانا موصوف سہارنپور سے نانوتہ واپس آ گئے کہ وہاں قیام کی اب کوئی سبیل نہ تھی- اس کے بعد تقریباً ایک سال تک نانوتہ ہی میں قیام رہا-[2]

استاذ العلماء مولانا مملوک علی صاحبؒ جو مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے رشتہ کے چچا بھی ہوتے تھے[3]

ان دنوں دلی کی سب سے بڑی درسگاہ دلی کالج میں استاد تھے- اس عرصہ میں وہ ایک سال کی رخصت لے کر حج کے لیے گئے تھے- واپسی پر انہوں نے مولوی محمد قاسم صاحبؒ سے کہا کہ میں تم کو اپنے ساتھ دہلی لے جاؤں گا[4]

والدین کی اجازت کے بعد آپ مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ساتھ محرم ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں دلی پہنچ گئے- وہاں مولانا مملوک علی صاحبؒ کی نگرانی اور تربیت

---

[1] مناظر احسن گیلانی' سوانح قاسمی' دیوبند' جلد اول ص ۱۸۶

[2] مناظر احسن گیلانی' سوانح قاسمی' دیوبند' جلد اول ص ۲۳۰

[3] محمد سرور' مرتب خطبات مولانا سندھی ص ۲۱۴

[4] مولانا مناظر احسن' سوانح قاسمی' دیوبند ج ا ص ۲۱۴

میں ذوق وشوق کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔[1]

حدیث شریف کی سند مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ سے حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد کچھ دنوں دلی کالج میں شغل تدریس اختیار کیا۔ اس کے بعد مطبع احمدی دہلی اور مطبع مجتبائی میرٹھ وغیرہ میں تصحیح کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آخر عمر میں دیوبند آ گئے اور دارالعلوم دیوبند کی خدمت جی جان سے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں وہیں وفات پائی۔[2]

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی کی معیت میں شاملی کے میدان میں علم جہاد بلند کرنے والوں میں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بھی پیش پیش تھے، بلکہ امیر لشکر بھی منتخب ہوئے تھے۔[3]

انتہائی جرأت اور بے جگری کے ساتھ آپ نے دست بدست جنگ کی۔ کنپٹی پر ایک گولی بھی لگی۔ مگر عجیب بات ہے کہ گولی لگنے سے کپڑے تو خون سے تر ہو گئے لیکن چند لمحوں بعد عمامہ اتار کر دیکھا تو کہیں گولی کا نشان تک نہ تھا۔[4]

مولانا موصوف کا ایک قابل ذکر کارنامہ یہ ہے کہ ملک میں عیسائی پادریوں کی تبلیغ عیسائیت کے علاوہ آریہ سماجی شرپسندوں نے بھی سر اٹھا رکھا تھا اور وقتاً فوقتاً اسلام، پیغمبر اسلام اور اسلامی احکام وشرائع کو اپنے مطاعن کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔ مولانا نانوتویؒ نے ان ہر دو فتنوں کا مقابلہ کیا اور خوب کیا۔ مولانا کے مناظرانہ نکتے اور لطائف آج بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ پنڈت دیانند سرسوتی،

---

[1] مولانا مناظر احسن، سوانح قاسمی، دیوبند ج ۱ ص ۲۱۷

[2] مولانا مناظر احسن، سوانح قاسمی، دیوبند ج ۳ ص ۱۳۸

[3] نسیم قریشی مرتب علی گڈھ تحریک ص ۲۱۹

[4] مولانا مناظر احسن، سوانح قاسمی، دیوبند ج ۲ ص ۱۶۰

پادری تاراچند اور دوسرے عیسائی اور آریہ سماجی مناظرین کو مختلف مقامات پر شرمناک شکست دی۔[۱]

مذکورہ بالا کارنامہ کے علاوہ حضرت نانوتویؒ کا سب سے عظیم الشان کارنامہ وہ ہے، جس نے رہتی دنیا تک ان کے نام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ ہماری مراد قیام دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ مولانا نانوتویؒ کو بانی دارالعلوم تسلیم کرنا گو محلِ نظر ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعد کی عظیم الشان شکل کا تصور بانی اول کے دماغ میں نہ تھا۔ یہ تصور تمام تر مولانا نانوتویؒ کا رہین منت ہے۔ دارالعلوم کو شہرت اور ترقی اور ایک معمولی مدرسہ سے عظیم الشان دارالعلوم کی شکل مولانا موصوف ہی کی کوششوں سے نصیب ہوئی۔ انہوں نے جب اس کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تو پھر مر کر ہی اس سے جدا ہوئے۔[۲]

شاعری:

آپ اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ زیادہ تر کلام حمد و نعت پر مشتمل ہے۔

صوفیانہ مسلک:

آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد چاروں سلسلوں مین ان کے مجاز ہوئے۔

اپنے شیخ کی نظر میں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''جو آدمی کہ اس فقیر سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے، مولوی رشید احمد صاحب سلمہ، اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ، کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کو

۱۔ مولوی رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند، ص ۶۶، ۴۶۵ بحوالہ شیخ الہند مولانا محمود حسن ص ۱۲۳

۲۔ ڈاکٹر اقبال حسن، شیخ الہند مولانا محمود حسن، علی گڑھ ۱۹۷۵ء ص ۱۲۴

جامع ہیں، بجائے میرے بلکہ مجھ سے بڑھ کر جانے - اگرچہ معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا - ان کی صحبت غنیمت جاننی چاہیے- ان جیسے آدمی اس زمانہ میں نایاب ہیں"۔[1]

مزید لکھتے ہیں:

"اگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لے کر آیا، تو مولوی رشید احمدؒ اور مولوی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کر دوں گا کہ یہ لے کر آیا ہوں"۔[2]

---

[1] حاجی امداد اللہ صاحب، ضیاء القلوب ص۲

[2] مولانا عاشق الٰہی، تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۳۲۰

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

(علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مورخہ ۲۴/اپریل ۱۸۸۰ء)

افسوس ہے کہ جناب ممدوح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵/ اپریل ۱۸۸۰ء کوضیق النفس کی بیماری میں بمقام دیو بند انتقال فرمایا- زمانہ بہتوں کو رویا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا- لیکن ایسے شخص کے لیے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آوے نہایت رنج وغم اور افسوس کا باعث ہوتا ہے- ایک زمانہ تھا کہ دلی کے علماء میں سے بعض لوگ جیسے کہ اپنے علم وفضل اور تقویٰ اور ورع میں مشہور ومعروف تھے- ایسے ہی نیک مزاجی اور سادہ وضعی اور مسکینی میں بے مثل تھے- لوگوں کا خیال تھا کہ جناب مولوی اسحاق کے کوئی شخص ان کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں- مگر مولوی محمد قاسمؒ مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دینداری اور تقویٰ اور ورع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ اس دلی کی تعلیم وتربیت کی بدولت مولوی محمد اسحاق صاحب کی مثل ایک اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے' بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ ہے-

ابھی بہت سے لوگ زندہ ہیں جنہوں نے مولوی محمد قاسمؒ صاحب کونہایت کم عمری میں تعلیم پاتے دیکھا- انہوں نے جناب مولوی مملوک علیؒ سے تمام کتابیں پڑھی تھیں- ابتداء ہی سے آثار تقویٰ اور ورع اور نیک بختی اور خدا پرستی کے ان کے اوضاع اور اطوار سے نمایاں تھے اور یہ شعر ان کے حق میں بالکل صادق تھا:

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت اور عالی دماغی اور فہم و فراست میں معروف و مشہور تھے ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل و کمال تھے۔ ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا اور حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت عالی رتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی پابند سنت و شریعت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے۔ بایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا ان کو خیال تھا ان ہی کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسہ دیوبند میں قائم ہوا اور ایک نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی۔ علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی اور کوشش سے مسلمانی مدرسے قائم ہوئے۔ وہ کچھ خواہش پیر و مرشد بننے کی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں اور خصوصاً اضلاع شمال و مغرب میں ہزار ہا آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا و مقتدا جانتے تھے۔

مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے۔ مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے ہم مولوی قاسمؒ مرحوم کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو، خواہ کسی سے خوشی کا ہو، کسی طرح ہوائے نفس یا ضد یا عداوت پر محمول نہیں کر سکتے۔ ان کے تمام کام اور افعال جس قدر کہ تھے بلاشبہ للّٰہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے اور جس بات کو وہ صحیح اور سچ سمجھتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے۔ ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے لیے تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی صرف خدا کے واسطے تھا۔ کسی شخص کو مولوی محمد قاسم صاحبؒ اپنے ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں جانتے تھے۔ مسئلہ حب للہ اور بغض للہ خاص ان کے برتاؤ میں تھا۔ ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خصلتیں تھیں۔ ہم اپنے دل سے ان کے ساتھ

محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہے۔

اس زمانہ میں سب لوگ تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمد قاسمؒ اس دنیا میں بے مثل تھے۔ ان کا پایہ اس زمانہ میں شاید معلوماتی علم میں شاہ عبدالعزیزؒ سے کچھ کم ہو۔ الا اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی، نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی اسحاقؒ سے بڑھ کر نہ تھا، تو کم بھی نہ تھا۔ وہ درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے۔ اور ایسے آدمی کے وجود سے زمانے کا خالی ہو جانا ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد زندہ ہیں نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری قوم بہ نسبت اس کے کہ عملی طور پر کوئی کام کرے زبانی عقیدت اور ارادت بہت زیادہ ظاہر کرتی ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے شخص کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد صرف چند کلمے حسرت اور افسوس کے کہہ کر خاموش ہو جائیں۔ یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رومال سے پونچھ کر چہرہ صاف کر لیں۔ بلکہ ان کا فرض ہے کہ ایسے شخص کی یادگار کو قائم رکھیں۔

دیو بند کا مدرسہ ان کی ایک نہایت عمدہ یادگار ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ وہ مدرسہ ہمیشہ قائم اور مستقل رہے اور اس کے ذریعے سے تمام قوم کے دل پر ان کی یادگاری کا نقش جمار ہے۔[1]

---

[1] سرسید احمد خاں، علی گڑھ گزٹ، مورخہ ۲۴/ اپریل ۱۸۸۰ء

مرثیہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

یـا قاسم الخیر من للعلم و الدین	اذا ارتـحـلـت و ارشـادٍ و تلقین
یـاقاسم الخیر من للطارقین ومن	لـلـضـارعین مکروب و محزون
یـاقـاسم الخیر اسمع من لکربتنا	یا قاصم الضیر قل من للمساکین
من للمدارس من للوعظ من لهدًی	مـن لـلـنـکـات توضیح و تبیین
مـن لـلشـریـعة اومـن للطریقة او	من للحقیقة اذا رسیت فی الطین
رحلت عناولم یوجدعد یلك فی	العلوم والفضل من عرب الی الصین
یـاعیـن جودی بدمع غیر منقطع	عـلی الذی جل من مدح و تابین
کهف الوری حجة الاسلام مرشده	نـجـم الهـدایة رجـم لـلشیـاطین
بـحـر الـعـلوم امام الکون اکرمه	مبارك الاسـم و الـزیتون و التین
لقد مضیٰ صاحبی من فی مصیبته	بـرئـت من ذکر اسلاءٍ و تسکین
من لی بصدر عن الاحزان منقطع	مـن لـی بـقلب بصبر غیر مقرون
الیك صبری فشیئ لیس یشغلنی	عـن الـخـلیـل الایـاسلوتی بینی
و کیـفـمـا ستروه فی التراب ولا	یـکون للشمس من ستر و تدفین
وهـون البیـن انی لاحق بـکـم	اذا ارتـحلتم و ان احیی الی حین
سـقـی الالـه ضـریحا انت سـاکنه	و یـرحـم الـلـه من یمدد بتامین[1]

---

[1] حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مرثیہ حضرت نانوتویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی، ج ۳ ص ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱۔

مولانا سرسید احمد خان کی نظر میں:

سرسید احمد خاں مرحوم مدرسہ دیوبند کی سالانہ رپورٹ پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں: ''کیا وجہ ہے کہ ان لوگوں نے مدرسہ عربی دیوبند میں جس میں بجز مسلمانی کے اور کچھ نہیں ہے کیوں مدد نہیں کی۔ حقیقت میں مسلمانوں پر نہایت افسوس ہے کہ ایسے مدرسہ میں بھی جیسا کہ دیوبند کا عربی مدرسہ ہے اور جس میں جناب مولوی محمد قاسمؒ صاحبؒ سا فرشتہ سیرت شخص نگران ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ سا شخص مدرس ہے کچھ مدد نہ کریں۔ دیکھو اس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کی تعلیم و تربیت اچھی نہیں ہے تمام رپورٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ خود اپنے پر یا مسلمانوں کی ہمدردی پر قائم نہیں ہے بلکہ صرف ایک شخص کی ذات پر اس کا مدار ہے۔ مولوی محمد قاسمؒ درحقیقت نہایت بزرگ و نہایت نیک مادرزاد ولی ہیں۔ تمام ضلع سہارنپور اور میرٹھ اور مظفر نگر میں لوگ ان کو مصداق اس حدیث کا کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءَ بَنِیْ اِسْرَائِیل سمجھتے ہیں۔ دوسرا بڑا سبب مولوی محمد یعقوبؒ صاحب کا ہے جو مدرس اول اس مدرسہ کے ہیں اور انہوں نے صرف پینتیس روپیہ ماہواری مدرسہ سے لینا قبول کیا ہے اور قناعت و زہد سے اس قدر قلیل میں اوقات بسر کرتے ہیں اگر وہ نہ ہوں تو کیا دوسرا شخص اس قلیل مشاہرہ پر ان علوم کو پڑھانے کو ملے گا جو اس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ پس یہ مدرسہ صرف ان بزرگوں کی دعا پر قائم ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحبؒ کس کس کو اپنا سا بنالیں گے اور آج تک کتنے آدمیوں کو انہوں نے اپنا سا بنالیا شبلی و جنید تو اپنا سا کسی کو نہ بنا سکے تو یہ کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ ہزاروں مسلمان ایسے ہی دنیا سے آزاد ہو جائیں گے، جیسے مولوی مظفر حسین صاحبؒ مرحوم تھے یا جیسے کہ مولوی محمد قاسم صاحبؒ ہیں۔[1]

---

[1] محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب) مقالات سرسید لاہور ۱۹۶۲ء حصہ ہفتم ص ۲۷۹ تا ۲۸۵ سے اقتباسات

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں سردار احمد لکھتے ہیں:[1]

''آخر میں مولوی محمد قاسم صاحبؒ دیوبندی کے پاس آ گیا اور چند روز میں ان تمام اعتراضوں کا جو میرے دل میں کھٹکتے یا وسوسہ ڈالتے تھے عقلی جواب پا کر میں نے اپنی تسلی کر لی- مولوی صاحب موصوف بڑے بے نفس اور پاک خیالات کے تھے- جس مسئلہ کو وہ حل کر چکتے تھے تو میری تعجب بھری نگاہوں کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں یہ میرے علم اور عقل کا نتیجہ نہیں ہے- بلکہ میں تو سابقہ علماء کا خوشہ چیں ہوں پھر وہ مجھے ان کی بخشیں دکھلاتے تھے......جن سے میرا یقین اور بھی بڑھ جاتا تھا''-[2]

---

[1] ان کا پہلا نام پرتاپ سنگھ اور حال کا نام احمد ہے- مجھے بحالت مجسٹریٹی سردار احمد لکھنا پڑتا ہے جو ان کے والد کا نام ماہنا سنگھ' جائے سکونت موضع موکل تحصیل چونیاں ضلع لاہور ہے- قیام سبب پر تحقیق کرنے کے بعد تیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا- چنانچہ ۱۸۸۰ء میں بمقام امرتسر مولوی محمد عبداللہ صاحب غزنویؒ کے سامنے اسلام کا اظہار کیا- اس سے پہلے ۱۸۷۲ء میں لکھنؤ بھڑائچ مورجہ (صیا اور پراگ راج تیرتھوں میں تقریباً سات آٹھ ماہ پھرتے رہے- جن مسائل میں شکوک وشبہات تھے وہ پنڈتوں اور علماء سے پوچھتے رہے- وہ خود لکھتے ہیں ''مگر مولوی محمد قاسم صاحب دیوبندی جیسے متبحر عالم پائے ویسا کوئی نہ پایا''- سردار احمد- ڈپٹی کلکٹر گنجینہ ہدایت لاہور ۱۹۱۵ء ص ۱۰

[2] سردار احمد' گنجینہ ہدایت لاہور ۱۹۱۵ء ص ۲۰۰

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ، امام، علامہ، محدث رشید احمدؒ بن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسین بن غلام علی بن علی اکبر بن قاضی محمد اسلم انصاری حنفی رامپوری ثم گنگوہی..... محقق عالم اور مدقق فاضل تھے۔ صدق، عفاف، توکل، شہامت اور دین پر استقامت میں ان جیسا ان کے زمانہ میں کوئی نہ تھا۔

۶/ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو اپنے ننہیال کے ہاں گنگوہ میں پیدا ہوئے۔ اصلاً قصبہ رامپور ضلع سہارنپور کے تھے۔ فارسی کے رسائل اپنے ماموں محمد تقیؒ اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولوی محمد بخش رامپوریؒ سے پڑھیں، پھر دہلی کا سفر کیا اور کچھ اسباق قاضی احمد الدین جہلمی سے پڑھے، پھر شیخ مملوک علی نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے اور اکثر درسی کتابیں ان سے پڑھیں اور کچھ مفتی صدر الدین دہلویؒ سے بھی۔ حدیث اور تفسیر کا اکثر حصہ شیخ عبدالغنیؒ اور کچھ احمد سعید بن ابی سعید دہلویؒ سے پڑھا۔ یہاں تک کہ معقول و منقول میں اپنے معاصرین سے بڑھ گئے اور پھر واپس گنگوہ آئے اور اپنے ماموں محمد تقی کی دختر خدیجہ سے شادی ہوئی، پھر ایک سال میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر طریقت کی تحصیل شیخ اجل امداد اللہ بن محمد امین تھانویؒ سے کی۔ ان کی خدمت میں رہ کر، پھر گنگوہ میں صدارتِ تدریس پہ فائز ہوئے۔ اسی دوران ۱۲۷۶ھ میں انگریز حکومت کے خلاف کام کرنے کی پاداش میں چھ ماہ مظفر نگر کی جیل میں رکھے گئے۔ جب کافی ثبوت نہ ملا تو بری کر دیئے گئے۔ پھر ایک زمانہ تک درس وتدریس اور افادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۲۸۰ھ میں حجاز گئے اور اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ملے، حج کیا پھر مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ وہاں اپنے استاذ شیخ عبدالغنیؒ سے بھی ملے۔ پھر ہندواپس آ کر

تدریس میں مشغول ہو گئے۔

دوبارہ ۱۲۹۴ھ میں حجاز کا سفر کیا۔ اس مرتبہ آپ کے ہمراہ نیک لوگوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ ان میں مولانا محمد قاسم، شیخ محمد مظہر، شیخ یعقوب، شیخ رفیع الدین، شیخ محمود حسن دیوبندی، مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ شامل تھے۔ اپنے والدین میں سے کسی ایک کے لیے حج کیا اور پھر ۲۰ روز تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ اپنے شیخ عبدالغنیؒ سے ملے اور پھر مکہ مکرمہ واپس آ کر پورا ایک مہینہ حضرت حاجی امداد اللہؒ کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ پھر واپس آ کر گنگوہ میں تدریس جاری رکھی۔

۱۲۹۰ھ میں پھر حجاز گئے اور اپنے والدین میں سے کسی ایک کے لیے حج کیا۔ مدینہ منورہ گئے اپنے شیوخ سے مل کر واپس ہند آ گئے اور پھر گنگوہ سے ایک دوبار کے علاوہ کبھی کہیں نہیں گئے۔ حجاز کے تیسرے سفر سے قبل فقہ، اصول، کلام، حدیث اور تفسیر سبھی علوم کی تدریس کرتے تھے۔ حجاز سے آخری حاضری کے بعد اپنے اوقات صحاح ستہ کی تدریس کے لیے فارغ کر لیے۔ ایک سال میں یہ تمام حدیث کی کتابیں پڑھانے کا معمول تھا۔ پہلے ترمذی شریف پڑھاتے۔ اس میں متن اور اسناد کی تحقیق میں پوری توجہ فرماتے۔ پھر ابوداؤد اور صحیح بخاری و مسلم، نسائی، ابن ماجہ کا درس دیتے تھے۔ تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی۔ پھر بھی چند تصانیف تصفیۃ القلوب، امداد سلوک، ہدایۃ الشیعہ، زبدۃ المناسک، ہدایۃ المعتدی، سبیل الرشاد، براہین قاطعہ اور اختلافی مسائل میں بعض رسائل۔ آپ کے مکتوبات کا بھی ایک مجموعہ آپ کے احباب نے جمع کیا ہے اور فتاویٰ کا مجموعہ تین جلدوں میں ہے۔ آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد یحییٰ بن اسماعیل کاندھلویؒ نے جامع ترمذی کے درس میں آپ کے افادات کو لکھ کر "کوکب الدری" کے نام سے طبع کرایا اور اپنی تعلیقات کے ساتھ "لامع الدراری" کے نام سے چھپوایا۔

آپ تقویٰ، اتباع سنت، شریعت پر استقامت، بدعات کے استیصال سنت کے

پھیلانے اور شعائر اسلام کے بلند کرنے اور دین کے معاملہ میں کسی کی پروانہ کرنے میں اللہ کی نشانی تھے۔ علم وعمل' مریدین کی تربیت اور تزکیۂ نفوس کی ریاست ان پر منتہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے شاگرد اور خلفاء دیئے کہ اس زمانہ میں ان جیسوں کا وجود بہت کم تھا۔ وہ بھی دین کے معاملہ میں آپ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

آپ کے کبار خلفاء میں شیخ خلیل احمدؒ سہارنپوری' شیخ محمود حسن دیوبندی' شیخ عبدالرحیم رائے پوری اور شیخ حسین احمد فیض آبادی مدنی رحمہم اللہ اجمعین ہیں اور مشہور ترین شاگردوں میں شیخ محمد یحییٰ کاندھلوی' شیخ ماجد علی المانوی اور شیخ حسین علی الوانی رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر حضرات ہیں۔ جمعہ کے دن اذان کے بعد ۸/ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ کو آپ کا وصال ہوا۔[1]

مولانا محمد میاں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کے رفیق اور مخلص دوست تھے۔ زمانہ طالب علمی سے ساتھ ہوا جو آخر تک قائم رہا۔ حجۃ الاسلام علم کلام کے امام ہیں اور حضرت امام ربانی فقہ وحدیث کے' آپ نے مسائل فقہیہ کو احادیث پر منطبق کر کے درس حدیث کا ایک ایسا طرز قائم فرمایا جو یقیناً بے نظیر اور بہت زیادہ ضروری تھا''۔

حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے:

''امام ربانی نہ صرف مذاہب ابوحنیفہ کے ماہر تھے۔ بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذہبوں کا ماہر ہو''۔

یہ دونوں بزرگ ۱۸۵۷ء میں حضرت حاجی صاحب (امداد اللہؒ) کے وزیر اور تحریک کے روح رواں تھے۔ انتظامی تحریک پر امام ربانی گرفتار کئے گئے۔ مگر درحقیقت یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ اس تمام سرگرمی کے باوجود خداوند عالم نے نجات دلا دی۔ ابھی

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی ۔ نزہۃ الخواطر' حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۱۴۵ تا ۱۵۲ (عربی سے اردو)

مقدمہ پیش تھا کہ عام معافی کا اعلان ہو گیا- تاہم چھ ماہ تک حوالات یا جیل خانہ میں رہنا پڑا-

جب دارالعلوم دیوبند کی تحریک شروع ہوئی تو آپ اس کے سربرآوردہ رکن تھے- حضرت حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسمؒ) کے مشیر خاص تھے- ان کی وفات کے بعد دارالعلوم کے سرپرست مقرر کیے گئے[1]

مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ لکھتے ہیں:

''آپ دارالعلوم کے بانیوں میں ہیں اور سربراہ کی حیثیت رکھتے ہیں''-

۱- دینی خدمات:

علم حدیث، فقہ اور تصوف سے بہت زیادہ شغف رہا- ہزارہا انسانوں نے آپ سے استفادہ حاصل کیا- آپ نے علماء کی دینی تربیت فرمائی اور انہیں دین کے بارے میں اتنا راسخ اور مستحکم بنا دیا کہ ان افراد پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز نہ ہو سکا-

۲- سیاسی خدمات:

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں حضرت نانوتویؒ کے دوش بدوش قائدانہ حصہ لیا اور نو ماہ تک اسیر فرنگ رہے- جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات سے بے خبری کی بنا پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ان کی مصلحت اندیشی لَا یُعْبَأُ بِہٖ اور باخبر لوگوں کے نزدیک لغو ہے-[2]

پروفیسر عبدالقیوم صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو مفتی صدر الدین آزردہؒ مولانا مملوک علی نانوتویؒ اور شاہ عبدالغنی دہلویؒ کے تلامذہ اور دارالعلوم دیوبند کے بانیوں اور سر

---

[1] مولانا سید محمد میاں ''علمائے حق'' مراد آباد- ستمبر ۱۹۴۶ء حصہ اول ص ۸۳، ۸۴

[2] مولانا محمد طیب قاسمی دارالعلوم دیوبند دہلی، ۱۹۶۵ء ص ۵۶

پرستوں میں سے تھے۔ اپنے عہد کے ایک عالم باعمل اور صوفی تھے۔ آپ نے عربی و اسلامی علوم پر اردو میں بہت کام کیا ہے۔ ۱۹۰۵ء میں آپ کی وفات ہوئی اور براہین قاطعہ' ہدایۃ المعتدی اور سبیل الرشاد وغیرہ آپ کی اہم مؤلفات ہیں''۔[۱]

ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں کہ:

''عہد انگلیسی میں یہاں دیوبند اور ندوۃ العلماء یکے بعد دیگرے تعلیم علوم اسلامیہ و عربیہ کے مرکز بنے۔ مولانا محمد قاسم' رشید احمد گنگوہی' محمود الحسن' اشرف علی تھانوی' شبیر احمد عثانی' انور شاہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ آسمان علم و فضل کے شموس و اقمار تھے' جو دیوبند کے مطلع سے چمکے۔ موجودہ علمائے دیوبند میں جناب حسین احمد مدنی' مولانا حفظ الرحمٰن وغیرہ کے برکات علم و فضل تمام اطراف ہندوستان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہی فیض پاکستان میں مفتی محمد شفیع' جناب ظفر احمد اور مولانا احتشام الحق وغیرہ سے جاری ہے......ان سے پہلے ذوالفقار علی دیوبندی ادیب ماہر گزر چکے ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ حماسہ وغیرہ کافی مشہور ہے۔ حیدرآباد میں مولانا مناظر حسن بھی ایک بلند پایہ عالم ہیں''۔[۲]

دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں:

''رشید احمد گنگوہی مشہور محدث' مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی کے فرزند

---

[۱] پروفیسر عبدالقیوم' تاریخ ادبیات جامعہ پنجاب ۱۹۷۲ء ص ۴۱۷' ۴۱۸ بحوالہ پاکستان کا معمار اول سرسید ص......ج......

[۲] ڈاکٹر زبید احمد' ہندوستان کے علماء اور ان کی عربی تصانیف و تالیف ارمغان علمی لاہور ۱۹۵۵ء ص ۹۵

تھے- ان کی پیدائش ۶/ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء کو بروز شنبہ بوقت چاشت قصبہ گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں شیخ المشائخ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ کے متصل مکان میں ہوئی- ان کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت ابوایوب انصاریؓ تک اور دادی کی طرف سے گیارھویں پشت میں قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے مل جاتا ہے"-

ان کے والد مولانا ہدایت احمدؒ ایک جید عالم تھے اور طریقت میں حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلویؒ سے توسل و تعلق رکھتے تھے- ۱۲۵۲ھ میں مولانا ہدایت احمدؒ کا گورکھپور میں انتقال ہو گیا- رشید احمد کی عمر اس وقت سات سال کی تھی- باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد ان کے دادا نے ان کی تربیت کی- ان کی والدہ ایک راسخ العقیدہ' دین دار اور پرہیز گار خاتون تھیں- بچپن ہی سے رشید احمد میں نیکی اور عظمت کے آثار نمایاں تھے- وہ بہت خوش الحان تھے- انہوں نے فارسی' کرنال میں اپنے منجھلے ماموں مولوی محمد تقیؒ سے پڑھی' جو فارسی کے مسلم الثبوت استاد تھے- فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کا شوق ہوا- صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں محمد بخش رامپوری سے پڑھیں- صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد انہی کی ترغیب سے علوم درسیہ کی تکمیل کے لیے ۱۲۶۱ھ میں سترہ سال کی عمر میں دہلی گئے اور وہاں مولوی قاضی احمد الدین جہلمیؒ کی شاگردی اختیار کی- اس کے بعد مولانا مملوک علی نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت دہلی کالج (اجمیری دروازہ دہلی) کے مدرس اول تھے- ۱۲۶۰ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی مولانا مملوک علی کے ہمراہ دہلی آ گئے تھے- یہ بھی ہم سبق ہو گئے اور آپس میں ایسا تعلق پیدا ہوا کہ آخری وقت تک ہر جدوجہد میں رفیق رہے- دارالعلوم دیوبند کی تاسیس واہتمام میں بھی باہمی تعاون رہا- انہوں نے مفتی صدرالدین سے بھی اکتساب علم کیا اور حدیث شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے پڑھی- درسیات سے فارغ ہو کر انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا-

تحصیل علم کے بعد مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ سے تھانہ بھون آئے اور حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے- انہوں نے کچھ عرصہ وہیں رہ کر اپنے مرشد کی رہنمائی میں تمام منازل سلوک طے کیں اور چاروں سلسلوں کی اجازت و خلافت حاصل کی-

غلام قادر گرامی نے ان کی شان میں یہ رباعی کہی ہے-

خاک گنگوہ را نوید است رشید گنجینۂ فقر را کلید است رسید

امداد اللہ مہاجر مکی را اللہ اللہ عجب مرید است رشید

۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء میں وہ تحریک آزادی میں حصہ لینے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں رکھنے کے بعد رہا کر دیے گئے۔ انہوں نے تین مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔

۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء سے ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء تک' صرف چند سال چھوڑ کر' تقریباً پچاس برس انہوں نے گنگوہ میں تفسیر' حدیث اور فقہ کا درس دیا اور بڑے بڑے ذی استعداد طلبہ نے ان سے سند حدیث حاصل کی-

۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۵ء کے بعد ان کی بصارت جاتی رہی- پھر وفات تک درس و تدریس کی بجائے اصلاح باطن اور تربیت مریدین میں مشغول رہے-

مولانا رشید احمدؒ کی زندگی سراپا سنت تھی- انہوں نے درس حدیث نبوی ﷺ کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا- ان کے درس حدیث سے تین سو سے زائد جید علماء فیض یاب ہوئے جنہوں نے ملک اور بیرون ملک میں علم حدیث کی اشاعت کی- ان میں بڑے بڑے علماء کے نام شامل ہیں-

سلسلۂ طریقت کے خلفاء میں بھی سربرآوردہ علماء کے نام ملتے ہیں- مثلاً شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (مدرس اول دارالعلوم دیوبند) شاہ عبدالرحیم رائے پوری- مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (مؤلف بذل المجہود شرح ابی داؤد) مولانا سید حسین

احمد مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ۔

علامہ محمد قاسم نانوتویؒ اور رشید احمد گنگوہیؒ ۱۸۵۷ء میں شاملی اور تھانہ بھون وغیرہ میں جہاد حریت کے علمبردار رہے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سرپرستی میں بڑے بڑے کارنمایاں کر چکے تھے۔ برطانوی دور میں وہ خاص طور سے معتوب رہے۔ لیکن خدا نے گزند سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔

مولانا رشید احمدؒ چاروں طریقوں میں بیعت کرتے تھے۔لیکن عام تعلیم چشتیہ صابریہ طریقے کی تھی (دیکھئے سید حسین احمد مدنیؒ، مکتوبات' ا' ۳۹۶ مطبع معارف اعظم گڑھ)

۱۲ یا ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کو وہ نوافل ادا کرنے حجرے میں گئے۔ جہاں پاؤں کی دو انگلیوں کو ناخن سے ذرا نیچے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا' جس کی شدت سے بخار ہو گیا۔ ہر چند علاج کیا گیا لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور باختلاف روایت ۸ یا ۹/ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ/ ۱۱' اگست ۱۹۰۵ء کو بعد از نماز جمعہ وفات پا گئے۔ تذکرۃ الرشید میں ان کی کم و بیش پندرہ تصانیف کا ذکر آیا ہے۔ (جملہ صحاح ستہ پر آپ کی تقریریں ضبط کی گئی ہیں' جن میں سے جامع الترمذی پر الکوکب الدری دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ایک اور تقریر اردو میں العرف الشذی کے نام سے طبع ہو چکی ہے) مکاتیب اور فتاویٰ کے مجموعے بھی ہیں۔

(ماخذ' تذکرۃ الرشید' ۲' ۳۲۹ تا ۳۳۳' ۲ - محمد ادریس نگرامی' تذکرۂ علمائے حال ص ۲۶' ۲۷ مطبع نول کشور' لکھنؤ ۱۸۹۷ء' ۳- عبدالحی' نزہۃ الخواطر ج ۸' ۴۔ عبدالرشید' بیس بڑے مسلمان' لاہور' ۵-ظفر احمد عثمانی' سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث اور معارف' اعظم گڑھ جون ۱۹۴۴ء) نسیم احمد فریدی و ادارہ[1]

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۲۶۷ تا ص ۲۶۹

فہرست خلفاء مجازین

۱-مولانا حافظ خلیل احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ
۲-مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
۳-مولانا حافظ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ
۴-مولانا صدیق احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ
۵-مولانا محمد روشن خان مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۶-مولانا مولوی محمد صدیق مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۷-مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۸-مولانا سید احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۹-مولانا حکیم محمد اسحاق نہٹوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۰-مولانا حافظ محمد صالح نکودر ضلع جالندھر رحمۃ اللہ علیہ
۱۱-مولانا قدرت اللہ مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲-مولانا عبدالصمد سونی پتی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳-مولانا حکیم محمد صدیق مراد آبادیؒ
۱۴-مولانا حافظ محمد یٰسین نگینوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵-مولانا صدیق احمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۶-نمبردار الحاج نصیر الحق کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷-مولانا محمد اکرم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (گرسہائے)
۱۸-شیخ عبدالغفور جے پوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۹-مولانا مخلص الرحمٰن بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰-مولانا رمیض احمد بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
۲۱-مولانا ضمیر الدین بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
۲۲-مولانا عبدالباری بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳-قاری محمد ابراہیم بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
۲۴-مولانا عبداللطیف بنگالی رحمۃ اللہ علیہ
۲۵-مولانا صادق الیقین کرسوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۶-مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۷-مولانا داؤد احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
۲۸-مولانا قادر علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۹- مولانا حافظ عبدالرحمٰن پوربی رحمۃ اللہ علیہ
۳۰- مولانا بہاء الدین کابلی رحمۃ اللہ علیہ
۳۱- مولانا حافظ قمر الدین سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
۳۲- مولانا قاری مغیث الدین ساڈھوروی رحمۃ اللہ علیہ[1]
۳۳- مولانا محمد عبدالمجید خان پنکوری رحمۃ اللہ علیہ[2]
۳۴- مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
۳۵- مولانا عبدالودود[3] چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ
۳۶- مولانا فدا حسین[4] دربھنگوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۷- مولانا سراج احمد رشیدی رحمۃ اللہ علیہ
۳۸- مولانا شیخ عبدالحق شاہجان پوری رحمۃ اللہ علیہ[5]
۳۹- مولانا محمد فاروقی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ[6]
۴۰- مولانا شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ[7]

---

[1] تذکرۃ رشید ج ۲ ص ۱۶۰
[2] آئینہ وانمباڑی ص ۱۲۹
[3] مشاہیر ص ۳۴۰
[4] مشاہیر ص ۳۹۵
[5] مشاہیر ص ۶۱۰
[6] مشاہیر ص ۵۳۷
[7] مشاہیر ص ۶۵۹

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ استاذ العلماء مولانا مملوک علی صاحبؒ کے فرزند رشید اور مایہ ناز شاگرد تھے-۱۳/صفر ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء تاریخ پیدائش ہے اور منظور احمد تاریخی نام ہے- وطن میں قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد دہلی میں والد ماجد سے علوم متداولہ کی تکمیل کی- علم معقول و منقول میں اپنے والد ماجد کے مثل تھے- ذہن نہایت رسا پایا تھا اور حق تعالیٰ نے عظیم الشان جامعیت عطا فرمائی تھی-

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریب کا تعلق تھا' خود تحریر فرماتے ہیں:

''حقیر کے اور مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتویؒ) کے علاوہ قربِ نسب کے بہت سے روابط اتحاد تھے- ایک مکتب میں پڑھا- ایک وطن ایک نسب ہم زلف ہوئے- ایک استاذ' ایک وقت میں علم حاصل کیا اور بعض کتابیں مولانا سے بھی پڑھیں- ایک پیر کے مرید ہوئے دو مرتبہ حج میں ہم سفر رہے اور ایک زمانہ دراز تک ساتھ رہے''- (سوانح قاسمی)

تبحر علمی:

حدیث شریف آپ نے بھی شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے پڑھی ہے- معقولات' منقولات غرض یہ کہ تمام فنون میں آپ اپنے دونوں ساتھیوں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے کم نہ تھے- ذکاوت اور ذہانت اللہ تعالیٰ نے بدرجہ اتم عطا فرمائی تھی- اس پر طرہ یہ کہ طلب علم کا بے انتہا شوق تھا-[1]

---

[1] مفتی عزیز الرحمٰن تذکرۂ مشائخ دیوبند کراچی ۱۹۶۴ء ص.......

تدریسی خدمات:

والد ماجد کے انتقال کے بعد ملازمت پر اجمیر تشریف لے گئے- کچھ عرصہ کے بعد محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے- جب دارالعلوم قائم ہوا تو حضرت مولانا نانوتویؒ نے صدر مدرسی کے لیے دیوبند طلب فرمایا- ہر چند اجمیر میں ڈیڑھ سو روپے کا گراں قدر مشاہرہ تھا- مگر آپ نے کمال ایثار فرماتے ہوئے دارالعلوم کے ۲۵ روپے ماہانہ کو اس پر ترجیح دی اور دارالعلوم میں درس حدیث جاری فرمادیا- آپ دارالعلوم کے سب سے پہلے شیخ الحدیث ہیں- ۱۹ سال کی مدت میں ۱۵۱ طلبہ نے آپ سے علوم نبویہ کی تحصیل کی، جن میں مولانا عبدالحق پور قاضوی، مولانا عبداللہ انبیٹھوی، مولانا فتح محمد تھانوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مولانا احمد حسن امروہوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا حکیم منصور علی خاں مرادآبادی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد ''فاضل سکندر پوری'' ہزاروی اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ جیسے مشاہیر اور یگانہ عصر علماء شامل ہیں-

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور ان کے تلامذہ کے فیض تعلیم کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ آج ہندوستان و پاکستان، افغانستان اور وسط ایشیا میں جس قدر علماء موجود ہیں وہ تقریباً سب کے سب اسی خوانِ علم کے زلہ ربا ہیں- دارالعلوم میں تدریس حدیث کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ ہی کے سپرد تھا-[1]

مولانا قاری محمد طیبؒ قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس پر سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی قدس سرہ فائز ہوئے جو اپنی جامعیت علوم ظاہرہ و باطنہ کے سبب شاہ عبدالعزیزؒ ثانی تسلیم کئے جاتے تھے- آپ ۱۲۸۳ھ/

---

[1] سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دہلی ص ۱۴۴

۱۸۶۷ء سے ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء تک اس عہدہ پر فائز رہے"[1]

مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں کہ:

"دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کے علاوہ افتاء کا کام بھی ابتداء ہی سے ہوتا رہا- سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو دارالعلوم کے صدر المدرسین تھے وہی اس کام کو بھی انجام دیتے رہے- چنانچہ آپ نے ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۰۱ھ تک اس خدمت کو بھی انجام دیا"-[2]

صوفیانہ مسلک:

آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء مجازین میں سے تھے-

شاعری:

آپ اردو فارسی اور عربی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے- منظوم کلام کے علاوہ آپ کے مکاتیب اور سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحبؒ یادگار ہیں- گمنام تخلص تھا-

نمونہ عربی کلام:

یا رب صل علی النبی محمد ۔۔۔ یٰسین و طٰہٰ ذی المکارم احمد

بابی و امی ذا الرسول الاکرم ۔۔۔ نفسی الفداء و ما ملکت یدی

الیوم یا املی و یا کل المنی ۔۔۔ وشفاعتی و نجاح نفسی فی الغد

انت الکریم روفنا و رحیمنا ۔۔۔ یاسیدی یا سیدی یا سیدی

فحبّہ ارجو النعیم بجنۃ ۔۔۔ و خطیت فی الدنیا بعیش ارغد

فی فرحۃ من حبہ و مسرۃ ۔۔۔ لازلت مذادعی باسم محمد[3]

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی' دارالعلوم دہلی' ۱۹۶۵ء ص ۹۸

[2] مولانا قاری محمد طیب قاسمی' دارالعلوم دہلی' ۱۹۶۵ء ص ۹۹ (عنوان بہ دارالعلوم کے مفتی)

[3] مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری' تذکرہ مشائخ دیوبند' کراچی ۱۹۶۴ء ص ۱۷۴ (بحوالہ دارالعلوم دیوبند' محرم ۱۳۷۴ھ)

وصال:

وصال سے چند روز قبل وطن مالوف نانوتہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ۳/ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔[1]

نانوتہ میں باغ نو میں لب سڑک آپ کا مزار ہے۔[2]

آپ کی عربی شاعری کے بارے میں پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اردو اور فارسی ادب کے بعد مولانا کے عربی ادب کا تذکرہ کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں بھی کہا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی ذات جامع الصفات تھی۔ وہ نہ صرف اردو اور فارسی کے شاعر تھے' بلکہ عربی شاعری میں بھی ان کا قلم کہیں نہ رکتا تھا۔ فی البدیہہ لکھتے چلے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک قادر الکلام جس کی مادری زبان عربی ہے اپنے قلم کو جنبش میں لاتا ہے' تو عربی زبان اس پر فخر و ناز سے مرحبا بول اٹھتی ہے۔ آپ کا عربی کلام جو اس وقت ہماری تحقیق میں آ سکا ہے' وہ صرف اس قدر ہے کہ آپ کا ایک عربی قصیدہ سلطان عبدالحمید خلیفہ عثمانیہ کی شان میں ہے جو قصائد قاسمی میں ہے۔ یہ قصیدہ ایک کم ساٹھ (انسٹھ) اشعار پر مشتمل ہے۔ یا سات نعتیہ اشعار ہیں یا ایک عربی قطعہ ہے جو دو اشعار کا یہ ہے۔ یہ سات نعتیہ اشعار اور ایک قطعہ بیاض یعقوبی میں درج ہے''۔

قطعہ عربی:

هجرت الخلق طرا في هواك — و ايتمت العيال لكي اراك

و لو قطعتني في الحب اربا — لما حن الفؤاد الى سواك

---

[1] سید محبوب رضوی' تاریخ دار العلوم دیوبند دہلی ص ۱۴۵

[2] مفتی عزیز الرحمٰن' تذکرہ مشائخ دیوبند' کراچی ۱۹۶۴ء ص ۱۷۸

سلطان عبدالحمید کی مدح میں ۵۹ اشعار کا قصیدہ دراصل آپ نے ۱۲۹۴ھ میں اس وقت لکھا تھا جب کہ ترکوں کی روسیوں سے جنگ ہو رہی تھے اور سلطان عبدالحمید خاں نہایت بہادری سے لڑ رہے تھے اور ان کی فوج کا سپہ سالار عبدالکریم اپنی مردانگی کے جوہر دکھا رہا تھا اس قصیدے کا پہلا اور آخری دو شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

الوعظ ینفع لو بالعلم و الحکم　　فالسیف انبغ و عاظ علی القمم

یا رب صل و سلم مابدا و غدا　　بالسیف نصرا لھدی و الدین و الشم

علی النبی نبی السیف ھادینا　　بالمومنین روف سید الامم[1]

مولانا شاہ محمد سراج الیقین لکھتے ہیں:

''آپ بھی اکابر اور مشاہیر علمائے ہندوستان میں ہیں۔ مدرسہ عالیہ دیوبند میں عرصہ دراز تک آپ کا درس و تدریس جاری رہا۔ اکابر علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ بھی حاجی صاحبؒ سے بیعت ہیں''۔[2]

امداد صابری لکھتے ہیں:

عالمانہ خودداری:

''نواب محمود علی خان آف چھتاری اکثر کہا کرتے کہ کسی طرح مولانا کو یہاں لاؤ۔ ایک مرتبہ امیر شاہ نے عرض کیا کہ حضرت! نواب صاحب کی بے حد خواہش ہے کہ آپ ایک مرتبہ چھتاری تشریف لائیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے پاس جاتا ہے تو نواب صاحب اس کو سو روپے دیتے ہیں۔ ہمیں نواب صاحب خود

---

[1] مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی' سیرت یعقوب و مملوک' کراچی ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء مکتبہ دارالعلوم ص ۲۱۶ تا ۲۱۹ (مکمل قصیدہ اسی کتاب میں مطالعہ کیا جائے)

[2] شاہ محمد سراج الیقین' شمس العارفین لاہور ص ۷۹

بلاتے ہیں اس لیے شاید دو سو دے دیں۔ سو دو سو روپے ہمارے کتنے دن کے ہوں گے۔ اس طرح ہم وہاں جا کر مولویت کے نام کو دھبہ نہیں لگائیں گے''۔ (امیر الروایات ص ۱۷۰، بحوالہ سیرت حاجی صاحب)

بزرگوں کی باہمی محبت:

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ عصر کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ پیچھے سے کسی نے کہا کہ مولوی صاحب آ گئے۔ حضرت گنگوہی نے مڑ کر دیکھا تو مولانا یعقوب صاحبؒ تشریف لا رہے تھے۔ حضرت مصلیٰ پر سے ہٹ گئے اور مولانا یعقوبؒ سادگی کے ساتھ مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت گنگوہیؒ کی نظر مولانا کے قدموں پر پڑی تو پنڈلیوں پر غبار تھا۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے کرتے کے دامن سے مولانا کے پاؤں کا غبار جھاڑا۔[1]

مولانا یعقوبؒ اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ نے بڑا طویل خمسہ منظوم چشتیہ خاندان کا لکھا ہے، جس کے چند بند ملاحظہ ہوں۔[2]

شیخ کو مسجد ہوئے اور مغ کو بت خانہ نصیب — کر طلب کا اپنی مجھ کو جوش مستانہ نصیب
خلق کو ہوتا ہے حج زیارت خانہ نصیب — کر مجھے اپنی مدد سے حج مردانہ نصیب
حاجی امداد اللہ ذوالعطا کے واسطے

بس چھڑا دے نفس شیطاں سے الٰہی دل مرا — کر مشرف عشق رحماں سے الٰہی دل مرا
پاک کر ظلمت عصیاں سے الٰہی دل مرا — کر منور نور عرفاں سے الٰہی دل مرا
حضرت نور محمد پرضیاء کے واسطے

دیوبند کے بانیوں میں اور برطانوی دورِ حکومت میں ہندوستان میں علوم دین پھیلانے

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تزکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۹۴

[2] امداد صابری سیرت حاجی صاحب، دہلی ۱۹۵۱ء ص ۷۰ (بحوالہ ارشاد مرشد ص ۵۶)

والوں میں مولانا قاسم نانوتویؒ کے ساتھ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ مولانا یعقوبؒ دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے۔ ہر اعتبار سے مولانا قاسمؒ کے دست راست تھے۔ ہم نسب ہم مکتب اور ہم عصر اور ایک ہی پیر کے مرید تھے۔ مولانا یعقوبؒ کا تعلق علمی خاندان سے تھا۔[1]

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ۱۳/ صفر ۱۲۴۹ھ کو نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ منظور احمد، غلام حسین اور شمس الضحیٰ ان کے تاریخی نام ہیں۔

ذوالحجہ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں حضرت مولانا مملوکؒ علی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ایک سال بعد تک دہلی میں قیام رہا۔ بعد ازاں اجمیر کے گورنمنٹ کالج میں ان کا تقرر ہو گیا...... بعد ازاں آپ کو سو روپے ماہوار پر بنارس بھیجا گیا۔ وہاں سے ڈیڑھ سو روپے کی تنخواہ پر ڈپٹی انسپکٹر بنا کر سہارن پور میں تقرر ہوا۔ یہیں غدر کا واقعہ پیش آیا۔

۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں دیوبند تشریف لائے اور یہاں صدارتِ تدریس کی مسند پر فائز ہوئے۔ دارالعلوم کے پہلے شیخ الحدیث تھے۔ ان کے فیض تعلیم و تربیت نے بہت سے ممتاز علماء پیدا کیے جو آسمان علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ ہر فن میں ماہر ہونے کے علاوہ بہت بڑے صاحب باطن اور شیخ کامل بھی تھے...... یہ حال تھا کہ تفسیر کا سبق ہو رہا ہے۔ آیات کا مطلب بیان فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے سلوک و معرفت کے مقامات طے کیے تھے۔ اکثر جذب و کیف کی حالت طاری رہتی تھی دنیاوی علائق کی جانب مطلق توجہ نہ تھی۔ انہوں نے جو خطوط اپنے ایک مرید منشی محمد قاسم نیا نگری کے نام لکھے ہیں وہ سلوک و معرفت کا مرقع اور حقائق تصوف کا دستور العمل

---

[1] امداد صابری، سیرت حاجی امداد اللہ دہلی ۱۹۵۱ء ص ۶۵ (بحوالہ مرحوم دہلی کالج ص ۱۵۲)

ہیں- سالک کے لیے وہ ایک جامع ہدایت نامہ ہیں- ان خطوط کا مقصودِ حیات اتباع سنت اور اطاعت خداوندی ہے اور جیسے کہ آپ روحانی طبیب تھے' اسی طرح امراض ظاہری کا بھی علاج کرتے تھے-

آپ نہایت خوش وضع' خوش خلق' خوش خو' خوش لہجہ و خوش گفتگو تھے- بڑے صاحب کمال و مکاشفات تھے- مولانا محمد یعقوبؒ شعر و شاعری سے ذوق رکھتے تھے- گمنام تخلص تھا- مولانا کا فارسی اور اردو کلام بیاض یعقوبی میں درج ہے- اشعار میں قدرت کلام کے ساتھ سوز و گداز اور درد و اثر پایا جاتا ہے- تصانیف میں تین رسالے ان کی یادگار ہیں-

سوانح قاسمی' اگرچہ بہت مختصر سوانح حیات ہے مگر زبان و بیان اور حالات و واقعات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے- ان کا دوسرا مجموعہ مکتوبات یعقوبی ہے جو ۶۴ خطوط پر مشتمل ہے- ان میں راہ سلوک کی دشواریوں کا حل' مسائل شرعیہ کا ذکر اور طریقت و سلوک کا دستور العمل بیان کیا گیا ہے- تیسرا مجموعہ بیاض یعقوبی ہے- یہ سفر حج کے حالات' کتب احادیث کی اسانید' منظومات اور عملیات وغیرہ پر مشتمل ہے- آخر میں طبی نسخے درج ہیں- حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دونوں مجموعوں پر حسب ضرورت حواشی تحریر فرمائے ہیں-[1]

علامہ حکیم سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

''شیخ بہت بڑے عالم' محدث یعقوب بن مملوک علی صدیقی حنفی نانوتوی ہند کے نامور اساتذہ میں سے تھے- ۱۳/صفر ۱۲۴۹ھ نانوتہ میں پیدا ہوئے- قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھے- پھر ۱۲۵۹ھ کو اپنے والد کے ہمراہ دہلی چلے گئے اور ان سے معقول و منقول کی کتابیں پڑھیں- پھر

---

[1] سید محبوب رضوی تاریخ دارالعلوم دیوبند' دہلی ج ۲ ص ۱۷۷

دہلی اور اجمیر میں درس و تدریس کی۔ ۱۲۷۷ھ میں حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ جب ہندواپس آئے تو مدرسہ عالیہ دیوبند میں تدریس کرنے لگے اور مدت العمر یہیں پڑھاتے رہے۔ ان سے استفادہ کرنے والوں کا کوئی شمار نہیں۔ دوبارہ ۱۲۹۴ھ میں حجاز کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی صحبت میں رہے۔ نامور اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ فقہ' اصول' حدیث اور علم ادب (سب میں) مہارت حاصل تھی۔ شعری ذوق بھی تھا''۔[1]

مزار:

نانوتہ میں باغ نو میں لب سڑک آپ کا مزار ہے۔[2]

۱۔ علامہ حکیم سید عبدالحی' نزہۃ الخواطر' کراچی ۱۹۷۶ء ج ۸ ص ۵۲۴ (عربی سے اردو)

۲۔ قاری فیوض الرحمٰن' مشاہیر علماء دیوبند' لاہور ۱۹۷۶ء ج ۱ ص ۶۲۸

حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ ابن مولانا فریدالدین عثمانی دیوبندیؒ۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنیؒ سے بیعت تھے اور ان ہی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ آپ ہی کے بلند پایہ خلیفہ مجاز تھے۔

۱۳۰۸ھ میں بمقام مدینہ منورہ وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔[1]

مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ دیوبندی عہدۂ اہتمام پر فائز ہوئے۔ آپ طریقت و حقیقت کے ایک بلند پایہ شیخ اور حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی نور اللہ مرقدہ کے ارشد خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ موصوف بہت سے اکابر دارالعلوم مثل حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰنؒ اور مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند وغیرہ کے شیخ طریقت تھے''۔

دارالعلوم کی معنوی ترقیات میں حضرت ممدوح کی تربیت و صرف ہمت کا اسی طرح حصہ ہے، جس طرح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تھا۔ آپ

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی: جواہر پارے: الفرقان: لکھنؤ۔ فروری ۱۹۷۵ء ص ۲۳ (بحوالہ تذکرہ مشائخ دیوبند)

اولاً شعبان ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۸ء تا ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۹ء اور ثانیاً ذوالقعدہ ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۳ء تا ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء دارالعلوم کے مہتمم رہے"۔[1]

مولانا فروغ لکھتے ہیں:

"مہتمم بھی اوس کے ہیں خوش انتظام
مولوی صاحب رفیع الدین نام
صاحب عقل و تدابیر متین
خیر خواہِ دینِ ختم المرسلین
فرضِ منصب کو ادا کرتے ہیں وہ
سعی ان کی حشر میں مشکور ہو"[2]

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فریدالدین دیوبندیؒ اولیاء اللہ میں سے تھے اور صاحب کشف و کرامت تھے۔

آپ ۱۹ رمضان المبارک ۱۲۵۲ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ بہت کم تعلیم حاصل کر سکے۔ پھر حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ جب آپ کے شیخ نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو آپ بھی مدینہ منورہ پہنچے اور کسب فیض کا سلسلہ جاری رہا اور سلوک کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ "دو صاحبوں سے جس قدر مجھ کو محبت ہے کسی سے نہیں ہے۔ تلامذہ میں سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اور مریدین میں سے شاہ رفیع الدین دہلویؒ سے"۔

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: کراچی ۱۹۷۲ء ص ۹۴۔

[2] مولانا فروغ: مثنوی فروغ: برہان: دہلی ج ۸۱ ص ۵۶

ہزاروں آدمیوں نے آپ کی صحبت بابرکت سے نفع اٹھایا اور بعض مرتبہ کمال کو پہنچ کر مستحق خلافت ہوئے۔

آپ کے بارے میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''واقعات آپ کے اور معاملات آپ کے نہایت صحیح اور مطابق نفس الامر ہیں''۔

صاحب کرامت تھے۔ سنت رسول ﷺ پر سخت پابند تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ جس کو جو حاصل ہوا اتباع سنت اور اتقاء سے ہوا۔ مشتبہ طعام آپ کے معدہ میں ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ اکل حلال کی دوسروں کو بھی سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

محبت علم اور علماء میں غرق تھے۔ علم ظاہری اگرچہ حاصل نہ کیا تھا مگر علم لدنی اللہ نے عطا فرمایا تھا۔ بچپن ہی سے طبیعت پر جذب غالب تھا اسی وجہ سے علم حاصل نہ کر سکے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ لکھتے ہیں کہ ''آپ کی صحبت خاصیت اکسیر رکھتی تھی اور نظر آپ کی کیمیا اثر تھی اور ارشاد خلائق شب و روز آپ کو مطلوب و مرغوب تھا۔ فیض رسانی میں رات دن مشغول رہتے تھے۔ جو کلام آپ کا تھا اخلاص کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات کو مجمع کمالات ظاہری و باطنی بنایا تھا۔ مدام جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت و عشق میں غرق و سرشار رہتے تھے، بلکہ ہمیشہ یہ تمنا تھی کہ جوار روضۂ آنحضرت ﷺ کا نصیب ہو۔ ۱۳۰۶ھ میں بغرض ہجرت حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوئے اور یہ احقر پہلے سے حاضر حرم محترم اور حاضر در خدمت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تھا...... کہ مرشدنا حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ مکہ معظمہ پہنچے۔ چند ماہ مکہ مکرمہ میں قیام کر کے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مطلب قلبی حاصل ہوا اور تمنائے دلی پوری ہوئی۔

اغنی بتاریخ دوازدہم جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور عمر شریف شش و پنجاہ سال ہوئی۔

حضرت حاجی سید محمد عابد حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی تھے جو طریقہ چشتیہ صابریہ کے ایک معروف صاحب سلسلہ بزرگ تھے اور زہد و ریاضت کا پیکر تھے۔ آپ کا حلقہ اثر دیوبند اور اطراف و جوانب میں بہت وسیع تھا۔ آپ اولاً محرم ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء سے رجب ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء تک مہتمم رہے۔ ثانیاً ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء تا ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء اور ثالثاً ربیع الاول ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء تا شعبان ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء مہتمم رہے''۔[1]

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی لکھتے ہیں:

''حاجی حافظ سید محمد عابد صاحبؒ دیوبندی عرف حاجی عابد حسینؒ کا نسبی تعلق سادات رضویہ سے ہے۔ آپ حضرت میاں جی کریم بخش صابری ساکن رامپور منہیاراں کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی آپ کو خلافت حاصل تھی۔ آپ مجوزین دارالعلوم میں سے ہیں۔ تین مرتبہ اس ادارے کے مہتمم مقرر ہوئے تھے۔ آخر مرتبہ شاہ رفیع الدین عثمانیؒ کے سفر ہجرت کے بعد ۱۳۵۶ھ میں مہتمم مقرر ہوئے اور ۱۳۱۰ھ تک مسند اہتمام پر فائز رہے''۔

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ تاریخ دارالعلوم دیوبند کراچی ۱۹۷۲ء ص ۹۴

۲۷/ ذوالحجہ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء کو وصال فرمایا اور ۲۸/ ذوالحجہ ۱۳۳۱ء کو بروز جمعہ دیوبند میں مدفون ہوئے[1]

حضرت حاجی محمد عابد دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم تھے- بڑے متقی، پرہیزگار اور صاحب اثر بزرگ تھے- مولانا فروغ ان کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

اور حضرت معدن لطف و کرم — متقی و حاجی بیت الحرم
ہے محمد اور عابد جن کا نام — حق نے ان پر کی ہر اک خوبی تمام
کی انہوں نے ہے ریاضت اس قدر — جس سے عاجز رہتے ہیں اکثر بشر
اس قدر طاعات حق لائے بجا — نفس ان کا حکم میں ان کا ہوا
ہیں بہت پاکیزہ خصلت نیک خو — رات دن رہتے ہیں محو ذکر ہو
یاد حق میں قلب ہے ان کا گرو — مہتمم ہیں جامع مسجد کے دو
مدرسے میں دل سے وہ عالی مقام — رہتے ہیں دائم شریک انتظام
ان کی برکت سے یہ مسجد و مدرسہ — ہے ترقی روز افزوں پر سدا
ہمت باطن کا ہے اون کے اثر — جس سے دِیَبَنۡ میں ہوئی یہ کروفر
اجر ان کو ان کی نیت کا ملے — حق انہیں اس کی جزائے خیر دے
یہ ترقی دین کی اون سے ہوئی — ایسی ہمت کر سکے گا کب کوئی[2]

حاجی صاحب کا سال ولادت ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء ہے- قرآن شریف اور فارسی پڑھ کر علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے دہلی گئے- نظام تعلیم میں تصوف کا شوق ایسا دامن

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی، جواہر پارے الفرقان، لکھنؤ فروری ۱۹۷۵ء ص ۲۳ (حاشیہ بحوالہ تذکرۃ العابدین)

[2] مولانا فروغ، مثنوی فروغ، برہان دہلی ج ۸۱ ص ۵۵

گیر ہوا کہ علوم کی تکمیل نہ کر سکے۔ متعدد بزرگوں سے خلعتِ خلافت حاصل کیا۔ میاں جی کریم بخش رامپوری[1] اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شرف خلافت حاصل تھا۔

حاجی صاحب کا ساٹھ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا۔ مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ نماز تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ساٹھ سال تک قضا کی نوبت نہیں آئی۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ رشد و ہدایت کے علاوہ ''فن عملیات'' میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ اتباع سنت کا غایت اہتمام تھا۔ ان کا مقولہ ہے کہ:

''بے عمل درویش ایسا ہے' جیسے سپاہی بے ہتھیار' درویش کو چاہیے کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لیے عامل ظاہر کردے''۔

وہ طریقہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ اور زہد و ریاضت کا مجسمہ تھے۔ آپ کی ذات سے مخلوق کو بہت نفع پہنچا۔ غیر مذہب والے بھی آپ کے معتقد تھے۔ گھر بار زمین باغ جس قدر آپ کی ملک میں تھا سب کا سب راہ خدا میں دے کر محض خدا پر تکیہ کیا ہوا تھا۔ تذکرۃ العابدین میں آپ کے تفصیلی حالات مذکور ہیں۔

آپ خود اپنا نام محمد عابد ہی لکھتے تھے۔

''پنج شنبہ ۲۷/ ذوالحجہ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۲ء کو ۸۱ سال کی عمر میں وفات پائی''۔[2]

نظامی بدایونی لکھتے ہیں:

''عابد حسینؒ (حاجی) مدرسہ عربیہ دیوبند کے بانی پیدائش ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۲۴ء مولوی محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ ساتھ آپ کی کوشش مشہور ۔ ۔ عربیہ

---

[1] میاں جی کریم بخش کو مولانا محمد حسن رامپوریؒ (م ۱۲۷۹ھ) سے خلافت حاصل تھی۔

[2] سید محبوب رضوی' تاریخ دیوبند دہلی ج ۲ ص ۲۲۵

دیوبند کی بنیاد رکھنے میں شریک رہی۔ اس مدرسے کی بنیاد ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۸ء
میں ڈالی گئی اور جامع مسجد دیوبند کی تعمیر بھی آپ ہی کی کوششوں سے ہوئی۔
اس کے بعد اپنا مکان وغیرہ مسجد کے لیے وقف کر کے مع اہل وعیال عرب کو
چلے گئے۔ وہاں قریب ایک سال کے رہے۔ ہندوستان واپس آ کر مدرسے
کی ترقی میں مصروف ہوئے اور مسجد کی تعمیر مکمل کی۔ ابتداء میں عربی مدرسہ
مسجد کی سہ دریوں میں تھا۔ بعدہٗ علیحدہ زمین خریدی گئی جس پر اس وقت تخمیناً
ایک لاکھ روپے کی عمارت مدرسے کی موجود ہے اور نہ صرف ہندوستان بلکہ
ہندوستان سے باہر کے طلبہ بھی حدیث وغیرہ جملہ علوم کی تعلیم پا رہے ہیں۔
بانی مدرسہ نے اپنے مرنے سے کچھ دن پہلے مدرسے کی نگرانی کا کام چھوڑ دیا
تھا''۔

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں آپ نے ساتواں حج کیا۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں بمقام
دیوبند میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے[1]

---

[1] نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، بدایوں، نظامی پریس ۱۹۲۶ء ج ۲ ص ۵۰، ۵۱

سید العارفین

حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی رحمۃ اللہ علیہ

روایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی (صاحب السیر رحمۃ اللہ علیہ) کا گزر بستی بھرچونڈی سے ہوا۔ بستی کے باہر ایک شخص کھیت میں ہل چلا رہا تھا' جسے دور سے دیکھتے ہی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور جا کر بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس کا مصافحہ و معانقہ فرمایا۔ خیر و عافیت دریافت کی اور پھر الٹے قدموں واپس جا کر آگے کو روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد واپسی کے موقعہ پر پھر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا گزر اسی راستے سے ہوا۔ اتفاق سے وہی شخص اسی طرح اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا اب کی بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ ہل روک کر دوڑ کر ملنے آیا۔ معمولی سلام علیک کے بعد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ آگے چل دیئے۔ خدام آپ کے پہلے کے پرتپاک رویے اور اب کے بے توجہی سے حیران و ششدر رہ گئے۔ آخر ایک خادم نے اس کا سبب پوچھ ہی لیا۔ حضرتؒ نے جواب دیا۔ پہلی بار اس شخص کی پیشانی پر اس کے ہونے والے فرزند ایک مرد کامل کا نور ولایت چمک رہا تھا۔ جو ایک عالم کو اپنے نور معرفت سے جگمگائے گا۔ مگر اب کے اس کے ماتھے پر وہ نور مجھے نظر نہیں آیا۔ جو غالباً اب بطن مادر میں منتقل ہو گیا ہے پچھلی دفعہ سب عزت و تکریم' اور پیشوائی اسی کے لیے تھی۔

کہتے ہیں' قوم سمہ کا وہ کسان میاں محمد ملوک تھا۔ اس کا خاندان قریش عرب و

کیچ مکران کے راستے سندھ میں وارد ہوا تھا اور بھر چونڈی شریف کے شمال میں آباد ہوا۔ قوم سمہ میں شادی بیاہ اور تعلق کی وجہ سے آگے چل کر یہ اسی قومیت سے معروف ہوا۔ غالباً بارہویں صدی ہجری کے آخری عشرہ میں میاں محمد ملوک کے ہاں بزرگ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بیوہ ماں نے اپنی امیدوں کے واحد سہارے کو بڑے ارمانوں اور شفقت و محبت سے پرورش کیا۔ یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو والدہ صاحبہ نے قرآن مجید پڑھنے کے لیے ایک حافظ صاحب کے مکتب میں بھیج دیا۔ کچھ عرصہ بستی جند وماڑی علاقہ احمد پور لمہ سابق ریاست بہاول پور کے ایک درس میں بھی پڑھتے رہے۔ یہاں آپ نے حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی (صاحب السیر رحمۃ اللہ علیہ) کی زیارت بھی فرمائی۔ روایت ہے کہ حضرت خواجہؒ اس بستی سے گزر رہے تھے کہ خادم سے فرمایا کہ مجھے اس مکتب میں کسی اللہ والے کی خوشبو آ رہی ہے۔ خادم نے مشورتاً عرض کیا کہ حضور، طلباء میں کپڑے تقسیم فرما دیں۔ وہ گوہر مقصود خود بخود سامنے آ جائے گا۔ چنانچہ ایک کھادی کا تھان لے آ کر طلباء کے درمیان قمیض اور چادر کے ٹکڑوں کی صورت میں تقسیم کیا جانے لگا۔ خادم ایک ایک طالب کو بلاتا رہا اور حضور خواجہؒ اپنے دست مبارک سے ان کو دیتے رہے۔ طلباء دھکم پیل کر رہے تھے۔ مگر ایک بچہ ان سب سے علیحدہ کھڑا حضور خواجہؒ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ آخر میں آپ اسے بلاتے ہیں۔ چادر مرحمت فرمانے لگے تو بچے نے عرض کی حضور! مجھے تو آپ ایسی چادر عنایت فرما دیں جو نہ کہنہ و کوتاہ ہو اور نہ بوسیدہ ہو۔ حضور خواجہؒ نے متبسم ہو کر فرمایا: بیٹا! یہ وہی چادر ہے۔ یہ چادر ابھی تک آستانہ عالیہ بھر چونڈی شریف کے تبرکات میں موجود ہے۔

قرائین سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مضطرب طبیعت کو اس مکتب کی تعلیم بھی راس نہ آئی اور وہ روحانی آب حیات یہاں نہ تھا، جس کے لیے یہ تشنۂ لب، بچپن سے محو جستجو تھے۔ یہ پیاس ایسی نہ تھی جو ان ظاہری مدارس کے چشموں سے بجھ سکتی۔ اس کے

لیے تو مکتب عشق کی ضرورت تھی۔ جس کی طلب نے بالآخر اس نوجوان کو سوئی شریف حضور حضرت حسن شاہ جیلانی ؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ کوئی بزرگ حضرت حافظ صاحب (سید العارفین) کو ان کے روحانی مرتبہ کے پیش نظر بیعت کرنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ ہر کوئی یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کرتا کہ ایسے جلیل القدر شخص کا بیعت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ نے آپ سے یہ فرمایا ''تجھے وہ شخص بیعت کرے گا جس کے سامنے بھنی ہوئے مچھلی زندہ ہو جائے۔ حضرت حافظ صاحب یہ جواب سن کر مایوس ہو گئے۔ نہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو نہ آپ کسی سے بیعت کریں۔ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد شاہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا گزر اس طرف ہوا تو آپ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ حافظ صاحب کے ہاں اس دن سوائے مچھلی کے اور کوئی چیز گھر میں مہمان کی مدارات کے لیے موجود نہ تھی۔ آپ مچھلی بھون' دستر خوان میں رکھ کر شاہ صاحب ؒ کی خدمت میں لائے۔ شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا ''کیا زندہ مچھلیاں بھی کبھی کھائی جاتی ہیں؟ حافظ صاحب نے دستر خوان اٹھایا تو مچھلی واقعی زندہ تھی۔ بس اب یہ کہنا تھا کہ درویش کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی اور آپ بیعت کے لیے دوزانو ہو کر شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب نے آپ کو بلا کسی تامل کے بیعت فرما لیا۔ (مرد مومن ص ۱۳) مصنفہ عبدالحمید خاں۔

کہا جاتا ہے کہ آپ نے قرآن مجید حضرت جیلانی ؒ کے پاس حفظ کیا اور ظاہری دنیوی مروجہ علوم سے صرف نظر کرتے ہوئے باطنی علوم کے بحر بیکراں کے شناور بن گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے درسی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ بعض کتابوں پر آپ کے دستخط اور مطالعے کے نشان ملتے ہیں۔ مگر یہ زیادہ صحیح نہیں ہیں۔ پختہ اور ثقہ روایات یہ ہیں کہ آپ ظاہری علوم میں صرف حافظ قرآن پاک تھے۔ مگر آپ کو وہبی طور پر علم شرعی کا ایک وافر حصہ قدرت نے ودیعت فرمایا تھا۔ مشہور ہے کہ آپ مخالفین' معترضین کے جوابات کتب احادیث وفقہ کھول کر اور انگلیاں رکھ رکھ کر

دکھاتے تھے۔ اور ہر دقیق سے دقیق علمی و شرعی مسئلہ پر پوری شرح و بسط اور تحقیق کے ساتھ گھنٹوں گفتگو فرما سکتے تھے۔

ایں سعادت بہ زور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۲۴۱ھ میں جماعت مجاہدین کی سوئی شریف آمد کے موقعہ پر آپ حضور مرشد سید حسن شاہ جیلانیؒ کی خدمت بابرکت میں موجود تھے۔ میاں غلام محمد مرحوم باغباں نواب صاحب مرحوم بہاولپور نے جو حضرت سید العارفینؒ کے غلام اور مرد صالح تھے۔ خود حضرت شیخ العصر مولانا عبد الہادی دامت برکاتہم سے روایت بیان کی۔ کہ ایک دفعہ میں حضور مرشد سید العارفینؒ کی صحبت پاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے پاس حضرت اسماعیل شہید دہلویؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' تھی۔ اسی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے کتاب دیکھ کر اعتراض کیا کہ یہ تو وہابی مولوی کی کتاب لیے پھرتا ہے۔ یہ بات حضورؒ کے کانوں تک پہنچی تو دریافت فرمایا کہ کون سی کتاب ہے؟ میں نے کتاب کا نام حضرت شہیدؒ کے حوالے سے عرض کیا اس پر حضرت سید العارفینؒ جوش میں آ گئے اور واقعہ نقل فرمایا کہ جس وقت جماعت مجاہدین سوئی شریف حضور مرشدؒ کے پاس آئی تھی تو بندہ اس وقت حضورؒ کے لنگر میں رہتا تھا حضرت اسماعیل شہیدؒ اس سفر میں مجاہدین اہل قافلہ کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ ایک دن بعد نماز عصر مسجد شریف میں (جو اس وقت اونچے تھڑے اور باہر سے خاروخس کی باڑھ کی صورت میں تھی) درخت جال کے قریب حضور مرشدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے درمیان فرضیت جہاد کے متعلق مذاکرہ ہو رہا تھا۔ دونوں بزرگ اپنے علم و کمال کے موتی لٹا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت سید احمدؒ شہید نے کسی کو فرمایا کہ جاؤ' اسماعیل کو بلا لاؤ۔ اس وقت حضرت اسماعیل شہیدؒ سوئی شریف کے باہر اونٹوں کے ساتھ پھر رہے تھے۔ اونچے ٹخنوں پر پاجامہ تھا اور کندھے پر اونٹوں کی مہاریں اور رسے تھے۔ آپ اسی وقت اسی حالت میں مسجد میں حاضر ہوئے اور دونوں بزرگوں کے سامنے باادب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے زیر بحث

''حدیث'' کی تشریح بیان کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا- حضرت اسماعیل شہیدؒ نے اس قدر دلپذیر تقریر فرمائی کہ حدیث کے مضامین' ان کے اشکال و اعتراضات' پھر ان کے جوابات' نیز اسماء الرجال پر بحث ایسے مختصر اور بلیغ انداز میں کی کہ وہ مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیا- علم کے اس بحر بے پایاں کی تقریر کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص نے زندگی بھر میں صرف یہی حدیث پڑھی اور اس پر تحقیق کی ہے- یا پھر یہ لوح محفوظ پر سے مضامین دیکھ دیکھ کر سنا رہا ہے- اس واقعہ سے حضرت سید العارفینؒ کا حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء (جماعت مجاہدین) کے متعلق قلبی تعلق کا پتہ چلتا ہے کہ اپنی مجلس میں ان پر غلط الزام برداشت نہ فرما سکے اور بڑے خوبصورت اور مؤثر انداز میں صفائی فرما دی- لیکن اس کے باوجود بعض کم نگاہ حضرت سید العارفینؒ کا جماعت مجاہدین سے تعلق تو کجا ملنے اور دیکھنے تک سے انکاری ہیں اور اس سلسلے میں اپنی بات کا وزن بڑھانے کے لیے حضرت سید العارفینؒ کی عمر اور سن ولادت تک میں غلط اندازوں اور قیاسات سے کام لیا ہے حالانکہ حضرت سید العارفینؒ اور آپ کی جماعت سے وابستہ تمام فقراء جانتے تھے کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر (سو سال سے بھی اوپر) عطاء فرمائی تھی اور بڑی عمر تک صحت و تندرستی کے ساتھ بسر کی- جس سے عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا- البتہ آخر میں درد گردہ- بیماری سلسل بول اور کچھ تقاضائے سن کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے- معترضین حضرتؒ کے سن ولادت کے متعلق ایک طرف تو ۱۲۳۴ھ کا اندازہ لگاتے ہیں- دوسری طرف آپ کے والد سے ایک بزرگ (جو یقیناً حضرت صاحب السیرؒ تھے) کی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں- جب کہ یہ روایت خاندان میں تواتر کے ساتھ موجود ہے- دوسری طرف خود بستی جندو ماڑی علاقہ احمد پور لمہ کے مکتب میں حضرت صاحب السیر (سیرانی بادشاہؒ) کا آپ کو چادر عنایت فرمانے کا تذکرہ- اور پھر درگاہ کے تبرکات میں چادر کی موجودگی بہ روایت صحیح درج کرتے ہیں- گویا خود آپ اپنے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں- جب کہ حضرت سیرانی شاہؒ کا سن وفات ۱۱۹۸ھ ہے

حضرت سید العارفینؒ کا حضور مرشدؒ کی خدمت سوئی شریف میں طویل قیام۔ لنگر کی خدمت، نیز جیلانی سائیں کی زیر قیادت جہادوں میں شرکت، ایسے حقائق ہیں، جن کا انکار نہیں ہوسکتا۔ مزید برآں حضرت دین پوری نے حضرت سید العارفینؒ کے کم سنی (غالباً تیرہ چودہ سال کی عمر میں) بیعت فرمائی تھی اور آپ اس سے بہت پہلے اس علاقے میں مشہور و معروف تھے۔ اور مریدین کے ہاں ''دورے'' فرمایا کرتے تھے اور یہ زمانہ حضرت جیلانی سائیں کے وصال (۱۲۵۴ھ) کے قریب کا ہے۔ اگر معترضین کا یہ سن ولادت ۱۲۳۴ھ تسلیم کر لیا جائے تو یہ عجیب بات ہوگی کہ ایک نوعمر اٹھارہ انیس سالہ صاحب ارشاد کی شہرت سندھ اور بلوچستان سے آگے بہاولپور تک پہنچ گئی ہو اور وہ مسلسل کئی سال سے دورے کر رہا ہو۔ حضرت سید العارفینؒ حضرت جیلانی سائیں اور آپ کے بعد بھورل سائیں (میاں محمد حسین) کے زمانہ سے ''سوئی شریف'' میں آمد و رفت اور صحبت رکھتے رہے۔ حضرت بھورل سائیں کے وصال کے بعد، سوئی شریف کی مسند ارشاد خالی ہوئی تو تمام جماعت کی نگاہیں حضرت سید العارفینؒ کی طرف تھیں کہ انہیں مسند شیخ پر بٹھایا جائے۔ آپ نے مناسب نہ سمجھا اور حضرت سانول سائیں (میاں ابوبکرؒ) کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیں۔ جس سے تمام جماعت کا رخ ان کی طرف ہوگیا۔ اور وہی سوئی شریف کے تیسرے مسند نشین ہوئے۔ حضرت سید العارفینؒ کا جیلانی سائیںؒ کی حیات طیبہ سے دستور تھا کہ وہ رمضان المبارک میں کلام پاک سوئی شریف جا کر سناتے۔ اس سلسلے میں آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ روزہ بھر چونڈی شریف میں افطار کرتے اور پیدل پانچ میل چل کر کلام مجید سناتے اور پھر نماز تراویح کے بعد فوراً واپس گھر آ جاتے۔ اس طرح روزانہ دس میل پیدل چل کر آتے جاتے۔ جیلانی سائیں کے بعد، بھورل سائیںؒ کے زمانہ تک یہ معمول برابر جاری رہا۔ اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ سوئی شریف کی پختہ مسجد، سانول سائیں کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تو حضرت سید العارفینؒ ہر شب پیدل خفیہ جا کر چپکے سے گارا تیار کرتے اینٹیں ڈھو کر بنیادوں کے

قریب ڈھیر لگا دیتے اور پھر فقراء کے لیے وضو کرنے کے کوزے بھر کر واپس بھرچونڈی چلے جاتے۔

سویرے جب فقراء اٹھ کر دیکھتے تو تعمیر کا تمام سامان تیار حالت میں ان کو ملتا۔ وہ حیران رہ جاتے۔ ایک دن حضرت جیلانی سائیںؒ کے زمانہ پاک کی ایک پرانی باخدا فقیرنی مائی بوڑھی نے حضرت سانول سائیںؒ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ اماں (امڑ) اس چور کو پکڑو تو دیکھیں کون ہے؟ چنانچہ دوسری رات مائی بوڑھی جاگتی رہی اور چھپ کر اس مرد باخدا کا انتظار کرتی رہی۔ حسب معمول حضرت سید العارفینؒ چپکے چپکے آئے۔ پہلے وضو فرمایا اور پھر اپنے کام میں جت گئے۔ تمام کام کر کے فارغ ہوئے تو مائی بوڑھی اچانک قریب جا کھڑی ہوئی اور پوچھا' بیٹا! حافظ ہو؟ آپ خاموش رہے تو مائی بوڑھی نے کہا حافظ! سوئی شریف کی تمام آگ اور انگارے تو تو پہلے سمیٹ کر لے گیا ہے۔ اب راکھ میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں وہ بھی لیے جا رہا ہے۔

ایک دفعہ اسی مائی بوڑھی نے حضرت سید العارفینؒ سے کہا' حافظ! تجھے تو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ حضرتؒ نے جواب دیا۔ ہاں (امڑ) مائی تیرے مرشد کو بھی تو لوگ وہابی کہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اسی وجہ سے مشہور تھا کہ حضرت سید العارفینؒ اپنے مرشد جیلانی سائیںؒ اور حضرت دادا پیر سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح شرک و بدعت' رسم و رواج اور خلاف شرع باتوں سے سخت متنفر اور مخالف تھے۔ جماعت متعلقین میں کوئی خلاف شرع امر برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس امر میں اس قدر متشدد تھے کہ اپنے مرشد کے مسند نشین حضرت سانول سائیںؒ (جن کی ہمیشہ آپ جوتیاں سیدھی کرتے اور پنکھا جھلتے تھے) کے صاحبزادے میاں عبدالمجیدؒ کی شادی پر سے اس لیے ناراض ہو کر اٹھ کر چلے آئے کہ اندرون حویلی میں سے آپ کے کانوں تک عورتوں کے سہرے گانے کی آواز پڑ گئی تھی۔ سانول سائیںؒ اور قدیم فقراء کی منت و سماجت پر راستے میں سے واپس گئے۔ سہرے گانے بند کروا دیئے گئے۔ میاں عبدالمجید کا ذری سے کڑھا ہوا کرتہ پھاڑ کر

اپنا درویشانہ جبہ پہنایا- شادی کے اونٹ کو چھیروں اور گھنگروؤں سے سنوارا گیا تھا- اس کے گھنگرو اتار کر توڑ دیئے.........راشدی بزرگان کی جماعت خاص طور پر حضرت کے متعلقین کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس کنویں پر تمباکو کاشت کیا ہوا ہوتا تھا' اس پر وضو نہیں کرتے تھے اور جس شادی بیاہ پر ڈھول تماشے ہوتے تھے' اس میں شرکت تو کجا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے-

ایک دفعہ سندھی اور سرائیکی کا مشہور مجذوب شاعر دریا خاں حضرتؒ کی دعوت پر بھرچونڈی شریف آیا- ہندو چیلوں کی صحبت کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا تھا- لیکن حضرتؒ کی اقتداء میں نماز پڑھی- نماز سے فارغ ہوا تو عرض کی' حضرت اجازت ہو تو فقیر گھنگرو باندھ کر اور ناچ کر اپنی کافیاں سنائے- حضور نے فرمایا! فقیر سائیں! آپ کی کافیاں تو خود ناچتی ہیں- ان کو گھنگروں اور رقص کی کیا ضرورت ہے- چنانچہ آپ نے دریا خاں سے بغیر مزامیر ورقص کے کافیاں سماعت فرمائیں اور خوش ہوئے- آپ پیرانہ طریق ومعمول کے مطابق بغیر مزامیر کے خوش الحانی سے کافیاں' ابیات یا فارسی غزلیں بھی اکثر سنتے تھے-

حضرت سید العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشدوں اور مشائخ سلسلہ سے جو جذب و سلوک ورثہ میں ملا تھا- اس میں بھی توحیدی رنگ غالب تھا- درگاہ میں ذکر جہر اور ''لا الہ الا اللہ'' کے مستانہ نعرے ہر وقت گونجتے رہتے- قدم قدم پر الا اللہ' اور اللہ ہو- کی پکار ہوتی- کسی کو بلانے اور ٹھہرانے پر بھی اللہ ہو' اور ''ہو'' کی تسبیح کا ورد ہوتا- ہر کام اور ہر کاروبار میں کلمۂ توحید زبان پر جاری رہتا- لنگر کا کوئی کاروبار (چکی پیسنے' آٹا گوندھنے تک) ایسا نہ تھا- جس میں اللہ کے نام کی حلاوت نہ ہو- یا بغیر وضو کے کیا گیا ہو- چنانچہ آگے چل کر یہی رنگ آپ کے مسترشدین کی جماعتوں میں بھی پوری طرح چڑھا ہوا تھا-

حضرت سید العارفینؒ نے حضرت جیلانی سائیںؒ کے ہاتھ پر جو بیعت جہاد

فرمائی تھی اس میں شرع محمدیؐ کے نفاذ اور تبلیغ توحید کے مقاصد کار فرما تھے- چنانچہ سب سے پہلے آپ نے شرک و بدعات کے خلاف جہاد فرمایا- پٹن منارہ کا جہادؒ اس کفر و شرک کے خلاف تھا- جو مکار بدھ راہب نے ایک ننگے بت کے ذریعے جاہل عوام میں پھیلا دیا تھا- جس کا استیلا ضروری تھا- نواب بہاول خاں کا سفارتی وفد حضرت جیلانی سائیںؒ کے پاس شکایتاً صرف ایک سوال کا جواب لینے کے لیے گیا تھا- نواب صاحب مرحوم نے دریافت کیا تھا کہ سید صاحب' جواب دیں' کہ رب' رب العالمین ہے یا رب المسلمین ہے- جیلانی سائیںؒ نے طیش میں آ کر جواباً فرمایا کہ نواب صاحب سے جا کر کہو کہ آپ کی صاحبزادی جوان بیٹھی ہے- آپ اسے کسی گھسائیں ہندو کو دے دیں' جواب مل جائے گا- (یاد رہے کہ وفد میں ایک گھسائیں ہندو وزیر بھی تھا)

وفد ناراض ہو کر واپس چلا گیا اور ادھر نواب صاحب نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے فقراء سے جنگ لڑنے کا عزم کر لیا- فقراء نے بھی سر پر کفن باندھ لیے- جیلانی سائیںؒ نے تمام جماعتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے ہتھیار اور کفن تیار رکھیں- جس کے پاس لاٹھی ہے وہ لاٹھی لے آئے- جس کے پاس تلوار ہے تلوار لے آئے- فقیروں کی توپ والوں سے جنگ ہے- فقراء کے جوش و خروش اور حضرت جیلانی سائیںؒ اور سید العارفینؒ (سپہ سالار جیش) کے فقیرانہ جاہ و جلال کی تاب نہ لاتے ہوئے بالآخر نواب صاحب صلح پر آمادہ ہوا- پیغام بھیجا کہ پٹن منارہ کا علاقہ ہم آپ کو بطور جاگیر دیتے ہیں- لیکن حضرت جیلانیؒ نے انکار فرما دیا- کیونکہ جہاد کے بعد وہ علاقہ خود بخود جماعت کا ملکیت و مقبوضہ تھا- جیلانی سائیںؒ نے وہ اراضی آباد کرائی- مندر کو مسجد میں تبدیل کیا' بت کو توڑ دیا اور وہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اور لنگر کا اہتمام فرمایا-

یہ جنگ تو وہ تھی' جو حضرت جیلانی سائیں کی قیادت میں لڑی گئی اور حضرت سید العارفینؒ اس میں سپہ سالار تھے لیکن بعد میں حضرت سید العارفینؒ ایک اور جہاد پر بھی تشریف لے گئے وہ جہاد ''لوڑی کنڈہ'' کے نام سے مشہور ہے- جس میں بغیر کسی

خون خرابہ کے فقراء کو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ اور حضرت سید العارفینؒ نے اس علاقے کو شرک و بدعت کے ظلمت کدے سے نکال کر توحید و سنت سے آباد فرمایا۔

واقعہ یوں ہے کہ علاقہ جیکب آباد میں "لوڑی کنڈہ" کے نام سے ایک درخت تھا۔ جہاں جاہل بلوچ عوام منتیں مرادیں مانگتے اور بہت سی بری رسمیں ہوتیں۔ اس کے متعلق بہت روایات مشہور تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ علاقے میں بداعتقادی اور شرک کا عظیم مرکز بنا ہوا تھا۔ حضرت سید العارفینؒ کو معلوم ہوا تو آپ اس بداعتقادی کے گڑھ کو مٹانے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ جماعت فقراء کو لے کر اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ وہاں آپ کے کوئی خاص مرید نہ تھے۔ چند جکھیانی بلوچوں کے گھرانے تعلق رکھتے تھے جو بہت غریب اور خستہ حال تھے۔ حضرتؒ نے اس علاقے میں جا کر بلوچوں کو اپنے عزائم (درخت کاٹنے) کے متعلق کہلا بھیجا۔ اور ضروری تبلیغ کے لیے ان کے سرداروں سے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ بلوچوں کو معلوم ہوا تو وہ مرنے مارنے پر اتر آئے اور مسلح ہو کر جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جنگ سے قبل بلوچوں نے اپنے چند سرداروں کا وفد حضرتؒ کے پاس بھیجا۔ حضرتؒ نے خیر و عافیت دریافت کی۔ بلوچوں نے بلوچی رواج کے مطابق آپ کی آمد کا حال پوچھا۔ آپ نے حال احوال کے ضمن میں دیر تک ان کے سامنے توحید بیان فرمائی۔ اور پھر آنے کا مقصد بیان فرمایا۔ وفد کے سردار آپ کی تقریر سے متاثر ضرور ہوئے، لیکن درخت کاٹنے کو بھی وہ اپنی قومی شعار اور آباؤ اجداد کے عقیدے کی توہین خیال کرتے تھے۔ انہوں نے حضرتؒ کو اپنے عزائم سے باز رہنے کے لیے دھمکیاں دیں اور جنگ لڑنے کا اعلان کیا۔ مگر حضرتؒ اپنی بات پر قائم رہے۔ بلوچ سرداروں نے بالآخر تجویز پیش کی۔ کہ جنگ سے پہلے قرعہ اندازی کی جائے۔ اگر ہمارا قرعہ غالب رہا تو ہم جنگ کریں گے۔ ورنہ اطاعت قبول کریں گے۔ حضرتؒ نے یہ تجویز منظور فرمائی۔ بلوچوں کے مشورے سے تین "قرعے" بنائے گئے۔ ایک اللہ تعالیٰ کا (جو بلوچوں کا حلیف ہوگا) دوسرا بلوچوں کا۔ تیسرا حضرتؒ کا۔ تین بار قرعہ اندازی

ہوئی اور ہر بار حضرتؒ کا قرعہ غالب رہا- چنانچہ تمام بلوچوں میں افواہ پھیل گئی کہ فقیر صاحب (نعوذ باللہ) خدا سے بھی جیت گیا ہے- اس لیے بلوچوں کی تمام سرکش جمعیت آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور شرک و بدعت سے تائب ہو کر درخت کاٹ ڈالا-

حضرت سید العارفینؒ نے پیرانہ سنت کو قائم رکھتے ہوئے شادی نہیں کی تھی' زندگی بھر جتی ستی رہے- یاد رہے کہ آپ کے مرشد جیلانی سائیں اور صحبت کے پیر بھورل سائیںؒ نے بھی شادی نہیں کی تھی- کسی خادم نے آپ سے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: بھائی! میرے پاس تو بس ایک دل تھا جو میں نے اپنے مالک کو دے دیا- اب بیوی بچوں کے لیے دوسرا دل کہاں سے لاؤں؟

حضرت سید العارفینؒ اپنے وقت کے بہت برگزیدہ بزرگوں میں سے تھے- لاریب اپنے دور کے جنیدؒ و بایزیدؒ تھے- آپ کی صحبت کے پیر بھورل سائیںؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضور مرشد (جیلانی سائیںؒ) نے حافظ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے جہاں ہمارے فکر و ادراک کی پرواز بھی نہیں پہنچتی-

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی طویل پچیس سالہ جلاوطنی میں ایک دنیا کی خاک چھان ڈالی تھی- مگر مجھے اپنے مرشد (سید العارفینؒ) سا کوئی مرشد اور اپنے استاد (شیخ الہندؒ) سا کوئی استاد نہیں ملا''-

ایک عرب باخدا مرشد کی تلاش میں تمام بلاد اسلامیہ پھرتے پھرتے غیر منقسم ہندوستان تشریف لائے- مگر انہیں گوہر مقصود نہ ملا- اور مایوس واپس جا رہے تھے کہ ان کا سندھ سے گزر ہوا- بھرچونڈی شریف کا شہرہ سنا تو اپنے ہمسفر کو پیچھے چھوڑ کر آپ سید العارفینؒ کی خدمت میں پہنچ گئے دیکھا تو منزل مراد سامنے تھی- دوسرے روز ہمسفر بھی آ گیا تو عرب جوش مسرت سے اپنے ساتھی کی پیشانی کے بوسے لیتے تھے اور کہتے تھے مجھے مبارکباد دو میرے نصیب نے یاوری کی ہے-

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے
خوبی قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے

پندرہ دن حضرت سید العارفینؒ کی خدمت میں رہے اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوکر وطن لوٹ گئے۔

سید العارفینؒ یوں تو جماعت کے ہر فقیر سے محبت فرماتے تھے۔ مگر نومسلموں اور یتیم بچوں سے خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ مسلمان ہوئے تو آپ نے اس ہونہار کم سن نومسلم سے جس طرح کی محبت وشفقت کا اظہار فرمایا اور سرپرستی فرمائی۔ یہ غریب الدیار بچہ ہمیشہ کے لیے اس نسبت پر فخر کرتا رہا۔ اس کہانی کے کچھ ٹکڑے خود مولانا سندھیؒ مرحوم کی زبانی سنئے لکھتے ہیں:

''اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہوگئی تھی۔ اس طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ (بھرچونڈی والے) کی خدمت میں پہنچ گیا جو اپنے وقت کے جنیدؒ وسید العارفینؒ تھے۔ چند ماہ ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے ایک روز میرے سامنے لوگوں کو مخاطب فرمایا (غالباً مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ جن کا ذکر آگے آئے گا بھی موجود تھے) کہ عبیداللہ نے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے''۔ اس کلمہ پاک کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں محض اس لیے سندھ کو اپنا مستقل وطن بنایا' یا بن گیا' میں نے قلوری راشدی طریقہ میں حضرتؒ سے بیعت کرلی تھی اس کا نتیجہ یہ محسوس ہوا کہ بڑے سے بڑے انسان سے بہت کم مرعوب ہوتا ہوں۔ تین چار ماہ بعد میں طالب علمی کے لیے رخصت ہوا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرتؒ نے میرے

لیے خاص دعا فرمائی - خدا کرے کہ عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے-
میرے خیال میں خدا نے وہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض
اپنے فضل سے مجھے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچا دیا''-

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ'' رب العزت کی
ایک خاص مہربانی یہ بھی تھی کہ میرے مرشدؒ کا سیاسی مسلک بھی وہی تھا جو میرے استاد
حضرت مولانا شیخ الہندؒ کا تھا ورنہ میرے لیے سیاسی کام کرنا سخت مشکل تھا-

حضرت سید العارفینؒ ایک قوی الجثہ- طویل القامۃ' صحت مند و تندرست جسم
کے مالک اور طاقت و شجاعت کا پیکر تھے- جماعت فقراء کے ساتھ ہمیشہ سادہ غذاء
کھاتے تھے اور چھوٹا موٹا پہنتے تھے- کبھی امتیازی شان سے نہ رہتے تھے- بلکہ لنگر کے
اکثر کام فقراء کے ساتھ مل کر کرتے تھے- مشقت و محنت کے بہت عادی تھے- تمام عمر
صحت قابل رشک رہی- کبھی کبھی درد گردہ کی شکایت ہوتی خدام آپ کے کمرے میں
ٹھنڈی ریت بچھا دیتے تھے- جس پر شدت درد کی وجہ سے لوٹتے رہتے اور اکثر زبان
فیض ترجمان پر یہ شعر جاری ہوتا-

لطف سجن' دم بدم' قہر سجن گاہ گاہ
اوں بھی سجن' واہ واہ' ایں بھی سجن واہ واہ

آخر میں کچھ تقاضائے سن کے باعث اور کچھ مسلسل عوارضات کے باعث
آپ کمزور ہو گئے تھے- سلس البول کی شکایت بھی ہو گئی تھی- جس کی وجہ سے کئی کئی بار
آپ کو نماز کے لیے نیا وضو بنانا پڑتا- اس لیے انہی ایام میں اکثر آخر وقت میں نماز ادا
کرتے اور مختصر قراءت پڑھتے- لیکن ان تمام بدنی اور جسمانی تکالیف کے باوجود
تاوصال بحق آپ برابر باجماعت نماز ادا فرماتے رہے اور نوافل و معمولات تک قضا
نہیں کیے- آپ کے مرض الموت میں آپ کے تمام خلفاء حضور میں موجود تھے- ثقہ
روایت ہے کہ آپ نے اپنے کئی طالبین کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم یہاں کے درو

دیوار کو نہ دیکھتے رہنا' بلکہ خلیفہ صاحب خان پوریؒ کے پاس چلے جانا- نیز اپنے جانشین برادر زادے حضرت میاں عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی فرمایا کہ میری قبر پر پختہ گنبد یا خس و خاشاک کی جھونپڑی نہ بنانا اور قبر کا تعویذ ایک بالشت سے کم رکھنا (اور خود اپنے ہاتھ سے بالشت کا اشارہ فرمایا کہ اتنا ہو پھر فرمایا کہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا اور رحمت ایزدی میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ ہوئی تو قیامت کے دن میں تیرا دامن گیر ہوں گا-

وفات سے ایک دن پہلے اپنے خاص خدام کو اپنے سبز کھدر کے چولے اور لباس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فقیر قیامت کے روز اسی لباس میں اٹھایا جائے گا- غرض خدا کا یہ برگزیدہ و محبوب انسان' مرد حق آ گاہ شان صدیقی کا پیکر- ایک تھوڑی مدت بخار کی تکلیف میں مبتلا رہ کر اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا-

معرفت و طریقت کا یہ آفتاب ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ کو غروب ہوا- انا للہ و انا الیہ راجعون- حضرت مولانا سندھی مرحوم مرشد کی وفات سے دس دن بعد دیوبند سے بھر چونڈی شریف پہنچے تھے-

جیسا کہ گزر چکا ہے حضرت سید العارفینؒ نے عمر بھر شادی نہیں فرمائی تھی- اس لیے اولاد نسبی نہیں تھی- آپ کے وصال کے بعد آپ کے برادر زادے حضرت میاں محمد عبداللہؒ مسند نشین ہوئے- یوں تو آپ کے فیض روحانی سے ایک عالم فیض پا چکا تھا- مگر آپ کے جید و عظیم خلفاء میں سے حضرت خلیفہ مولانا غلام محمد دین پوریؒ- حضرت سید تاج محمود امروٹیؒ- حضرت مولانا عبدالغفارؒ صاحب خان گڑھ- حضرت خلیفہ اول مراد صاحبؒ- مولانا ابوالخیرؒ کوئٹہ والے- مولانا عمر جانؒ نقشبندی چشمے والے- خلیفہ عبدالعزیزؒ کالا باغ- خلیفہ محمد عمر شاہؒ (عراق) خلیفہ عبدالرحمٰنؒ (کابل) اور حضرت مولانا شمس الدین احمد پوریؒ بہت مشہور ہوئے ہیں-

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل کے ممتاز عالم، سربرآوردہ مجاہد رہنما اور نامور شیخ طریقت تھے- وہ دیوبند (ضلع سہارنپور، ہندوستان) کے عثمانی شیوخ کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جسے علم و عمل، شرافت و دینداری کے علاوہ دنیوی وجاہت بھی حاصل تھی- ان کے والد مولانا ذوالفقار علیؒ عربی زبان کے مشہور ادیب تھے- دیوان الحماسہ، دیوان المتنبی اور سبعہ معلقات کی مفید اردو شروح، تسہیل الدرایہ، تسہیل البیان اور التعلیقات علی السبع المعلقات ان کی بہترین علمی یادگاریں ہیں- قصیدۂ بردہ اور قصیدۂ بانت سعاد کی شرح میں عطر الوردہ اور الارشاد ان کے علم و فضل کا ثبوت ہیں، علم معانی و بیان میں انہوں نے اردو میں تذکرۃ البلاغۃ لکھا[1]

مولانا محمود حسن ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء میں بریلی میں پیدا ہوئے، جہاں ان کے والد مولانا ذوالفقار علیؒ ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے- انہوں نے فارسی کی سب کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا سے پڑھیں- ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو مولانا محمود حسن دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم تھے- انہوں نے کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتابیں مولانا محمد قاسمؒ بانی دارالعلوم سے پڑھیں اور سفر و حضر میں بھی ان کے ہمراہ رہے- ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں بطور معین مدرس دارالعلوم میں پڑھانے لگے- چند برس کے بعد وہ کتب حدیث کا

---

[1] حسین احمد نقش حیات، ۲ ص ۱۳۱ مطبوعہ دیوبند

درس دینے لگے۔[1]

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں وہ اکابر علماء اور مشائخ کی معیت میں فریضۂ حج اور زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہوئے۔ اس زمانے میں شاہ عبدالغنی مجددی دہلی سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور ساری دنیائے اسلام کو اپنے علم وفضل سے مستفید فرما رہے تھے۔ شاہ صاحب اپنے زمانے کے باکمال اور شہرۂ آفاق محدث تھے جن کی سند حدیث شاہ محمد اسحٰق کے واسطے سے شاہ ولی اللہؒ تک منتہی ہوتی ہے۔ تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ حرمین میں جتنی مرجعیت، مقبولیت اور محبوبیت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کو حاصل ہوئی وہ آج تک کسی ہندوستانی عالم کو حاصل نہیں ہوسکی۔[2]

مولانا محمود حسنؒ نے ان سے اجازت وسند حدیث لی اور مکہ معظمہ سے واپس آ کر حاجی امداد اللہؒ سے بیعت ہوئے۔

۱۳۰۵ھ میں محمود حسنؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے تبحر علمی، فرض شناسی، تندہی اور دلسوزی سے اس کو دنیائے اسلام کی ایک مرکزی درسگاہ بنا دیا۔ ان کے زمانے میں ہندوستان کے علاوہ افغانستان ترکستان اور انڈونیشیا تک کے طلبہ علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہوئے۔ شیخ الہندؒ کو جملہ علوم دینیہ میں رسوخ حاصل تھا، لیکن ان کے درس حدیث کی شہرت تمام ہندوستان میں تھی۔ ان کے درس حدیث کی نمایاں خصوصیت جمع بین اقوال الفقہاء والاحادیث تھی اور یہی شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کا طرز تعلیم تھا۔[3]

۱۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند ص ۱۵ تا ۲۲، لاہور ۱۹۷۷ء

۲۔ الکتانی: فہرس الفہارس ۲: ۱۶۲

: عبدالحی، نزہۃ الخواطر ۷: ۲۸۹، ۲۹۰، مطبوعہ حیدرآباد دکن

۳۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند ص ۳۲ تا ۳۷ لاہور ۱۹۷۷ء

بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں چند در چند ایسے حوادث پیش آئے کہ محمود حسنؒ کو سیاست میں عملی طور پر حصہ لینا پڑا- ہندوستان میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کے اعلان (۱۹۱۱ء) کے صدمے سے مسلمان جانبر نہیں ہوئے تھے کہ طرابلس (۱۹۱۱ء-۱۹۱۲ء) اور بلقان (۱۹۱۲-۱۹۱۳ء) کی جنگوں نے دنیائے اسلام کو ہلا کر رکھ دیا- طرابلس خلافت عثمانیہ کے زیر اقتدار تھا' لیکن اٹلی نے دول یورپ کے اشارے پر طرابلس پر حملہ کر دیا اور حکومت برطانیہ نے ترکوں کو مصر کے راستے فوج گزاز نے کی اجازت نہ دی' چنانچہ مقامی عربوں اور ترکوں کی شدید مزاحمت کے باوجود اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کرلیا- اس کے بعد بلقان کی ریاستوں نے یورپی طاقتوں کی انگیخت پر ترکیہ کے خلاف بغاوت کر دی (۱۹۱۲-۱۹۱۳ء) بلقانیوں نے مسلمانوں کی آبادی کو جو جنگ میں شریک نہ تھی' اندھا دھند قتل کرنا شروع کر دیا- اس کے نتیجے میں ہزاروں ترکوں کو دارالخلافہ قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی اور آخر میں ترکیہ کو ان ریاستوں سے دستبردار ہونا پڑا- ان جنگوں میں ترک شہداء اور زخمیوں کا شمار ایک لاکھ نفوس تھا-[1]

ان واقعات نے دنیائے اسلام میں یورپی طاقتوں' بالخصوص انگریزوں کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑا دی ان حوادث سے ہندوستانی مسلمان بھی شدید متاثر ہوئے- انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ ان جنگوں کے پس پشت انگریزوں کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور وہ روس سے مل کر خلافت عثمانیہ کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں- ان حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کی تمام تر ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں' جو نہ صرف خلافت بلکہ دنیائے اسلام کے پاسبان تھے اور ان کا سلطان خادم الحرمین الشریفین کہلاتا تھا- اس زمانے میں شبلی اور اقبال کی نظموں اور علی برادران اور ابوالکلام آزاد کی تقریروں اور تحریروں نے ملک میں حکومت برطانیہ کے خلاف آگ سی لگا دی- ترکوں کی حمایت میں

---

[1] حسین احمد' نقش حیات' ۲: ۱۲۷ مطبوعہ دیوبند

جلسے ہوئے' ان کی فتح ونصرت کے لیے مدارس عربیہ میں صحیح بخاری کے ختم کا اہتمام ہوا' مساجد اور خانقاہوں میں سلطنت عثمانیہ کی سلامتی اور بقا کے لیے صبح وشام دعائیں ہونے لگیں' عوام نے لاکھوں روپے چندہ کر کے انجمن ہلال احمر استنبول کے نام بھجوائے اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سربراہی میں ترک مجروحین کی مرہم پٹی کے لیے طبی وفد بھجوایا۔[1]

مولانا محمود حسنؒ نے چند روز کے لیے دارالعلوم بند کر دیا' انہوں نے اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر مختلف مقامات کا دورہ کیا اور آفت زدہ ستم رسیدہ اور فاقہ کش ترکوں کی مدد کے لیے مسلمانوں کو آمادہ کیا' دارالعلوم میں انجمن ہلال احمر کی شاخ قائم کی اور تقریباً ایک لاکھ روپیہ استنبول بھجوایا۔[2]

ان خونیں واقعات کی یاد مسلمانان ہند کے دلوں میں تازہ تھی کہ جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کا ہلاکت خیز واقعہ پیش آیا۔ اس جنگ میں ترک انگریزوں کے خلاف جرمنوں کے حلیف تھے۔ مولانا محمود حسنؒ جن کی گہری نظر واقعات عالم اور بالخصوص ہندوستان وممالک اسلامیہ کے حالات پر مرکوز رہتی تھی' ان حوادث سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے لیے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہوگئی۔ اب ان کا خیال اس یقین میں بدل گیا کہ جب تک انگریز ہندوستان سے نہ نکلیں گے ممالک اسلامیہ اور افریقہ پر بھی انگریزوں کا اقتدار ختم نہ ہوگا۔ ان حالات نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اپنا دینی فرض سمجھتے ہوئے میدان عمل میں نہ صرف خود اتریں بلکہ ہندوستان کے دوسرے

---

[1] Ishtiaq Hussain Qureshi: Ulema in Politics.
ص ۲۳۳ کراچی: ۱۹۷۲ء

[2] اصغر حسین حیات شیخ الہند ص ۲۲۱' ۲۲۲ لاہور ۱۹۷۷ء حسین احمد' سفرنامہ شیخ الہند ص ۵ مطبوعہ دیوبند۔

ذی اثر علماء اور دوسرے مسلم قائدین کے ساتھ مل کر حالات کا مقابلہ کریں۔[1] بہر حال مولانا تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھے۔

مولانا کے بہت سے شاگرد اور احباب پنجاب سرحد اور سندھ میں تھے' ان کو ہمنوا بنانے کے لیے انہوں نے اپنے معتمد علیہ حضرات بھیجے۔ یاغستان (آزاد قبائل) میں بھی ان کے بہت سے شاگرد اور مداح موجود تھے۔ سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین کے بہت سے افراد ستھانہ میں مقیم تھے۔ مولانا محمود حسنؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا سیف الرحمٰنؒ کو آزاد قبائل میں تبلیغ جہاد کے لیے بھیجا اور حاجی ترنگ زئی کو بھی تحریک جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ اس تحریک کا مرکز یاغستان قرار پایا جہاں سے سرحد پر حملے ہونے لگے۔[2]

مولانا محمود حسنؒ مجاہدین کو رسد اور روپے بھیجتے رہے' لیکن انہیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ تحریک کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ کسی اسلامی سلطنت کی تائید و حمایت حاصل کی جائے' چنانچہ ۱۹۱۵ء میں مولانا نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل بھیجا کہ وہ امیر حبیب اللہ خاں کو جہاد پر مائل کر سکیں' لیکن وہ متذبذب رہے اور کوئی مدد نہ کر سکے تا آنکہ امیر امان اللہ خان نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔[3]

اس اثناء میں ترکوں کے خلاف سات آٹھ محاذ جنگ کھل چکے تھے اور ان پر

---

1. Indian Muslims M. Mujib.

ص ۳۹۹ تا ۴۰۰: لندن ۱۹۶۲ء

2. Ishtiaq Hussain Qureshi: Ulema in Politics.

ص ۲۴۴ کراچی: ۱۹۷۲ء

3. محمد میاں: علمائے حق' ۱: ۱۳۶' مطبوعہ دیوبند

محمد سرور' مولانا عبیداللہ سندھی' ص ۲۹' ۳۰ بار پنجم لاہور: ۱۹۷۶ء

روسیوں اور انگریزوں کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا- ترکوں کی حمایت کے الزام میں ہندوستان میں علی برداران اور مولانا ابوالکلام آزاد نظر بند کیے جا چکے تھے اور مولانا محمود حسنؒ کی گرفتاری بھی متوقع تھی- اب مولانا نے ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ کے مشورے سے براہ حجاز استنبول پہنچنے کا ارادہ کیا-

مولانا محمود حسنؒ ماہ شوال ۱۳۳۳ھ/ اگست ۱۹۱۵ء کو عازم حج ہوئے اور براستہ بمبئی جدے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے- ہندوستان کی سی آئی ڈی بھی سائے کی طرح ساتھ تھی- مکہ معظمہ میں دہلی کے مشہور تاجر حاجی علی جان کے خاندان کا بڑا کاروبار تھا اور ترک حکام کے ہاں ان کا بڑا اعتبار اور احترام تھا- مولانا نے اس خاندان کے بعض افراد کے توسط سے گورنر مکہ غالب پاشا سے ملاقات کی اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور یہ درخواست کی کہ انہیں ترکیہ کے وزیر جنگ انور پاشا کے پاس استنبول بھجوا دیا جائے- غالب پاشا نے تمام باتیں سن کر گورنر مدینہ' بصری پاشا کے نام تحریر لکھ دی کہ مولانا ہمارے معتمد علیہ شخص ہیں' ان کا احترام کیا جائے اور انہیں استنبول پہنچا دیا جائے- مولانا مدینے پہنچے تو پتہ چلا کہ انور پاشا اور جمال پاشا شام اور سویز کے جنگی محاذوں کے معائنے کے بعد روضۂ نبی ﷺ کی زیارت کے لیے مدینے آ رہے ہیں- ان کی آمد پر مولانا محمود حسنؒ نے مفتی مدینہ کی وساطت سے انور پاشا سے بند کمرے میں ملاقات کی' غالب پاشا گورنر مکہ کا خط پیش کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی میں امداد و اعانت کی درخواست کی- انور پاشا نے تمام باتیں توجہ و ہمدردی سے سنیں اور انہیں ہر طرح سے امداد و اعانت کا یقین دلایا- مولانا نے اصرار کیا کہ وہ اس مضمون کی تحریر ترکی' عربی اور فارسی زبانوں میں لکھ دیں تاکہ یہ تحریر ہندوستان بھجوائی جا سکے- مولانا نے یہ بھی درخواست کی کہ انہیں بالا بالا حدود افغانستان بھجوا دیا جائے انور پاشا نے اس سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر کے افغانستان کا راستہ مسدود کر دیا ہے' اس لیے آپ فی الحال حجاز ہی میں قیام کریں- اس کے بعد انور

پاشا شام کو روانہ ہو گئے اور چند دنوں کے بعد انہوں نے یہ تحریریں ترکی، عربی اور فارسی زبانوں میں لکھ کر بھیج دیں، جس میں ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے ہر طرح کی امداد و اعانت کا وعدہ کیا تھا اور ہر شخص کو جو ترکی رعایا یا حاکم تھا، حکم تھا کہ وہ مولانا محمود حسنؒ پر اعتماد کرے اور ان سے ہر طرح کا تعاون کرے[1]

مولانا محمود حسنؒ نے یہ تمام دستاویزات لکڑی کے صندوق کے ایک تختے میں رکھ کر ہندوستان بھجوا دیں اور یہاں سے اس کی فوٹو کاپیاں تحریک کے مختلف مراکز کو روانہ کر دی گئیں۔[2]

رولٹ کمیٹی کے مطابق مولانا محمد میاں انصاریؒ حیدرآباد سندھ کے نومسلم شیخ عبدالرحیم (اچاریہ کرپلانی، سابق جنرل سیکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے برادر بزرگ) کی وساطت سے ریشمی پارچات پر خفیہ پیغامات لکھ کر مولانا محمود حسن کو بھیجا کرتے تھے۔ اس خط و کتابت کو انہوں نے ریشمی رومال کی سازش کے نام سے تعبیر کیا ہے۔[3]

اب مولانا کا یہ ارادہ تھا کہ کسی طرح ایران کے راستے بالا بالا یاغستان پہنچ جائیں، مگر روسی اور انگریزی جہازوں نے بحری راستہ روک رکھا تھا، پھر انہوں نے یہ

---

[1] عبدالحی نزہۃ الخواطر ۸، ۴۶۷ حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء

[2] Ishtiaq Hussain Qureshi: Ulema in Politics.

ص ۲۵۰، ۲۵۱ کراچی: ۱۹۷۲ء

[3] Sedition Committeie Report.

پیراگراف ۱۶۴، کلکتہ ۱۹۱۸ء، ص ۲۱۴ تا ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۰

Ziya-Ul- Hassan faruqi: the Deoband School.

ص ۶۱: کلکتہ ۱۹۶۳ء

ارادہ کیا کہ کسی طرح بحری راستے سفر کیا جائے اور بمبئی کے بجائے بلوچستان کی کسی بندرگاہ پر اتر کر یاغستان میں داخل ہو جائیں۔ واپسی سے پہلے وہ غالب پاشا سے ملاقات کے لیے طائف گئے' لیکن وہاں جا کر محصور ہو گئے۔ اور بڑی مشکل سے مکہ معظمہ پہنچے۔ اب حج کا موسم قریب آ رہا تھا' مولانا نے یہ مناسب سمجھا کہ حج سے فارغ ہو کر واپسی کا قصد کیا جائے' لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔[1]

مولانا محمود حسن مکہ معظمہ پہنچے تو شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ محرم ۱۳۳۵ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء کی آخری تاریخوں میں شیخ الاسلام مکہ معظمہ نے ایک محضر تیار کیا' جس میں ترکوں کو کافر و غاصب اور خائن ٹھہرایا گیا تھا۔ دوسرے علماء کے علاوہ یہ محضر مولانا محمود حسن کی خدمت میں تصدیق اور تصویب کے لیے پیش کیا گیا' مگر انہوں نے محضر پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ شریف حسین کو پتہ چلا تو وہ بہت برہم ہوا اور اس نے حکم دیا کہ مولانا محمود حسن کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس گرفتاری میں انگریزوں کا مشورہ بھی شامل تھا کیونکہ وہ حجاز میں مولانا کی سرگرمیوں کو بڑی تشویش سے دیکھ رہے تھے' چنانچہ انہیں ۲۲/صفر ۱۳۳۵ھ کو حراست میں لے کر جدے پہنچا دیا گیا اور وہاں انگریز حکام کے حوالے کر دیا گیا۔ قاہرہ میں ان سے پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ بالآخر وہ ۱۵/فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا بھیج کر نظر بند کر دیئے گئے۔[2]

مولانا محمود حسن نے مالٹا میں قید و بند کا زمانہ نہایت عزم و ہمت اور صبر و استقلال سے گزارا' ان کا بیشتر وقت عبادت میں گزرتا تھا انہوں نے یہیں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا۔ اس اثناء میں ان کی رہائی کے لیے ہندوستان میں تحریک جاری تھی' آخر کار وہ تین برس دو ماہ کی نظر بندی کے بعد مالٹا سے ہندوستان روانہ کر دیئے گئے اور

۱۔ حسین احمد' نقش حیات' ۲' ۲۱۲ تا ۲۳۱ مطبوعہ دیوبند

۲۔ حسین احمد' اسیر مالٹا' ص ۶۷ تا ۱۰۵ لاہور ۱۹۷۶ء

۸/ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچنے پر رہا کر دیئے گئے اور وہ ۱۴/ جون ۱۹۲۰ء کو بخیریت دیوبند واپس پہنچ گئے۔

مولانا محمود حسنؒ کے زمانہ اسیری میں ترکوں کو عربوں کی غداری کی وجہ سے شکست ہو چکی تھی، قسطنطنیہ بغداد اور بیت المقدس پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ حجاز پر اگرچہ شریف حسین کا قبضہ تھا، لیکن حکم انگریزوں کا چلتا تھا۔ غرض کہ عالم اسلام اس وقت نزع کے عالم میں تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے تحفظ خلافت اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیے تحریک خلافت جاری کی ہوئی تھی۔ جلیانوالہ باغ (امرتسر) کے خونین واقعے اور مارشل لاء کے حوادث کی وجہ سے ہندوستان کے تمام باشندے حکومت سے برگشتہ ہو رہے تھے۔ مولانا محمود حسن بھی آتے ہی دل و جان سے تحریک خلافت میں شامل ہو گئے۔ مجلس خلافت نے انہیں شیخ الہند کا خطاب دیا۔ اس زمانے میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بعض طلبہ نے حضرت شیخ الہندؒ سے ترک موالات کا فتویٰ حاصل کر لیا، جس کا یہ مضمون تھا کہ:

۱- تمام مسلمان اعدائے اسلام سے تعاون ترک کر دیں۔

۲- سرکاری اعزازات و خطابات واپس کر دیں۔

۳- ملکی مصنوعات کا استعمال کریں۔

۴- ملک کی کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کر دیں۔

۵- سرکاری سکولوں اور کالجوں میں اپنے بچے نہ داخل کرائیں۔

اس کے بعد یہی فتویٰ جمعیۃ العلمائے ہند کے متفقہ فتویٰ کی صورت میں تقریباً پانچ سو علماء کے دستخطوں سے شائع ہوا۔[۱]

۱؎ Ishtiaq Hussain Qureshi: Ulema in Politics.

ص ۲۶۸، ۲۶۹ کراچی: ۱۹۷۲ء

غرض یہ کہ اسی تحریک اور اسی فتویٰ کی بنا پر مسلم نیشنل یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی تاسیس ہوئی، جس کا افتتاح ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو شیخ الہند کے ہاتھوں ہوا۔ اس تقریب سے فارغ ہو کر انہوں نے جمعیۃ العلماء کے اجلاس دوم (منعقدہ دہلی) کی صدارت کی۔ اس میں انگریزوں سے ترک موالات اور تحفظ ملت اور تحفظ خلافت پر زور دیا گیا تھا۔[1]

ہندوستان پہنچنے کے بعد شیخ الہند کی صحت روز بروز گرنے لگی تھی، وہ وجع المفاصل اور بواسیر کے پرانے مریض تھے اور واپسی پر یہی امراض عود کر آئے تھے۔ اسی اثناء میں ان کی اہلیہ محترمہ نے انتقال کیا۔ ان ایام میں دیوبند میں موسمی بخار اور تپ لرزہ کا بھی زور تھا۔

شیخ الہندؒ نے بیماری کی حالت میں علی گڑھ اور دہلی کے مذکورہ بالا سفر کیے تھے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے نہایت توجہ اور دلسوزی سے ان کا علاج کیا، مگر شیخ الہند کی طبیعت سنبھل نہ سکی اور وہ ۳۰/ نومبر ۱۹۲۰ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی میت دہلی سے دیوبند لائی گئی اور انہیں مولانا محمد قاسمؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔[2]

مولانا محمود حسنؒ بنیادی طور پر مصلح عالم اور شیخ طریقت تھے۔ ان کا اصل کام درس و تدریس اور تزکیہ و تربیت تھا۔ انہیں بعض حالات اور قومی ضروریات کے تحت عملی سیاست میں حصہ لینا پڑا۔ وہ برطانوی استعمار کو دنیائے اسلام کا کٹر دشمن سمجھتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک ہندوستان پر انگریز قابض رہیں گے دنیائے اسلام پر بھی ان کا اقتدار قائم رہے گا۔ انہوں نے علماء کو مسجد کے حجروں اور

1۔ محمد میاں علمائے حق، ۱: ۲۰۹ تا ۲۳۰ مطبوعہ دہلی۔

2۔ اصغر حسین حیات شیخ الہند، ص ۱۸۸ تا ۱۹۵ لاہور ۱۹۷۷ء

درس کے حلقوں سے باہر نکالا اور ان میں حریت طلبی، قومی ہمدردی اور راہ حق میں جاں نثاری اور فدا کاری کی روح پھونک دی- اعلائے کلمۃ الحق کی پاداش میں مولانا محمود حسنؒ کو لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بنانا پڑا، لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی- انہوں نے تمام مشکلات و مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کیے، لیکن حرف شکایت کبھی زبان پر نہ لائے، حلم، تواضع اور صبر و استقلال ان کے اخلاق کی نمایاں خصوصیات تھیں[1]

عملی سیاست نے انہیں وسیع القلب اور وسیع النظر بنا دیا تھا- وہ معاصر علماء کے قدر دان اور مرتبہ شناس تھے- وہ کہا کرتے تھے کہ ہم غافل تھے، لیکن الہلال (کلکتہ) کی دعوت نے ہمیں آمادۂ عمل کیا، علی برادران ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حکیم اجمل خان سے ان کے خصوصی تعلقات تھے اور وہ سیاسی معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے- انہیں جدید تعلیم یافتہ حضرات سے بھی بڑی محبت تھی، ان کا یہ مشہور قول ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں قبول حق کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، ان کی یہ بڑی آرزو تھی کہ دیوبند اور علی گڑھ میں جو فکری اور نظری فاصلہ ہے، اسے کم کیا جائے اور دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے-[2] مگر اس وقت کے ہنگامہ خیز حالات میں یہ تجویز شرمندۂ عمل نہ ہو سکی-

شیخ الہندؒ کے حلقہ درس سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالب علم فارغ التحصیل ہو کر نکلے- ان میں ممتاز ترین تلامذہ یہ ہیں:

۱- مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ۲- مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ۸: ۴۶۸، حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء

[2] Ziya-Ul- Hassan faruqi: the Deoband School.

ص ۶۱: کلکتہ ۱۹۶۳ء

۳- مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
۴- مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
۵- مولانا شیر زمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
۶- مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ
۷- مولانا گل حسن ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
۸- مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
۹- مولانا عزیر گل سرحدی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰- مولانا عماد الدین شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱- مولانا محمود احمد ہزاروی
۱۲- مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی
۱۳- مولانا محمد صادق کراچوی
۱۴- مولانا محمد سعید مری
۱۵- مولانا محمد سہول بھاگلپوری
۱۶- مولانا فضل ربی ہزاروی
۱۷- مولانا فیض الحکم پشاوری
۱۸- مولانا محمد حسین ہزاروی
۱۹- مولانا حاجی محمد حسین ہزاروی
۲۰- مولانا عبدالحی فاروقی
۲۱- مولانا عبدالحکیم ہزاروی
۲۲- مولانا عبدالحمید بھاگلپوری
۲۳- مولانا عبدالحکیم بھیروی
۲۴- مولانا عبدالحفیظ بہاری
۲۵- مولانا ضیاء الحق دیوبندی
۲۶- مولانا عالم دین کشمیری
۲۷- مولانا کفایت اللہ دہلوی
۲۸- مولانا خان زمان ہزاروی
۲۹- مولانا شائق احمد عثمانی
۳۰- مولانا عبدالعلی الحسنی، ڈاکٹر
۳۱- مولانا عبدالرحمٰن پنڈی سرہال
۳۲- مولانا عبدالرحیم پوپلزئی
۳۳- مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
۳۴- مولانا عبدالحق پڑانگ
۳۵- مولانا خلیل الرحمٰن ہزاروی
۳۶- مولانا احمد شیر ہزاروی
۳۷- مولانا حمید الدین مانسہروی
۳۸- مولانا برہان الدین ہزاروی
۳۹- مولانا سید اصغر حسین
۴۰- مولانا امین الدین
۴۱- مولانا احمد جان ہزاروی
۴۲- مولانا سید احمد مدنی
۴۳- مولانا وارث حسن
۴۴- مولانا محمد یعقوب بلوچستان
۴۵- مولانا محمد یعقوب ہزاروی
۴۶- مولانا محمد نعیم لدھیانوی

۴۷- مولانا مہدی حسن
۴۸- مولانا عطا محمد ہزاروی
۴۹- مولانا غلام نبی ہزاروی
۵۰- مولانا فاروق احمد
۵۱- مولانا فخر الدین احمد
۵۲- مولانا فضل الحق ہزاروی
۵۳- مولانا فضل حق ہزاروی
۵۴- مولانا فقیر اللہ
۵۵- مولانا کریم بخش سنبھلی
۵۶- مولانا ماجد علی
۵۷- مولانا مبارک حسین
۵۸- مولانا محمد ابراہیم بلیاوی
۵۹- مولانا محمد اسرائیل
۶۰- مولانا محمد اسماعیل
۶۱- مولانا وصی اللہ
۶۲- مولانا احمد نور ہزاروی
۶۳- مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری
۶۴- مولانا شبیر علی تھانوی
۶۵- مولانا مظہر الدین شیرکوٹی
۶۶- مولانا محمد میاں انصاری
۶۷- مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ
۶۸- مولانا عبدالمجید سنبھلی
۶۹- مولانا ثناء اللہ امرتسری
۷۰- مولانا نور الحق علوی
۷۱- مولانا عبدالرحمٰن گنجوی
۷۲- مولانا سکندر علی ہزاروی
۷۳- مولانا غلام محمود پیلاں
۷۴- مولانا عبداللہ بہلوی
۷۵- مولانا عزیز الدین عظامی
۷۶- مولانا ولی احمد بدہانوی
۷۷- مولانا قاری عبدالوحید
۷۸- مولانا عبدالرزاق پشاوری
۷۹- مولانا محمد یحییٰ سہسرامی
۸۰- مولانا عبدالسمیع دیوبندی
۸۱- مولانا محمد اسحاق کٹھوری
۸۲- مولانا خورشید احمد
۸۳- مولانا عبدالرحمٰن کیا بالا
۸۴- مولانا سخی شاہ ہزاروی
۸۵- مولانا غلام مرشد لاہوری
۸۶- مولانا عبداللہ لدھیانوی
۸۷- مولانا شریف اللہ سواتی
۸۸- مولانا خیر الدین اگی

مولانا محمود حسن درس وتدریس کی شدید مصروفیتوں کے باوجود لکھنے کے لیے

بھی وقت نکال لیتے تھے - ان کی تصنیفات یہ ہیں:

۱- ترجمہ قرآن مجید' قرآن مجید کا عام فہم اردو ترجمہ مع مفید حواشی' سورۃ المائدہ تک حواشی مولانا محمود حسنؒ نے لکھے تھے اور بقیہ حواشی وفوائد مولانا شبیر احمدؒ عثمانی نے لکھ کر پورے کیے- یہ ترجمہ برصغیر پاک وہند میں بے حد مقبول ہوا ہے اور بھارت (مدینہ پریس بجنور) و پاکستان (تاج کمپنی لاہور اور مغربی جرمنی (ہمبرگ) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے- حکومت افغانستان نے یہ ترجمہ مع حواشی فارسی میں ترجمہ کرا کر کابل سے شائع کیا ہے- نیز یہ ترجمہ مدینہ منورہ سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے-

۲- تقریر ترمذی (عربی) یہ تقریر ترمذی شریف کے حاشیے پر چھپ چکی ہے اور مقبول عام ہے-

۳- حاشیہ سنن ابی داؤد (عربی) دہلی ۱۳۱۸ھ)

۴- تراجم ابواب بخاری مطبوعہ دیو بند صحیح بخاری کے تراجم کی مناسبت اور تشریحات میں ہے........ آخر میں ابواب بخاری کی نہایت مفید فہرست ہے' حاشیہ مختصر المعانی سعد الدین التفتازانی کی شرح تلخیص المفتاح پر مفید حاشیہ جو دہلی اور کراچی میں کئی بار چھپ چکا ہے-[1]

۵- ایضاح الادلہ: فقہ کے بعض اختلافی اور نزاعی مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے حنفی نقطۂ نظر پیش کیا ہے- (مطبوعہ دیو بند)

۶- شرح اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ (مطبوعہ دیو بند) دیہات میں نماز جمعہ کے عدم جواز میں (مطبوعہ دیو بند)

۷- جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل (مطبوعہ دیو بند) اس میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا

---

[1] فیوض الرحمٰن ڈاکٹر' مشاہیر علماء' لاہور ۱:۳

دفاع کیا گیا ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔[1]

خلفاء:

آپ کے خلفاء کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا سعید احمد چاٹگامی فاضل دیوبند ۱۳۲۳ھ

۲۔ مولانا فقیر اللہ بانی جامعہ رشیدیہ جالندھر و ساہیوال

۳۔ مولانا مفتی محمد سہول صاحب سابق استاذ مفتی دار العلوم دیوبند

۴۔ مولانا عبد الرحمٰن ندوی سابق استاذ تفسیر ندوۃ العلماء لکھنو۔

---

[1] فیوض الرحمٰن ڈاکٹر، مشاہیر علماء۔ لاہور ۱:۳

فیوض الرحمٰن ڈاکٹر، حاجی امداد اللہ کراچی

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ

خاندان:

آپ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے- والد صاحب کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ابوایوب انصاریؓ اور والدہ صاحبہ کی طرف سے سیدنا صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے-

آپ کے آباء واجداد میں بڑے بڑے علماء اور محدث ہوگزرے ہیں- ان میں شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ انصاریؒ علمی اور روحانی لحاظ سے ایک بلند مقام پر فائز تھے- انہوں نے اپنے علم وفضل اور تقویٰ اور ورع سے توحید وسنت کی شمعیں روشن کیں- امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں ان کے علم وفضل اور حق گوئی و بیباکی کا نہایت بلند الفاظ میں تذکرہ کیا ہے-

شیخ الاسلام کی اولاد مختلف شہروں میں جا بسی- اس نے توحید اور جہاد فی سبیل اللہ کے علم کو بلند کیا- اس کی ایک شاخ ہندوستان منتقل ہوئی اور اس نے دہلی، سہارنپور، بارہ بنکی اور ریاست اودھ میں سکونت اختیار کی-

فرنگی محل کے علماء کا تعلق بھی ان بزرگوں سے ہے جو ضلع بارہ بنکی کے قصبہ سہالی میں آٹھہرے- ان کے جداکبر ملا نظام الدین تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد نصیب فرمائی جو تدریس اور افتاء میں یکساں مہارت رکھتی تھی اور ماضی قریب تک اس کا یہی حال رہا اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے تزکیۂ نفس، قرآن وسنت کی اشاعت اور انسانی خدمت کی طرف توجہ دی جنہوں نے سہارنپور کو اپنا وطن بنایا ان میں ایک شیخ محمد بن عبدالرحمٰن انصاریؒ تھے- ان کا ذکر علامہ عبدالحی نے نزہۃ الخواطر میں بلند الفاظ میں

کیا ہے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ہمارے شیخ خلیل احمدؒ کا تعلق بھی ان سے ہے۔

ولادت اور نشوونما:

شیخ خلیل احمدؒ کی ولادت صفر ۱۲۶۹ھ/دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنے ننھیال نانوتہ میں ہوئی۔ آپ کے والد صاحب کا نام مجید علی اور والدہ کا مبارک النساء تھا۔ مبارک النساء استاذ العلماء علامہ مملوک علی نانوتویؒ کی دختر نیک اختر تھیں۔

آپ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے کہ آپ کے نانا مولانا مملوک علی نے رخت سفر باندھا۔ اس وقت آپ کے والد ملازمت کی وجہ سے وطن سے کافی دور تھے۔ چنانچہ آپ کی تربیت آپ کے فاضل اور متقی ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے کی اور ان ہی کی سرپرستی میں آپ نے تحصیل علم کی۔ آپ نے خالص دینی ماحول میں نشوونما پائی۔

اپنے چچا انصار علی کے ساتھ کچھ عرصہ گوالیار میں بھی تعلیم حاصل کی۔ پھر واپس وطن آ کر شیخ سخاوت علی کے ہاں پڑھنا شروع کیا۔

۱۲۸۳ھ میں جب آپ کی عمر تیرہ چودہ سال تھی دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوبؒ اس دارالعلوم کے صدر مدرس تھے۔ انہوں نے آپ کو یہاں بلالیا جہاں آپ نے چھ ماہ تک تعلیم حاصل کی۔

شیخ سعادت علی (جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے) نے سہارنپور میں ایک دوسرا مدرسہ قائم کیا۔ شیخ مظہر نانوتویؒ (جو کہ آپ کے ماموں تھے) اس مدرسہ مظاہر علوم کے صدر مدرس تھے۔ دیوبند سے آپ سہارنپور کے مدرسہ مظاہر علوم میں آگئے اور یہیں علوم کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مفتی سعادت علی، شیخ سخاوت علی انبیٹھوی اور شیخ سعادت حسین بہاری رحمہم اللہ کے نام آتے ہیں۔ آپ کے خاص اساتذہ میں شیخ مظہر علی نانوتوی ہیں جن سے

آپ نے حدیث کی تمام کتابیں پڑھیں اور ۸۶-۱۸۸۵ء میں دورہ حدیث پڑھا- عربی ادب میں بھی مہارت حاصل کی-

پھر آپ لاہور چلے آئے اور علامہ فیض الحسن ادیب سہارنپوریؒ استاذ اورینٹل کالج سے علم ادب کی تحصیل کی-

مسوری میں:

ماموں مولانا یعقوب صاحبؒ کے ارشاد پر کچھ عرصہ مسوری میں قیام کیا- وہاں ''قاموس'' کا ترجمہ کیا-

آپ کو حفظ قرآن کا بہت شوق تھا- ایک مرتبہ آپ نے ایک حافظ قرآن کو تراویح میں سنانے کی فرمائش کی- انہوں نے جواب دیا کہ ''آپ خود کیوں حفظ نہیں کر لیتے؟'' ان کی اس بات سے متاثر ہو کر آپ نے ایک سال میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اگلے سال خود تراویح میں سنا دیا-

شادی:

۲۱ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی' جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک سال بعد آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا' جس کا عین شباب میں انتقال ہوا- انا للہ وانا الیہ راجعون-

صوفیانہ مسلک:

آپ کے تحصیل علم کے دوران امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو اپنے علم و عمل' درس و تدریس اور اصلاح نفوس کے سلسلہ میں لوگوں کا مرجع تھے اور ان کی شہرت کا ڈنکا بج رہا تھا- لوگ ان سے روشنی حاصل کرتے اور ان پر گر گر پڑتے تھے' جیسے پتنگے آگ پر- ان سے صحیح معرفت حاصل کرتے اور ایمان کی حلاوت پاتے- ان کے درس حدیث کی بھی بہت شہرت تھی- فراغت کے بعد آپ منگلور پہنچے اور وہاں تدریس میں مشغول ہونے کے ساتھ قاضی اسماعیل منگلوری کی مجالس سے مستفید ہوتے رہے- آپ بچپن ہی سے علامہ رشید احمد گنگوہیؒ کا نام سنا کرتے تھے- اس سے قبل ان کی

خدمت میں حاضری کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے- آپ کا دل ان کی طرف کھنچتا تھا- حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے مشورہ کے بعد ۱۹ سال کی عمر میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی- شیخ کی محبت دل میں گھر کر گئی اور بالآخر اللہ کی محبت نے جگہ لے لی- ذکر وفکر کے سلسلہ میں اتنے مجاہدے اور ریاضتیں کیں کہ لوگ تعجب کرنے لگے- شیخ کے مریدوں کو پیچھے چھوڑ گئے- اسی طرح ان کی خدمت میں نو سال کا عرصہ گزارا-

حج:

۱۲۹۴ھ میں حج کیا اور اپنے شیخ کے شیخ الحاج امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیارت کی- انہوں نے آپ کو بہت نوازا اور بیعت کی اجازت عطا فرمائی- حج کے بعد جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دی تو انہوں نے اس اجازت کی تصدیق کی اور خلافت سے نوازا اور شاید آپ اپنے شیخ کے خلیفہ اول ہیں- آپ برابر ان سے استفادہ کرتے رہے-

تدریسی خدمات:

پہلے منگلور ضلع سہارنپور میں تدریس کی اور پانچ سال ڈٹ کر تدریس کی- پھر شیخ جمال الدینؒ کی دعوت پر اور اپنے ماموں مولانا محمد یعقوبؒ کے حکم پر بھوپال میں کام کرتے رہے- بھوپال ان دنوں ایک علمی مرکز تھا- ملکہ نواب شاہ جہاں کی بدولت بڑے بڑے علماء بھوپال میں موجود تھے- آپ نے افادہ اور استفادہ دونوں جاری رکھے- اسی دوران مفتی ریاست مولانا عبدالقیوم برھانویؒ سے حدیث کی سند حاصل کی- اسی دوران آپ نے پہلا حج کیا اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران شیخ عبدالغنیؒ سے بھی حدیث کی سند حاصل کی- پھر حج سے واپسی پر اپنے شیخ گنگوہیؒ کے حکم پر سکندر آباد ضلع بلند شہر کی جامع مسجد کے مدرسہ میں تدریس شروع کی- مگر مبتدعین نے یہاں آپ کو بہت ستایا- آپ نے صبر کیا اور شیخ کے حکم پر ایک ماہ بعد واپسی ہوئی-

پھر ایک سال اپنے وطن میں رہے۔ پھر اپنے ماموں مولانا محمد یعقوبؒ کے ارشاد پر بہاولپور چلے گئے۔ وہ پورے ہندوستان میں مشہور اسلامی ریاست تھی۔ یہاں تدریس میں لگے رہے اور دس سال تک تدریس کی۔ یہاں بھی بڑے بڑے معرکے سر کیے اور دین کی بڑی خدمت کی۔ مناظرے بھی ہوئے اور غالب رہے۔ اسی دوران آپ نے ہدایات الرشید نامی کتاب لکھی۔ آپ نے مختلف علوم وفنون کے علاوہ تفسیر اور حدیث کا بھی درس دیا۔ اسی دوران دوسرا حج کیا اور شیخ کبیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے اس سفر میں اجازت بیعت حاصل ہوئی پھر مصباح العلوم بریلی میں ۱۳۰۶ھ سے ۱۳۰۸ھ دو سال تک تدریس کی۔

دارالعلوم دیوبند میں:

اپنے شیخ حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۰۸ھ میں تدریس میں حدیث کا آغاز کیا اور چھ سال تک پڑھاتے رہے۔ طلبہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور آپ سے خوب خوب استفادہ کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بھی ان دنوں تدریس میں مشغول تھے۔ دونوں کے درمیان محبت و الفت کا مضبوط رشتہ قائم تھا۔ ہر ایک دوسرے کی دل سے قدر کرتا تھا۔ اسی دوران مولانا سید حسین احمدؒ مدنی نے بھی آپ سے پڑھا۔

ندوۃ العلماء کے پہلے جلسہ ''منعقدہ کانپور ۱۳۱۱ھ'' میں شریک ہوئے اور اس کی تائید کی۔

مظاہر علوم میں:

۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم کی تاسیس ہوئی۔ پھر اس میں وسعت ہوئی اور ۱۳۱۳ھ میں مدرسہ نے بہت قبولیت حاصل کر لی۔ شیخ رشید احمد گنگوہیؒ اس کے متولی اور سرپرست مقرر ہوئے۔۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس مدرسہ کے لیے ایک ممتاز شخصیت کا انتخاب کیا جائے۔ نظر انتخاب آپ پر پڑی۔ آپ کو دارالعلوم دیوبند سے طلب کیا گیا

اور ۸/ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم میں صدر مدرس مقرر کر دیا گیا۔ اس عرصۂ قیام میں ہزاروں طلبہ نے آپ سے پڑھا۔ آپ کے صدارت تدریس کے زمانہ میں مدرسہ نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی اور اس کی شہرت عالم میں پہنچی۔ ۱۳۳۶ھ میں آپ اس کے مدیر مقرر ہوئے اور اچھے اچھے علماء کو برائے تدریس مدرسہ میں لائے۔ ان میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ اور ان کے فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ ۲۲ سال تک اس مدرسہ کے صدر المدرسین رہے اور ۶ سال تک مدیر، مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں اپنی تمام علمی و عملی اور ذہنی صلاحیتیں لگا دیں۔ یہاں تک کہ مدرسہ اپنے وطن سے زیادہ عزیز اور اس کے اساتذہ اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز تھے۔ تعلیم و تدریس میں آپ کا ایک خاص طرز تھا۔ اپنے تدریسی اوقات کے سخت پابند تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بارے میں زیادہ سخت تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بچوں کی تعلیمی بنیاد مضبوط کی جائے۔ تجوید و قراءت کو تعلیم کے اہم اجزاء میں سے سمجھتے تھے۔ امتحانی امور میں بہت سخت تھے۔ طلبہ کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے تھے اور ان سے ایسے رہتے تھے جیسے والد اپنی اولاد سے۔ اساتذہ کا احترام اور ان کی قدر کرتے تھے اور اسباق کی نگرانی کرتے تھے۔

حج و زیارت:

آپ نے سات حج کیے۔ پہلا ۱۲۹۳ھ میں کیا جب کہ بھوپال میں مقیم تھے۔ اس مبارک سفر میں آپ کی ملاقات حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ہوئی۔ اس وقت عمر چوبیس سال تھی۔ دوسری بار ۱۲۹۷ھ میں جب کہ آپ بہاولپور میں تھے۔ حاجی صاحب سے اس سفر میں اجازت پائی۔ تیسری بار ۱۳۲۳ھ میں جب کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا وصال ہوا۔ ان دنوں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مدینہ منورہ میں تدریس میں لگے ہوئے تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو حضرت مدنیؒ نے علماء مدینہ سے آپ کا تعارف کرایا اور آپ سے درس حدیث دینے کو کہا جسے آپ نے منظور کیا۔ حجاز

کے تمام اطراف سے طلبہ دیوانہ وار آنے لگے۔

چوتھی مرتبہ ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم کے دیگر علماء حضرت عبدالرحیم رائے پوریؒ اور ان کے فرزند عبدالرشیدؒ جن کا سفر کے دوران انتقال ہوا حج کے لیے گئے۔

پانچویں مرتبہ ۱۳۳۳ھ میں کا حج سفر کیا۔ یہ سفر بڑا اہم تھا۔ اس میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بھی ساتھ تھے، مگر سفر الگ الگ کیا اور مکہ مکرمہ میں دونوں ملے اور حج و زیارت میں اکھٹے رہے۔ مدینہ منورہ اکٹھے گئے اور ''انورؒ پاشا'' وزیر جنگ حکومت ترکی سے ملے۔ اس مدت میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں انورؒ پاشا' جمال پاشا اور بہت سے علماء نے شرکت کی۔ انہوں نے تقریریں کیں۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے آپ اور مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ کی نیابت میں تقریر کی۔ شیخ الہند مکہ مکرمہ سے طائف چلے گئے اور آپ واپس ہندوستان آ گئے۔ جونہی بمبئی پہنچے آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور نینی تال جیل بھیج دیئے گئے بعد میں جب رہائی ہوئی تو دیوبند اور سہارنپور آئے۔ لوگوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور نہایت گرم جوشی دکھائی۔

چھٹی مرتبہ شعبان ۱۳۳۸ھ میں سفر حج پر روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت محب الدینؒ سے ملاقات ہوئی جو کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے ہندوستان واپس جانے کا مشورہ دیا۔ اس لیے کہ یہ دن بڑے پریشانی کے تھے اور راستے بند اور بدامنی اور دلوں پر خوف طاری تھا۔ محرم ۱۳۳۹ھ کو سہارنپور واپسی ہوئی۔

ساتویں مرتبہ ۱۳۴۴ھ میں حج کیا۔ اس حج میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد ساتھ تھی اور اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ یہ آپ کا آخری سفر ہے جس کے بعد واپسی نہ ہو سکی۔

اس مبارک سفر کے لیے آپ نے ۱۳۴۴ھ میں سہارنپور سے رخت سفر باندھا۔ پہلے حیدر آباد گئے، پھر بمبئی، بمبئی میں لوگوں نے نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ بمبئی سے بروز جمعرات ۷/ ذوالقعدہ ۱۳۴۴ھ میں روانگی ہوئی۔ اس مرتبہ دو سو

آدمی ساتھ تھے جو غم اور اشکبار آنکھوں سے آپ کو الوداع کہہ رہے تھے- یہ محبت و شیفتگی کا سفر تھا- عشق و محبت کا سفر تھا- حج کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے- ۸/ محرم ۱۳۴۴ھ کو حرم النبوی ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور باب النساء کے سامنے مدرسۃ الایتام (جواب مدرسہ علوم شرعیہ کے نام سے مشہور ہے) میں ٹھہرے- مظاہر علوم کی ذمہ داریوں سے فرصت ملی تو تدریس، تصنیف و تالیف اور عبادت و ریاضت میں لگ گئے- اپنی عظیم کتاب بذل المجہود فی حل ابوداؤد کی تکمیل کی جسے پہلے سے شروع کر رکھا تھا-

علماء نجد سے تعلقات:

اس سفر میں اس غلط فہمی کا جو حکومت نجد اور مسلمانان ہندوستان کے درمیان پیدا ہو گئی تھی کا ازالہ ہو گیا- قاضی القضاۃ بلیہد پہلی ہی ملاقات میں گھائل ہو گئے- فقہی مسلک کے اختلاف باوجود کے ہر ایک دوسرے کی عزت کرتا تھا- سلطان دو تین مرتبہ آپ سے ملے- سلطان نے ملاقات کے لیے بلایا مگر آپ نے عذر کر دیا- سلطان آپ کی للّٰہیت، تقویٰ، علمی اور عملی مجالس میں آپ کی برتری، جرأت اور سچی بات سے بہت متاثر تھا- دوبارہ گھر پہ ملاقات کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت کر دی- مگر ان کے اصرار پر گئے اور ان سے گفتگو ہوئی اور بعض اصلاحات کے اجراء کی اسے نصیحت کی-

سبھی لوگ آپ سے عزت و احترام سے پیش آتے تھے- یہاں تک کہ جلالۃ الملک عبدالعزیز بن مسعود، حرمین شریفین کے امام اور اسی طرح وہاں کے امراء بھی احترام کرتے تھے- آپ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جو لوگ دوسرا فقہی مسلک رکھتے ہیں، ان کی بعض تکالیف رفع کرائیں-

۱۳۴۵ھ میں بذل المجہود فی حل ابی داؤد کی خوشی میں ایک عظیم دعوت دی اور لوگوں کو بلایا- پھر اس کے بعد اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کی اور کلی انقطاع کر لیا- رمضان شریف آ پہنچا اور یہ آپ کی زندگی کا آخری رمضان تھا-

علالت اور وصال:

اس ماہ میں آپ اس مرض کا شکار ہوئے جس میں کہ آپ کا وصال ہوا۔ شروع میں آپ پر سردی کا حملہ ہوا' پھر بخار شروع ہو گیا۔ رمضان آپ نے بہت عزیمت کے ساتھ گزارا' اور سخت ریاضت کی۔ پھر آپ پر فالج کا ہلکا حملہ ہوا جس نے چلنے پھرنے سے عاجز کر دیا۔ عید کا چاند نکلا مگر آپ کی نقاہت بتدریج بڑھ رہی تھی۔ اس دوران آپ کو اصلی مرض میں کچھ خفت محسوس ہوئی اور شیخ محمد زکریاؒ کو ہندوستان روانہ کیا۔ بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس سال ضعف و نقاہت کے سبب حج نہ کر سکے مگر بے چینی اور تکلیف روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ۱۳/ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو مدرسہ مظاہر علوم ایک خط لکھا' جس میں انتظامی امور سے متعلق کچھ باتیں تھیں۔ پھر اسی ماہ میں مرض نے شدت اختیار کر لی اور سینہ میں درد محسوس ہونے لگا جو بعد میں زائل ہو گیا مگر ضعف و نقاہت برابر بڑھتی چلی گئی۔ درجہ حرارت ڈاؤن ہو گیا اور حرم نبوی جانا موقوف ہو گیا۔ اپنے بستر پر تکیہ لگا کر نماز پڑھنے لگے عشاء کے بعد مرض اور الم بڑھ گئے اور دوسرے دن کی عصر کے بعد بے ہوشی کی کیفیت رہی۔ رات کو قلق اور اضطراب اور بڑھ گیا۔

۱۵/ ربیع الثانی بروز بدھ ۱۳۴۶ھ عصر کے بعد آپ نے بآواز بلند اللہ کا ذکر شروع کر دیا۔ پھر یہ آواز آہستہ آہستہ، آہستہ ہو گئی' اور آپ کی روح ملاء اعلیٰ سے جاملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے وصال کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ ہر شخص غمگین تھا۔ علماء نے فقہ اور حدیث کے ایسے متبحر عالم کی وفات پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔ معرفت و احسان والے حضرات نے آپ کی وفات پر سخت صدمہ محسوس کیا کہ جس نے اپنی عمر تربیت و تزکیہ میں بسر کی' ہر شخص جیسے یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

فاذھب کما ذھبت غوادی مزنۃ
اثنی علیھا السھل و الا وھاد

سید احمد نواب مزور نے غسل دیا اور مدرسہ شرعیہ کے بانی شیخ احمد نے اس میں مساعدت کی۔ باب جبریل پر آپ کا جنازہ رکھ دیا گیا۔ شیخ طیبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی عشاء سے پہلے بقیع میں اہل بیت کے مقابر کے قریب دفن کیے گئے۔

آپ کے وصال پر قاضی مدینہ منورہ کا یہ مرثیہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

عربی مرثیہ

العلم یبکی شجوہ و ینوح
و الدمع فی خدا لزّمَان سفوح

لِمَ لَا وقد فُقِد الذی بوجودہ
شخص الجھالة فی الوریٰ مذبوح

ثھم تودا لزاھرات لو انھا
تفدیہ من بی انوری و تصوح

یاء اھلاً قطنت صفات کما لہ
فی کل حی فھی فیھم روح

خلدت من ذکر المعارف و النھی
مجدا بہ شمس العلوم تلوح

خلصتنا من مشکل الافھام مذ
ابذلت جھدك و العلیم نصیح

لولاك ضلت فی الرجال قرائح
امست بذلات الفھوم تبوح

یا بحر بحر الھند ھذی طابة
و بقیعھا فیہ الرضاء یصیح

لا تخش باسا مذ خللت بربعہ
ربع بارواح الجنان یفوح

ان السعادة کلھا فیمن ثوی
فیہ فشاری النفس فیہ ربیح

حی النعیم و ان توی جثمانہ
و مضی و کبد المجد فیہ قریح

مامات من ابقی ماثرلم تنل
فیھا غبوق للثنا و صبوح

دمع الفنون علیہ دوما مسبل
ینعی الخلیل و لا یزال یسیح

راحت باحمدنا الغداة روائح
تلویحھا فی ندبہ تم صبح

حکمت باخذ بقیة الاعلامفی
عصر علیہ الاحتیاج ینوح

مامات بل مات الانام جمیعهم فالهند فیه و الحجاز جریح

تالله ما احد اذب لدینه مه و باع العلم منه فسیح

ایصاحت الزمن الطویل مقامه فی الهند عمرا للدرو سیمیح

لیرد عن روح العلوم بفضله و یردد عنه بالیقین جموح

لا ینبری احد لنقص کماله الا هوی و کماله المطروح

هادبا نوار المعارف عالما ان الحیاةُ و طولها لمزوح

عاری القوی مکسی النهی عن موطن متبا عدا حتی حواه ضریح

فی بلدة سادت بلاد الله به شك و لا هم بذاك یلوح

و الله هذا الحق فی اخلاصه یغد و بصدق فی الهدی و یروح

هی منحة من فیض اکرام سید ستر الشموت بجوده مفضوح

علم اوانا کیف نفهم دیننا و الفضل بحر و اللسان فصیح

لا یلحق السباق شاو مبرز ام المفاخر عن سواه نزوح

یا فرحة الحور الحستان بروحه و بمثله وجه الجنان صبیح

هی حقه ارخ بها و مقره باب النعیم لروحه مفتوح[1]

معاصرین کی نظر میں:

آپ سے جو بھی ملا اس نے آپ کی تعریف کی اور آپ کی برتری کا اعتراف کیا اور آپ کی جامعیت کا اعتراف کیا کہ آپ بیک وقت عالم بھی تھے اور عامل بھی- محدث بھی تھے اور فقیہ بھی اور شریعت و طریقت کے جامع تھے- مختلف علوم میں چاہے ان کا تعلق عملیات سے ہو یا روحانیات سے اس میں آگے بڑھے ہوئے تھے- کسی ناقد

---

[1] الشیخ عمر البری بن الشیخ ابراہیم البری سابق قاضی مدینہ طیبہ، مرثیہ المظاہر، سہارنپور، رمضان ۱۳۴۶ھ ص ۱۵ تا ۱۷

نے یہ جرأت نہیں کی کہ کمزوری کی جگہ ہاتھ رکھ سکے' یا کہیں بھی شریعت حقہ سے آپ کا ادھر ادھر ہونا ثابت کر سکے' بلکہ مؤرخین کا آپ کی مثالی شخصیت پر اتفاق ہے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کہتے ہیں کہ "جید علماء میں سے تھے۔ فقیہ محدث' زاہد اور متقی تھے۔ حرم نبوی میں سالوں انہوں نے تدریس کی۔ ان سے ہندوستان افغانستان' بخارا اور تاشقند کے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا ہزاروں افراد نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔ وہ ثقہ تھے' سچے تھے۔ سنت کے زندہ کرنے والے اور بدعات کا قلع قمع کرنے والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ آپ کا شعار تھا اور تقویٰ اور اللہ کا خوف آپ کا شیوہ۔ اللہ کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہ کرنے والے تھے۔ کسی ظالم کا خوف آپ کو صحیح راستے سے ہٹا نہ سکا۔ فضل و کمال کے میدانوں میں اپنے سب ساتھیوں سے آگے نکل گئے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کا علم بلند رکھا اور مضبوط علمی دلائل پیش کیے۔ آپ کے افادات سے علم کے چشمے جاری ہو گئے اور آپ کے افاضات سے احسان اور تقویٰ کے دریا بہہ نکلے۔ حدیث کی زمین روایات کے نور سے روشن ہوئی اور فقہ کے آسمان درایات کی روشنی سے چمک اٹھے۔ سالکین' علماء اور طلبہ کے لیے وہ روشنی کا ایک مینار تھے۔ پوری امت کے مخلص ناصح تھے۔ عاملین اور ہادیوں کے امام تھے۔ عالم انسانی کے سچے خادم تھے۔ رسول پاک ﷺ کی سنتوں پر ٹھیک عمل کرنے والے تھے اور اسلاف اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ جب لوگ سوئے ہوتے وہ عبادت کرنے والے تھے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ۔

یبیت شمر اشھر اللیالی ۔ و صار نھارہ للہ خیفہ

وَ صَانَ لسانہ عن کل افدٍ ۔ و ما زالت جوارحہ عفیفہ

یعف عن المحدم و الملاھی ۔ و مرضاۃ الاّ لہٗ و ظیفہ

علامہ سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

"شیخ خلیل احمدؒ کا فقہ اور حدیث میں قوی ملکہ تھا۔ مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل

تھا- دینی علوم' معرفت اور یقین میں بہت مضبوط تھے- رقیق القلب' حساس' حق والے' صحیح بات کرنے والے' سنت کے انتہائی پابند' بدعت سے کوسوں دور' مہمانوں کا بہت اکرام کرنے والے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت نرمی کرنے والے' ہر چیز میں ترتیب اور نظام کو چاہنے والے اوقات کے پابند' اس چیز سے تعلق رکھنے والے جو دینی لحاظ سے نافع ہو' دینی حمیت اور غیرت والے اور سیاست سے کنارہ کش تھے''-

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا الحاج الحافظ المولوی خلیل احمد صاحبؒ انبیٹھوی مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور رحمۃ اللہ علیہ - آپ کا سلسلہ نسب چند پشت پر حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ) سے ملتا ہے اور نیز ایک سلسلہ سید شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہے- اس وقت بظاہر کسی کی بیعت حضرت کے ہاتھ پر آپ سے مقدم نہیں ہے- قدرت کے ہاتھوں صورت اور سیرت میں آپ کو اپنے شیخ کے ساتھ مشابہت کا حصہ وافر عطا ہوا ہے- ایک بار آپ نے بعد رمضان ۱۷ھ میں اپنا خواب حضرت سے بیان کیا کہ ''حضرت! میں اعتکاف میں تھا- خواب میں دیکھا کہ خربوزہ تراش رہا ہوں اور پھانکیں آپ کو دے رہا ہوں- آپ رغبت کے ساتھ کھا رہے ہیں اور کھانے کے وقت آپ کے دہن سے جو لعاب وغیرہ گرتا ہے وہ میں اپنی زبان پر لیتا ہوں''- حضرت مسکرائے فرمایا'' تم خود سمجھتے ہو گے آخر نسبت تو ایک ہی ہے''-

مولانا ممدوح ۱۲۹۶ھ میں جب حج کے لیے مکہ روانہ ہوئے تو امام ربانی نے مرشد العرب والعجم اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں لکھا کہ مولوی خلیل احمدؒ کو اجازت فرما دیں- حضرت اعلیٰ مولانا کی حالت دیکھ کر مسرور ہوئے بحرم ۷ ۹ ھ میں خلافت نامہ مزین بمہر کر کے عطا فرمایا اور کمال

مسرت سے اپنی دستار مبارکہ سر سے اتار کر مولانا کے سر پر رکھ دی- مولانا ممدوح نے دونوں عطیہ حضرت ربانی کے حضور میں پیش کر دیئے اور عرض کیا کہ ''بندہ تو اس لائق نہیں، حضور کی ذرہ نوازی ہے''- حضرت نے فرمایا ''تجھ کو مبارک ہو'' اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرما کر دستار آپ کو خود عطا فرمایا- مگر آپ کا یہ ادب تھا کہ طالب کو بیعت کرتے وقت معاصی سے توبہ کرانے کے بعد یہ الفاظ فرماتے تھے کہ بیعت کی میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے خلیل احمد کے ہاتھ پر-

حضرت قدس سرہ کو مولانا سے خاص محبت تھی- ایک مرتبہ بھوپال سے یکصد روپیہ مشاہرہ پر آپ کی طلبی ہوئی- مگر جب آپ نے حضرت کی خدمت میں لکھا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ ''میں اپنے لوگوں کو اپنے سے جدا کرنا اور دور بھیجنا نہیں چاہتا''-

حضرت نے ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں فرمایا کہ ''جو میں وہ مولوی خلیل احمد'' ایک خط میں حضرت مولانا کو یہ شعر تحریر فرماتے ہیں ؎

در گور برم از سر گیسوئے تو تارے
تا سایہ کند بر سر من روزِ قیامت

مولانا سراج الیقین لکھتے ہیں:

آپ اکابر علمائے ہندوستان میں ہیں- آپ حضرت محمد یعقوب صاحبؒ مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ دیوبند[1] کے ارشد تلامذہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ کے اجل اور اعظم خلفاء میں ہیں- آپ کچھ دنوں تک مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس رہے اور اب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس اعلیٰ ہیں- آپ کی ذات بھی فیض و برکت کی سرچشمہ ہے- سفر حج میں

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید دہلی بلا تاریخ ص ۱۵۴

فقیر کی اور آپ کی معیت رہی۔ آپ مکارم اخلاق کے جامع اور معدن ہیں۔ مدینہ منورہ کے سفر میں آپ قافلہ میں نماز پنجگانہ اول جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ قافلہ میں کبھی ایک وقت کی جماعت آپ کی فوت نہیں ہوئی۔ مدینہ منورہ میں فقیر نے دیکھا کہ اہل عرب آپ کا احترام اور اعزاز کرتے تھے اور اس قلیل زمانہ قیام میں طلباء حدیث پڑھنے کے لیے آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوتے تھے۔ آپ تصنیفات عالیہ رکھتے ہیں''۔[1]

علامہ رشید مصری جب ہندوستان آئے تو مظاہر علوم دیکھا اور اس کے مدیر شیخ خلیل احمدؒ سے بھی ملاقات کی اور ان کے بارے میں یوں لکھا:

لم انس وَ لَا انسی زیارة مدرسة مظاهر علوم فی مدینة سهارن پور و اکبر مدرسها الشیخ خلیل احمد الذی لم ار فی علماء الهند الا علام اشد منه انصافاً و لا ابعد عن التعصب للمشائخ و التّقالید و ما ذلک اِلا لاِ خلاصه و قوة دینه و نور بصیرته.[2]

''میں مدرسہ مظاہر علوم اور اس کے بڑے استاد خلیل احمد کو نہ بھولا ہوں اور نہ کبھی بھولوں گا۔ میں نے ہند کے ممتاز علماء میں ان جیسا منصف اور تعصب سے دور شخص نہیں دیکھا اور یہ صرف ان کے اخلاص، دینی قوت اور نور بصیرت کی وجہ سے ہے''۔

شیخ احمد البرزنجی مفتی الشافعیہ یوں لکھتے ہیں:

صاحب الفضل و السّماحة و العلم و الرجاجة الهما حدا لورع و الشهم السمیذع الغائز من مدارک التقی باؤ فرنصیب و الحائز من مسالک الهدی السهم المصیب ذی المجد البازخ و الجد

---

[1] مولانا سراج الیقین، شمس العارفین، لاہور بلا تاریخ ص ۸۳

[2] دکتور یوسف الیش، رحلات الامام محمد رشید رضا، بیروت ص ۷۹

الشامخ اللوذعی الکامل و العلامة الفاضل حضرت جناب الشیخ خلیل احمد حفظه الله الصمد. (مجموعه سلسلات ص ٥)

حجاز کے قاضی القضاۃ ابن بلیہد جو ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کے وقت میں نجد کے ممتاز علماء میں سے تھے' آپ کے بارے میں بلند کلمات میں آپ کا ذکر کیا ہے- وہ اکثر مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ سے فتویٰ لیتے تھے اور آپ کو اپنے اساتذہ کا مقام دیتے تھے- آپ کے پاس آتے' مجالس میں حاضری دیتے اور علمی موضوعات پر بحث و مباحثہ بھی کرتے تھے-[1]

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے الفاظ آپ کے بارے میں یہ ہیں:

الولی الهمام العلام العارف الفقیه المحدث شیخنا و شیخ الفقه و الحدیث و مسند الوقت.

شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ یوں لکھتے ہیں:

المولی الحاج السید خلیل احمد الذی تسنرقت الا قطار و الا ماکن بذکر و صفه و تعطرت من طیب عرقه' سحاب علم اخصب الهند بدوام دیمه و بحر مواج لا توتی الا لیقتس من علمه و کرمه.

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلویؒ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

فهامة زمانه' امام اوانه' المتکلم الفائق علی اقرانه المولی الهمام العالم الاوحد الشیخ السید السند مولانا خلیل احمد.

بہت سے علماء نے نہایت بلند کلمات میں آپ کا تذکرہ کیا ہے- مگر یہاں اختصار کے پیش نظر صرف دو تین اقتباسات دیئے گئے ہیں-

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی' تذکرۃ الخلیل کراچی ص ۲۹۹ (وہاں بھی یہ ذکر ہے مگر میں نے عربی سے اردو ترجمہ کیا ہے)

آپ کے اخلاق وصفات

اتباع سنت:

زندگی کے ہر میدان میں سختی سے سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے اور اس سے سرمو بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے- سفر حضر اور جلوت وخلوت میں ہر جگہ اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا-

محبت رسول ﷺ:

زندگی محبت رسول ﷺ میں گزاری- مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کا اشتیاق حد سے بڑھا ہوا تھا- جب بھی تذکرہ کرتے ایک ایک لفظ سے اس کا اظہار ہوتا تھا- جب بھی ذکر ہوتا بے قرار ہو جاتے- اسی وجہ سے سات مرتبہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے- آخری عمر میں تو صبر کا پیانہ لبریز ہو گیا- چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ ہجرت کی، وہیں رہے، وہیں وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے- جب تک ہندوستان میں رہے زبان حال سے یہ دو شعر ہمیشہ پڑھا کرتے اور گنگناتے رہتے-

اذا هبت رياح من طيبة　　　اهاج فوادی طيبها و هبوبها

فلا تعجبوا من الوعتى و صبيا تى　　　هوى كل نفس اين حل حبيبها

''جب طیبہ سے ہوائیں چلتی ہیں تو ان کی خوشبو سے میرا دل اڑا جا رہا ہے- میری محبت پر تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں کہ ہر آدمی وہیں گرتا ہے جہاں اس کا حبیب ہو''-

عزیمت پر عمل:

اصحاب عزیمت میں سے تھے- تقویٰ اور ورع میں ان کی مثال اسلاف صالحین کے بغیر کہیں نہیں ملتی- اس حرص وشوق کا مظاہرہ پچھتر سال کی عمر میں بھی قابل دید ہے، جب کہ انتہائی کمزور ہو گئے تھے اور ہاتھوں میں رعشہ کی تکلیف بھی تھی- مشکل ترین اوقات میں بھی حرم شریف کی نماز نہیں چھوڑتے تھے اور پہلی صف میں پہنچنے کی غرض سے دوسروں سے سبقت لے جاتے- ایک دن ہنگامی بارش کی وجہ سے جب

راستے بند ہو گئے' چراغ ہاتھوں میں لیا اور حرم شریف جا پہنچے- راستوں میں پانی چل رہا تھا اور قدموں پر کنکر لگتے تھے مگر اس کے باوجود حرم شریف کی پہلی صف میں نماز ادا کی-

سچی بات:

آپ کی اخلاقی خوبیوں میں ایک سچی بات کا اعلان اور آپ کی جرأت و بے باکی ہے اور اس میں ظالم بادشاہ کی پرواہ بھی نہ کرتے تھے اور اللہ کے معاملہ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے- انگریز کے خلاف فتویٰ دیا اور ہجرت کا ارادہ کر لیا-

خاص صفات:

استغناء' قناعت' تواضع' حلم و بردباری' سخاوت و بخشش' صبر و استقامت' شفقت و رحمت اور راتوں کو جاگنے میں اپنے ساتھیوں سے ممتاز تھے- مہمانوں کا بہت اکرام کرتے تھے اور کھلے ماتھے سے ملتے تھے- نہایت مشکل اوقات میں بھی کبھی کسی سے قرض نہیں لیتے تھے اور اپنی ضرورت کا اظہار لوگوں کے سامنے نہیں کرتے تھے- لوگوں سے استغناء اور تواضع سے ملتے تھے- یہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ آپ ضرورت مند ہیں اور جب اللہ تعالیٰ وسعت اور گنجائش دیتے اور مال پاس آ جاتا تو اسے اپنے پاس سٹور کر کے نہیں رکھتے تھے بلکہ مسکین اور فقراء میں اسے تقسیم کر دیتے تا کہ اس سے ان کا اپنا دل خوش ہو اور دل مطمئن ہو اور رب راضی ہو- آپ کے کلام کی شیرینی اور مٹھاس کا کیا کہنا- یہاں تک کہ چھوٹے انہیں اپنے باپ کی جگہ سمجھتے- قرآن مجید کی تلاوت نہایت ذوق سے کرتے تھے اور یہ رات دن کا مشغلہ تھا اور حدیث نبوی ﷺ میں مشغول رہتے-

درس و تدریس کے بہت ہی پابند تھے- اسی طرح تصنیف و تالیف' اصلاح نفس اور تہذیب اخلاق اور وعظ و ارشاد کے اوقات میں پابندی کرتے تھے- آپ کی بچی کا آخری وقت تھا اور آپ ساری رات سو نہیں سکے تھے کہ اس نے آپ پر تکیہ لگا رکھا تھا- جب تہجد کا وقت ہوا تو اہلیہ سے کہا کہ اب آپ آ جائیں- انہوں نے آپ کی جگہ لی اور آپ مصلیٰ پر جا پہنچے- آپ نے نماز شروع کی تو بچی کا سانس ٹوٹنے لگا اور اس کی روح نے جسم کو الوداع کہی اور آپ اپنے مالک حقیقی کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے اور زاری کر رہے تھے-

قبولیت عامہ:

طلبہ اور اصلاحِ نفس کے مشتاق ہر ہر کونے سے آپ کے ہاں نہایت کثرت سے پہنچنے لگے اور آپ کے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے وصال کے بعد تو اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا- اللہ تعالیٰ نے ایسی قبولیت سے نوازا اور ایسی کشش عطا فرمائی کہ لوگ آپ کی طرف اس طرح کھنچے چلے آتے تھے' جیسے لوہا مقناطیس کی طرف آپ کی وجہ سے روحانی سلسلہ کی بہت اشاعت ہوئی- آپ کے خلفاء میں دو حضرات کے نام دینے پر اکتفا کرتے ہیں' جنہوں نے دعوت وارشاد کے فرائض باحسن طور انجام دیئے- ایک مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغی جماعت ہیں اور دوسرے حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ ہیں' جنہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور جنہیں اصلاح نفوس اور تزکیۂ باطن میں مہارت حاصل ہے- ان سے ہزاروں نے فیض پایا-

نظام الاوقات:

آپ ٹائم ٹیبل کے سخت پابند تھے- جب آپ کو کوئی دیکھتا تو کہہ اٹھتا:

کل امرئٍ فی امور الدھر مشتغلٌ　　وانت عن کلھا فی احسن الشُغل

کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے میں سنت کے سخت پابند تھے۔ قرآن مجید کے حافظ تو تھے ہی، بس اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت کرتے رہتے۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد، نظام مدرسہ، دیگر مشکل مسائل اور ان کے حل، گھر کا خیال ہر کام وقت پر کرتے اور نظم و سلیقہ سے کرتے تھے۔ ایسے زاہد نہ تھے کہ کسی مکان کا گوشہ اپنے لیے منتخب کیا ہوتا، بلکہ ان کی پوری زندگی سفر و حضر اور خلوت کے لحاظ سے مرتب اور منظم تھی۔

ظاہری جمال:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو اخلاقی خوبیوں کے لحاظ سے باطنی حسن سے نوازا تھا، اسی طرح ظاہری حسن و جمال کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

یزید وجھہ حسنًا　　اذا ما زدتہ نظرًا

''کہ جتنا آپ محبوب کی طرف دیکھیں گے اتنا ہی وہ آپ کو حسین دکھائی دے گا''۔

آپ حسین وجمیل تھے۔ آپ کا قد لمبائی کی طرف مائل تھا۔ رنگ سفید تھا جس میں سرخی غالب تھی۔ جسم موٹا نہیں تھا۔ جلد نرم' پیشانی چمک لیے ہوئے۔ خوش مزاج اور صفائی پسند تھے۔ کپڑے صاف ستھرے پہنتے تھے اور لباس عمدہ ہوتا تھا' مگر اس میں نہ اسراف ہوتا تھا نہ تکلف۔

آپ کی آراء' افکار اور مسلک:

آپ اصول دین اور اس کی فروغ میں سلف صالحین کی اقتداء کرتے تھے اور اپنے آپ کو ایسے علماء سے جوڑ رکھا تھا جنہوں نے سنت کو زندگی دی اور شرک کی جڑ کاٹ دی۔ بدعات اور خرافات کا قلع قمع کیا۔ اس طبقہ کے سربراہ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ پھر اس علم کو شاہ ولیؒ اللہ' ان کے فرزندوں......شاہ اسماعیلؒ شہید' سید احمد بریلویؒ اور اخیر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مسلک پر تھے۔ احیاء سنت میں انہی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ کتاب و سنت کے ساتھ مضبوط تعلق تھا اور یہ انہیں ورثہ میں ملا تھا اور کتاب وسنت کی نشر و اشاعت میں انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں لگا دیں۔ وہ دل سے کتاب وسنت کی نشر و اشاعت چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ پورے عالم میں یہ پھیلے تاکہ لوگ اپنے اصلی مرکز سے استفادہ کریں اور حقیقی منبع سے پیاس بجھائیں اور آپ کہا کرتے تھے **انهما دواء كل داءٍ و بلسم كل جرح و منار لكل من ضل الطريق و مشعل لكل من ابتغى السبيل** ۔کہ دونوں ہر بیماری کی دوا' ہر زخم کی مرہم' گم کردہ راہ کے لیے مینا رہدایت اور راہ حق کے متلاشی کے لیے مشعل ہیں۔[1]

---

[1] محمد ثانی حسنی' حیات خلیل' تعریب عبداللہ ندوی حسنی' البعث الاسلامی لکھنوی (عربی سے اردو ترجمہ)

اللہ کی محبت:

آپ اپنے چاہنے والوں اور مریدوں کے دلوں میں اللہ کی محبت کے بوٹے لگاتے تھے- وہ اپنوں سے یہ چاہتے تھے کہ ان کی زندگی مثالی ہو اور اس پر اللہ کی محبت چھائی ہوئی ہو- اسی کا ان پر غلبہ ہو- اللہ کی محبت اور اس کے ذکر سے ان کے دل آباد ہوں- اسی لیے کتاب وسنت کی اشاعت میں تدریس وتصنیف سے کام لیا- وہ ہر اس قول کو جو کتاب وسنت کے خلاف ہو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے- جب تدریس کی تو حدیث کی تدریس کی اور اس کا نمونہ آپ کی عظیم کتاب بذل المجہود ہے' جو ابوداؤد کی شرح ہے اور چار ضخیم جلدوں میں ہے- خلاف شرع اور خلاف سنت کاموں کو مٹانے میں وہ ننگی تلوار تھے- بدعات کے رد میں ان کی کتاب براہین قاطعہ ہے-

صحابہؓ کی محبت:

صحابہؓ کی محبت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی- آپ صحابہؓ کے خلاف ایک کلمہ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے- اسی طرح اہل بیتؓ سے بہت محبت کرتے تھے- اپنی کتابوں میں اسی اعتدال وتوازن کی آپ نے تاکید کی-

صوفیانہ مسلک:

اپنے اسلاف اور مشائخ کے طریق کار کے پابند تھے- اصلاح نفوس کی طرف پوری توجہ دیتے تھے- اللہ کے ذکر کی طرف توجہ دلاتے- لوگوں کی توجہ ان امور کی طرف مبذول کراتے جن سے تزکیۂ نفس ہوتا' جو دلوں کو منور کرتے اور ذہنوں میں چمک پیدا کرتے' جو انہیں اللہ کا محبوب بنائیں- اس کی اہمیت بتاتے اور ضرورت کا احساس دلاتے-

اتباع شریعت:

وہ ہر مسلمان کو شریعت کے پورے اتباع کی ترغیب دلاتے اور اتباع سنت پر ابھارتے- ان کا کہنا تھا کہ اسلامی زندگی کا مقصد شریعت اسلامیہ کے اتباع کے بغیر اور

کوئی نہیں ہے۔ اس میں امیر' غریب' عالم' غیر عالم میں کوئی فرق نہیں۔

آپ کا فرمان تھا کہ ''میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ شریعت اسلامیہ کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اس کے اعتقاد میں' اس کے عمل میں' صرف زبانی احترام کافی نہیں''۔

تمام نئے مسائل شریعت کے تابع ہیں۔ اسی طرح عقل انسانی بھی شریعت کے تابع ہے' مسلمانوں کی مشکلات کا حل مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات شریعت کے اتباع میں رکھی گئی ہے۔

احکام قرآن اور احکام رسول ﷺ انسانی عقل کے تابع نہیں ہیں جو عاجز ہے اور اس طرح ہر عقلمند بھی شریعت کے اتباع کا محتاج ہے۔ کوئی انسان ان کے اتباع کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اور ان کے اتباع سے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

تصنیفی خدمات:

۱- ہدایات الرشید، ۱۳۳۶ھ میں طبع ہوئی، صفحات ۸۸۸

۲- مطرقۃ الکرامۃ ، حصہ اول مطبوعہ ۱۳۲۰ھ صفحات ۱۴۳ حصہ دوم غیر مطبوعہ

۳- تنشیط الآذان فی تحقیق محل اذان، مطبوعہ' صفحات ۳۲

۴- المھند علی المفند' مطبوعہ ۱۳۲۵ھ' صفحات ۷۲

۵- براہین قاطعہ' مطبوعہ ۱۳۰۴ھ' صفحات ۲۷۹

۶- اتمام النعم' یہ تبویت الحکم کا اردو ترجمہ ہے۔ جو آپ نے ۱۳۱۳ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ کتاب سالکین کی تربیت کے لئے مخصوص اہمیت رکھتی تھی۔ فن تصوف کی یہ کتاب حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ مطبوعہ' صفحات ۲۰۴۔

۷- بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد (عربی) فن حدیث کی یہ کتاب ۲۰×۳۰/۴

سائز کی پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کی تالیف میں آپ کے دس سال صرف ہوئے یہ ابوداؤد کی عربی شرح ہے- حدیث کی صحت اور سقم کا مدار اس کی سند پر ہے- آپ نے اس میں سند کی بحث پر زیادہ زور دیا اور پیچیدگیاں دور فرمائی ہیں- حل مطالب اختلاف پر بھی سیر حاصل بحث فرمائی ہے- مطبوعہ صفحات ۱۹۳۸ ہیں-

اولاد:

آپ کا نکاح شاہ عبدالرحمٰنؒ بن شاہ حبیب اللہ گنگوہیؒ کی دختر انبیا بیگم سے ہوا- ان سے ۱۲۹۰ھ میں صاحبزادہ ابراہیم اور ۱۲۹۳ھ میں صاحبزادی منیر النساء اور ۱۲۹۵ھ میں ایک اور صاحبزادی پیدا ہوئیں- اس ولادت میں ماں اور بیٹی دونوں عالم آخرت کو سدھار گئیں- دوسرا عقد ۱۲۹۷ھ میں حاجی نظام الدین انبیٹھویؒ کی بیوہ صاحبزادی محترمہ منیر النساء سے ہوا- یہ آپ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور آپ کے وصال کے بعد بھی زندہ رہیں-

ممتاز ترین تلامذہ:

۱- شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
۲- مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
۳- مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
۴- حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۵- مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
۶- مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ
۷- مولانا محمد زکریا قدوسیؒ
۸- مولانا منظور احمد صاحب سہارنپوریؒ
۹- مولانا مفتی محمد جمیل احمد تھانویؒ
۱۰- مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱- مولانا عبدالحق مدنیؒ
۱۲- مولانا عتیق احمد دیوبندیؒ
۱۳- مولانا شبیر علی تھانویؒ
۱۴- مولانا اسعد اللہ رامپوریؒ

۱۵- مولانا محمد حامد صاحب مدرسؒ کالج پشاور
۱۶- مولانا محمد عرفان ہزارویؒ
۱۷- مولانا عبدالرحیم غزنویؒ
۱۸- مولوی غلام حیدر بخاریؒ
۱۹- مولوی روشن دین بہاولپوریؒ
۲۰- مولوی محمد الدین کشمیریؒ
۲۱- مولوی غلام الرحمٰن تبتیؒ وغیرہم[1]

---

[1] مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الخلیل، کراچی ۱۹۷۱ء ص ۲۳۴
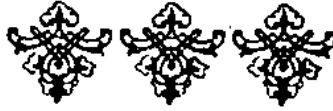
حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عاشق الٰہی لکھتے ہیں:

''اصل وطن آپ کا تگری ضلع انبالہ ہے' مگر عرصہ سے رائے پور ضلع سہارنپور میں قیام ہے۔ آپ کی ذات جامع جمیع کمالات ہے' جو قلب ابتدائے ولادت سے حضرت کی محبت کا تخم اپنے اندر لیے ہوئے تھا وہ میرے علم میں صرف آپ کا قلب ہے۔ بقصہ عذر اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ (روپوشی کے زمانہ میں جب کہ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) قدس سرہ پنجلاسہ جاتے ہوئے تگری میں ٹھہرے تو آپ ہی کے والد ماجد راؤ اشرف علی خاں صاحب کے مہمان بنے تھے۔ مولانا ممدوح اس وقت طفل سہ سالہ تھے۔ حضرت نے پیار کیا اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی۔ اس وقت آپ کو امام ربانی کے ساتھ تعلق تھا۔ جوں جوں ہوش سنبھالا باپ کی زبان سے حضرت کے مناقب سن کر گویا حضرت ہی کی محبت میں نشو ونما پایا۔ جس قلب میں قطب وقت کی بدعقیدگی کا وسوسہ بھی نہ گزرا ہو اس کے مراتب علیا کی کنہ کوئی کس طرح ادراک کرے۔ آپ نے طفولیت میں گنگوہ کی آمد و رفت شروع کر دی اور حضرت کی مربیانہ فیضان سے مستفید ہونے لگے تھے۔ کلا پور میں بزمانہ طالب علمی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور آپ نسبت ومجاز طریقت بنے۔ اس زمانہ میں بھی امام ربانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری بہت شوق کے ساتھ رہی جو ماقبل و مابعد زمانہ میں تھی اور باوجود مولانا کے دوسری جگہ بامراللہ مرید بن جانے کے حضرت کا تعلق بھی آپ سے وہی مربیانہ رہا جو اس سے قبل یا بعد میں تھا۔ شاہ صاحب مرحوم کے وصال کے چار سال بعد آپ کو حضرتؒ نے بیعت کیا اور بیعت کے ساتھ ہی ساتھ مجاز طریقت بنایا۔

مولانا ممدوح اپنی متوکلانہ گزران میں اپنے شیخ کے شبیہ مجسم ہیں- باوجودیکہ تگری ورائے پور میں آپ کی موروثی جائیداد قابل گزران موجود ہے مگر آپ کے استغناء کی بدولت دوسروں کے کام آ رہی ہے- تواضع اور تذلل میں آپ کا ثانی میں نے آج تک نہیں دیکھا- مہمان نوازی کی حد نہیں- دسترخوان کی وسعت دیکھ کر امراء حیران ہو جاتے ہیں- کتمان حال بے انتہا اور لطافت نسبت خلوت پسند ہے- چونکہ صناع بیچوں کی گلکاری کے نظارہ سے طبع زیادہ مانوس ہے اس لیے رائے پور کے مغرب سمت لب نہر جمن شرقی اس باغ میں آپ کی سکونت ہے جو دنیا و دین کی راحت رسانی کے اعتبار سے گویا دنیا میں جنت ہے-

آپ کی مقبولیت کے آثار بدیہیات سے زیادہ نمایاں ہیں- نقشبندیہ کے فیضان سے انس پانے والی جماعت کو آبشار نہر کی دل کش صداؤں اور جنگل کے درختوں کی روح بخش سنسناہٹ میں آپ کی بابرکت ذات کے بقاء حیات کی دعا مسموع ہوتی ہے اور یوں تو شاداب قصبہ کے ہر ہر پتے کو آپ کے فیضان شام کو شبنم اور صبح کو باد نسیم بن کر ہرا بھرا منظر بنائے ہوئے ہے- آپ کے حالات اس درجہ عجیب ہیں کہ غنچہائے دل ان کے تصور و خیال سے کھلے جاتے ہیں- مگر چونکہ ان کا اظہار آپ کو ناگوار ہے اور مجھ کو ممانعت کر دی گئی ہے اس لیے بجز اس کے کچھ نہیں لکھ سکتا کہ **السَّعید مَن سعد فی بطن اُمّہ**۔

زدلم نشاں چوخواہی کہ زدل خبر ندارد

تو بگو کہ دل چہ باشد من ازو اثر ندارم[1]

مولانا شاہ سراج الیقین لکھتے ہیں:

''آپ بھی بہت بڑے عالم ہیں اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے اجل

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید، دہلی، ص ۱۵۵، ۱۵۶

خلفاء میں ہیں''۔[1]

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز قصبہ رائے پور ضلع سہارنپور کے باشندہ تھے۔ نہایت بزرگ و متقی اور باخدا تھے۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ تھے۔ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور حضرت شیخ الہندؒ کے نہایت معتمد دوست تھے۔ ابتداء میں حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو خبر تک نہیں کی اور سالہا سال تک اپنی سرگرمی عمل میں لاتے رہے اور انتہائی اخفاء کو جیسا کہ مقتضاء وقت تھا' کام میں لائے۔ مگر اس قسم کی کاروائی کہاں تک چھپ سکتی تھی۔ ان کو بھی اطراف و جوانب سے خبریں پہنچتی رہیں۔ چنانچہ جب ۱۳۳۰ھ میں مجھ کو حسب وعدہ چند مہینوں کے لیے ہندوستان حاضر ہونا پڑا تو رائے پور بھی حاضر ہونے کی نوبت آئی۔ مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ لوگوں سے بیعت جہاد لیتے ہیں' یہ تو بہت خطرناک امر ہے۔ انگریزوں کو اگر خبر ہوگئی تو دارالعلوم کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور مسلمانوں کا یہ مرکز علمی اور دینی اجاڑ دیا جائے گا۔ چونکہ مجھ کو اس کی کوئی خبر نہ تھی' میں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور یہ عرض کیا کہ میں خود حضرت شیخ الہندؒ سے پوچھوں گا۔ میں نے واپسی پر مولانا عبدالرحیم صاحب کا مقالہ ذکر کیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دعا فرمائی تھی کہ پچاس برس تک یہ دارالعلوم قائم رہے' سو بحمداللہ پچاس برس گزر چکے ہیں اور دارالعلوم اپنی خدمات باحسن وجوہ انجام دے چکا ہے۔ میں یہ جواب سن کر دم بخود ہوگیا اور سمجھ گیا کہ جو واقعات نقل کیے جا رہے ہیں وہ صحیح ہیں۔ حضرت کا اس امر میں پختہ خیال ہوگیا ہے اب اپنے ارادے سے ٹل نہیں سکتے اور نہ کوئی ہٹا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ کچھ عرصہ بعد

---

[1] سراج الیقین شمس العارفین لاہور' بلا تاریخ ص ۸۴

مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کی اور حضرت شیخ الہندؒ کی آپس میں تنہائی میں کھل کر بات چیت ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو بالکل ہم خیال اور ہم نوا بنالیا اور دونوں حضرات یک جان دو قالب ہو گئے اور اخیر تک اسی پر قائم رہے- جب کہ اعلان جنگ کے بعد حضرت شیخ الہندؒ حجاز جانے لگے تو انہیں کو اپنا قائم مقام بنا گئے اور اپنے کارکنوں کو تاکید کردی کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کو میرا قائم مقام سمجھنا اور مہتم بالشان امور کو ان سے مشورہ لے کر اور پوچھ کر انجام دینا- چنانچہ اسی طرح عمل درآمد ہوتا رہا-

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت دل سوزی اور استقلال اور عالی ہمتی سے نہایت راز داری کے ساتھ امور مہمہ کو انجام دیتے رہے اور ان کے خاص خدام بھی دلچسپی لیتے رہے مگر افسوس کہ ہمارے مالٹا میں اسیر ہونے کے کچھ بعد ہی مولانا رائے پوری مریض ہوئے اور عرصہ تک بستر مرض پر ناچارگی اور ضعف میں مبتلا رہے...... افسوس کہ ہماری اسارت مالٹا کے زمانہ ہی میں حضرت رائے پوریؒ کا وصال ہوگیا- جس کی خبر مالٹا ہی میں ہم کو پہنچی- اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بہت صدمہ ہوا تھا اور عرصہ تک رہا- ان کے مرثیہ میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جو کہ آپ کے قصائد میں موجود ہے اور چھپ چکا ہے-[1]

مولانا سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

''اس سال (۱۳۳۷ھ) کے حالات میں اہم واقعہ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ رکن اعلیٰ دارالعلوم کی وفات کا حادثہ ہے- آپ نے ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی- دارالعلوم میں حسب معمول جلسہ منعقد کیا گیا اور ایصال ثواب کے لیے کلمہ طیبہ کا ختم کرایا گیا- حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مالٹا سے ایک طویل اردو

---

[1] مولانا سید حسین احمد مدنی 'نقش حیات' دیوبند ۱۹۵۴ء ج ۲ ص ۲۰۲ تا ۲۰۵ (سے ماخوذ)

مسدس بطور مرثیہ کے لکھ کر بھیجا- حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ علم ظاہری و باطنی کے جامع' زہد و توکل' صبر و قناعت اور وسعت اخلاق میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے- حضرت گنگوہی قدس سرہ سے خلافت حاصل تھی- فیوض و برکات کا دائرہ بہت وسیع تھا- قرآن مجید کی تعلیم کی جانب خاص توجہ تھی- سہارنپور کے مضافات اور پنجاب کے اکثر مشرقی اضلاع میں تعلیم قرآن کے بہت سے مدارس آپ کی سعی و توجہ سے جاری تھے- استفاضۂ باطنی کرنے والے حضرات کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا- غرض کہ ظاہر و باطن کے دونوں سلسلے آپ کی ذاتِ گرامی سے قائم تھے- استفاضۂ باطنی کا طریقہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ سے بہت اشبہ (ملتا جلتا) تھا- دارالعلوم کے ساتھ نہایت خصوصیت سے تعلق تھا- اس کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں غایت دلچسپی سے حصہ لیتے تھے'' [1]

---

[1] مولانا سید محبوب رضوی' تاریخ دارالعلوم دیوبند' دہلی ص ۲۵۱' ۲۵۲

امام الفقہاء

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ

ہندوستان میں قصبہ دیوبند یوپی کے مغربی ضلع سہارنپور میں پنجاب دلی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ سہارنپور سے بیس میل بجانب جنوب ہے۔ یہاں شرفاء اور دیندار لوگوں کی آبادی تھی' آبادی کا بیشتر حصہ عثمانی' صدیقی' فاروقی شیوخ کی اولاد پر مشتمل تھا۔ بڑے بڑے علماء اولیاء اور مجاہدین اس زمین پاک میں پیدا ہوئے' جنہوں نے اسی مقام پر ایک عظیم دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی جو عالم اسلام میں آج دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہے۔ مورخہ ۱۵/محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۸۶۷ء کو اس عظیم درس گاہ کا افتتاح ہوا' اور اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ مسجد کہتے تھے' ایک انار کے درخت کے نیچے آب حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا۔ بالآخر دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ اسی سادہ سی درسگاہ سے علم وفضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور جو امتیاز بخشا بہت ہی کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے۔ چنانچہ دارالعلوم سے پیدا ہونے والی بے مثال شخصیتیں جن سے دنیا میں علم وعرفان کے چشمے جاری ہوئے اس کثرت سے ہیں کہ شمار میں لانا مشکل ہے' ان حضرات کے خصائص کی تفصیل کے لیے مستقل فرصت اور ایک پورا دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ کہ ان حضرات کے جمیع اوصاف وکمالات کا احاطہ بہت مشکل ہے۔

یہ حضرات علوم کتاب و سنت' علوم ظاہر و باطن کے جامع اور عارفین اور اصحاب قلوب کی وراثت کے امین تھے' انہوں نے پہاڑ سے زیادہ راسخ عزائم کے ساتھ ورع و زہد' انکسار و تواضع اور اتباع سنت ایسے بلند پایہ اخلاق و شمائل کو اس حد تک جمع کر لیا تھا کہ اخلاق عالیہ میں یہ حضرات اپنے دور میں ضرب المثل تھے ان کے سینے علوم نبویہؐ سے معمور اور ان کے دل معرفت الٰہیہ' حب الٰہی اور حب نبویؐ سے منور تھے۔ الغرض یہاں کا فیض یافتہ ہر شخص اپنی ذات میں ایک انجمن ہے۔ بقول مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی مدظلہ' العالیٰ' دارالعلوم دیوبند درحقیقت ان ہی عظیم شخصیتوں اور اسی طرز فکر کا نام ہے۔ بہر حال اسی مدرسۂ فکر سے ایسے ایسے علماء و اکابر' مجاہدین' محدثین اور فقہاء امت پیدا ہوئے کہ جن کی مثال سے دنیا خالی ہے۔ انہی مقدس اور عظیم ہستیوں میں سے قطب الہند' امام الفقہاء مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہ کی ذات گرامی تھی' جن کا فیض عرب و عجم میں پھیلا ہوا ہے۔ اس عظیم شخصیت کا مختصراً تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

نسب و ولادت:

آپ دیوبند کے عثمانی شیوخ کے چشم و چراغ تھے' شجرۂ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے' آپ کے والد محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اپنے زمانہ کے عالم و فاضل' اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدراس تھے۔ آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے قریبی احباب میں سے اور دارالعلوم دیوبند کے بانیین میں سے ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائیوں میں فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی' مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی' سعید الرحمٰن عثمانی' بابو فضل حق عثمانی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اجمعین ہیں' آپ ان سب بھائیوں میں بڑے تھے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مدظلہ' سوانح قاسمی مصنفہ مولانا مناظر

احسن گیلانیؒ کے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کی براہ راست اولاد میں حضرت اقدس مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی' حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اجمعین اپنے اپنے وقت میں علم و دین کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے''۔ (تجلیات عثمانی)

بلاشبہ حضرت قاری صاحب مدظلہم کے قول کے مطابق یہ تینوں حضرات علم و دین کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ یہ حضرات جن پر دارالعلوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ دین کے دراصل امام تھے۔

حضرت امام الفقہاء ۱۲۷۵ھ میں اسی قصبہ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عزیز الرحمٰن اور تاریخی نام ظفر الدین ہے۔ زمانہ طفولیت سے ہی ذہانت و متانت' فراست و شرافت اور صداقت کے مجسم پیکر تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی تعلیم و تربیت اکابرین دیوبند کی آغوش میں ہوئی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۹۸ھ میں تمام علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوئے اور جن حضرات کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں دستار بندی ہوئی ان میں مولانا احمد سکندر پوری' مولوی محمد اسحاق فرخ آبادی' مولوی منفعت علی صاحب دیوبندی' مفتی رحیم بخش شیرکوٹی اور مولوی سراج الحق صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

درس و تدریس:

۱۲۹۹ھ میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اور مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، دارالعلوم دیوبند میں بلاتنخواہ مدرس مقرر ہوئے' اس کے بعد آپ بسلسلہ تعلیم و تدریس مدرسہ عالیہ رام پور تشریف لے گئے اور ۱۳۰۹ھ تک آپ وہاں بمشاہرہ دس روپیہ ماہوار

پر تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور وہاں کافی حضرات آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے مستفیض ہوتے رہے۔ ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم کی طلب پر آپ دوبارہ دیوبند تشریف لائے تو نیابت اہتمام کا منصب آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

خدمت افتاء:

دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور مقبولیت عام تھی اس وجہ سے دور دراز کے مقامات سے استفتاء بکثرت آتے تھے اور مدرسان دارالعلوم کو کار تعلیم سے اس قدر فرصت نہیں ہوتی تھی کہ بلا حرج تعلیم ان کے جوابات لکھ سکیں اور دارالعلوم جس مقصد کے تحت قائم کیا گیا تھا اس کی بناء پر اس کے فرائض میں یہ بات بھی داخل تھی کہ بعنوان افتاء بھی عوام کی خدمت کی جائے گی۔ ابتدائی سالوں میں اساتذہ دارالعلوم بالخصوص عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ حسب ضرورت وموقع فتاویٰ تحریر کرتے رہے۔ لیکن کام کی ذمہ دارانہ نوعیت واہمیت نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ کسی صاحب شخصیت کو باقاعدہ مفتی نامزد کر کے دارالافتاء کو مستقل حیثیت میں قائم کیا جائے لہٰذا ۱۳۱۰ھ میں حضرت گنگوہیؒ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو اس عظیم منصب اور اہم ذمہ داری کے لیے منتخب فرمایا' پھر اس وقت سے ۱۳۴۶ھ یعنی ۳۶ سال تک بدستور بحیثیت صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بلکہ مفتی اعظم ہندوستان خدمت افتاء سر انجام دیتے رہے اور فتاویٰ صادر فرماتے رہے۔ چنانچہ محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں:

> ''علماء دیوبند میں سے صرف ایک عالم مولانا الشیخ الفقیہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ نے مختلف سوالات کے جواب میں پچاس ہزار فتاویٰ صادر فرمائے''۔ (دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۱۵۳)

مولانا محمد اسلام بہاری دارالافتاء دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ:

دارالعلوم دیوبند میں دارالافتاء کے قیام کے بعد اسی بین الاقوامی علمی مرکز

دارالافتاء کے لیے ایسی شخصیت کی تلاش تھی جو علمِ فقہ کی امتیازی استعداد کے ساتھ صلاح وتقویٰ اور برگزیدگی کی شان کی حامل ہو- چنانچہ ایک ایسی شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا جو گویا ازل سے اس عہدے کے لیے پیدا کی گئی تھی- وہ ذات گرامی تھی مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عثانی دیوبندی قدس سرہ کی وہ ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۴۶ھ تک عہدۂ افتاء پر فائز رہے گویا ۳۶ سال تک افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ۱۸ سال تک افتاء کی نقل نویسی نہ ہوئی اس وجہ سے اس وقت کی نقل موجود نہیں- ۱۳۲۹ھ سے طلباء نے نقل شروع کی ۱۳۳۳ھ میں مولانا قاضی مسعود احمد صاحبؒ کا تقرر آپ کے رفیق سفر کی حیثیت سے ہوا' اس وقت سے رجسٹر میں مستفتی کے سوالات اور ان کے جوابات کی نقل موجود ہے' جن کی مجموعی تعداد ۳۸ ہزار کے قریب ہے- یہ تعداد درج رجسٹر کی ہے-

علاوہ بریں کچھ ایسے حضرات بھی ہوں گے جن کے فتاویٰ عجلت کی وجہ سے رجسٹر میں درج نہ ہوئے ہوں' نیز ایک مستفتی کئی کئی سوالات ایک کاغذ میں لکھتے ہیں- اگر اوسطاً تین سوالات مان لیے جائیں تو فتاویٰ کی مجموعی تعداد تقریباً سوالاکھ ہوتی ہے' اور یہ تعداد بھی ان فتاویٰ کی ہے جو رجسٹر میں درج ہوئے اس سے پہلے کی جب کہ نقل افتاء کا انتظام نہیں تھا' اتنی ہی تعداد فرض کر لی جائے تو اس طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے فتوے کم وبیش ڈھائی لاکھ ہوتے ہیں- (ماہنامہ الرشید لاہور کا دارالعلوم دیوبند نمبر)

ان فتاویٰ کا یہ بے نظیر مجموعہ اور مسائل فقہیہ کا یہ بے مثال ذخیرہ عام نظروں سے اوجھل تھا اس لیے سب سے پہلے آپ کے علمی جانشین اور شاگرد رشید حضرت قبلہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے آپ کے فتاویٰ بنام ''عزیز الفتاویٰ'' شائع کیے تھے جو بہت مختصر اور غالباً ایک دو سال کے فتاویٰ کا مجموعہ تھے- چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کے تمام فتاویٰ کو جدید ترتیب سے شائع

کرنے کا پروگرام بنایا- اور اس کام کے لیے مولانا ظفر الدینؒ صاحب کو مامور کیا' انہوں نے غیر معمولی جانفشانی اور تندہی سے ترتیب فتاویٰ کا کام حسن اسلوب سے انجام دیا جن کی نو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور ابھی کام جاری ہے- الغرض آپ کی علمی اور فقہی خدمات بہت ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے- آپ کو فن افتاء میں اس قدر مہارت تھی کہ مشکل ترین معاملات پر بھی برجستہ فتاویٰ تحریر فرما دیتے تھے-

آپ کا علمی مقام:

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند ہے- بڑے بڑے علماء و مشائخ نے آپ کی جامع شخصیت کا اور آپ کے علمی مقام کا اعتراف کیا ہے- حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ جنہیں آج دنیا اسی صدی کے عظیم مذہبی و روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانتی ہے- اور جنہوں نے تقریباً بارہ سو سے زائد تصانیف ورثے میں چھوڑی ہیں اور جن کا ہر خلیفۂ مجاز ایک آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکا ہے- وہ بھی حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ پر مکمل اعتماد کرتے تھے-

قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ بھی آپ کی علمی شان کے معترف تھے اسی لیے آپ کی نظر انتخاب بعہدہ صدر مفتی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی صاحبؒ پر ہی پڑی' چنانچہ مولانا قاری محمد عبداللہ سلیم صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''۱۳۱۰ھ میں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے مجلس شوریٰ میں یہ تجویز پیش کی اور مجلس کی منظوری کے بعد جس جلیل القدر منصب کے لیے جس کو نامزد کیا گیا وہ عظیم المرتبت شخصیت فقیہ الامت عالی مقام صوفی' ذی مرتبت عالمِ باکرامت بزرگ حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثانی قدس سرہ کی تھی- اور آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ اسی منصب کے لیے موزوں تھے بلکہ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے- (دارالعلوم دیوبند نمبر)

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا''۔ (مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند نمبر)

مؤلف تذکرہ مشائخ دیوبند لکھتے ہیں کہ مشائخ دیوبند میں حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فقیہ النفس تھے۔ یا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فقیہ النفس تھے۔ (تذکرہ مشائخ دیوبند)

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''جس وقت میں کنز الدقائق کے حاشیہ سے فارغ ہوا تو مسودہ بغرض اصلاح حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کیا' حضرت مفتی صاحب نے تمام حاشیہ کو نشان لگا کر رنگین کر دیا اور فرمایا کہ اس جگہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ کی فلاں عبارت درج ہونی چاہیے۔ بلاشبہ حضرت مفتی صاحب کی رگ رگ میں فقہ رچا ہوا تھا۔ اگر وہ زمانہ سابق میں ہوتے تو فقہ میں صاحب مسلک ہوتے لیکن باوجود فقیہ النفس ہونے کے امام اعظم کی تقلید کا قلادہ گردن میں ڈالے ہوئے تھے' اور اس پر فخر کیا کرتے تھے''۔

(تذکرہ مشائخ دیوبند)

ممتاز تلامذہ:

آپ کے علمی و روحانی مقام کا اس طرح بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کے تلامذہ میں ایسے ایسے مشاہیر پیدا ہوئے ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ اور بقول جناب پروفیسر انوار الحسن صاحبؒ شیر کوٹی کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ (انوار قاسمی) آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے نامور فاضل' مفسر'

محدث، مدبر، مفکر، فقیہ، مجاہد، مصنف، صوفی، درویش، ادیب، شاعر، منطقی، فلسفی، مفتی اور معلم پیدا ہوئے جن میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جن میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، شیخ الحدیث صاحب مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا مناظر احسن گیلانی مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا محمد یوسف بنوری شامل ہیں۔

غرض یہ کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے علمی و عملی مقام اور فقیہ النفس ہونے میں کسی قسم کا کلام یا شبہ نہیں ہے۔ آپ واقعی اس دور کے امام الفقہاء تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر اکابر میں سے تھے۔

سلوک وتصوف:

حضرت مفتی صاحب کو علوم ظاہری پر جس طرح درک تھا، اسی طرح روحانیت وتصوف اور اخلاق باطنی میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم اول دارالعلوم دیوبند سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ کرامات وتصرفات کے بہت سے واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں۔ جن کے جاننے اور دیکھنے والے آج بھی بحمداللہ پاک وہند میں موجود ہیں۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ پر چونکہ نقشبندیت کا غلبہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کے مریدین خصوصاً حضرت مفتی صاحب پر بھی نقشبندیت کا غلبہ تھا۔ آپ کے خلفاء اور مریدین کا حلقہ وسیع ہے۔ خاص طور پر مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی بہت معروف تھے۔ جن کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ہیں۔

تواضع وانکساری:

آپ کے مزاج میں بے حد سادگی تھی، تواضع وانکساری، زہد وتقویٰ میں آپ کو کمال حاصل تھا، تواضع اس قدر کہ باوجود تلامذہ اور خدام کی موجودگی کے اپنے گھر کا

کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے- اپنا اور پڑوسیوں کا سامان بازار سے خرید کر دامن میں لایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علیؓ کا یہی طرز عمل تھا- چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ آج ان کی تصنیف عزیز الفتاویٰ عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لیے ماخذ بنی ہوئی ہے- اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال تھا کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا- لیکن سادگی و تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام تھا کہ یہ کوئی کیسے سمجھے کہ یہ بھی کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامت صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار سے سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا خود لاتے' بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کے گھر پہنچاتے تھے' کبھی تو اس سودا سلف لانے میں ایسا بھی ہوتا کہ جب آپ کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی: ''مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں میں نے تو یہ چیز اتنی نہیں' اتنی منگائی تھی- چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا- (مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند)

زہد و تقویٰ:

اس قدر کہ باوجود تبحر علمی اور فقیہ النفس ہونے کے نماز و وضو کے مسائل کتاب دیکھ کر بتلاتے تھے' فرمایا کرتے تھے کہ یہ طریقہ اس وجہ سے اختیار کیے ہوئے ہوں کہ ممکن ہے کبھی مجھ سے سہو ہو جائے اور مسئلہ دھوکے میں غلط بتا دوں' لیکن کتاب دیکھ کر بتانے میں ذمہ داری میرے اوپر سے اٹھ جاتی ہے- اور کتاب والے پر یہ ذمہ داری آ جاتی ہے- (بحوالہ تذکرہ مشائخ دیوبند)

اسی طرح ظاہری و باطنی شکوک و شبہات میں آپ ہمیشہ حضرت گنگوہیؒ کی

طرف رجوع کرتے تھے- اور آپ کے قول کو قول فیصل جانتے تھے- چنانچہ ایک مرتبہ آپ کو "**لیس اللانسان الا ما سعی**" آیت کے متعلق ایک شبہ ہوا کہ جب انسان کو اس کی سعی کا اجر ملتا ہے تو ایصال ثواب بعد مرنے کے دوسروں کی سعی ہے یہ کیوں مردے کو پہنچتا ہے- تمام دن اسی کش مکش میں گزر گیا' رات ہوگئی مگر اشکال رفع نہ ہوا' دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر آج کی رات انتقال ہوگیا تو قرآن کی ایک آیت کے متعلق دل میں ایک شک لے کر جاؤں گا- بس پھر کیا تھا رات ہی کو پیادہ پا عازم گنگوہ ہوئے' صبح ہوتے ہی آستانہ رشیدیہ پر موجود تھے- اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہ وضو فرما رہے تھے' پوچھا کون صاحب! حضرت مفتی صاحبؒ نے عرض کیا' عزیز الرحمٰن اس کے بعد اپنا اشکال پیش کیا تو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ "یہاں سعی سے مراد سعی ایمانی ہے- یعنی کسی کا ایمان کسی کے کام نہ آئے گا باقی ایصال ثواب ایک دوسرے کے ضرور کام آئیں گے"- (رسالہ دار العلوم جولائی ۱۹۵۸ء)

اس واقعہ سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بہت سے کمالات باطنیہ کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے- ایک مرتبہ اسی طرح گنج مراد آباد بھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادی آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا موصوف قدس سرہ نے آپ کو بہت زیادہ عنایات سے نوازا تھا- بہر حال حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اپنے ظاہری و باطنی علمی و روحانی کمالات میں اپنی نظیر آپ تھے-

وفات:

۱۳۴۶ھ میں آپ مستعفی ہو کر ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دن قیام فرما کر واپس دیوبند تشریف لے آئے اور تھوڑے عرصہ بعد ۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا- انا للہ وانا الیہ راجعون-

آپ کی اولاد میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ عثمانی رکن مجلس

شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحبؒ استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند قابل فخر فرزند ہیں- آپ کا اس دور کے جید علماء میں شمار ہے-

جناب مولانا قاری مفتی عبداللہ سلیمؒ لکھتے ہیں: افسوس کہ ذوالقعدہ ۱۳۲۹ھ تک دارالافتاء میں فتاویٰ کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا- نقول فتاویٰ کا سلسلہ ذوالقعدہ سنہ مذکور سے شروع ہوا- اس وقت سے اب تک کا ریکارڈ دارالافتاء میں محفوظ ہے- مفتی اعظم کا پندرہ سالہ فتاویٰ کا ریکارڈ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران آپ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کی مجموعی تعداد ۴۲۵۱۹ ہے جو ۳۷۵۶۱ خطوط کی صورت میں روانہ کیے گئے-

حضرت مفتی صاحبؒ کو فن افتاء میں اس قدر مہارت ہوگئی تھی کہ مشکل ترین معاملات پر بھی برجستہ فتویٰ تحریر فرما دیتے تھے- آپ کی حیات ہی میں ملک کے طول و عرض میں آپ کے فتویٰ کو درجہ استناد حاصل ہو گیا تھا- فتاویٰ میں آپ کا طرز تحریر نہایت جامع ہے اور یہی اس دور کے اکابر کا دستور بھی تھا- حضرت مفتی صاحبؒ کو علوم ظاہری پر جس طرح درک تھا- اسی طرح روحانیت اور تصوف اور اخلاق باطنی میں بھی بلند مقام حاصل تھا- حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ مہتمم اول دارالعلوم سے بیعت وخلافت حاصل تھی- کرامات وتصرفات کے بہت واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں جن کے دیکھنے اور جاننے والے آج بھی دیوبند میں موجود ہیں- مزاج میں از حد سادگی تھی- اہل محلہ کا سودا سلف خود ہی بازار سے لاتے تھے-

۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ/ دسمبر ۱۹۲۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں دفن ہوئے- حضرت مفتی عتیق الرحمٰنؒ عثمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم اور جناب قاری جلیل الرحمٰن صاحبؒ استاذ تجوید دارالعلوم آپ کے صاحبزادگان ہیں[1]

---

[1] مولانا قاری محمد عبداللہ سلیمؒ، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند' الرشید لاہور' ۱۹۷۶ء ص ۲۰۶' ۲۰۷

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں دارالافتاء کے عنوان سے مستقل شعبہ قائم کیا گیا اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب اس اہم خدمت کے لیے عمل میں آیا- حضرت ممدوح اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار عالم اور زبردست فقیہ ہونے کے علاوہ زہد وتقویٰ میں بھی امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور ایک مقدس بزرگ سمجھے جاتے تھے-[1]

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''اب اس مہینہ ۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ کو دائرہ قاسمیہ کے مفتی اعظم صاحب مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے ۷۲ برس کی عمر میں دیوبند میں مرض فالج میں انتقال کیا- اناللہ وانا الیہ راجعون''-

مرحوم نے مولانا مملوک علی صاحب اور مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر و باطن کا فیض اٹھایا تھا- کم سخن، متین ،حلیم اور سادہ مزاج تھے اور دینداری ان کے چہرہ کمال کا خط و خال تھی- حدیث کی درس وتدریس کے ساتھ کتب فقہ کی جزئیات پر ان کی وسعت نظر بدرجہ اتم تھی- فتاویٰ کے جوابات مختصر لیکن قل و دل دیتے تھے اور بیالیس برس تک اس خدمت کو انجام دیا- ایسے متقی اور محتاط فقیہ اور محدث آئندہ کہاں پیدا ہوں گے-[2]

---

۱ سید محبوب رضوی، تاریخ دیوبند، دہلی ۱۹۵۲ء ص ۱۳۱

۲ مولانا سید سلیمان ندوی، یادرفتگاں، کراچی، جنوری ۱۹۵۵ء مکتبہ الشرق ص ۹۸

قاری فیوض الرحمٰن، مشاہیر علماء دیوبند لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۵۸ تا ۳۶۰

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلت باید از وے رومتاب

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی ذات گرامی اوران کے کمالات آج کسی تعارف اور رسمی تعریف کے محتاج نہیں- بلکہ ان کی ذات ستودہ صفات بفضلہ تعالیٰ دنیا میں آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہے اوران کی دینی خدمات کے نور سے انسانیت کا گرد و پیش منور ہے- وہ عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ مصلح و مربی بھی تھے- بے مثال مصنف اور باکمال واعظ ومقرر بھی تھے- ان کے کمالات کا اعتراف اپنوں کے سوا اغیار کو بھی ہے اور ان کی خدمات اپنے پرایوں سبھی میں مقبول ہیں- اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو جن کمالات اورخوبیوں سے نوازا' اس کے حامل امت میں چیدہ چیدہ حضرات ہی نظر آتے ہیں- اس دار فانی سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ان کے فیوض و برکات سے امت مستفید ہورہی ہے اوران کا لگایا ہوا شجر آج بھی امت کے ہر طبقے پر سایہ فگن ہے-

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۵/ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو ہوئی- حضرت حکیم الامت کے حسب ونسب کا تعلق قصبہ تھانہ بھون' ضلع مظفر نگر یوپی کے ایک مقتدر خاندان سے ہے- ابھی اپنی عمر کی آپ پانچ ہی منزلیں طے کر پائے تھے کہ والدہ صاحبہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا- اور آپ اپنی تائی صاحبہ کے پاس رہنے لگے' والد ماجد کو آپ سے خاص انسیت ومحبت تھی وہ ایک مقتدر رئیس اور صاحب جائیداد اور میرٹھ کی ایک ریاست کے مختار عام بھی تھے- اس لیے انہوں نے حضرت

تھانوی قدس سرہ کی تعلیم و تربیت بڑی توجہ، لگن اور فراخدلی سے رئیسانہ انداز سے کی۔

آپ کی ابتدائی تعلیم میرٹھ میں حافظ حسین علی صاحب مرحوم دہلوی سے کلام پاک حفظ کرنے سے ہوئی۔ پھر تھانہ بھون آ کر حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ سے عربی اور فارسی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد علوم دینیہ کی تکمیل کے لیے ذوالقعدہ ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ میں آپ کی دستار بندی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے ہوئی اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی۔

دارالعلوم کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی توجہات خصوصی آپ کے اوپر مبذول رہیں۔ زمانہ طالب علمی میں جب کہ آپ کی عمر صرف ۱۸ سال تھی۔ بطور مشغلہ ایک فارسی نظم ''مثنوی زیر و بم'' تحریر فرمائی جو آپ کی پہلی منظوم تصنیف ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ پر خصوصی شفقت فرماتے اور آپ کی استعداد اور صلاحیت کی وجہ سے آپ کے سامنے حقائق و معارف اور نکات و دقائق علمیہ کثرت سے بیان فرماتے تھے۔ آپ کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ:

''خدا کی قسم جہاں تم جاؤ گے، بس تم ہی تم ہو گے۔ باقی سارا میدان صاف ہے''۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ صفر ۱۳۰۱ھ میں کانپور کے مدرسہ ''فیض عام'' میں ۲۵ روپے ماہوار پر تشریف لے گئے اور صدر مدرسی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۴ سال تک کانپور میں درس و تدریس، افتاء اور تبلیغ کے کاموں میں مشغول رہے۔ اس ۱۴ سالہ عرصہ میں آپ کے دریائے علم سے ہزاروں افراد سیراب ہوئے جن میں سے حضرت مولانا اسحاق بردوانی، مولانا محمد رشید کانپوری، مولانا احمد علی فتح

پوری، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی، مولانا صادق الیقین کراسوی، مولانا شاہ لطف رسول بارہ بنکوی، مولانا حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری، مولانا فضل حق بارہ بنکوی رحمہم اللہ اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک بار قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تو حضرت حکیم الامتؒ فرط اشتیاق سے مصافحہ کے لیے آگے بڑھے، شوق نے بے قابو کر دیا تھا۔ دارالعلوم کے ''نودرہ'' کی تعمیر ہو رہی تھی، اینٹوں پر سے پاؤں بے اختیار پھسل پڑا حضرت گنگوہیؒ نے بڑھ کر آپ کو تھام لیا۔ اس وقت آپ نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت گنگوہیؒ نے دوران تعلیم بیعت کو مناسب نہ سمجھا اور انکار کر دیا۔ جب ۱۲۹۹ھ میں حضرت گنگوہیؒ عازم حج ہوئے تو آپ نے حضرت حاجی امداد اللہؒ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ:

''آپ مولانا (گنگوہیؒ) سے سفارش فرما دیں کہ مجھ کو بیعت کر لیں''۔

جواب میں حضرت حاجی صاحبؒ نے خود ہی غائبانہ طور پر بیعت فرما لیا، اس وقت حضرت حکیم الامتؒ کی عمر ۱۹ سال تھی۔

شوال ۱۳۰۱ھ میں جب کہ حضرت حکیم الامت کانپور میں درس و تدریس میں مصروف تھے سفر حج کے سامان پیدا ہو گئے اور بمعیت والد ماجد آپ کو سفر حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی اور دست بدست نعمت بیعت سے سرفراز ہوئے حج سے فراغت کے بعد حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ''میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ ماہ رہ جاؤ'' لیکن حضرت والا کے والد ماجد نے اس وقت مفارقت گوارا نہ کی اس لیے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ''والد کی اطاعت مقدم ہے اس وقت چلے جاؤ پھر دیکھا جائے گا''۔

چنانچہ حضرت شیخ کے اس حکم اور خواہش کی تعمیل و تکمیل اگلے سفر حج ۱۳۱۰ھ میں کی، ایک طرف حضرت حاجی صاحب کی قوت افاضہ اور دوسری طرف حضرت حکیم

الامت کی قابلیت استفادہ بس تھوڑے ہی دنوں میں باہم اس درجہ مناسبت پیدا ہوگئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ یہ فرمانے لگے کہ:

''بس تم میرے طریق پر ہو''۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے چھ ماہ کے قلیل عرصہ ہی میں ہر طرح مطمئن ہو کر اور اپنے ذوق و مسلک سے ہم آہنگی کے آثار نمایاں دیکھ کر خلعت خلافت اور منصب رشد و ہدایت سے سرفراز فرمایا اور خلق خدا کی رہنمائی کے لیے تعلیم و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد جب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے واپسی کی اجازت چاہی تو بکمال شفقت آپ کو ہندوستان جانے کی اجازت دی اور دو وصیتوں کے ساتھ رخصت فرمایا:

۱۔ دیکھو میاں اشرف علیؒ ہندوستان پہنچ کر تم کو ایک حالت (باطنی) پیش آئے گی، عجلت مت کرنا مجھے مطلع کرتے رہنا۔

۲۔ کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا، توکل بخدا ''تھانہ بھون'' جا کر بیٹھ جانا۔

مکہ معظمہ سے واپسی پر کانپور کے زمانہ قیام میں آپ کو ایسے حالات (باطنی) سے سابقہ پڑتا رہا کہ تعلقات سے وحشت ہونے لگی۔ سارے مشاغل سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اور اس میں روز بروز ترقی ہوتی چلی گئی۔ درس و تدریس سے دلچسپی ختم ہو گئی، اور آپ ملازمت سے بھی دل برداشتہ ہو گئے۔ چنانچہ ۱۳۱۵ھ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایماء اور منشاء سے مدرسہ کانپور کی ذمہ داری دوسرے معتبر ہاتھوں میں سونپ کر۔ نہایت حسن تدبیر سے سبکدوش ہو گئے۔ اپنے وطن اور اپنے پیر و مرشد کی یادگار ''خانقاہ امدادیہ'' میں تشریف لے آئے اور تھانہ بھون میں مستقل سکونت اختیار فرما لی۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو جب اس کا علم ہوا تو انتہائی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے- امید ہے کہ آپ سے خلائق کو کثیر فائدہ ظاہری و باطنی ہو گا- اور آپ ہمارے مدرسہ (امداد العلوم) و مسجد کو از سر نو آباد کریں گے- میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے''-

حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے شیخ کی تمنا اور ہدایت کے مطابق خانقاہ امدادیہ میں سکونت اختیار فرمائی اور توکلاً علی اللہ اپنے بزرگوں کی مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہو گئے- اور یہ جگہ مریضان باطنی کے لیے علاج کا مرکز بن گئی- حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اصلاح و تربیت' تصنیف و تالیف' درس و تدریس' افتاء و تبلیغ' مواعظ و ملفوظات ہی میں بسر ہوئی- اور تقریباً نصف صدی تک خدمت و اصلاح خلق کے جتنے شعبے ہو سکتے تھے ہر شعبہ اور ہر راستہ سے تن تنہا وہ خدمات انجام دیں کہ بڑی بڑی جماعتیں اور ادارے اس کا عشر عشیر کرنے سے بھی عاجز ہیں-

وقت گزرتا رہا اور اس خانقاہ کی اہمیت اور خصوصیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ یہی خانقاہ ایک ایسا شہرۂ آفاق ہمہ گیر ادارہ بن گئی جو ایک ہی وقت میں دینی علوم و فنون کی تحقیق کا ایک معیاری مرکز بھی تھی' جہاں سے دین متین کے اہم اور دقیق مسائل کی تنقیح و تحقیق کا زبردست کام ہوا- اور یہی خانقاہ ایک بے مثال دینی درس گاہ بھی تھی جہاں علوم قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ تہذیب اخلاق کی عملی تعلیم بھی دی جاتی تھی- یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند و معتبر دار الافتاء بھی تھی جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی اور یہی خانقاہ تعلیم و تربیت روحانی اور تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق باطنی کی ایک ممتاز و منفرد تربیت گاہ بھی تھی جہاں بڑے بڑے جید علماء سے لے کر مسلمانوں کے ہر طبقہ کے طالبین حق و سالکین طریق تھوڑے سے عرصہ میں تربیت باطن اور تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر حقیقت تصوف اور سلوک کا عرفان حاصل کر کے مشائخ طریق بنے اور اس

شمع ضیاء پاش سے اپنی اپنی بساط کے موافق روشنی حاصل کر کے اور منصب رشد و ہدایت پر فائز ہو کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے' جن کا فیضان روحانی اب تک جاری و ساری ہے-

آپ کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں' سولہ سو کے قریب ہیں- حضرت اقدسؒ اپنی تصانیف میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے کہ جس طبقہ کے لیے کتاب لکھی جارہی ہے انداز بیان بھی اسی کے مناسب ہو- اس کا اندازہ عوامی اور سہل کتابوں میں آپ کی مقبول عام اور نہایت عظیم النفع تالیف بہشتی زیور اور دوسری طرف علمی تصانیف میں بیان القرآن کو دیکھ کر ہو سکتا ہے- آپ کے تقریباً ۴۰۰ مواعظ قلمبند ہو کر شائع ہوئے- مواعظ کے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ کے افادات و علوم کی اشاعت کا ایک بڑا ذریعہ ان کے روز مرہ کے ملفوظات ہیں جو تقریباً ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہیں- ان میں سے ہر ایک مجموعہ حضرتؒ کی نظر سے گزار کر شائع کیا گیا-

اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامتؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اپنے مواعظ' ملفوظات اور عام مجالس میں عقائد و عبادات کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اخلاق و معاشرت اور عملی زندگی کے کاروبار کی صحت پر بے حد زور دیا ہے اور لوگوں کو شیخ کامل کی رہنمائی میں خود اپنی اصلاح کی طرف خصوصیت سے متوجہ کیا ہے آپ کے یہاں کیفیات' مکاشفات' منامات اور کرامات پر اتنا زور نہیں تھا جتنا کہ عقائد و عبادات' معاملات' معاشرت اور طریقت کی درستی پر تھا- فرمایا کرتے تھے کہ:

''بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا' آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں''-

اور فرماتے:

''میں تو کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو' ولی بننا ہو' قطب بننا ہو تو کہیں اور جاؤ

اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ''۔

اسی سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

''انسان بننا فرض ہے بزرگ بننا فرض نہیں اس لیے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کو تکلیف ہوگی''۔

آپ چاروں سلسلوں (چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ اور قادریہ) میں بیعت فرماتے تھے۔مگر اس کے ساتھ ہی بیعت کو لازم اور ضروری خیال نہ فرماتے بلکہ طالب کے ذہن میں اول ہی مرحلہ میں یہ بات ذہن نشین کرا دیتے کہ تزکیہ نفس اور ترقی باطن بیعت پر موقوف ہے نہ اوراد و وظائف پر بلکہ اصل شے جس سے معرفت' تقویٰ' شرافت نفس حاصل ہوتی ہے۔ اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے' وہ صرف ظاہر و باطن کے اوامر و نواہی پر عمل اور اتباع سنت ہی پر ہے۔ جو ہر شخص پر فرض و واجب ہے۔ اور یہی حاصل تصوف وسلوک ہے۔

آپ بہت اہتمام سے تاکید فرماتے تھے کہ حقوق العباد کو ادا کرنا اور اد و وظائف سے بدر جہا زیادہ ضروری ہے اس کے ترک سے مواخذہ ہوگا اور ترک وظائف سے کچھ مواخذہ نہیں۔ یہ تو مستحب ہے لوگ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری اختیار کرتے ہیں۔ اسی لیے حضرت کے یہاں سب سے زیادہ اہتمام تہذیب اخلاق و دیانت پر تھا۔

آپ فرماتے تھے کہ:

''میری تعلیم و تربیت کا سارا مدار اسی پر ہے۔ میں طریق میں تہذیب اخلاق کو سب سے زیادہ مقدم سمجھتا ہوں' چنانچہ جب اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں' اور جب تک اصلاح اعمال و اخلاق نہ ہو اس وقت تک ذکر و اذکار سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اخلاق و اعمال کی خرابی ایسا حجاب ہے جو ان کے اثرات و انوار کو روح میں سرایت کرنے سے روک دیتا ہے''۔

حضرتؒ کے ضابطہ تعلیم و تربیت میں چند خاص بنیادی اصول تھے جن کی فہم پیدا ہو جانے سے طریق میں کوئی گنجلک' پیچیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا- مثلاً (۱)مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا- (۲)اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور (۳) غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا' (۴)سالک کو تجویز ترک کرنا اور (۵)تفویض کو اختیار کرنا' (۶)مقصود شرعیہ کو پیش نظر رکھنا اور (۷)غیر مقصود کی طرف التفات نہ کرنا' (۸) کیفیات باطنہ کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا' (۹)طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا بلکہ (۱۰)عقل کے فتویٰ پر عمل کرنا اور ہمیشہ (۱۱)عقل کو شریعت کا تابع رکھنا-

عوام و خواص کا جتنا بڑا طبقہ حضرت حکیم الامتؒ کے فیض سے مستفیض ہوا اس کی مثال اس دور میں کم ہی ملے گی' اس دائرہ کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے صاحب علم و فضل اور اہل کمال ان کے دامن عقیدت سے وابستہ تھے- متوسلین یوں تو ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے' برصغیر اور اس کے باہر بھی ہزاروں اشخاص نے ان سے اصلاح و تربیت حاصل کی' لیکن علم و فضل کے ایسے مجسم خزانے جنہوں نے بعد میں بھی اس چشمہ فیض کو جاری رکھا ان کی تعداد بھی سو سے زائد ہے- اس حلقۂ فیض کے جرعہ نوش زندگی کے مختلف طبقات سے تعلق رکھتے تھے- ان میں علماء اور صوفیاء بھی تھے- تاجر و سوداگر اور زمیندار بھی امراء اور نواب بھی تھے- غریب اور مفلس و قلاش بھی تھے- اکثر و بیشتر انگریزی تعلیم یافتہ اور سرکاری محکموں کے بڑے بڑے عہدہ دار بھی کثرت سے حضرتؒ کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور بعض تو حلقہ بگوش عقیدت ہو گئے اور بعض کی باطنی تعلیم و تربیت سے دینی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی کہ حضرت نے ان کو اپنے خلفائے مجازین صحبت میں شامل فرما لیا- ایک موقعہ پر اپنی خانقاہ کے تربیت یافتہ لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ:

''دیکھو! سرکاری ملازمین میں میرے تربیت یافتہ لوگ ملیں گے علماء' صوفیاء

اور مدرسین میں میرے مجازین ملیں گے' اطباء و ڈاکٹروں' تاجروں میں' وکلاء اور انجینئروں میں میرے اجازت یافتہ ملیں گے' فقیروں اور نوابوں میں میرے مسلک کے لوگ ملیں گے- تمہارے لیے اس دور سے زیادہ فتنہ والا دور اور کیا ہوگا- بس دیکھو! دین کے بارے میں ان کی مثالیں سامنے رکھنا' ان کا دامن پکڑے رکھنا- دیکھو! دین کتنا آسان ہے- یہ سب تمہارے سامنے ہے- سب اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں- کوئی چیز ان کے لیے دین سے مانع نہیں خارج نہیں' دیندار ہوتے ہوئے بھی سب اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں' تحصیل معاش میں مصروف ہیں کوئی دشواری نہیں کوئی مشکل نہیں- اب تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہونا چاہیے- تم کو صاف محسوس ہو گا کہ دین کس قدر آسان اور ہر شعبہ زندگی میں قابل عمل ہے''-

وراثت نبوت یا جذبہ مجددیت سے جو شفقت علی الخلق و اصلاح مسلمین کی فکر حضرت حکیم الامتؒ پر ہمہ وقت طاری تھی اس کے لیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''جہاں کہیں مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی یا پریشانی کی خبر آتی' وہ غم میں اس طرح گھلنے لگتے جیسے کسی شفیق باپ کی صلبی اولاد پر کوئی مصیبت آئی''-

ایک ایسے ہی فتنہ کے زمانے میں خود فرمایا کہ:

''مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے نتائج کا تصور اگر کھانے سے پہلے آ جاتا ہے تو بھوک اڑ جاتی ہے اور سونے سے پہلے آ جاتا ہے تو نیند اڑ جاتی ہے''-

اسی فکر کے مدنظر ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ کو نماز صبح کے وقت آپ کے قلب پر وارد ہوا کہ بعض اعمال خاصہ ہیں کہ جن کا التزام کرنے سے مسلمانوں کے مصائب دور ہو سکتے ہیں- چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں ۲۵ اصول حیات حیوۃ المسلمین

کے نام سے مرتب فرمائے۔ یعنی وہ اعمال جن پر عمل پیرا ہونے سے مسلمانوں کی دین و دنیا کی فلاح یقینی ہے۔ آپؒ حیوۃ المسلمین کو اپنے لیے سرمایہ نجات سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ:

''میرا غالب گمان ہے اس سے میری نجات ہو جائے گی۔ اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور تمام عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں''۔

ان اصول حیات کی وسیع پیمانہ پر عملی ترویج اور مسلمانوں کی زندگی میں ان کے مکمل نفاذ کی منظم طریقہ پر جدوجہد کے لیے ۱۳ دفعات پر مشتمل ایک نظام عمل صیانۃ المسلمین کے نام سے ۱۳۱۵ھ میں جاری فرمایا اور امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو دین کی حفاظت ذاتی' اجتماعی اصلاح اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی تدابیر مرتب فرمائیں۔

حیوۃ المسلمین شخصی اصلاح کے لیے اور صیانۃ المسلمین میں جمہوری نظام پیش کیا گیا ہے۔ یہ چشمہ فیض آج بھی علماء ہند و پاک کی سرپرستی میں لاہور سے پشاور تک جاری و ساری ہے اور اس کے مفید نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں۔

حضرتؒ کی کتابیں لاکھوں میں فروخت ہوئیں کوئی دوسرا ہوتا تو ان کتابوں کی رائلٹی سے لکھ پتی بن جاتا مگر حضرت کی سیر چشمی و فیاضی' خلوص اور للّٰہیت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ تصنیفات کی اس غیر معمولی مقبولیت کے باوجود آپ نے کبھی کسی کتاب کا حق اشاعت و طبع اپنے لیے محفوظ نہیں کیا۔ ہر شخص کو ان کے چھاپنے اور طبع کرانے کا اذن عام ہے۔

آپ کے حلقہ ارادت میں اچھے خاصے رئیس اور اہل ثروت موجود تھے لیکن ہدیہ بس خصوصی مخلصوں سے ہی قبول فرماتے اور ان کے لیے بھی حدود مقرر تھے۔ کسی کا ہدیہ چاہے جتنا بڑا ہوتا اگر ذرا ایہام یا ابہام یا اور کوئی بات اپنے معمول و اصول کے خلاف ہوتی تو بلا ادنیٰ تامل کے منی آرڈر کے فارم پر وجہ لکھ کر واپس فرما دیتے۔ اگر کوئی زیادہ کثیر رقم یا کوئی بیش قیمت ہدیہ استعمالی اشیاء کا پیش کرتا تو نہایت متواضعانہ انداز

سے معذرت فرما لیتے۔

حضرت حکیم الامتؒ نہایت منتظم المزاج اور اصول وضوابط کے پابند تھے۔ وقت کے لمحات ضائع نہیں ہونے پاتے تھے۔ کھانے پینے' سونے جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے تمام اوقات مقرر تھے جن پر سختی سے عمل فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وقت میں برکت بھی بڑی عطا فرمائی تھی۔ فرمایا کہ:

''مجھے انضباط اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے۔ جو اس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر دینی کام مجھ سے لے لیا ہے۔ میں ایک لمحہ بھی بیکار رہنا برداشت نہیں کرتا۔ میرے استاد حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ایک بار تھانہ بھون تشریف لائے۔ میں نے ان کے قیام اور راحت رسانی کے تمام ضروری انتظامات کیے۔ جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا کہ حضرت! میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں۔ اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر پھر حاضر ہو جاؤں۔ گو میرا دل اس روز کچھ لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا کہ بے برکتی نہ ہو تھوڑا سا لکھ کر جلد ہی حاضر خدمت ہو گیا۔ حضرت کو تعجب بھی ہوا کہ اس قدر جلد آ گئے۔ عرض کیا۔ حضرت چند سطریں لکھ لیں معمول پورا ہو گیا''۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ فرماتے ہیں:

''ہر کام اپنے وقت پر' ہر چیز اپنی مقرر جگہ پر' کھانے پینے' چلنے اٹھنے' بیٹھنے سب کے ضابطے سب کے آداب' ہر گفتگو ایک مقصد لیے ہوئے بے مقصد گفتگو جیسے جانتے ہی نہ تھے۔ زبان پر اتنا قابو میں نے کسی بزرگ کا نہ پایا۔ اوراد و وظائف پر جو زور دوسرے آستانوں پر رہتا ہے اس کا یہاں کام ہی نہ تھا' رسوم سے اجتناب' نمائشی تکلفات سے احتراز' بس اپنے کام

سے کام' دوسروں کو زحمت سے بچانے کا کامل اہتمام' بندوں کی خدمت عبادت کے درجہ میں- پس یہی خصوصیات مجلس اشرفی کے دیکھنے میں آئے''-

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مرض ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹ اور ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب کو ۱۰ بجے نماز عشاء کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا- حضرت کے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خانقاہ امدادیہ کے شمال جانب حضرت ہی کے وقف کردہ تکیہ قبرستان میں جس کا تاریخی نام ''قبرستان عشق بازاں'' ہے آپ کی تدفین عمل میں آئی-

آپ کی پوری زندگی حزم واحتیاط' فکر دوام' نظم وضبط اور اصول صحیحہ کی پابندی کا ایک ایسا حسین مرقع تھی کہ دل بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

اپنی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے' اس کا اہتمام اس قدر تھا کہ یوں کہتے ؎

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

ایسے حضرات صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں ؎

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

شریعت وتصوف کو خود غرض اور نام نہاد پیروں نے الگ الگ بتا کر مخلوق خدا کو گمراہ کر کے شرک و بدعات کی رسوم میں گرفتار کر رکھا تھا- حضرت تھانویؒ نے اس طلسم کا پردہ چاک کیا اور شریعت وتصوف کی حقیقت سے امت کو پھر آگاہ کیا اور

واشگاف الفاظ میں امت کو بتلا دیا کہ:

''تصوف' شریعت سے جدا کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت ہی کا جزو ہے شریعت کے دو حصے ہیں- ایک احکام ظاہر اس کو شریعت کہتے ہیں اور دوسرے احکام باطن' اس کو طریقت اور تصوف کہتے ہیں- جو کام یا جو چیز خدا اور رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو' وہ یا تو کفر ہے یا الحاد و زندقہ یا شرک و بدعت- تصوف' طریقت یا شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں''-

آپ نے فرمایا کہ:

''بحمد اللہ! طریقت و تصوف کی تعلیمات پر جاہل پیروں نے اپنی اغراض فاسدہ سے جو پردے ڈال رکھے تھے وہ سب دور ہو گئے اور صدیوں تک طریق تصوف بے غبار ہو گیا'' [1]

(تفصیلات کے لیے اشرف السوانح' سیرت اشرفؒ دیکھیے)

[1] بزم اشرف کے چراغ

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ مسعود نرددریؒ کشمیری سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا وہاں سے ملتان آئے لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے خود اپنا سلسلہ نسب اپنی تصانیف میں تحریر فرمایا ہے جو آگے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے' آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہؒ بڑے عالم ربانی' زاہد و عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے' آپ ۲۷/شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال بمقام دودھواں و علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔

چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ صاحبؒ سے قرآن پاک شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کرئے پھر مولانا غلام محمد صاحبؒ سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی اور ابھی آپ کی عمر ۱۳-۱۴ سال کی تھی۔ ۱۳۰۵ھ میں شوق تعلیم نے لولاب کے مرغزاروں اور سبزہ زاروں پر غریب الوطنی کی علمی زندگی کو ترجیح دی' حضرت علامہ ہونہار بردے کے چکنے چکنے پات کے مصداق بچپن ہی میں بے حد ذہین' ذکی اور فطین تھے' تین سال تک آپ ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے پھر جب علوم و فنون کی پیاس وہاں بھی بجھتی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیو بند کی شہرت سن کر آپ ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ میں ہزارہ سے دیو بند آ گئے' دیو بند میں آپ نے چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت و یکتائے روزگار علماء سے فیوض علمیہ و عملیہ و باطنیہ کا بدرجہ اتم استفادہ کیا اور بیس اکیس سال کی عمر میں نمایاں شہرت و عزت

کے ساتھ سند فراغ ۱۳۱۲ھ میں حاصل کی جن علماء سے آپ کو شرف تلمذ رہا ہے ان میں سے یہ چند حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں' شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا محمد اسحاق' امرتسریؒ مہاجر مدنی اور مولانا غلام رسول ہزارویؒ۔

دیوبند سے فارغ ہو کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سند حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کیے اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور تین چار سال تک مدرسہ امینیہ کے مدرس اول رہے دہلی میں کئی سال قیام کے بعد بعض ضرورتوں اور مجبوری کے باعث آپ کشمیر تشریف لے گئے اور ۱۳۲۳ھ میں آپ بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے' سفر حجاز میں طرابلس' بصرہ اور مصر و شام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد و بے نظیر لیاقت و استعداد دیکھ کر سندات حدیث عطا فرمائیں۔ جن میں آپ کا نام الفاضل الشیخ محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیریؒ لکھا گیا ہے۔ سفر حجاز سے واپس آ کر خواجگانہ قصبہ بارہ مولیٰ و کشمیر کا ایک مشہور مقام خصوصاً خواجہ عبدالصمد ککرو رئیس اعظم کے اصرار پر آپ نے اسی قصبہ میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور تقریباً تین سال تک آپ وہاں خلق اللہ کو فیض یاب فرماتے رہے اسی اثناء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے مشہور جلسہ دستار بندی میں مدعو کیا گیا اور آپ دیوبند تشریف لے گئے' دارالعلوم دیوبند میں آپ نے استفادہ علوم وفنون کیا تھا اور وہیں سے سند فراغ حاصل کی تھی اب اسی دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو گئے سنن ابوداؤد شریف اور صحیح مسلم شریف کا درس سالہا سال تک بغیر کسی تنخواہ کے دیتے رہے۔ چند سال کے بعد آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کی وجہ سے پھر کشمیر جانا پڑا۔ لیکن دارالعلوم کی طرف سے شدید تقاضا ہوا اس لیے آپ جلد ہی واپس تشریف لے آئے اور اطمینان کے ساتھ دارالعلوم میں مسند نشین درس ہو کر علمی افادات میں مشغول

ہو گئے آپ دارالعلوم سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے آخر مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اصرار کر کے اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے ساتھ کھانا کھایا کریں اور یہ صورت دس برس تک قائم رہی' مولانا محمد احمد قاسمیؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ یہ تمام حضرات مل کر کھانا کھاتے اور عجیب علمی اور تحقیقی باتیں ہوتیں رہتیں- نکاح اور اولاد ہونے کے بعد احباب کو موقع ملا کہ شاہ صاحب کو دارالعلوم سے کچھ مشاہرہ دلوائیں چنانچہ کافی اصرار پر آپ راضی ہوئے- اسی دوران شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے حجاز مقدس کا قصد فرمایا تو ان کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت علامہ کشمیریؒ نے قائم مقام صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس سنبھال لیا- شاہ صاحب کے درس میں بعض ایسی امتیازی خصوصیات تھیں جو عام طور پر دوسرے حلقوں میں نہیں تھیں' بہر حال ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس حدیث دیتے رہے اس کے بعد بعض منتظمین سے اختلاف ہوا تو دارالعلوم سے قطع تعلق فرما کر آپ' حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ عثمانی' حضرت علامہ شبیر احمدؒ عثمانی' مولانا سراج احمد دیوبندیؒ اور سید بدر عالم میرٹھیؒ اور دیگر علماء بہت سے طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل جامعہ اسلامیہ تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک جامعہ میں درس حدیث رہا اور ۲/صفر ۱۳۵۲ھ کو شب کے آخری حصہ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں داعی اجل کو لبیک کہا- انا للہ وانا الیہ راجعون-

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و عملی کمالات میں سے جو چیز آپ کو اقران واعیان میں سب سے زیادہ ممتاز کرتی تھی وہ آپ کی جامعیت و تبحر علمی ہے علوم عقلیہ و شرعیہ میں سے ایک بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو- اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علماء و متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہستیاں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں- حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس ارشاد سے آپ

کی جامع شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ:

''میرے نزدیک حقانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا امت مسلمہ میں وجود ہے اگر دین اسلام میں کس قسم کی بھی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے''۔(حیات انورؒ)

شیخ الاسلام حضرت علام شبیر احمدؒ عثانی نے علامہ کشمیریؒ کی وفات پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک جلسہ میں فرمایا:

''مجھ سے اگر مصر و شام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجرؒ عسقلانی' شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ کو دیکھا ہے تو میں یہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے۔ ورنہ اگر علامہ انور شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و محامد اوراق تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہوتے' میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجرؒ شیخ تقی الدین اور شیخ عزالدین کا انتقال آج ہوا ہے''۔(حیات انورؒ)

مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''واقعی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت من آیات اللہ تھے''۔

مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''کہ میں نے ہندوستان' حجاز' عراق' مصر اور شام کے علماء و فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی' وسعت معلومات' جامعیت اور علوم نقلیہ وعقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔ مصر کے ممتاز عالم دین علامہ سید رشید رضاؒ نے دیو بند میں ایک مرتبہ فرمایا خدا کی قسم میں نے ان جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا''۔(حیات انورؒ)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے: کہ

''صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کا قافلہ جا رہا تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ پیچھے رہ گئے تھے''۔

آپ کی ذہانت قوت حافظہ کے سلسلہ میں مولانا سید مناظر احسنؒ گیلانی کی یہ تحقیق قابل ذکر ہے کہ مجموعی طور سے حضرت شاہ صاحب کو کم سے کم چالیس پچاس ہزار عربی کے اشعار یاد تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ صاحب کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا اپنے زمانہ کے امام زہریؒ تھے''۔

شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم فرمایا کرتے تھے: کہ

''اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے''۔

مولانا حبیب الرحمٰنؒ عثمانی آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے بہر حال آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اور علمی اشغال میں غیر معمولی انہماک اور شغف کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور اتباع سلف کے اہتمام میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں ہوتی تھی، ملنے والے بہت سی سنتوں کو شاہ صاحب کے عمل کو دیکھ کر معلوم کر لیا کرتے تھے، سنت نبویؐ کے مطابق کھانا اکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے اور کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے بائیں ہاتھ میں روٹی اور داہنے ہاتھ سے اسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے۔ لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ حضرت ممدوح کے روشن اور کھلے ہوئے چہرے پر برستا تھا ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر آپ کا سرخ و سفید رنگ کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ نیز چہرہ کی مجموعی عظمت و وجاہت دیکھ کر کہا تھا کہ:

''اسلام کے حق ہونے کی ایک مستقل دلیل یہ چہرہ بھی ہے''۔

جمعہ کے لیے جاتے تو فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہ کا منظر سب کو نظر آتا۔ حسبنا اللہ تکیہ کلام تھا' اٹھتے بیٹھتے اکثر و بیشتر حسبنا اللہ فرماتے اور ایسے ہی موقعہ بموقعہ اللہ اجل فرماتے رہتے تھے' درس میں بعض اوقات غایت خشیت سے آنکھوں میں نمی آجاتی' جسے ضبط کرنے کی کوشش کرتے' انشاء و قصائد اور وعظ میں خوف و خشیت کے اشعار اکثر تر آنکھوں کے ساتھ پڑھتے جس سے چہرہ مظہر خشیت الٰہی نظر آتا تھا۔ اور سامعین کی آنکھیں تر ہو جاتی تھیں' ٹھیک طریقہ نبویؐ کے مطابق کن انکھیوں سے نہ دیکھتے اور جدھر متوجہ ہوتے پورے متوجہ ہوتے تھے باوجود تبحر علمی کے ادب شیوخ و اکابر کا یہ عالم تھا کہ ان کے سامنے کبھی آنکھ اٹھا کر یا ملا کر گفتگو نہ فرماتے شاہ صاحب اپنے باطنی کمالات کو ہمیشہ چھپائے رکھتے تھے اور یہ ہی بات ہے کہ علمی کمالات حضرت کے ساتھ ایسے خیرہ کن تھے اور علم کا حضرت شاہ صاحب پر ایسا غلبہ تھا کہ مجسمہ علم معلوم ہوتے۔ لیکن قرآن پاک **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** آپ صحیح معنوں میں خدا ترس انسان تھے۔ مگر علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات زندگی اس کے بالکل نیچے دبے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلند ترین پہلو بھی جس کو سلوک و تصوف سے تعبیر کرنا چاہیے اس علمی کمال اور شغف علمی سے دبا ہوا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور آپ یقیناً آراستہ باطن اصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے مجاز تھے لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔

حضرت علامہ اپنی جلالت قدر اور رفع منزلت کے باوجود اکابر دیوبند کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے: ایک دفعہ فرمایا ہم یہاں آئے یعنی کشمیر سے ہندوستان تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائپوریؒ کے یہاں دیکھا۔ اور اب جو دیکھنا ہے تو وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں دیکھیے۔ اندازہ کیجیے جن حضرات کی تعریف و توصیف علامہ انور شاہؒ جیسے

محدث وفقیہ کی زبان سے ہو رہی ہو ان کا مقام کتنا بلند ہو گا اس کا ہم جیسے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے - حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ فرماتے ہیں: کہ

''میں ایک دفعہ سنہری مسجد مدرسہ امینیہ میں گیا تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایک حجرے میں دروازہ بند کیے ذکر دوضربی جہر کے ساتھ کر رہے ہیں' اللہ' اللہ' اللہ' اللہ دیر تک اسم ذات کرتے رہے جس وقت شاہ صاحب بازار نکلتے تو سر پر رومال ڈال کر آنکھوں کے سامنے پردہ کر کے نکلتے مبادا کسی عورت پر نظر پڑ جائے''۔

رسول اللہ ﷺ کے جو اخلاق وشمائل کتب احادیث میں روایت کیے گئے ہیں ان میں ایک عادت مبارکہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ آپؐ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے گویا بلا ضرورت بولتے ہی نہ تھے حضرت شاہ صاحبؒ اس عادت مبارکہ کا کامل نمونہ تھے- معلوم ہوتا تھا کہ کہ ان کو صرف علمی و دینی استفادہ و افادہ کے لیے اور ناگزیر ضروری باتوں ہی کے لیے زبان دی گئی ہے- اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی عادات مبارکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ذکر فرماتے ہیں کہ مسکرانے کی تو بہت زیادہ عادت تھی مگر کھل کھلا کر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا' یہی حال حضرت شاہؒ صاحب کا تھا- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ: شاہ صاحبؒ کے نور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی دیکھتا وہ اول نظر میں یقین کر لیتا کہ یہ خدا کا کوئی نیک بندہ ہے شاہ صاحب اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی اجنبی مجلس میں داخل ہوتا تو دیکھتے ہی سمجھ لیتا تھا کہ اس مجلس میں سب سے بڑا عالم اور متقی یہی شخص ہے-

مرد حق کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کی تربیت سے ایسے متبحر عالم اور عظیم محدث' مفسر' فقیہ' ادیب' خطیب' مؤرخ' شاعر' مصنف اور عارف پیدا ہوئے کہ

جن کی نظیر کم از کم اس پورے برصغیر میں ملنا مشکل ہے دارالعلوم کے تقریباً اٹھارہ سالہ قیام میں کم از کم دو ہزار طلباء شاہ صاحب سے بلاواسطہ مستفید ہوئے- ان کی مکمل فہرست کے لیے بھی ایک دفتر درکار ہے- ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو گوشہ گمنامی میں دین کی خدمت میں مصروف رہے اور وہ بھی ہیں جو علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہیں جن میں چند اسمائے گرامی یہ ہیں:

شاہ عبدالقادر رائپوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانی ؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، اور مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں-

آپ نے دینی' تدریسی اور تبلیغی خدمات کے علاوہ تصنیف و تالیف میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا ہے- چند مایہ ناز تصانیف یہ ہیں:

خاتم النبیین' عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ السلام' التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب وغیرہ ان کتابوں کے علاوہ حضرت علامہ کی دو تقریریں جو درس کے وقت املاء کراتے تھے اور جن کو اجلہ تلامذہ نے تحریر کیا ہے- ان میں مشہور ترین تقریر فیض الباری شرح بخاری کے نام سے مولانا سید بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کی ہے چار جلدوں میں چھپ چکی ہے مسلم شریف کی املائی شرح منضبط کردہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور حاشیہ سنن ابی داؤد منضبط کردہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ غیر مطبوعہ ہیں اردو میں شرح بخاری بنام انوار الباری شاہ صاحب کے افادات ۳۲ حصوں میں ساڑھے چھ ہزار صفحات پر شائع ہو رہے ہیں' مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی حیات طیبہ پر ایک کتاب بنام نفحۃ العنبر عربی میں لکھی ہے جو قابل مطالعہ ہے آپ کے اخلاف رشید میں مولانا محمد انظر شاہ کشمیری

اور مولانا محمد ازہر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ زیادہ معروف ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں استاذ ہیں- اور دونوں فاضل عالم محقق اور مصنف ہیں- دوسری دینی خدمات کے علاوہ آپ کی تحریک ختم نبوتؐ میں خدمات بھی بہت زیادہ ہیں- بہر حال آپؒ کی کس کس خوبی اور خدمت دین کا ذکر کیا جائے-

حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلائے- آمین

(اکابر علماء دیوبند)

''تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر نزاعات و مناقشات خود سرائی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی راہوں اور غرضوں کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بلند معیار مانتے ہوئے اس کے تابع کر دیں اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے''- (شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم ممتاز فضلاء اور منتظمین میں سے ہیں اور اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور خلوص و للّٰہیت کی حیثیت سے فضلاء دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کا شجرۂ نسب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل الرحمٰنؒ عثمانی ایک جید عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدراس تھے۔ بنائے دارالعلوم دیوبند میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رفیق اور معاون تھے۔ مولانا فضل الرحمٰنؒ عثمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ عثمانی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمدؒ عثمانی، اپنے اپنے وقت میں علم دین کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہیں، اور اپنے اپنے دور کے محدث مفسر اور فقیہ ثابت ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی تعلیم و تربیت دارالعلوم دیوبند میں قدیم اکابرین دیوبند کی آغوش میں ہوئی اور حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور اپنے برادر اکبر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے زیر سایہ تعلیم مکمل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں درس و تدریس کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ مہتمم

دارالعلوم دیوبند کی وفات کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم کے چھٹے مہتمم مقرر ہوئے- اس سے قبل آپ ۱۳۲۵ھ میں مولانا محمد احمد قاسمیؒ کی نیابت میں رکھے گئے تھے- آپ اپنی دانش وبینش اور فہم وفراست میں یگانہ ہند تسلیم کیے جاتے تھے- آپ نے اپنے خداداد تدبر سے دارالعلوم کے انتظام کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر منظم کیا اور تقسیم کار کے ذریعے مخلوط امور کو شعبوں میں تقسیم کیا اور دارالعلوم کو حقیقی معنوں میں مرکزی حیثیت دی اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد احمد صاحبؒ کے دست راست اور ان کے چالیس سالہ دور اہتمام کی خدمات کے روح رواں نیابت کی صورت میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ہی رہے- آخر دم تک دارالعلوم دیوبند میں دینی علمی اور تدریسی خدمات کے علاوہ تصنیفی میدان میں ان کی مشہور ومعروف تالیف ''اشاعت اسلام'' ان کی وسعت معلومات اور تدقیق نظر کی کافی شہادت ہے- اس کے علاوہ ''اسلام میں مشورہ کی اہمیت'' قرآنی آیات واحادیث نبویؐ اور علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں مشورہ کی اہمیت اور فضیلت پر ایک مدلل تالیف ہے- آپ عربی زبان کے بہترین ادیب اور شاعر تھے- قصیدہ ولایت المعجزات اور متعدد قصائد آپ کے طبع ہو چکے ہیں- سلوک وتصوف کے منازل آپ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے طے کیے- اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلافت واجازت سے نوازے گئے- آپ کا فیض علمی وروحانی بہت پھیلا اور بڑے بڑے علماء وفضلاء آپ کے فیض علمی سے سیراب وشاداب ہوئے- آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجرؒ مدنی، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مدظلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں- جو اپنے وقت کے مشاہیر علماء ومشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں-

آپ کے بارے میں آپ کے محبوب شاگرد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مولانا حبیب الرحمٰنؒ عثمانی کا اسم گرامی ہمارے بزرگوں میں بہت نمایاں ہے آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے اگرچہ انتظامی مصروفیت کی بناپر آپ کا علمی اور عملی مقام لوگوں پر واضح نہ ہوسکا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب کمالات عطا فرمائے تھے- آپ کو عربی ادب کا بڑا ستھرا ذوق تھا اور آپ کی عربی تحریریں بڑی چست اور ادیبانہ ہوتی تھیں- آج کل دارالعلوم کے فضلاء کو جو سند دی جاتی ہے اس کا پورا مضمون حضرت مولانا ہی کا مرتب فرمایا ہوا ہے اور جب ہم لوگوں نے استاذ محترم حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی سرپرستی میں عربی نظم ونثر کی مشق کے لیے ''نادیۃ الادب'' قائم کی تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ عثمانی اس میں بڑی دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے اور مجھے تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری کی طرف متوجہ کرنے میں حضرت مولانا کا بڑا حصہ ہے- حضرت مولانا کی عادت یہ تھی کہ وہ انتظامی کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود دارالعلوم کے طلباء پر خاص نظر رکھتے تھے اور جس طالب علم میں کوئی صلاحیت دیکھتے اس کی ہمت افزائی فرما کر اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش فرماتے-

میں ابھی دارالعلوم میں پڑھتا تھا کہ مولانا کی خاص نظر عنایت مجھ پر مبذول ہوگئی- بارہا ایسا ہوا کہ جب میں امتحان گاہ میں بیٹھا پرچہ لکھ رہا ہوتا تو حضرت مولانا میرے پاس تشریف لا کر میرے لکھے ہوئے جوابات دیکھتے اور بعض اوقات اتنے مسرور ہوتے کہ دوسرے اساتذہ کو جا کر اطلاع دیتے تھے-

ایک مرتبہ کسی اخبار یا رسالے میں کوئی مضمون شائع ہوا جس میں امت کے کسی اجماعی مسئلے کے خلاف رائے ظاہر کی گئی تھی، حضرت مولاناؒ نے احقر کو حکم دیا کہ اس کا جواب لکھوں میں نے تعمیل کی اور یہ میرا پہلا مضمون تھا- میں نے جب یہ مضمون لکھ کر حضرت مولانا کو دکھایا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے اور اسی وقت مجھے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ اور مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور دوسرے اساتذہ کے پاس لے گئے اور

ان کو میرا لکھا ہوا یہ مضمون دکھایا- وہ میرا پڑھنے کا زمانہ تھا اور اس میں یقیناً بہت سی خامیاں ہوں گی لیکن حضرت مولانا نے جو معاملہ میرے ساتھ فرمایا اس نے میری ایسی ہمت افزائی کی کہ تحریری کام کا ایک شوق پیدا ہو گیا- اس کے بعد ''القاسم'' کے نام سے دارالعلوم دیوبند کا جو رسالہ حضرت مولانا کی ادارت میں نکلتا تھا میں نے اس میں مضامین لکھنے شروع کیے- فراغت تعلیم کے بعد کچھ عرصہ حالات ایسے رہے کہ مجھے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا- اس لیے مولانا اس زمانے میں مجھ سے کچھ شاکی رہے- اس کے بعد جب میں نے دو تین رسالے لکھ کر انہیں دکھائے تو وہ کھل اٹھے اور فرمایا:

''یہی تو وہ کام ہے جس میں تمہیں مشغول دیکھنا چاہتا ہوں''-

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر غیر معمولی عطا فرمائی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق انسان تھے' دارالعلوم دیوبند پر سخت سے سخت وقت آئے' بڑی بڑی شورشیں اُٹھیں لیکن میں نے اس بندۂ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آیا- انہوں نے دارالعلوم میں خلاف اصول باتوں کو کبھی برداشت نہیں کیا اور اپنے حسن تدبر سے مدرسے کو بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی جس کا ایک واقعہ یاد آتا ہے-

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مثالی ضبط عطا فرمایا تھا' دارالعلوم دیوبند کی زمین سے متصل کسی دیوبند کے رئیس کی زمین کا کچھ حصہ دارالعلوم کے لیے خرید لیا گیا تھا- اس رئیس کے انتقال کے بعد اس کے ایک وارث نے ایک روز دارالعلوم کے صحن میں پہنچ کر اس زمین کی حقداری کا دعویٰ کیا اور حضرت مولانا کو مخاطب کر کے بآواز بلند بہت برا بھلا کہنا شروع کر دیا- اس کا انداز گفتگو اس قدر اشتعال انگیز تھا کہ مولانا کے بعض خدام کو بھی فطری طور پر اشتعال ہوا اور انہوں نے بھی اس کو اسی کی زبان میں

جواب دینے کا ارادہ کیا لیکن مولانا نے ان کو سختی سے روکا اور ان صاحب سے فرمایا کہ شیخ صاحب آپ فضول ناراض ہو گئے ذرا اندر تشریف لائیے' اطمینان سے بات کریں گے مگر وہ صاحب بدستور غیظ و غضب کا اظہار کرتے رہے- مولانا نے کچھ دیر بعد پھر فرمایا' اندر چل کر بیٹھئے تو سہی وہاں بات کریں گے اور پھر انہیں زبردستی دفتر اہتمام میں لے گئے- ان کی خاطر تواضع کی اور جب وہ ذرا ٹھنڈے ہو گئے تو حضرت مولانا اطمینان سے اپنی جگہ سے اٹھے ایک الماری کھولی- اس میں سے کچھ کاغذات لے کر آئے اور ان صاحب کے سامنے پھیلا دیئے کہ دیکھئے صاحب یہ زمین آپ کے مورث نے فلاں تاریخ کو دارالعلوم کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور اس کی رجسٹری بھی ہو چکی ہے- ان صاحب نے کاغذات دیکھے تو بے حد شرمندہ ہوئے اور مولانا نے جس صبر و ضبط کا مظاہرہ فرمایا اس سے بے حد متاثر ہو کر گئے-

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کا کام بہت پھیل گیا تھا بہت سے شعبے قائم ہو چکے تھے اور سینکڑوں طلباء دارالاقامہ میں رہائش پذیر تھے اس لیے مولانا شب و روز انتظامی کاموں میں مصروف رہتے تھے اس کے باوجود ان کی نوافل اور تلاوت وغیرہ کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ مرتبہ ذکر اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوا-

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا جس میں بعض لوگ حضرت مولانا کی جان تک کے دشمن ہو گئے- ان حالات میں بھی مولانا کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے- میں نے عرض کیا کہ حضرت ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ کم از کم کمرے کے اندر ہی سو جایا کریں' لیکن مولانا نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا:

"ارے میاں میں تو اس باپ (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے

اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا- لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟''-

(ماخوذ ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے چھٹے مہتمم تھے حق تعالیٰ نے آپ کو دین کا خاص فہم عطا فرمایا تھا آپ کی دانش وتدبر مشہور زمانہ تھی' ادبیات کے ماہر تھے عربی نظم ونثر دونوں پر کمال قدرت رکھتے تھے- دارالعلوم کے نظم ونسق نے آپ کے تدبر ودانش سے عظیم استفادہ کیا' آپ کی اس دانش اور عظیم علمی شخصیت کی بناء پر حکومت حیدرآباد دکن کا عہد افتاء حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ کے بعد آپ ہی کو تفویض کیا گیا تھا- آپ کا حلم وتواضع' مروّت اور تحمل مشہور زمانہ تھا' آپ حضرت گنگوہیؒ کے متوسل اور طریقت کے معمولات کے نہایت پابند تھے- وفات کے دن مجھ سے حسرت کے ساتھ فرمایا کہ میرا بارہ ہزار اسم ذات افسوس کہ آج پورا نہ ہوسکا' آپ شب بیدار اور ہمہ وقت مشغول کار رہتے تھے آپ کی مجلس پرشکوہ اور مورث طمانیت ہوتی تھی' کئی عربی قصیدے اور کئی مفید ترین تصانیف آپ کا ترکہ ہے جو امت کو ملا- ان میں ''اشاعت اسلام'' ایک معرکۃ الآراء تالیف ہے جو بہت مقبول خواص وعوام ہے حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے آمین''-

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

انہیں کے نقش قدم پر ہو اے خدا جینا
ویرحم اللّٰہ عبداً قال امینا

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی محمد یحییٰ، تاریخی نام "بلند اختر" اور سن ولادت ۱۲۸۷ھ ہے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاندھلوی ہے آپ کاندھلہ کے صدیقی خاندان کے چشم و چراغ ہیں، آپ کا جدی نسب حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ اور مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے چھٹی پشت میں مولانا فیض محمد صاحبؒ سے اس طرح جاملتا ہے۔

مولانا محمد یحییٰ بن مولانا محمد اسماعیل بن غلام حسین بن حکیم کریم بخش بن حکیم غلام محی الدین بن مولوی محمد ساجد بن مولوی فیض محمد بن مولوی محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن جمال محمد شاہ بن بابن بن بہاؤالدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا محمد اسماعیلؒ صاحب کا اصل وطن جھنجھانہ ہے آپ دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے سمدھیانہ میں بچوں کی تعلیم پر ملازم تھے غدر کے بعد بستی نظام الدین میں رہنا اختیار کیا اور آخر وقت تک وہیں رہے، لیکن پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ کا عقد ثانی کاندھلہ میں مفتی الٰہی بخشؒ کے خاندان میں ایک نیک بی بی صفیہ بنت مولوی ضیاء الحسن صاحبؒ بن مولوی نور الحسن صاحبؒ بن مولوی ابوالحسن صاحبؒ بن مفتی الٰہی بخش صاحبؒ سے ہوا اس وجہ سے کاندھلہ برابر آمد و رفت رہتی تھی اور وہ بھی وطن کی طرح ہو گیا تھا۔

مفتی الٰہی بخش صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ممتاز تلامذہ سے اور نامور مفتی ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ ذاکر و شاغل، متقی و پرہیزگار اور مستجاب الدعوات

بزرگ تھے تلاوت قرآن اور درس قرآن اور ادعیہ ماثورہ سے خاص شغف تھا جس کی و
سے آپ خاص مقام کے مالک تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے طریق سلوک کے حصول کی خواہش کی' مولاناؒ نے فرمایا کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں' جو اس طریق اوران ذکر واذکار کا مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہے....الخ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اوران کی دینی دعوت ص ۴۷)

تواضع اور خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ آتے جاتے مسافروں کا بوجھ اتروا
پانی پلاتے تھے پھر دو رکعت شکرانہ کی ادا کرتے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عبادت الٰہی کا اس قدر شوق تھا کہ گھر میں
پروگرام مقرر کر دیا تھا کہ رات بھر گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور جاگتا تھا ۱۲ با
تک مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ مطالعہ میں مشغول رہتے اس وقت مولانا محمد اسماعیل صاحب
بیدار ہو جاتے اور پچھلے پہر اپنے بڑے صاحبزادے مولانا محمدؒ صاحب کو بیدار کر دے
آپ کی تاریخ وفات ۴/شوال ۱۳۱۵ھ ہے مادہ تاریخ غفرلہ ہے آپ کی مقبولیت کا اندا
اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ کے جنازے میں اژدھام کثیر تھا۔ جنازہ میں بلیاں لگا
گئیں تھیں مگر بہت سے لوگوں کو کندھا دینے کی نوبت تک نہ آئی لوگوں نے بار بار نم
جنازہ پڑھی۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی والدہ ماجدہ بھی کوئی معمولی درجہ کی بی بی نہ تھیں' حا
قرآن تھیں' قرآن شریف اتنا اچھا یاد تھا کہ کبھی متشابہ نہ لگتا اور ایک ہفتہ میں قرآن
پورا کر لیتی تھیں اس کے علاوہ درود شریف پانچ ہزار' اسم ذات اللہ پانچ ہزار' بسم اللہ
الرحمن الرحیم انیس سو یا مغنی گیارہ سو- لا حول و لا قوۃ الا باللہ گیار
اللہ الصمد گیارہ سو لا الہ الا اللہ بارہ سو' یا حیی یا قیوم دو سو' حسبی اللہ
نعم الوکیل پانچ سو سُبْحَانَ اللہ دوسو مرتبہ الحمد للہ دوسو لا الہ الا اللہ د
اللہ اکبر دوسو استغفار پانچ سو- اُفَوِّضُ امری الی اللہ سو' حسبنا اللہ و ن

الوکیل سو رب انی مغلوب فانتصر سو رب انی مسنی الضرر و انت ارحم الراحمین، سو الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین، سواورایک منزل قرآن شریف کی تلاوت کا روزانہ معمول تھا۔ (از تذکرۃ الخلیل)

یہ ہی نہیں اس گھرانے کی سب ہی بیبیوں کا یہی عالم تھا' مولانا ابو الحسن صاحب ندویؒ نے اپنے رسالہ میں بیان فرمایا ہے:

''گھر میں بی بیاں عام طور پر نوافل میں اپنے اپنے طور پر قرآن مجید پڑھا کرتی تھیں اور عزیز مردوں کے پیچھے تراویح و نوافل میں سنتی تھیں رمضان المبارک میں قرآن مجید کی عجب بہار رہتی گھروں میں جابجا قرآن مجید ہوتے اور دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا' عورتوں کو اتنا علم اور ذوق تھا کہ قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مزہ لیتیں اور نماز کے بعد اپنے مقامات کا ذکر کرتیں' نماز میں ایسی محویت اور استغراق تھا کہ بسا اوقات بعض بیویوں کو گھر میں پردہ کرانے اور کسی حادثہ وغیرہ میں لوگوں کے آنے جانے تک کا احساس نہ ہوتا' قرآن شریف معہ ترجمہ و اردو تفسیر مظاہر حق' مشارق الانوار حصن حصین یہ عورتوں کا منتہیانہ نصاب تھا۔ اس خاندان کا یہ عام رواج تھا اس وقت گھر کے باہر اور اندر کی مجلسیں اور صحبتیں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصوں اور چرچوں سے گرم تھیں ان بزرگوں کے واقعات مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر تھے' مائیں اور گھر کی بیبیاں بچوں کو طوطے' مینا کے قصوں کے بجائے یہی روح پرور واقعات سناتیں'' -الخ

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت ص ۴۱)

تعلیم و تربیت:

یہ وہ ماحول اور گودیں تھیں کہ جن میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے آنکھ کھولی تھی اور پرورش پائی تھی' پھر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ولی باپ اور ولیہ ماں کا سایہ سر پر قائم رکھا چنانچہ بچپن ہی سے آپ کے حرکات و سکنات کی نہایت سخت نگرانی ہوتی تھی آپ

ارشاد فرماتے ہیں:

''والد صاحب کو وضو کے اوراد کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی اس لیے میں وضو کرتا ہوا بھی فارسی اور عربی کی لغات یاد کیا کرتا تھا' والد صاحب میری رٹائی کو سنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے تھے' خوب وضو کی دعائیں پڑھی جا رہی ہیں شرم کی بات ہے''۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۹

''قرآن شریف آپ نے سات سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں والد صاحب کی طرف سے حکم تھا کہ جب تک پورا قرآن شریف نہ ختم کرلو گے روٹی نہ ملے گی مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے پہلے پورا قرآن پاک ختم کر لیا کرتا تھا اور کھانا کھا کر چھٹی کے وقت اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا''۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۲۸)

لہٰذا ظاہر ہے کہ جب بچہ کو زمانہ طفولیت میں تحصیل علم کا اس قدر شوق ہوگا اس کا تبحر فی العلم کس درجہ کا ہوگا' چنانچہ آپ کا علامہ وقت ہونا مسلم ہے فنون عقلیہ اور فنون نقلیہ میں آپ کی مہارت تامہ بچپن ہی سے مشہور تھی اکثر کتابیں خود ہی پڑھی تھیں کسی استاذ سے استعانت کی نوبت نہ آئی تھی چنانچہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''مسلم مجھے ازبر یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو دوسو دوسو مرتبہ پڑھا ہے ادب عربی میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ عربی نظم و نثر بلا تکلف لکھ لیتے تھے مگر یوں فرمایا کرتے تھے:

''تمام ادب میں استاذ سے میں نے صرف مقامات حریری کے ۹ مقامے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاذ نے کہہ دیا تھا کہ میرے مکان کو آتے جاتے راستے میں پڑھ لیا کرو اس لیے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا تھا اور اکثر جگہ استاذ فرمایا کرتے تھے کہ اس لفظ کے معنی مجھے یاد نہیں خود دیکھ لینا الخ''۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۲۹)

ابتدائی عربی کی کتابیں آپ نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اس کے بعد دیوبند مقامات حریری کے ۹ مقامے تک مذکورہ کیفیت سے پڑھا اس کے بعد آپ نے اپنے وطن کے مدرسہ یعنی کاندھلہ میں مقامات حریری مولانا یداللہ صاحبؒ سے اور منطق بھی مولانا یداللہ صاحبؒ سے نہایت انہماک سے پڑھی چنانچہ فرماتے ہیں:

''حمد اللہ میں نے ۱۸ دن میں پڑھا ہے۔ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا اس لیے میں صبح ہی حمد اللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ کرنے نانی اماں کی چھت پر جا بیٹھتا اور بارہ بجے اتر کر روٹی کھایا کرتا تھا۔ بسا اوقات حمد اللہ کے سبق میں استاذ سے بحث ہو جاتی کہ میں جو مطلب سمجھا ہوتا وہ اس کو غلط بتاتے اور دوسرے عنوان سے تقریر فرماتے تھے میں کہہ دیا کرتا تھا کہ مطلب تو یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں''۔ الخ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۲۹)

یہ خداداد لگن اور قابلیت تھی کہ آپ نے محض اپنے حافظہ سے ادب کی اکثر درسی کتابیں لکھ کر طلباء کو دے دیں تھیں۔ نفحۃ الیمن، متنبی۔ حماسہ اب بھی آپ کے لکھے ہوئے ہیں اور اصل نسخوں سے حرف بحرف ملتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد یحییٰ جیسے حافظہ کا مالک نہ مقدمین میں گزرا نہ متاخرین میں۔

ادب و منطق کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے دہلی کے مدرسہ حسین بخش میں پڑھیں مگر حدیث پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا کہ دہلی میں حدیث پڑھنے سے غیر مقلد ہو جاتا ہے اور ارادہ کیا تھا کہ حدیث پڑھنی ہے تو حضرت گنگوہیؒ سے پڑھنی ہے، لیکن جب مدرسہ حسین بخش کے سالانہ امتحان کا وقت آیا تو کارکنان مدرسہ نے آپ کا نام بھی بخاری شریف کے امتحان میں لکھ دیا حالانکہ ایک سبق بھی آپ نے اس کا نہیں پڑھا تھا، لیکن اہل مدرسہ نے مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ پر زور دیا تو مولانا نے فرمایا ''محمد یحییٰ کیا حرج ہے ابھی پانچ مہینہ باقی ہیں اس میں پڑھ لو آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''چنانچہ وہ پانچ مہینہ میں نے نظام الدین کے حجرہ میں گزارے ہیں کہ خود مسجد کے رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں بجز ان دو لڑکوں کے کہ

جن کے ذمہ میری روٹی اور وضو کا پانی لانا تھا چنانچہ اسی دوران میں کاندھلہ سے میرے نکاح کا تار آیا تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ کافی مدت سے یہاں نہیں ہے اور نہ معلوم کہاں چلا گیا غرض اسی دوران میں نے بخاری شریف' سیرت ابن ہشام' طحاوی' ہدایہ فتح القدیر بالاستعیاب اس اہتمام سے دیکھیں کے مجھے خود حیرت ہے' اتفاق سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ ممتحن تجویز ہوئے اور تشریف لائے تو میرے جوابات دیکھ کر یہ لفظ فرمائے کہ ایسے جوابات مدرس بھی نہیں لکھ سکتا''۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۳۰)

شوال ۱۳۱۱ھ میں آپ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں دورہ حدیث پڑھنے حاضر ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت امام ربانی نزول الماء کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے' بہر حال یہ دورہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی وجہ سے شروع ہوا اور بہت سے حضرات کو اس دورہ میں آپ کے طفیل سے شرکت نصیب ہوئی اسی دورہ کی حضرت امام ربانی کی تقریر ترمذی آپ نے عربی میں قلم بند کی جو الکوکب الدری کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

الکوکب الدری باوجودیکہ مختصر ہے مگر مع شئی زائد وہ سب کچھ ہے جو مطولات میں ہے اس کے اوپر حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر العلوم نے حاشیہ لکھ کر اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔

سلوک و تصوف:

سلوک میں اصل چیز خدمت شیخ اور محبت شیخ ہے۔ اگر یہ چیز کسی مرید کو حاصل نہیں تو کچھ بھی حاصل نہیں۔ ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

چنانچہ ۱۳۱۱ھ میں آپ گنگوہ حاضر ہوئے لیکن ایک طالب علم بن کر ہی نہیں بلکہ ایک مرید اور سالک بن کر' چنانچہ آپ کو حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سے حد درجہ محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب تک آپ گنگوہ رہے تا حیات حضرت گنگوہیؒ کے پیشکار بن کر رہے۔ حضرت گنگوہی کی جب ظاہری بینائی ختم ہو گئی تو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کو فرمایا

کرتے تھے' یحییٰ اندھے کی لاٹھی ہے اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ کہیں چلے جاتے حضرت امام ربانی بے چین ہو جایا کرتے تھے' غرض کہ ۱۲ برس تک حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں اسی لاڈ و پیار سے رہے' حضرت امام ربانی سے بیعت ہو کر ذکر و شغل بھی شروع کر دیا تھا آپ کے سلوک کے حالات بیان کرتے ہوئے مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا ہے:

''رات کو آپ تنہائی میں مسجد کے حجرے کی چھت پر جا کر رویا کرتے تھے ایک دن مولانا محمد اسحٰق صاحب نہٹوریؒ نے آپ کو دیکھ لیا اور مزاحاً فرمایا' کیوں روتے ہو؟ کیا گھر والی یاد آ رہی ہے آپ نے آ کر دن میں حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا حضرت یہ ایسا کہتے ہیں تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی ایسا نہ کہا کرو''۔

حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے وہ عمامہ جو آپ کے سر اقدس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے باندھا تھا اور جس کو اصل پیچوں پر آپ نے سی لیا تھا' حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے سر اقدس پر یہ کہہ کر رکھ دیا:

''اس کے مستحق تم ہو میں آج تک اس کا محافظ اور امین تھا' الحمدللہ کہ آج حق کو حق دار کے حوالہ کر کے بار امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا''۔الخ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۳۱)

تدریس اور وصال:

۲۵ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مظاہر علوم کے ناظم بھی مقرر ہو گئے تھے اس وجہ سے مدرسہ کے لیے اسفار بھی کرنے پڑتے تھے' جس کی وجہ سے کتابیں آخر سال میں بہت کافی باقی رہ گئیں تو ۲۶ھ میں آپ نے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کو گنگوہ سے بلا لیا اور آپ نے آ کر ۱۸ دن میں تمام کتابیں ختم کرا دیں اور واپس گنگوہ تشریف لے گئے۔ ۲۷ھ میں بھی یہی کیفیت پیش آئی۔

۲۸ھ میں جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے مولانا کا قائم مقام بن کر مظاہر علوم میں درس حدیث دیا اور تنخواہ ایک پیسہ نہیں

لی بلکہ سب تنخواہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے گھر پہنچا دینا آپ کا عمل رہا۔ ۲۸ھ سے آپ مستقل مظاہر علوم میں پڑھانے لگے اور کبھی ایک پیسہ اجرت میں نہیں لیا اور ساڑھے پانچ سال بالکل مفت پڑھایا یہ صرف حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی ہی امتیازی شان ہے بالآخر ۳۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ بہت خوبیوں کے مالک تھے اور بہت بڑے صاحب کمال تھے علم وعمل کے پہاڑ تھے طلباء، وغرباء ومساکین اور حاجت مندوں کی خبر گیری اوران کی ہر ممکن امداد کرنا آپ اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو آٹھ ہزار روپیہ کے مقروض تھے جس کو آپ کے فرزندار جمند حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نے ادا کیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ العزیز کے بڑے صاحبزادے ہیں۔
سن ولادت ۱۱/ رمضان ۱۳۱۵ھ ہے اکثر و بیشتر کتابیں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ (پدر بزرگوار) سے پڑھی ہیں۔ اور قرآن شریف بھی ان ہی کے سامنے حفظ کیا ہے' فارسی کی ابتدائی کتابیں عم محترم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھیں آپ کے ایام طفولیت حضرت امام ربانی قدس سرہ کی بابرکت صحبت میں گزرے ہیں۔

شعبان ۳۴ھ میں آپ حدیث کے علاوہ تمام کتابوں سے فارغ ہو چکے تھے اور شوال ۳۴ھ میں جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حج کے لیے تشریف لے گئے تو دورہ حدیث بھی اپنے والد صاحب سے پڑھا خواہش یہ تھی کہ بخاری و ترمذی حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے پڑھیں۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد دوبارہ بخاری و ترمذی حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے پڑھی آپ کے مشہور اساتذہ مولانا محمد الیاسؒ صاحبؒ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ مولانا خلیل احمد صاحبؒ، مولانا عبداللطیف صاحبؒ مولانا عبدالوحید صاحبؒ ہیں ۳۵ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے آپ سے ابوداؤد کی شرح لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تو عرض کیا:

''ہاں حضرت ضرور شروع فرمائیں و نیز یہ بھی عرض کیا کہ حضرت یہ میری دعا کی قبولیت کا ثمرہ ہے' حضرت نے فرمایا یہ کیا؟ عرض کیا کہ والد صاحب نے جب مجھے مشکوٰۃ شریف شروع کرائی تو بڑے اہتمام سے غسل فرما کر دو رکعت نفل پڑھ کر شروع کرائی تھی اور بسم اللہ پڑھانے کے بعد دیر تک قبلہ رو طویل دعا مانگی تھی اس کا تو مجھے علم نہیں کہ انہوں نے کیا دعا مانگی تھی مگر میں نے اس وقت صرف ایک دعا دیر تک کی تھی کہ بار الٰہا اب مجھ سے حدیث شریف کا

مشغلہ ترک نہ ہو میں اپنی اس دعا کو از قبیل محالات سمجھ رہا تھا کیونکہ مدارس کا طرز یہی ہے کہ فارغ التحصیل طلبہ کو ابتداء سے درجہ بدرجہ کتابوں کا پڑھانا ہوتا ہے اور برسوں کے بعد حدیث کا درس دینے کی نوبت آتی ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ مجھے شروع میں حدیث کا سبق مل جاتا پس مراد پوری ہونے کی کوئی صورت تو سمجھ میں نہ آتی تھی مگر دعا یہی کرتا تھا' سواس سے بہتر کیا کہ حضرت شرح ابی داؤد شروع فرمائیں اور میں کتابوں کی تلاش اور تتبع اقوال و معانی میں لگا رہوں''۔ الخ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۸۵)

بہر حال آپ بذل المجہود کی تالیف میں برابر شریک رہے اور اس کے لیے بہت کام کیا گویا کہ اس کی تالیف میں آپ برابر کے .... شریک ہیں آپ کا تبحر فی الحدیث کس درجہ کا ہے۔ اس کے لیے صرف اتنا ہی اشارہ کافی ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب عنایت فرما کر اپنے مدرسہ مظاہر علوم کا شیخ الحدیث بنایا اور فرمایا:

''ماشاء اللہ مولوی زکریاؒ اس خطاب کے اہل ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ حدیث میں ان کو کتنا تبحر حاصل ہے الخ''۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۳۲)

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ پدر بزرگوار بھی شیخ الحدیث اور فرزند ارجمند بھی شیخ الحدیث:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

جس وقت حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا مدینہ منورہ میں وصال ہوا تو آپ وہیں ان کے پاس تھے وہ تمام روحانی نسبت جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو دربار رشیدی سے ملی تھی آپ کی طرف منتقل کر دی گئی' چنانچہ آپ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کے اجل و اعظم خلفاء میں سے ہیں اور کمالات رشیدی و خلیلی کے مجمع البحرین ہیں اور محرم ۱۳۳۵ھ سے مظاہر علوم میں خدمت تدریس انجام دے رہے ہیں اس وقت سے لے کر

الیٰ یومنا ہذا آپ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث ہیں اور کمال یہ ہے کہ والد بزرگوار کی طرح آپ بھی تنخواہ نہیں لیتے اور فی سبیل اللہ پڑھاتے ہیں اس وقت ہندوستان کے یکتائے زمانہ محدثین میں سے ہیں حدیث سے خاص تعلق اور انس ہے' فن حدیث میں اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ آپ کی معرکتہ الآراء تالیف ہے۔ ۱۳۴۴ھ میں قیام مدینہ منورہ کے زمانے میں اس کو لکھنا شروع کیا تھا اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے وصال سے پیشتر ہی اس کی تالیف سے فارغ ہو گئے۔

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک یہ وہ عجیب وغریب شرح ہے کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ ۶ ضخیم جلدوں میں یہ شرح ہے اس شرح میں آپ نے وہ سب کچھ بھر دیا ہے کہ جو کچھ متقدمین و متاخرین کے خزانوں میں تھا یہ کتاب لکھ کر آپ نے شائقین حدیث پر بہت بڑا احسان کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر آئندہ کسی نے فن حدیث پر قلم اٹھایا تو اس کے لیے اوجز المسالک سے امداد لینا ایک لابدی امر ہو گا۔

اس کے علاوہ فن حدیث میں تبلیغ کے لیے اردو زبان میں بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً خصائل نبوی ﷺ اردو شرح شمائل ترمذی' فضائل نماز فضائل تبلیغ' فضائل صوم' فضائل قرآن' فضائل حج' فضائل زکوٰۃ وصدقات وغیرہ ان رسالوں میں جس طرز کو آپ نے اختیار کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے' حقیقت یہ ہے کہ آپ اس طرز کے موجد ہیں۔

جو دعا آپ نے اللہ تعالیٰ سے زمانہ طالب علمی میں مانگی تھی' اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کیا اور علم حدیث میں لگائے رکھا اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(تذکرہ مشائخ دیوبند)

حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ، عالم، فقیہ، زاہد....... محمد علی بن عبدالعلی بن غوث علی حنفی نقشبندی کانپوری ہند کے مشہور فاضل علماء میں سے تھے۔

۳ شعبان ۱۲۶۲ھ میں کانپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی سے حاصل کی، پھر سید حسین شاہ کشمیریؒ سے پڑھتے رہے، بعدازاں مفتی لطف اللہ حنفیؒ سے کانپور میں رہ کر تمام درسی کتابوں کی تکمیل کی، پھر مدرسہ ''فیض عام'' کانپور میں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے، پھر سہارن پور پہنچے اور کامل ایک سال حضرت مولانا احمد علی حنفی سہارنپوری المحدث سے حدیث پڑھی اور سند حاصل کی۔ پھر عازمِ کانپور ہوئے۔ جوانی ہی میں حضرت کرامت علی قادری کالپوریؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی پھر حضرت مولانا فضل رحمٰن بن اہل اللہ مراد آبادیؒ سے بہت سے فیوض حاصل کر کے خلافت حاصل کی، عرصہ دراز تک ذکر واذکار میں لگے رہے۔ حجاز کا سفر کیا اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک سال تک مکہ مکرمہ میں رہے، ۱۳۲۰ھ میں ہندوستان واپس آئے، اور ''مونگیر'' چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، اور بہت ہی قبولیت حاصل کی، دوبارہ حجاز کا سفر کیا اور وہاں پورے دو سال تک رہے۔ واپس مونگیر آئے اور عبادت اور افادہ میں لگے رہے۔

اور انہوں نے ہی ۱۳۱۱ھ میں ''ندوۃ العلماء'' کی عربی مدارس کے احیاء اور نظام درس کی اصلاح کی خاطر بنیاد رکھی، انہوں نے اسلامی فرقوں کے مابین نزاع کو ختم کیا، اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کو روکا، اللہ نے ان کی کوششوں میں برکت دی، ندوہ کے اراکین نے ۱۳۱۷ھ میں لکھنو کے اندر ایک بہت بڑے مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اور یہ وہی مدرسہ ہے جس نے دارالعلوم کے نام سے شہرت پائی ہے، اللہ نے اس کے ذریعے

مسلمانوں کو نفع دیا۔

حضرت کی اپنی طالب علمی اور تدریس کے وقت سے جو کچھ گردو پیش میں ہو رہا تھا اس کی طرف پوری توجہ تھی' اس کا انہوں نے مکمل جائزہ لیا' انہوں نے عیسائی مشینریوں اور پادریوں کو عیسائیت کی نشرو اشاعت اور مسلمانوں کے عقیدہ اور دین میں شک ڈالتے ہوئے دیکھا' انہوں نے مسلمان جوانوں اور مسلمان بچوں کو خطرے میں دیکھا تو انہوں نے عیسائیت کا پورا مطالعہ کیا' عیسائی مشینریوں اور پادریوں کی ڈٹ کر تردید کی' اس کام کے لیے ایک رسالہ ''منشور محمدی'' جاری کیا جو پانچ سال تک جاری رہا' عیسائیت کے رد میں قابل قدر کتابیں لکھیں' ان میں مراۃ الیقین' آئینہ' دفع التلبیسات اور پیغام محمدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انہوں نے علماء کے آپس کے اختلاف اور مدارس کے قدیم نصاب سے ان کے چمٹے رہنے اور اس میں عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق کسی کمی بیشی اور اصلاح کی طرف راغب نہ ہونے کے باعث ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی' اور ندوۃ کے انتظامی امور اور اصلاح میں لگ گئے' ۱۳۲۱ھ میں مونگیر صوبہ بہار میں گوشہ نشین ہو گئے اور دنیا ہر طرف سے ان پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھی اور اصلاح و تربیت حاصل کرتی تھی وہ اس لحاظ سے مرجع تھے۔

اسی اثناء میں مونگیر میں قادیانیت کا چرچا ہوا۔ بہت سے طلبہ اور ملازم پیشہ حضرات کا عقیدہ ڈانوا ڈول ہونے لگا' مولانا اس کام کے خلاف اٹھے' اور مناظرے کیے اور قادیانیت کی تردید میں ہمہ تن لگ گئے اور سب کچھ لگا دیا' اور قادیانیت کے رد کو بہت ہی بڑی عبادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس کے رد میں ایک سو کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے چالیس تو ان کے اپنے نام سے باقی دوسروں کے نام سے چھپیں' ۱۳۳۰ھ میں علماء اہلسنت اور قادیانیوں میں ایک مناظرہ ہوا۔ اس کا مولانا نے بہت ہی اہتمام کیا تھا اس میں قادیانیت کو شکست فاش ہوئی اور فضا صاف ہو گئی۔ اہل بدعت کے رد میں بھی کتابیں لکھیں۔ ان سے بے شمار لوگ بیعت ہوئے اور روحانی تربیت حاصل

کی- کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ان سے چار لاکھ حضرات بیعت ہوئے' لوگوں کے اخلاق سنور گئے' اور ان کی دینی حالت ٹھیک ہوگئی- اپنی زندگی کے آخری حصہ میں' ان پر محبت و استغراق کا غلبہ رہا........ تاثیر بڑھی اور برکت میں اضافہ ہوا-

مولانا محمد علیؒ اللہ والے عالم' بڑے مصلح اور بڑی قوی نسبت کے بزرگ تھے' ان کے پیرو مرشد مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ ان کی بہت ہی تعریف کیا کرتے اور فرماتے تھے کہ ان کی روح متقدمین کی ارواح میں سے باقی رہ گئی' اور ان جیسے لوگ ہر زمانے میں کم ہوئے ہیں-

عالم باعمل تھے' انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے بہت کام کیا- علم اور دین کی شان بلند کی' ان میں اسلامی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی- صحیح عقیدہ کے دفاع میں ان کی حمیت کا کیا کہنا- جس چیز سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ ہوتا اس میں لگے رہتے' مریدین کو خوب نوازتے' نہایت ہی متبع سنت تھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان میں بہت زیادہ تھی- ان کی بہت سی کرامات بیان کی جاتی ہیں-

بڑے متین اور سنجیدہ اور باوقار تھے' قد لمبا اور رنگ گندمی تھا' پیرا کی میں تاک تھے' قرآن مجید بڑے سوز سے پڑتے تھے' بہت ہی نفاست پسند تھے' بڑے شرم و حیا والے تھے' شب بیدار تھے-

ان کی تصانیف بہت ہیں' ان میں عیسائیت کے رد میں ''پیغام محمدی'' اور قادیانیت کے رد میں ''فیصلہ آسمانی'' بہت ہی عمدہ کتابیں ہیں- اسی طرح اپنے شیخ فضل رحمٰنؒ کے اقوال و تعلیمات میں ''ارشاد رحمانی'' بھی عمدہ کتاب ہے- ندوۃ العلماء کی حمایت میں ان کے بہت سے مقالات بھی ہیں- ۸/ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں وصال ہوا' اور مونگیر کی خانقاہ میں دفن کیے گئے-[1] حضرت سیدی نفیس شاہ

---

[1] مولانا حکیم عبدالحی' نزہۃ الخواطر' ج ۸ ص ۴۴۵' ۴۴۹ کا عربی سے اردو میں ترجمہ

صاحب نے ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ/۱۳ستمبر ۱۹۲۷ء لکھی ہے- مکہ مکرمہ کے عرصہ قیام میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے خوب خوب استفادہ کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی-

قاری بسم اللہؒ لکھتے ہیں:

''آپ نے قاری حافظ محمد علی کانپوریؒ سے تجوید وقراءت سیکھی- تجوید وقراءت سے اس قدر شغف تھا کہ ہر طالب علم کو تجوید سیکھنے کی تاکید کرتے' جو طالب علم فارغ التحصیل ہو کر حضرت سے ملنے آتا اس کے آگے قرآن رکھ دیتے کہ کچھ سناؤ' اگر وہ تجوید سے پڑھتا تو خوش ہوتے ورنہ تاکید کرتے کہ تجوید صاف کر لو- اچھے قاریوں سے قرآن مجید سننے کا شوق تھا شیخ القراء عبدالرحمٰن مکی[1] سے

---

[1] شیخ القراء عبدالرحمٰن بن محمد بشیر خاں کا اصل تعلق قصبہ قائم گنج ضلع فرخ آباد (یوپی) سے تھا' ان کے والد گرامی ۱۲۸۳ھ میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے ان کے تین فرزند...... محمد عبداللہ' محمد عبدالرحمٰن اور محمد حبیب الرحمٰن تھے والد نے تینوں فرزندوں کو مکہ مکرمہ میں تعلیم دلوائی' قاری محمد عبداللہ نے مقری ابراہیم سعد مصری سے قراءت عشرہ کی سند لی' پھر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں شیخ التجوید مقرر ہوئے- اور آخر عمر ۱۳۳۲ھ تک خدمت تدریس قرآن میں لگے رہے' پھر ان کا فیض سارے عالم میں پھیلا- آپ ہی سے آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے قراءات عشرہ سیکھیں' قاری عبدالرحمٰن ۱۳۰۰ھ کے لگ بھگ کانپور آئے اور تدریس شروع کی' پھر الہ آباد میں پڑھاتے رہے' یہاں طلبہ کم تھے' دل نہ لگا اور اگلے دن واپس مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کر لیا-

رات خواب میں زیارتِ رسول اکرم ﷺ سے مشرف ہوئے' آپؐ نے فرمایا:

''عبدالرحمٰن! تم ہندوستان ہی میں رہو' ہمیں تم سے بہت کام لینا ہے''-

پھر ساری زندگی اسی خدمت میں لگا دی' پورا ہندوستان مستفید ہوا' آپ بہت مشہور تھے آج پاک و ہند میں یہ فن انہی کے شاگردوں سے قائم و دائم ہے-

(تذکرہ قاریان ص ۳۲۷)

آپ کو خلوص تھا جب بھی وہ مونگیر آتے تو ان سے قرآن مجید سن کر بہت محظوظ ہوتے''۔

اولاد میں ایک عالم فرزند...... مولانا قاری منت اللہ ہیں۔[1]

---

[1] مولانا قاری منت اللہ ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔

علوم کی تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کی علم قراءت کی تحصیل قاری عبدالخالق سہارنپوری' قاری عبدالعزیز اور قاری عبدالوحید دیوبندی جیسے اساتذہ سے کی۔

فراغت کے بعد خانقاہ رحمانی میں اپنے والد بزرگوار کے جانشین کی حیثیت سے خلق خدا کی روحانی اصلاح میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی جامعہ رحمانی میں جاری رکھا آپ بہار' اڑیسہ کے امیر شریعت بھی ہیں' عالمی موتمر اسلامی قاہرہ اور موتمر رابطہ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے جن کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ۱۳۷۴ھ سے رکن چلے آ رہے ہیں۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ خانقاہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مکان شریف ضلع گوجرانوالہ سے فیضیاب تھے- پنجاب میں اولیائے سلف کا نمونہ تھے-

عاشق ربانی شیر یزدانی حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت میں مکان شریفی سلسلے کے آفتاب تھے آپ خواجہ امیر الدین صاحب کوٹلوی کے مرید باصفا اور خلیفہ اعظم تھے- حضرت خواجہ امیر الدینؒ قطب ربانی حضرت سید امام علی شاہ صاحبؒ کے مرید باصفا اور قدوۃ الابرار حضرت سید صادق علی شاہ صاحبؒ کے خلیفہ مجاز تھے-

حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ اپنے نقشبندی مشائخ کرام کے قدم بقدم سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عامل تھے- بات بات پر فرماتے کہ ہم فقیری وفیری نہیں جانتے- ہم تو صرف اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اپنا فرض خیال کرتے ہیں- (مقدمہ خزینہ معرفت ص ۱۷)

جس طرح خود معمولات اور اتباع سنت پر عزیمت رکھتے تھے اسی طرح سب یاران طریقت اور جاں نثارانِ الفت سے توقع فرماتے تھے اگر کسی کو اس کے برخلاف دیکھ پاتے تو پورے طیش میں آ کر تنبیہ فرماتے- (خزینہ معرفت ص ۱۸۵)

> ''ایک دفعہ حضرت میاں صاحبؒ مکان شریف تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کو مزار پر سجدہ کرتے دیکھا' وہ شخص الٹ کر گر پڑا- آپ جس مزار پر جاتے قبر کو ہاتھ تک نہ لگاتے- چپکے کھڑے رہتے یا بیٹھ جاتے- شریعت کے خلاف کوئی حرکت دیکھتے تو نہایت غصے میں آ جاتے''-

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب حاضر ہوئے اور تغیر زمانہ کی گفتگو ہونے لگی تو مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حدیث شریف میں بھی ایسا ہی آیا ہے کہ قیامت کے وقت مسجدیں بہت ہوں گی اور نمازی کم اور فسق و فجور کا اس قدر زور ہوگا کہ اسلام کا صرف نام

ہی رہ جائے گا- حدیث شریف کے مطابق سب کچھ ہوگا ہی- آپ نے فرمایا:

''مولوی صاحب اگر نہر جاری ہو اور اس میں جا بجا سوراخ ہو کر پانی ادھر ادھر بہنا شروع ہو جائے تو کدال لے کر ان سوراخوں کو بند کرنا چاہیے یا زیادہ فراخ کرنا چاہیے''-

یہ سن کر مولوی صاحب حیران ہوئے اور جواب دیا کہ اس حالت میں تو سوراخوں کو بند کرنا چاہیے- تب آپ نے فرمایا:

''اس وقت سنت کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے ایسے گئے گزرے وقت میں جو شخص سنت کی نگرانی کرے گا حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ قیامت کو میرے ساتھ ہوگا' بلکہ اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا''- (خزینہ معرفت ص ۱۴۲)

مشربِ عالی:

ایک دفعہ کا ذکر ہے بندہ حضرت میاں صاحبؒ کے ہمراہ مکان شریف عرس کے موقع پر گیا سردی کا موسم تھا بعد نماز عشاء آپ ایک مکان پر تشریف فرما ہوئے اور تمام یار مراقبہ اور ذکر میں مشغول تھے- لاہور کا ایک نعت خواں آیا- اس نے نعت پڑھنے کی اجازت چاہی- آپ نے نیم رضا مند ہو کر اجازت دے دی- جب اس نے نعت پڑھی تو بعد میں آپ نے بندہ سے فرمایا کہ میں کیا کروں کہ اس کے پڑھنے سے میری طبیعت بدل گئی- پھر آپ نے مسجد میں نعت خوانی اور غزل خوانی بند کر دی- اس سے پہلے آپ کی مسجد میں نعت خوانی غزل خوانی ہوا کرتی تھی اور آپ سنا کرتے تھے اور خود بھی بہت شعر پڑھا کرتے تھے-

آپ نعت خوانوں کو نعت کی کاپیاں لکھ کر دیا کرتے تھے- جب آپ کا مشرب تبدیل ہو گیا تو آپ کی مجلس شعر و اشعار سے خالی ہو گئی اور آپ ہر وقت قال اللہ قال الرسولؐ ہی فرمایا کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی تعریف نظموں اور لفظوں میں نہیں ہے بلکہ حال میں ہے- تم ایسے بن جاؤ کہ تمہارا ہر فعل' ہر قول' ہر حرکت' ہر عمل سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہو- بعض بے سمجھ کہہ دیتے کہ یہ مسجد

وہابیوں کی ہے۔(خزینہ معرفت ص ۳۱۷)

مشرب عالی کی اس تبدیلی نے حضرت میاں صاحب کو اتباع سنت نبوی ﷺ کے اس مقام رفیع پر فائز کر دیا جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا خاص حصہ ہے لیکن اہل بدعت کب خاموش رہ سکتے تھے انہوں نے حسب عادت حضرت میاں صاحب کو وہابی اور ان کی مسجد کو وہابیوں کی مسجد قرار دیا۔

حضرت میاں صاحب شرقپوری مسلکاً و مشرباً نقشبندی مجددی تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں بے پناہ عقیدت و ارادت تھی اور انہی کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ربانی کے مکتوبات مبارکہ سے ان کا مسلک اتباع سنت و تردید بدعت واضح کر دیا جائے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرزند ارجمند شیخ محمدؒ صادق سرہندی کو تحریر فرماتے ہیں:

''نور سنت کو ظلمات بدعت نے (اس وقت) مستور کر رکھا ہے اور رونق ملت مصطفویہ ﷺ کو کدوراتِ امور محدثہ نے ضائع کر رکھا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ (مسلمانوں کی) ایک جماعت ان بدعات کو امور مستحسنہ میں سے سمجھتی اور حسنات شمار کرتی ہے۔ نیز تکمیل دین ان بدعات کے ذریعے ڈھونڈ رہی ہے اور ان امور بدعت کو ادا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے۔ اس جماعت کو شاید معلوم نہیں کہ دین تو ان بدعات کے ظہور سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے نعمت خداوندی تمام ہو چکی اور دین اسلام کو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی''۔

حضرت میاں صاحبؒ اتباع سنت و شریعت کو بے حد ملحوظ رکھتے تھے۔ اسی قدر مشترک کی وجہ سے انہیں اپنے معاصر علماء و مشائخ میں بزرگان دیوبند کے ساتھ ایک خاص تعلق خاطر تھا' چنانچہ ''خزینہ معرفت'' کے باب ۱۲ میں ''ذکر مخلصین'' کے تحت حضرت میاں صاحب کا مشہور الہامی جملہ ''دیوبند میں چار نوری وجود بطور عنوان مندرج ہے۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب مؤلف ''خزینہ معرفت'' کی موجودگی میں حضرت میاں صاحبؒ

نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا' صوفی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مولانا مولوی انور علی شاہ صاحب صدر مدرسہ دیوبند ہمراہ مولوی احمد علی صاحب مہاجر لاہوری شرقپور شریف حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی ارادت سے ملے- آپ ان سے کچھ باتیں کرتے رہے اور حضرت شاہ صاحب خاموش بیٹھے رہے- پھر آپ نے مولانا انور شاہ صاحب کو بڑی عزت سے رخصت کیا- موڑ د کے اڈے تک خود سوار کرانے کے لیے ساتھ تشریف لائے- شاہ صاحب نے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''آپ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں''- آپ نے ایسا ہی کیا اور رخصت کر کے واپس مکان پر تشریف لے آئے- بعد ازاں آپ نے بندہ سے فرمایا: ''شاہ صاحب بڑے عالم ہو کر اور پھر میرے جیسے خاکسار سے فرما رہے تھے کہ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں اور میاں صاحب نے فرمایا: ''کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں' ان میں سے ایک شاہ صاحب ہیں''- ص ۳۸۴

مولانا محمد بہاؤ الحق قاسمی مدظلہ نے اپنے رسالہ ''اسوۂ اکابر'' میں مولانا عبدالحنان ہزاروی سابق خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور ریلوے سٹیشن (بعدہ خطیب صدر راولپنڈی) تلمیذ حضرت مولانا محمد انو شاہ کشمیری کی زبانی اس واقعہ کی کچھ تفصیل لکھی ہے- فرماتے ہیں:

''مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی خطیب صدر راولپنڈی نے مجھ (راقم الحروف قاسمی) سے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبند سے کشمیر جاتے ہوئے رونق افروز لاہور ہوئے (مولانا عبد الحنان صاحب اس سفر میں شاہ صاحب کے ہمراہ تھے) تو حضرت میاں صاحب شرقپور کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حضرت میاں صاحب کے شوق ملاقات کا تذکرہ کیا تو شاہ صاحب نے سفر کشمیر سے واپسی پر شرقپور شریف تشریف لے جانے کا وعدہ

فرمایا اور جب آپ کشمیر سے واپس لاہور تشریف لائے تو ان ہی صاحب نے وعدہ کی یاد دہانی کرائی چنانچہ آپ شرقپور تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بھی مولانا عبدالحنان صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی ہمراہی کا شرف حاصل رہا۔ حضرت میاں صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ انتہائی اکرام و احترام کا معاملہ فرمایا بلکہ حضرت شاہ صاحب کو چند نقد روپے اور چند کپڑے بھی بطور ہدیہ پیش کیے اور رخصت کے وقت سواری پر سوار کرنے کے لیے باہر تک تشریف لائے''۔ (اسوۂ اکابر ص ۲۰ تا ۳۰)

خود مولانا عبدالحنان ہزارویؒ نے اپنے ایک مضمون میں اس واقعے کو مزید تفصیل سے تحریر فرمایا ہے یہ مضمون ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے ماہ جون ۱۹۶۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

فرماتے ہیں:

''حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ کی خدمت میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی ہمرکابی میں حاضری ہوئی تو اس وقت میاں صاحب مکان کی بالائی منزل پر تشریف فرما تھے۔ حضرت کے خدام نے حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت میاں صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ آپ جب اوپر سے تشریف لاتے ہیں تو بیٹھے ہوئے مہمان ان کے استقبال و اکرام کو کھڑے نہیں ہوتے آپ خود ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں''۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کہ ویسا ہی کریں گے جیسا میاں صاحب کا طریقہ ہے۔ چنانچہ حضرت میاں صاحبؒ اطلاع ہونے پر تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے مصافحہ کیا پھر چار پانچ منٹ تک خاموش رہے پھر فرمایا:

''میں خداوند کریم کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں جس نے ایک مدت کی تمنا کو آج پورا کر دیا''۔

اس کے بعد حضرت میاں صاحبؒ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ اور دیگر اکابر علماء دیوبند کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''ان حضرات کو اب کہاں ڈھونڈھیں''۔

آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ایک خط کا بھی ذکر کیا اور فرمایا:

''میرے پاس موجود محفوظ ہے''۔

حضرت میاں صاحبؒ نے دو کپڑے (کرتہ، تہبند شاید پگڑی بھی لیکن پورا یاد نہیں) اور پانچ روپے کرتے کی جیب میں ڈال کر حضرت شاہ صاحب کو ہدیہ پیش کیا۔ اور ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت شاہ صاحب کو رخصت کرنے کے لیے بنفس نفیس موٹروں کے اڈہ تک تشریف لائے۔ص ۳۸

اڈے سے اپنی خانقاہ کو لوٹتے ہوئے حضرت میاں صاحبؒ نے ''دیوبند میں چار نوری وجود'' والا الہامی جملہ ارشاد فرمایا۔ جو اس وقت موجود بہت سے لوگوں نے سنا ''خزینہ معرفت'' کی اشاعت اول ۱۳۵۰ھ میں یہ ملفوظ مبارک موجود ہے۔

بعد کی اشاعتیں جناب میاں غلام احمد صاحبؒ اور جناب میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری کے اہتمام سے ہوئی ہیں۔ انہوں نے یہ اور چند دیگر ملفوظ مبارک اس کتاب میں سے حذف کر دیئے ہیں۔

واضح رہے کہ ''خزینہ معرفت'' حضرت میاں صاحب شرقپوری قدس سرہ کے یار غار مولانا صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری نقشبندیؒ کی تالیف ہے اور حضرت میاں صاحبؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد عمر بریلویؒ نے اس کی عبارت حاشیہ اور ترتیب کا کام انجام دیا تھا۔ (خزینہ معرفت ص ۴)

انسانی کلام میں ترمیم و تنسیخ کا شکوہ کیا کیجئے کہ قرآن حکیم سے پہلے کے صحف آسمانی میں کیا کیا قطع و برید سے کام نہیں لیا گیا۔

حضرت میاں صاحب قدس سرہ کے اخلاف کرام کو ان کی فراست و بصیرت ایمانی اور صدق مقال و تاثیر کلام پر پورا اعتقاد و یقین ہونا چاہیے۔ خدا گواہ اپنا تو یہ عقیدہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ ولی کی زبان سے نکلا ہوا یہ الہامی جملہ:

"دیوبند میں چار نوری وجود"

کسی کے مٹائے نہ مٹ سکے گا۔ ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

انجمن ارشاد والمسلمین لاہور قابل صد مبارک باد ہے کہ اب اسے خزینہ معرفت کا مکمل و غیر محرف نسخہ شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ انجمن کے کار پردازوں کو بہترین جزا سے نوازے۔

الغرض آپ ایک ولی کامل تھے اور ۱۴۲۷ھ میں وصال فرمایا تھا۔

(ماخوذ ماہنامہ الرشید لاہور)

حضرت مولانا مفتی پیر غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ[1]

حضرت مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے ابتدائی کتابیں اپنے بزرگ ماموں مولانا پیر احمد اللہ صاحبؒ قاسمی (متوفی ۱۳۰۴ھ) سے پڑھیں۔

ابتدائی کتب کے بعد آپ نے باقی تمام منقولات ومعقولات اور علوم وفنون کی کتابیں اپنے بزرگ چچا علامہ غلام رسول قاسمیؒ سے پڑھیں۔ تکمیل وتحصیل علوم کے بعد آپ نے اپنے بزرگ چچا کی سرپرستی میں درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور تحریر وتسوید کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی علمی وعملی صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے استاد کے جانشین قرار پائے اور آخر دم تک جانشینی کے فرائض بحسن وخوبی سرانجام دیتے رہے۔

صورت وسیرت:

آپ میانہ قد، گھنی اور خوبصورت داڑھی رکھتے تھے۔ رنگ گورا تھا۔ آنکھیں اور ناک نہایت دلکش، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے۔

> ''میں جن دنوں حضرت مفتی غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ سے سبق پڑھا کرتا تھا تو میں کتاب سے زیادہ مفتی صاحب کی آنکھوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ جن میں غضب کی نورانیت اور کشش تھی''۔

بڑھاپے میں بھی آپ بے حد خوبصورت تھے۔ اس حسن صورت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن سیرت سے بھی نوازا تھا۔ اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ مروت اور مہربانی کا معاملہ فرماتے۔ مسجد سے مکان اور مکان سے مسجد تک آنے جانے میں غض بصر کے حکم کی پابندی کرتے۔ آپ کو دائیں بائیں تاکنے جھانکنے کی

---

[1] تذکرۂ اسلاف ص ۱۴۰، از محمد بہاء الحق قاسمی خطیب جامع مسجد ماڈل ٹاؤن لاہور۔

عادت نہیں تھی۔

آپ کی محبوبیت:

آپ کے ان نیک خصائل کے باعث امرتسر کے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اہل محلّہ کا یہ اعتقاد تھا کہ:

''ہمارے بچے بیمار ہوتے ہیں تو آپ کی دعا اور دم کی برکت سے تندرست ہو جاتے ہیں''۔

لوگ آپ کو صرف عالم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک درویش صفت بزرگ کی حیثیت سے جانتے تھے۔

قناعت و استغناء:

آپ امرتسر کے ایک کم رونق محلے (بازار کمہاراں) میں شہر کے مرکزی حصے سے دور ہمیشہ گوشہ نشین رہے۔ استغناء قناعت' گوشہ نشینی اور سادگی آپ کی سیرت کے اجزاء ہیں۔ غرباء کے ساتھ آپ کا سلوک بہت عمدہ تھا۔ طمطراق اور شان اور دکھاوے سے آپ کو سخت نفرت تھی۔

درس و تدریس:

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ پڑھنے پڑھانے میں بسر ہوا۔ تحصیل و تکمیل کے بعد انفرادی طور پر طلبہ کو لوجہ اللہ پڑھاتے رہے۔ کبھی بھی کسی سے کوئی معاوضہ نہ لیا۔ مدرسہ نصرۃ الحق حنفیہ میں کار اہتمام سالہا سال تک بلا معاوضہ انجام دیا۔ پوری جوانی اور بڑھاپے کا غالب حصہ اسی مخلصانہ جدوجہد میں گزارا۔ لیکن جب اہل و عیال میں اضافہ ہوا تو بعض علماء کے اصرار پر اہتمام مدرسہ سے مستعفی ہو کر صدر مدرس مدرسہ مذکور کی حیثیت سے کام کرنا اور مشاہرہ لینا منظور فرمایا۔ مگر کچھ عرصہ بعد آپ کی بصارت کمزور ہو گئی تو صدر مدرسی سے بھی مستعفی ہو گئے۔ آنکھ کا آپریشن کرانے کے بعد بھی مطالعہ کا شغل جاری رہا۔ اور جب نقاہت بڑھ گئی تو آپ نے سوائے ذکر اللہ کے سب مشاغل ترک فرما دیئے تھے۔

فتویٰ نویسی:

درس و تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی آپ کا ایک مستقل شغل تھا۔ اس سلسلے میں آپ مرجع انام تھے۔ ملک کے تقریباً ہر حصہ سے آپ کی خدمت میں استفتاء آتے جن کے محققانہ جوابات تحریر فرماتے۔ اگر آپ کے فتاویٰ کو جمع کیا جاتا تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو جاتا۔

تصنیفات:

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کی ذمہ داری پوری پابندی کے ساتھ جاری تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیا۔ مندرجہ ذیل چند رسائل تصنیف فرمائے۔

۱۔ الرسالۃ الجلیلہ فی اثبات الوسیلہ۔ یہ رسالہ عربی زبان میں تھا جس کا اردو ترجمہ مولانا نور بخش توکلی مرحوم نے کیا تھا۔

۲۔ تکمیل الابصار بمولد سید الابرار۔

۳۔ زبدۃ البھانۃ فی مسائل الرضاعۃ۔

۴۔ سرور المحزون' اس اردو رسالہ میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے تھے جو بنارس کے ایک مولوی صاحب نے فقہ حنفی اور سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر کیے تھے۔

۵۔ ''تحفہ آسمانی'' مسئلہ تقدیر کے موضوع پر تھا۔

۶۔ مجمع النہرین۔ اس عربی رسالہ کے دو موضوع تھے۔ پہلے حصہ میں حدوث عالم کو عقلی دلائل سے ثابت فرمایا تھا اور دوسرے حصہ میں علم غیب نبی اکرم ﷺ پر بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے زیادہ مغیبات کا علم عطا فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود لفظ عالم الغیب'' کا اطلاق اور علم محیط اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے''۔

۷۔ ''احسن التقریر فی مسئلہ التکفیر '' یہ رسالہ عربی زبان میں تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ ضروریات دین کا انکار اور قطعیات میں تاویل کفر ہے اور اس کے ساتھ لزوم کفر اور

التزام کفر کا فرق واضح فرمایا تھا اور یہ بھی واضح کیا تھا کہ جن فرقوں نے ضروریات دین کا انکار و استخفاف کیا ہے وہ تاویل و تلبیس کا لبادہ اوڑھنے کے باوجود بھی حکم تکفیر بمعنی خروج عن الاسلام سے نہیں بچ سکتے مثلاً مدعیان نبوت اور ان کے پیرو۔

۸- مسئلہ طلقات ثلثہ (اردو) اس رسالے کا موضوع اس کے عنوان سے ظاہر ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا تھا کہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی حتیٰ کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ بلکہ جمہور محدثین رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے کہ ایک دفعہ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں اور یہی مذہب حق ہے۔

۹- پوتے کی وراثت: (اردو) اس رسالے کے دو نمبر الگ الگ شائع ہوئے تھے جن میں پوتے کی وراثت کے متعلق امت مسلمہ کے متفق علیہ موقف کے حق میں دلائل دیئے گئے تھے اور ملحدین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا۔

۱۰- ترجمۃ الالہام الصحیح: یعنی حضرت مولانا مفتی غلام رسول صاحب قاسمی کی مایہ ناز تصنیف ''الالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح'' کا اردو ترجمہ ہے جو اصل کتاب کے ساتھ ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوا تھا۔

۱۱- جرح و تعدیل: اس اردو رسالے میں بتایا گیا تھا کہ ''بعض الناس'' نے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر جو جرح کی ہے وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

۱۲- معجزہ و نیچر: اس رسالہ میں سر سید احمد خان کے خیالات متعلقہ معجزات پر آیات قرآنیہ کی روشنی میں تنقید کی گئی تھی۔

ان تصنیفات کے علاوہ آپ ؒ کے مضامین بعض مذہبی جرائد میں شائع ہوتے تھے۔ رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور میں آپ ؒ کے مضامین اور فتاویٰ بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

چند سال تک آپ رسالہ ''انوار محمدی'' کے مرتب و مدیر بھی رہے۔ آپ اس ماہنامہ کے ذریعہ عیسائی مشنریوں، آریہ سماجی پرچارکوں اور مرزا غلام احمد قادیانی اور نیچریوں کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔

مسلک ومشرب:

آپ مذہباً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے- اجتہادی مسائل میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو ضروری جانتے تھے-

بیعت:

آپ کی بیعت خواجہ دین محمد صاحب عرف حضرت ملا صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ چورہ شریف ضلع کیمبل پور متوفی (۱۳۲۵ھ) فرزند ارجمند و خلیفہ ارشد حضرت خواجہ نور محمد صاحب عرف حضرت بابا جی تیراہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۸۶ھ) سے تھی- چاروں سلسلوں کی اجازت اور سند خلافت آپ کو مرشد کامل کی طرف سے حاصل تھی-

رحلت:

تخمیناً آپ کی عمر اسی برس کے لگ بھگ تھی جب آپ کو نمونیہ کا عارضہ لاحق ہوا ڈاکٹری علاج ہوتا رہا مگر افاقہ نہ ہوا آخر چند روز بیمار رہ کر بتاریخ یکم محرم ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب کو اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرما گئے اور جمعرات کے دن مسجد جامع حنفیہ محلہ کمہاراں کے احاطہ میں دفن کیے گئے- انا للہ وانا الیہ راجعون- اس مسجد کو اب گوردوارہ بنا دیا گیا ہے- مگر حضرت مفتی صاحب کی قبر ابھی تک محفوظ ہے-

تقریباً بیس ہزار آدمی جنازہ میں شریک تھے- حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ حضرت مفتی صاحب کی تعزیت کے لیے دیوبند سے امرتسر تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے مجمع عام میں آپ کے خلف الرشید مولانا محمد بہاء الحق صاحبؒ قاسمی کی دستار بندی فرمائی-

تلامذہ:

حضرت مفتی صاحبؒ اردو' پنجابی اور کشمیری تینوں زبانوں میں یکساں روانی' شگفتگی اور بے تکلفی کے ساتھ درس دیتے تھے- اس لیے آپ کے حلقہ تلامذہ میں پنجابی' ہندوستانی' کشمیری' بنگالی' مدراسی' اور پٹھان طلبہ شریک ہوتے تھے- آپ کے تلامذہ میں

مندرجہ ذیل مشہور حضرات شامل ہیں:

(۱) مولانا مفتی عبدالکبیر صاحب کشمیریؒ (۲) مولانا مفتی سید عنایت اللہ شاہ صاحب مرحوم ابن مولانا سید عزیز اللہ صاحبؒ کریری کشمیری (۳) مولانا ولی اللہ شاہ کشمیریؒ (۴) مولانا حکیم غلام قادر شاہ کشمیری مرحوم (۵) مولانا حکیم سید نورالدین گیلانی مرحومؒ (۶) مولانا حکیم سید زین العابدین شاہ مرحومؒ ریاست میسور (۷) مولانا عبداللہ میر صاحب کشمیری (۸) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور (۹) حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ (۱۰) حضرت صاحبزادہ مولوی احمد شاہ صاحب چورویؒ (۱۱) مولانا مفتی عبدالرحمٰن ہزاروی مرحوم و مغفور (۱۲) مولانا عبدالرحیم صاحب امرتسری مرحوم (۱۳) مفتی محمد شاہ صاحب سعادت مرحوم مورخ کشمیر (۱۴) مولانا مفتی پیر اصغر شاہ صاحب مرحوم مدرس اعلیٰ و مفتی کشمیر (۱۵) مولانا حکیم یوسف شاہ صاحب (۱۶) مولانا سیف الدین صاحب مرحوم (۱۷) مولانا غلام رسول کریم آبادی (۱۸) مولانا حافظ عبدالغنی مرحوم سابق خطیب شملہ انڈیا (۱۹) جناب مفتی محمد ضیاء الدین صاحب ضیاءؔ (۲۰) مولانا عبدالکریم صاحب سابق امام مسجد سکندر خاں (۲۱) مولانا غلام محی الدین صاحبؒ (۲۲) مولانا پیر احمد اللہ مرحوم (۲۳) مولوی سراج الدین احمد صاحبؒ پال (۲۴) حکیم حاجی علی محمد صاحبؒ امرتسری (۲۵) بابا عبداللہ شاہ عرف گھوڑے شاہؒ (۲۶) مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحبؒ۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی)

حضرت مولانا حافظ محمد صالح جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۹ھ - ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

ولادت:

آپ عظمت بن روشن دین کے فرزند ہیں، رائے پور تحصیل نکو در ضلع جالندھر میں ۱۲۷۹ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ گجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

تعلیم:

مولانا محمد ساکن کوٹ بادل خان سے تعلیم پائی۔ اور پھر تدریس کرتے رہے۔

مولانا محمد انوریؒ لکھتے ہیں:

میرے والد مجھے حضرت حافظ صاحبؒ کی خدمت میں چھوڑ آئے تھے، میں حضرت کے گھر میں رہتا تھا، حضرت مجسم شفقت تھے، بہت کم گو، ہر وقت چپ رہتے تھے۔ تھوڑی سی بات کر کے خاموش ہو جاتے تھے۔ حضرت کی عبادت کا ایک چھوٹا حجرہ گھر میں بنا ہوا تھا، جس میں ان کی چار پائی اور ایک طرف چوکی پر جائے نماز بچھی رہتی تھی، اکثر دروازہ بند رہتا تھا۔ فجر کی نماز باجماعت پڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور اشراق کے بعد کھولتے اور خدام کو تلقین فرماتے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا تھا کہ پنجاب کے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں جب ان کے پاس حافظ محمد صالح صاحبؒ موجود ہیں۔ محمد صالح بھی رشید احمد ہی ہے۔ اللہ اکبر! بڑا ہی اعتماد تھا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے دوسرے حج میں ان کے ہمراہ تھے، حافظ صاحب جہاز میں ہر وقت الگ بیٹھے ہوئے پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔

مولانا عبداللہ فاروقی نے مجھے بتایا کہ میں ایک بار گنگوہ حاضر ہوا، حضرت

حافظ صاحب کا پتہ کیا' معلوم ہوا کہ فلاں مسجد میں رہتے ہیں- وہاں پہنچا تو حافظ صاحب ذکر کر رہے تھے- الا اللہ کی ضرب اتنی زور سے لگاتے تھے' لگتا تھا کہ تمام مسجد کانپ رہی ہے- جب فارغ ہوئے تو حاضری دی فوراً اٹھے اور سینے سے لگالیا-[1]

جامعہ رشیدیہ کی تاسیس:

جامعہ رشیدیہ جالندھر کے موسس آپ ہی ہیں- مولانا کی زندگی عبادت و ریاضت' درس وتدریس اور تعلیم وتربیت میں گزری' ان سے بہت سوں نے استفادہ کیا-

وصال:

چھ شوال ۱۳۳۹ھ[2] کو آپ کا وصال ہوا' اور اپنے گاؤں سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر دوسرے گاؤں دوسنگھ تحصیل پھلور ضلع جالندھر میں دفن کیے گئے اور وہ اس وجہ سے کہ اپنے گاؤں میں دریا کی وجہ سے سطح زمین مرتفع نہ تھی- وصال کے وقت عمر تقریباً ساٹھ سال تھی-

اولاد:

اولاد نرینہ میں دو عالم و فاضل فرزند' مولانا عبدالعزیز اور پیر جی عبداللطیف ہیں-

مولانا عبدالعزیز صاحب ۱۳۱۶ھ میں پیدا ہوئے- اپنے والد صاحب' مولانا فضل احمد صاحبؒ اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی- دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں امام العصر مولانا محمد انور کشمیریؒ اور دیگر اساتذہ سے پڑھا اور سند الفراغ حاصل کی- حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مجاز ہوئے- حضرت رائے پوری نے ان کی بابت فرمایا:

---

[1] مولانا محمد انوری' مولانا عبدالقادرؒ کے خلفاء ص ۱ ور ذکر مولانا عبدالعزیزؒ-

[2] یہ حالات راقم الحروف کو حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سے بار بار لکھ کر حاصل ہوئے اور تاریخ وفات بھی ارسال فرمائی- فجزاہ اللہ خیراً- حافظ غلام فرید صاحب نے احوال العارفین ص ۲۳۹ پر ان کی تاریخ وفات غالباً ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۸ء لکھی ہے جو درست نہیں ہے-

"ہم تو مولوی عبدالعزیز کے اس دن سے قائل ہیں جب انہوں نے اپنے گرامی قدر صاحب جائیداد والد صاحب کی وفات کے موقع پر کہا تھا کہ والد صاحب کی ساری جائیداد اور ترکہ بہن اور بھائی کے لیے چھوڑتا ہوں' میں کچھ نہ لوں گا"۔

قیام پاکستان پر چک نمبر ۱۱' ۱۱ ایل چیچہ وطنی ساہیوال میں قیام کیا اور وہاں مدرسہ صابریہ کی بنیاد رکھی جو بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔

مولانا پیر جی عبداللطیف صاحب:

حافظ صاحب کے دوسرے فرزند ہیں۔ تعلیم والد صاحب اور مدرسہ رشیدیہ جالندھر میں پائی' اساتذہ میں مولانا فقیر اللہ صاحبؒ اور مولانا فضل احمد صاحبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کر کے خلافت حاصل کی۔ قیام پاکستان پر چیچہ وطنی کو وطن بنایا' وہاں مدرسہ تجوید القرآن قائم کیا جس کا فیض بہت عام ہے۔ ۱۵ رجب ۱۳۹۷ھ ۲ جولائی ۱۹۷۷ء کو وصال ہوا۔
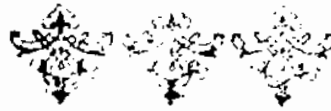
تاجُ الاولیاء

حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ، حضور سید العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھتے تھے۔ منہ بولے بھائی تھے۔ ایک دوسرے کو"اڈا (بھائی) کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک بڑی مدت حضور مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ایک ساتھ رہے تھے۔ بعد میں بھی یہ تعلق قائم رہا۔ بلکہ بڑھتا چلا گیا۔

آپ گوٹھ دیوانی (ضلع خیر پور میرس، سندھ) کے ایک مشہور سید گھرانے میں پیدا ہوئے والد محترم سید عبدالقادر شاہؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ سن ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق آپ کی ولادت غالباً ۱۸۵۹ء میں ہوئی ہوگی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ اور پھر مولانا عبدالقادر پھنواریؒ پنو عاقل ضلع سکھر کے پاس چلے گئے۔ وہاں ان سے تمام ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ شرعی وعصری تعلیم سے فارغ ہوکر باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے تو خوش قسمتی سے حضور سید العارفینؒ کی صحبت بابرکت میں پہنچ گئے۔ حضور مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کیمیا اثر سے آپ تھوڑی مدت میں ہی کندن بن کر نکلے اور رہروان راہ طریقت کی پیشانی کا جھومر بن گئے۔ خرقۂ خلافت لینے کے بعد، آپ نے حضور مرشد سید العارفینؒ کے حکم سے امروٹ شریف۔ تعلقہ گڑھی یاسین میں مستقل قیام فرما کر خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ اور ایک غیر معروف مقام کو اپنے نام کی نسبت عطاء کر کے عزت و

شہرت دوام عطاء کردی-

آپ سندھ کے ایک بہت بڑے عالم دین اور بزرگ کامل تھے- سندھی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے "پریت ناموں" اور سورۃ یٰسین کا منظوم سندھی ترجمہ کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ بھی کیا تھا- جو عوام وخواص میں بہت مقبول ہے- آج تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں-

پاک و ہند کی سیاسی تحریکوں میں آپ کا اپنے وقت کے چوٹی کے رہنماؤں میں شمار ہوتا ہے اور سیاسیات میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں- سندھ میں انگریز کے سب سے بڑے دشمن تھے- مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے بھر چونڈی شریف میں تعلق ہوا- اور حضور مرشدؒ کے وصال کے بعد آپ نے ہی ان کی سرپرستی فرمائی- ان کی شادی بھی آپ نے ہی کرائی تھی- مولانا سندھیؒ کو ایک مدت تک اپنے پاس ٹھہرایا اور اکٹھے سیاسی اور علمی کام کرتے رہے- مولانا سندھیؒ کے ذریعے سے حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق استوار ہوا- آپ دو دفعہ دیوبند تشریف لے گئے تھے- پہلی دفعہ حضرت دین پوریؒ بھی ہمراہ تھے اور یہ دیوبند کے پچاسویں دستار بندی کے جلسہ کا موقع تھا- حضرت شیخ الہندؒ کے درس حدیث میں شریک ہوئے تو دیوبند ہی میں قیام کا ارادہ فرمالیا- حضرت دین پوریؒ بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر واپس لے آئے- دوسری دفعہ اسارت مالٹا سے رہائی کے بعد شیخ الہندؒ کے ہاں گئے- ایک دفعہ حضرت شیخ الہندؒ کے پاس ایک ٹوپی بھیجی- جس پر "تاج محمود" کے لفظ کڑھے ہوئے تھے- شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں کام کیا- آپ نے ۱۹۱۵ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو افغانستان پہنچانے میں بڑی امداد کی- سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے-

> "شاید یہی مولوی تاج محمد (محمود) ساکن امروٹ سکھر سندھ ہیں- سندھ میں دوسرے نمبر پر اس کا زبردست اثر ہے جو صرف مولوی ہمایوں کے اثر سے کم ہے وہ کھڈہ کراچی کے مولوی محمد صادق کا دوست ہے جواب کار وار میں نظر بند ہے خیال ہے کہ اس نے مولوی عبیداللہ کے فرار افغانستان میں

اس کی مدد کی تھی- اس کے ہزاروں پیرو ہیں- جن میں بڑے بڑے زمیندار پلیڈر اور سرکاری ملازمین شامل ہیں- جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے''- (تحریک شیخ الہند صفحہ ۲۸۱)

امروٹ شریف اس زمانے میں اس تحریک کا زبردست مرکز تھا اور جہاد آزادی کے لیے وہاں مکمل تیاری تھی- آپ کے پاس بھی ریشمی خط آیا تھا- افشائے راز کے بعد آپ کو بھی گرفتار کر کے کراچی لے گئے- مگر کوئی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے رہا کر دیئے گئے- کہتے ہیں کہ آپ کی رہائی آپ کی کرامت کا نتیجہ تھی- مشہور ہے کہ آپ کو کمشنر کراچی کی کوٹھی پر نظر بند رکھا گیا تھا- وہ ایک انگریز تھا- اچانک اس کی میم کو آشوب چشم کی شکایت پیدا ہوئی- اس قدر تکلیف تھی کہ درد کے مارے چیخیں مارتی اور فرش پر لوٹتی تھی- کراچی کے تمام ماہر ڈاکٹروں نے علاج کیا مگر کچھ بھی افاقہ نہ ہوا- کمشنر کے ایک مسلمان خانساماں نے اس کو حضرتؒ کے پاس جا کر دعا منگوانے کا مشورہ دیا تو وہ مجبوراً آپ کے پاس آیا- آپ نے اپنے استعمال کے سرمہ میں سے ایک سلائی میم صاحبہ کی آنکھوں میں پھنے کے لیے دی- سلائی پھیرتے ہی درد کافور ہو گیا اور آنکھیں ٹھیک ہو گئیں- چنانچہ کمشنر نے اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کا حکم دے دیا-

تحریک ریشمی رومال کے بعد آپ نے آزادی وطن کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دوران سندھ اور بیرون سندھ میں آپ ایک عظیم سیاسی رہنما بن کر ابھرے- تحریک ہجرت میں بھی آپ نے زبردست کام کیا تھا اور خود بھی ہجرت کی تھی، مگر افغان حکومت کی منافقانہ پالیسی سے بددل ہو کر واپس تشریف لے آئے- تحریک خلافت کے بعد آپ جمعیۃ العلمائے ہند میں باقاعدہ شامل ہو کر تا زیست سیاسی کام کرتے رہے- انگریز دشمنی اور جذبہ جہاد کے بعد تبلیغ دین (غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت) آپ کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا- مشہور ہے کہ آپ کے دست حق پرست پر سات ہزار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے

تھے-عربی و دینی مدارس کے قیام میں بھی آپ خصوصی دلچسپی لیتے تھے- چنانچہ آپ نے اپنے علاقہ سندھ میں مدارس کا ایک جال سا پھیلا دیا تھا-

آپ جلالی شان کے بزرگ تھے- بقول مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید تاج محمود امروٹی پر جلال اور جذبۂ جہاد غالب تھا- کرامات جلّیہ کا ان سے ظہور ہوا- کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا اور ان کے مقابلہ میں آ گئے- حکومت نے شورش عام کے خطرہ سے طرح دی- (پرانے چراغ ص ۱۴۸)

آپ کے برعکس حضرت دین پوریؒ جمال اتم تھے- ایک میں صدیقی سیرت کی جھلکیاں نمایاں تھیں تو دوسرے (حضرت امروٹی) میں فاروقی جلالت کے آثار پائے جاتے تھے- آپ سے خرق عادات و کرامات بہت مشہور ہیں- ایک دفعہ ایک انگریز کلکٹر آپ سے ملنے کے لیے آیا باتوں باتوں میں وہ آپ کی جہاد کی تیاری' پرانے زمانے کے اسلحہ اور بے سرو سامانی کے متعلق طنزیہ بات کہہ گیا- اس پر آپ جلال میں آ گئے- خادم سے فرمایا کہ جا کر لنگر کے پیازوں کی کوٹھڑی میں سے ایک پیاز لے آؤ- وہ پیاز لے آیا تو آپ نے چاقو کھول کر پیاز کے دو ٹکڑے کر دیئے- پھر انگریز کو فرمایا کہ جا کر کوٹھڑی میں دیکھو وہ وہاں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوٹھڑی میں پڑا ہوا پیازوں کا تمام ڈھیر دو دو ٹکڑے ہوا پڑا تھا- آپ نے فرمایا' کلکٹر صاحب! فقیروں کو اللہ نے یہ طاقت دی ہے کہ آپ لوگوں کی گردنیں اسی طرح اتار دیں-

ایک دفعہ جوش میں آ کر فرمایا' کہ کئی بار ایسا ارادہ کیا کہ قصر بکنگھم میں جا کر جارج پنجم کی گردن مروڑ دوں مگر مشیت ایزدی نہ تھی- حجاب مانع آ جاتا رہا-

انگریزوں نے کسی شقی القلب کے ہاتھوں آپ کو زہر دلا دی تھی جس کے اثر سے آپ کے تمام جسم مبارک پر پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں اور خارش کی تکلیف رہنے لگی- آخر زہر کے اسی اثر سے ملت کا یہ بطل جلیل' حریت وطن کا عظیم رہنما' شیخ الہند کا ایک مخلص ساتھی- حضرت دین پوریؒ کا پیارا بھائی اور سندھ کا مشہور روحانی مقتدا ۴/۵ نومبر ۱۹۲۹ء کی درمیانی شب (ایک بجے رات) مطابق ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ) کو اپنے

خالق حقیقی سے جاملا:

اِنَّا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی' ایک بچہ حسن شاہؒ عین عنفوان شباب میں فوت ہو گیا تھا- آپ کے بعد آپ کے بھتیجے میاں نظام الدین شاہ سجادہ نشین ہوئے- ان کے بعد اب ان کے فرزند حضرت سید محمد شاہ مدظلہ العالی جماعت کی روحانی تربیت فرماتے ہیں- مخلص و باخدا جوان ہیں- آپ کا سیاسی تعلق بھی جمعیۃ علماء اسلام سے ہے- صوبہ سندھ میں آپ اس کے امیر ہیں-

حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱- حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
۲- حضرت مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ (بائی جی شریف)
۳- حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (تھر یچائی شریف)
۴- حضرت مولانا حماد اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ہالیجی شریف)

(ماخوذ یدبیضاء)

حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ابو السراج غلام محمدؒ بن سردار حاجی نور محمد خانؒ بن سردار محمد چراغ خانؒ ضلع جھنگ کے اکیانہ بلوچ قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء میں موضع عالے خان شرقی ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔

سردار حاجی نور محمد خان ایک دیندار اور درویش صفت انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تمام کاروبار اپنے بڑے صاحبزادے سردار محمد اسماعیلؒ کے سپرد کر دیا تھا اور خود اہل اللہ کی محفلوں میں وقت گزارتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے دور دراز کے سفر بھی کیے۔ فریضہ حج کی بجا آوری کے بعد مستقل طور پر ارض حجاز میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۲۵۸ھ/۴۳-۱۸۴۲ء میں افراد کنبہ کو لے کر بارادۂ ہجرت چل پڑے۔ راستے میں بستی ''ٹبی کورائیاں'' پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے اور چند دن بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

خاندان کے سربراہ سردار حاجی نور محمد خان کی اچانک وفات کے سبب یہ خاندان ''ٹبی کورائیاں'' میں رہ پڑا۔ مولانا غلام محمد کی والدہ ماجدہ نے محنت مزدوری کر کے یتیم بچوں کی پرورش کی۔

مولانا غلام محمدؒ نے بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا فقیر اللہؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور شرح جامی تک کتب درسیہ پڑھیں۔ اس کے بعد ذاتی مطالعے سے قرآن و سنت میں درک حاصل کی۔

مولانا غلام محمدؒ ''ٹبی کورائیاں'' میں مقیم تھے کہ انہوں نے اپنی بڑی بہن کا رشتہ بلوچ قبیلے سے باہر ایک کمہار سے کر دیا۔ ٹبی کورائیاں کے بلوچوں نے اسے اپنی ہتک خیال کیا اور موقع پا کر کمہار مذکور کو قتل کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کمہار مذکور کے شیر خوار

بچے (مولانا غلام محمدؒ کے بھانجے) کو بھی بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالا- اس سانحہ کے بعد مولانا غلام محمدؒ نے ٹبی کورائیاں کی سکونت ترک کر دی اور بستی گھوٹیہ (علاقہ خانپور) آ گئے- آخر میں ۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ کے لگ بھگ ''دین پور'' آ گئے جوان کے دم قدم سے نہ صرف آباد ہوا بلکہ اسم با مسمی ہو گیا-

مولانا غلام محمدؒ نے سلسلہ قادریہ میں مولانا محمد صدیق بھر چونڈویؒ (م ۱۳۰۸ھ) سے بیعت کی تھی- تقریباً ۲۸ سال ان کی صحبت میں رہے اور خلافت سے سرفراز ہوئے- مولانا غلام محمدؒ عابد و زاہد بزرگ تھے اور حلقہ صوفیاء میں مقام بلند رکھتے تھے- خواجہ غلام فرید کو ان سے تعلق خاطر تھا- مولانا غلام محمدؒ کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ:

''اکثر چاچڑاں شریف سے باہر جاتے ہوئے دین پور شریف سے متصل سڑک پر سے آپ (خواجہ غلام فریدؒ) کا گزر ہوتا- آپ پالکی پر سوار ہوتے لیکن جوں ہی دین پور شریف کی حدود کے قریب آتے- سواری سے اتر جاتے اور تھوڑی دور پیدل چل کر آگے جا کر سوار ہوتے''- (ید بیضاء ص ۹۳)

مولانا غلام محمدؒ کو علمائے دیوبند سے خصوصی لگاؤ تھا- مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دین پور میں ابتدائی تعلیم پائی تھی- ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کے تعارف کے لیے مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) حافظ محمد احمدؒ (م ۱۳۴۰ھ) اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے سندھ کا دورہ کیا- یہ وفد دوران سفر میں دین پور میں ٹھہرا- واپسی پر مولانا غلام محمدؒ وفد کے ساتھ کراچی تک گئے- اپریل ۱۹۱۲ء/۱۳۳۰ھ میں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی خصوصی دعوت پر دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں شرکت کی- اس موقع پر انہوں نے اکابر دیوبند سے خصوصی ملاقاتیں کیں- دیوبند سے واپسی پر فرمایا کرتے تھے:

''ہم پہلے دیوبند کو مولویوں کا ایک مرکز خیال کرتے تھے مگر وہاں جا کر ہم نے بے شمار عام لوگوں پر انوار الٰہی کی بارش برستی دیکھی ہے- خواص کی تو کچھ بات ہی اور تھی''- (ید بیضاء ص ۱۰۷)

مولانا غلام محمدؒ نے "تحریک ریشمی رومال" میں حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔[1] مولانا عبدالقادر دین پوریؒ کے ہمراہ جالندھر میں چھ ماہ نظر بند رہے۔

مولانا غلام محمدؒ نے ۱۹۲۲ء/۴۱-۱۳۴۰ھ میں اپنے مرشد حافظ محمد صدیق بھر چونڈوی اور سید محمد راشدؒ (مرشد حافظ محمد صدیق بھر چونڈوی) کے نام پر دین پور میں "مدرسہ صدیقیہ راشدیہ" قائم کیا جو آج تک علمی و دینی خدمات میں سرگرم ہے۔ اس مدرسہ میں مولانا عبدالقادر دین پوریؒ مولانا عبداللہ لغاریؒ (شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ) مولانا غلام صدیق حاجی پوری، مولانا عبدالرزاق اور مولانا عبداللہ درخواستیؒ جیسے علماء و مدرسین نے تعلیم و تدریس کی ہے۔

۱۹۲۳ء/۱۳۴۱ھ میں فریضہ حج ادا کیا۔ مولانا غلام محمد نے وجع المفاصل کے عارضے میں ۳۰/ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ/ ۲۴/ مارچ ۱۹۳۶ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور نے نماز جنازہ پڑھائی اور دین پور میں دفنائے گئے۔

مولانا سید محمد زمان نیازی ہمدانی نے قطعہ تاریخ وفات کہا۔ جس کے آخری دو شعر یہ ہیں ؎

ہر کہ رفت از دار دنیا باز ناید ہیچ گاہ!	بے اثر است گرچہ نالد ہر کسے صبح و مسا
اے نیازی! طبع من از بہر تاریخش بگفت	قبلہ ارباب معنی "پیشوائے اتقیاء"
	(۱۳۵۴ھ)

مولانا غلام محمد دین پوریؒ سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ ان کے بار خلافت کو حسب ذیل بزرگوں نے اٹھایا:

۱- مولانا حسین احمدؒ مدنی ۲- مولانا احمد علی لاہوریؒ ۳- مولانا عبدالہادی دین پوریؒ

مولانا غلام محمدؒ نے دو شادیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اولاد دی مگر سلسلہ نسل تین صاحبزادوں اور تین صاحبزادیوں سے چلا۔ ان میں سے پہلی اہلیہ سے دو صاحبزادے مولانا عبدالہادی اور میاں رشید احمدؒ ہیں۔ دوسری اہلیہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی دختر تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادے میاں ظہیر الحق پیدا ہوئے۔ (تذکرہ علمائے پنجاب)

---

[1] تفصیل کے لیے "ید بیضاء" "تحریک شیخ الہند" اور "نقش حیات" [2] ید بیضاء ص ۱۹۷

حضرت مولانا حافظ محمد یٰسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۸۲ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے تاریخی نام افتخار ہے۔ والد صاحب کا نام تحسین علی اور دادا کا میاں جیؒ امام علی تھا۔ سلسلہ نسب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

حصول تعلیم:

تحصیل علم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درسیات کی تکمیل کر کے ۱۳۰۱ھ میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد حسن شیخ الہند ملا محمود رحمۃ اللہ علیہ' مولانا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی نام آتے ہیں۔

تدریس:

فراغت کے بعد اتفاقاً دارالعلوم میں مدرس فارسی کی جگہ خالی ہوئی جس کے نصاب میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھانا بھی شامل تھا۔ اس جگہ پر آپ کا تقرر ہوا' ۱۳۰۸ھ تا ۱۳۵۳ھ اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ خارج میں درس نظامی کی بلند پایہ کتب کی تدریس بھی جاری رہتی تھی۔

صوفیانہ مسلک:

آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خاص مریدین میں سے تھے۔ منازل سلوک انہی سے طے کیں۔

وفات:

۹ صفر ۱۳۵۵ھ بروز جمعہ دیوبند میں وفات پائی۔ مولانا میاں اصغر حسینؒ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت مرحوم دیوبند کے نہایت اہل علم اور باعزت خاندان کے فرزند تھے۔

آپ کے آباؤ اجداد علمی مشاغل میں مصروف اور اہل شہر کے معتقد علیہ حضرات تھے۔
حضرت مرحوم نے قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد فارسی کی درسیات اپنے والد ماجد اور اکابر خاندان سے حاصل فرما کر اعلیٰ قابلیت فارسی کی حاصل فرمائی اور پھر دارالعلوم دیوبند میں اکابر شیوخ و اساتذہ (حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب' حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ وغیرہ حضرات) سے علوم معقول و منقول حاصل فرمائے اور بعد فراغ تحصیل بلا قید ملازمت محض شوق تعلیم اور حصول ثواب کی وجہ سے تعلیم درسیات مختلف طلبہ کو شروع فرمائی...... اسی زمانہ میں دارالعلوم کے مدرس فارسی کا انتقال ہو گیا اور چونکہ مولانا مرحوم کا خاندان تعلیم فارسی میں امتیاز خصوصی رکھتا تھا اس لیے اس عہدہ کے لیے سب بزرگوں کی نظر انتخاب ہمارے مولانا پر پڑی اور آپ باضابطہ مدرس فارسی مقرر کر دیئے گئے اور تحفظ استعداد عربی کے لیے بعض بڑے اسباق عربی کی تعلیم خارج از اوقات مدرسہ میں اجازت دی گئی' اور ابتدائی کتب عربیہ کی تعلیم کو مدرس فارسی کے لیے گویا لازم کر دیا گیا۔

اس طرح تقرر ہو جانے کے بعد حضرت ممدوح کو گویا دو چند محنت برداشت کرنی ہوتی تھی' لیکن آپ اپنی للہیت اور تقاضائے قلبی سے فارسی کی مفوضہ تعلیم کے علاوہ کتب عربیہ کی تعلیم میں بھی معقول حصہ لیتے رہتے تھے' عرصہ دراز تک جب تک قوت و طاقت رہی یہی طرز رہا لیکن جب قوت کم ہونے لگی اور تعلیم فارسی کا کام زیادہ ہو گیا تو تعلیم عربی رفتہ رفتہ متروک ہو گئی تاہم مخصوص اور قابل رعایت طالب علموں کا ایک دو عربی سبق آخری زمانہ تک جاری رہا۔

فارسی درس کی انتہائی کتابیں حضرت ممدوح نہایت شوق اور جانفشانی اور کامل تحقیق سے پڑھاتے تھے۔ علاوہ اہل شہر اور دیگر طلبہ کے بعض عربی تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عالمانہ بحث و اشکال پیش کرتے تھے۔

مرحوم و ممدوح کی ایک نمایاں خصوصیت یا اثر صحبت یا برکت یہ بھی تھا کہ طالب علم کے قلب میں ابتداء ہی سے حق تعالیٰ اور اس کے مقدس انبیاء علیہم السلام کی محبت اور بزرگان دین کی عقیدت جاگزیں ہو جاتی تھی۔ جس کا پائیدار اثر اس کی دینی اور دنیوی

اصلاح حال کے لیے آخری زمانہ تک مفید ہوتا تھا اور مولانا کی پابندی شریعت اور رعایت آداب طریقت اور ادائے اعمال وعبادات مستفیدین ومستفیضین کے لیے ایک بہترین نمونہ پیش نظر رہتا تھا......

آپ کی مندرجہ ذیل تالیفات مفیدہ موجود ہیں:

۱-مفید نامہ جدید' ۲-جدید صفوۃ المصادر' ۳-مفید اصاغر واکابر' ۴-رسالہ نادر شرح صفوۃ المصادر' اور ۵-انشائے فارغ' جس میں مبتدیوں کے لیے فارسی زبان کے خطوط اس حسن ترتیب کے ساتھ درج کیے گئے ہیں کہ ابتداء بہت آسان پھر کسی قدر مشکل پھر اسی طرح ترقی کی گئی ہے- ان چند رسائل کو اچھی طرح پڑھا دیا جائے تو بہت آسانی کے ساتھ بچہ فارسی زبان پر قادر اور اس کے قواعد کا حافظ ہو جاتا ہے-[1]

مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

''۹ صفر ۱۳۹۴ھ کو یہ مضمون ختم ہو رہا ہے' یہی تاریخ والد ماجد کی وفات کی ۱۳۵۵ھ تھی جس کو آج اڑتیس سال پورے ہو کر انتالیسواں شروع ہو گیا ہے اور والد صاحب کا یہ جملہ گویا کانوں میں گونج رہا ہے جو وفات سے ایک دن پہلے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ''شفیع! بھول تو جایا ہی کرتے ہیں مگر اتنی بات کہتا ہوں کہ جلد بھول نہ جانا''- والد صاحب کا یہ جملہ لوح قلب پر ایسا کندہ ہو گیا کہ اب چالیس سال ہونے کو آئے ہیں الحمدللہ کبھی فراموش نہیں ہوتا''-[2]

وفات پر دو مرثیے ایک عربی میں اور ایک اردو میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے لکھے اور ایک مولانا ظفر احمد عثانی نے مفتی صاحب کا اردو مرثیہ ''کشکول'' اور عربی مرثیہ

---

[1] مولانا مفتی محمد شفیع میرے والد ماجد کراچی ۱۹۷۵ء ص ۱۶ تا ۱۹
(اس کتاب میں مولانا سید اصغر حسین کا تعزیتی مضمون شامل کیا گیا ہے)

[2] مولانا مفتی محمد شفیع: میرے والد ماجد کراچی ۱۹۷۵ء ص ۱۱۰

"نغمات" میں ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرثیہ عربی ہمراہ ہے۔

الى أين أبكي واحدا بعد واحدٍ ۔۔۔ فليس امرؤ منا هناك بخالد

و ان الذي قد طار قلبي لفقده ۔۔۔ ابوك ابو الخير افضل عابد

هنيئا يسين الكريم قدومه ۔۔۔ على ربنا الرحمن رب العوائد

هنيئًا له جنات عدن بظلها ۔۔۔ فيا خير مورود ويا خير وارد

هنيئا لمن قد كان مثلك ابنه ۔۔۔ فيا خير مولود و ياخير والد

هنيئا له قرب الحبيب محمد ۔۔۔ فيا خير مشهود و يا خير شاهد

فكان ابوك الخير خير معلم ۔۔۔ و انك بحر العلم زين المشاهد

فطوبىٰ لمن قد كان مثلك خلفه ۔۔۔ فيا خير مفقود و يا خير فاقد

و ما مات من كان خلف مثلكم ۔۔۔ نجوم الهدىٰ من سائق الخير قائد

فيحيى بك الا سلاف طرا و يهتدى ۔۔۔ بكم خلف من بين غمر و راشد

فصبرًا شفيع البرو انك عارف

بان لقاء الله خير الفوائد[1]

---

[1] مولانا مفتی محمد شفیع نغمات کراچی ۱۳۹۳ھ ص ۵۱،۵۰

عارف باللہ:

مولانا حضرت سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابر علماء دیوبند میں ہوتا ہے۔

آپ ایک عظیم محدث، مفسر، محقق، فقیہ اور شیخ کامل تھے آپ کا تاریخی نام مختار احمد اور اصل نام اصغر حسین ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲۹۴ھ ہے، آپ کے والد ماجد کا نام محمد حسن شاہ ہے، خاندان سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی رسم بسم اللہ آپ کے نانا میاں جی شاہ صاحب یعنی منا شاہ صاحب نے کرائی اور فارسی کی تعلیم آپ نے اپنے والد سے حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر مولانا محمد یسین صاحب دیوبندی اور مولانا منظور احمد صاحب سے فارسی کی تکمیل کی اس کے بعد ۱۳۱۰ھ میں فارسی سے فارغ ہو کر دارالعلوم کے شعبہ عربی میں داخل ہوئے اور تکمیل درس نظامی کی۔ آپ کے ممتاز اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا حافظ محمد احمد قاسمی اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی وغیرہم ہیں۔

۱۳۲۰ھ میں علوم عربیہ کی تکمیل سے فارغ ہو کر آپ دارالعلوم دیوبند میں ایک سال چند ماہ تک دفتری کام کرتے رہے اس کے بعد ۱۳۲۱ھ میں آپ کو جونپور مدرسہ مسجد اٹالہ کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا گیا اور وہاں ۱۳۲۷ھ تک بدستور دینی خدمات انجام دیتے رہے پھر ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند کی طلبی پر دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے

اور درس وتدریس کے ساتھ ماہنامہ ''القاسم'' کی ایڈیٹری بھی فرماتے رہے۔

صبر وشکر:

اسباق میں پابندی اوقات آپ کی بلند پایہ خصوصیات میں سے ہے چنانچہ ۱۳۵۴ھ میں آپ کی جوان العمر صاحبزادی کا انتقال ہوا اور آپ نے نہایت صبر وشکر کے ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور حسب دستور وقت مقررہ تک سبق پڑھایا اور سبق کے بعد مرحومہ کے لیے طلباء سے دعا کرائی اور جنازہ تیار ہونے پر شریک جنازہ ہو گئے۔ نماز جنازہ حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

آپ بیعت حضرت شاہ عبداللہ عرف میاں جی مناشاہ صاحبؒ سے ہیں' منا شاہ صاحبؒ آپ کے والد محمد حسین شاہ صاحبؒ کے ماموں اور اپنے زمانہ کے کاملین میں سے ہیں چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت دارالعلوم دیوبند کی بنیاد میں پہلی اینٹ رکھنے کا موقع آیا تو حضرت نانوتویؒ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی اینٹ وہ رکھے گا جس کے دل میں کبھی گناہ کا ارادہ بھی نہ ہوا ہو اور فوراً ہی حضرت شاہ صاحبؒ کا نام پیش کر دیا جس کو سب نے پسند کیا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مدظلہ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ حضرت مناشاہ صاحبؒ پر اس قدر استغراق رہتا تھا کہ عزیزوں کو شناخت بھی نہ کر پاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ایک داماد اللہ بندہ تھے جب وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آتے تو حضرت شاہ صاحبؒ دریافت کرتے کہ بھائی کون ہو؟ آپ کے داماد فرماتے حضرت میں اللہ بندہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے کہ اللہ بندے تو سب ہی ہیں تم اپنا نام بتاؤ وہ کہتے حضرت میں آپ کا داماد ہوں میرا نام اللہ بندہ ہی ہے۔

اسی طرح ایک تیسری روایت میں اور ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے پیسوں کو مٹی کے لوٹے میں رکھا کرتے تھے بچے جو آپ کے پاس پڑھا کرتے تھے عرض کرتے حضرت! لائیے لوٹے کو دھوپ لگا دیں کہیں پیسوں کو پھوٹی نہ لگ جائے۔ چنانچہ اس میں

سے کچھ پیسے نکال لیتے اور کہہ دیتے کہ حضرت اتنے پیسے سوکھنے سے کم ہو گئے بہر حال حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک کے منازل ان ہی بزرگ کی صحبت میں رہ کر طے کیے ہیں- اجازت بیعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے بھی ہے جس کو حضرت منا شاہ صاحبؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ سے کہہ کر حاصل کیا تھا- پھر ۱۳۱۰ھ میں حضرت منے شاہ صاحب نے بھی اپنے وصال سے ایک دن قبل آپ کو اجازت و بیعت اور خلافت عنایت فرمائی- آپ نے اپنی حیات میں تین حج کیے ہیں پہلا حج ۱۳۲۰ھ میں دوسرا ۱۳۴۵ھ میں اور تیسرا حج ۱۳۵۰ھ میں ادا فرمایا- لیکن اس شان سے کہ حتی الامکان اپنی آمد و روانگی کو صیغہ راز میں رکھتے تھے- اکثر حصہ زندگی درس و تدریس میں گزارا اور کچھ تالیفات بھی اپنے قلم فیض رقم سے تالیف فرمائیں جن میں فتاویٰ محمدیہؐ، وسعت غیب' اذان و اقامت' حیات خضرؑ فقہ الحدیث' نیک بیبیاں اور حیات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علمی شاہکار ہیں-

قناعت:

آپ دارالعلوم دیوبند کے اکابر مدرسین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور ایک زبردست محدث و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ اور خلوص و للّٰہیت میں اپنی نظیر آپ تھے چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحبؒ کے لقب سے معروف تھے دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاد تھے ان سے ابوداؤد شریف پڑھنے والے اب بھی موجود ہیں اور پورے برصغیر میں ہزاروں افراد ہوں گے جنہوں نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا ہوگا- آپ علوم قرآن و حدیث کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم و فنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو- حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں- دیوبند

میں آپ کا مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں- ہر سال برسات
کے مواقع پر اس کی لپائی پتائی ناگزیر تھی جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ
ہوتا تھا ایک مرتبہ احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! جتنا خرچ سالانہ
اس کی لپائی پر خرچ ہوتا ہے اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ
کر ڈالیں تو دو تین سال میں وہ خرچ برابر ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لیے اس
محنت سے نجات ہو- یہ سن کر پہلے تو فرمایا! ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی
ہے ہم بوڑھے ہو گئے' ادھر دھیان ہی نہ آیا- پھر کچھ توقف کے بعد جو
حقیقت حال تھی وہ بتائی اور تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے
ہیں' فرمایا ''میرے پڑوس میں تمام غریبوں کے کچے مکان ہیں اگر میں اپنا
مکان پختہ بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ
سب کے سب مکان پختہ بنوادوں''- اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ
سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی- چنانچہ انہوں نے اس
وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن
گئے''-

اسی طرح ایک مرتبہ میں ان کے گھر حاضر ہوا تو انہوں نے آموں سے تواضع
کی جب آم چوس کر فارغ ہو گئے تو میں گٹھلیوں اور چھلکوں کو ٹوکری میں ڈال کر باہر پھینکنے
کے لیے چلا- حضرتؒ نے دیکھا تو پوچھا- یہ ٹوکری کہاں لے چلے ہو؟ میں نے عرض کیا'
چھلکے باہر پھینکنے جا رہا ہوں' ارشاد ہوا پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟ میں نے عرض کیا حضرت! یہ
چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو' فرمایا ہاں! تم اس فن سے
واقف نہیں ہو' لاؤ مجھے دو' خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کیے اس کے بعد
باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے معین جگہوں پر چھلکے
رکھ دیئے اور اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں- احقر کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ
ہمارے مکان کے قریب تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں- زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو

نان جویں بھی بمشکل میسر آتی ہے اگر وہ پھلوں کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذاء دہی کا باعث میں بنوں گا اس لیے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گزرتے ہیں' یہ چھلکے ان کے کام آ جاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے ہیں' وہ ان کو بھون کر کھا لیتے ہیں یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہر حال ایک نعمت ہیں' ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔

بہر حال آپ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور عارف کامل تھے ۲۲/محرم ۱۳۶۴ھ کو وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اپنی وصیت میں حضرتؒ نے فرمایا کہ:

''میں اپنے احباب سے یہ گذارش کرتا ہوں کہ ہر سنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں اور کسی سنت کو خواہ وہ کتنی بھی چھوٹی سی ہو' معمولی نہ سمجھیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ہر ہر سنت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے''۔

اوصاف و کمالات:

مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد زکی کیفیؒ مرحوم جنہیں حضرت میاں صاحبؒ سے ایک خاص لگاؤ اور تعلق تھا اپنے مشاہدہ و تاثرات' (کچھ شگفتہ تذکرے) کے عنوان سے تفصیلی طور پر بیان فرماتے ہیں جو ہدیہ قارئین ہیں۔ حضرت مولانا محمد زکی کیفی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

جمگھٹ وہ گل رخوں کے الٰہی کدھر گئے؟
کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا؟

تقریباً تیس بتیس سال پہلے کی بات ہے' گرمیوں کی ایک صبح کو لڑکپن کی مست نیند سے بیدار ہوا تو گھر بھر کو مغموم اور گریاں پایا' معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ خبر سنتے ہی دل بیٹھ گیا اس لیے نہیں کہ مجھے شاہ صاحبؒ سے عقیدت تھی بلکہ صرف اس تصور سے کہ ہمیں جو مٹھائی ہر دفعہ ان کے پاس جانے سے ملا کرتی تھی وہ بند ہو جائے گی۔

یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ کشمیریؒ) کا انتقال ہوا تھا' میاں صاحب مولانا اصغر حسینؒ کا نہیں۔

شاہ اور میاں کے فرق کو سمجھنے کا اس وقت شعور ہی کہاں تھا؟ بہر حال میاں صاحب مولانا اصغر حسینؒ کی محبت وشفقت کا میرے ذہن پر یہ پہلا نقش تھا۔

اس کے بعد میاں صاحب کی زیارت سفر وحضر میں بارہا ہوتی رہی' اور ہر بار ایک گہرا نقش چھوڑتی رہی اس پر میں جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں وہ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گنہگار آنکھوں کو بھی اپنے ان مخلصین کی زیارت کا شرف بخشا جو دور اول کے علم وعمل اور اخلاص ومحبت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے' اگرچہ اپنی بداعمالیوں اور لغزشوں کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کیسے کیسے رحمتوں کے بادل برسے لیکن میں اپنی بدنصیبی اور شامت اعمال کی وجہ سے اپنے لب بھی تر نہ کر سکا' اگر اسی بات پر پکڑ ہوگئی تو خدا کو کیا جواب دے سکوں گا۔

میاں صاحبؒ حضرت مولانا اصغر حسینؒ کے متعلق خود میاں صاحبؒ کے بزرگوں اور اساتذہ کو ان کا احترام کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا کہ یہ تو مادرزاد ولی ہیں۔ اساتذہ بھی نام لینے کے بجائے میاں صاحبؒ ہی کہتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ جو اس وقت دارالعلوم کے سید الطائفہ تھے وہ بھی ان کو ہمارے سید صاحب کہہ کر خطاب فرماتے۔

میاں صاحبؒ کے علم وعمل اور صلاح وتقویٰ کو تو اہل علم صاحب باطن اور صاحب بصیرت حضرات ہی جانتے ہوں گے۔ اس تباہ حال وگنہگار نے اس مجسمہ شفقت واخلاص کو جن حالتوں میں دیکھا' جو الفاظ زبان فیض ترجمان سے سنے جو نصائح وعبران کی صحبت سے حاصل ہوتے رہے' ان کے جس رخ پر بھی جتنا زائد سے زائد لکھا جائے وہ کم ہے اور اس کی ضرورت بھی بہت ہے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عالم اہل دل کے کرنے کا ہے' میں نہ تحریر پر قدرت رکھتا ہوں نہ ان علوم ومعارف سے آشنا جن کے میاں صاحبؒ شناور تھے۔

تفصیلی حالات زندگی لکھنے کی نہ مجھ میں صلاحیت ہے اور نہ اس کا یہ موقعہ ہے' اس وقت صرف وہ چند واقعات جو اس وقت ذہن میں آ گئے پیش کر رہا ہوں' ممکن ہے میری اس بے سروپا تحریر کو دیکھ کر ہی کسی صاحب کے دل میں اس عظیم شخصیت پر جامع مضمون لکھنے کا داعیہ پیدا ہو جائے۔

میری عمر پندرہ سولہ سال کی ہوگی' ایک روز میاں صاحب کی خدمت میں حاضری کا داعیہ پیدا ہوا۔ صبح کے دس بجے ہوں گے کہ میں اس آستانہ ہدایت پر پہنچا۔ میاں صاحبؒ کی زیارت سے دولت سرمدی حاصل کی۔ میاں صاحبؒ تو سراپا شفقت اور پیکر محبوبیت تھے' مختلف نصیحتیں فرماتے رہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں عربی کی ابتدائی کتب پڑھ رہا ہوں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے۔

میاں صاحبؒ معمول کے مطابق کچھ دیر تسبیح و استغفار میں مشغول رہے' پھر فرمانے لگے میاں علم انسان میں تکبر پیدا کر دیتا ہے' اور انسان خود کو عام لوگوں سے بلند و بالا سمجھنے لگتا ہے اگر علم کے ساتھ تقویٰ اور خشیت نہ ہو تو جہل اس سے بدرجہا بہتر ہے! اہل علم کے لیے ان جملوں میں جو درس عبرت ہے اس کی اہمیت و قیمت کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل علم کے لیے علمی برتری کا احساس ہی ایسا روگ ہے جو ان کی اس فضیلت کو معصیت میں تبدیل کر دیتا ہے' اور خدمت خلق اور افادۂ عوام کے لیے سد سکندری بن جاتا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے مرجع خلائق بنایا تھا ہر وقت آنے والوں کا ہجوم رہتا تھا' ادھر طبعی مذاق خلوت پسندی کا تھا اس کے ساتھ علمی خدمات تھیں جن کی وجہ سے اکثر دروازہ بند کر کے بیٹھتے تھے' عصر کے بعد عام مجلس ہوتی تھی' دوسرے اوقات میں دروازہ بند رہتا تھا اس وقت کوئی حاضر ہو تو دروازہ پر دستک دے کر اجازت لینے کا معمول تھا۔ کچھ یہ بھی مقصود ہو تو بعید نہیں کہ شریعت کا یہ حکم اور رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت کسی کے مکان پر جاؤ تو بلا اجازت داخل نہ ہو عام لوگوں میں متروک ہو رہی ہے۔ اس

سنت کا احیاء کرنا پیش نظر تھا' لیکن مجھ پر چونکہ بے حد شفقت تھی اور میرے لڑکپن کی وجہ سے بھی صرف نظر بھی فرماتے تھے' میں بغیر اطلاع ہی اندر چلا جایا کرتا تھا۔

ایک روز حاضر ہوا تو دروازہ پر چند ذی وجاہت لوگوں کو اجازت ملنے کا منتظر پایا' فوراً ہی دل میں فخر وغرور کا ایک جذبہ بیدار ہوا کہ ہمیں میاں صاحبؒ نے اس قانون سے مستثنیٰ کر رکھا ہے' اسی فخر کے اظہار کے لیے بلا تامل اندر پہنچ گیا۔ میاں صاحبؒ صحن مکان کے ایک گوشہ میں چار پائی پر تشریف فرما تھے' جا کر سلام عرض کیا۔

میاں صاحب کی نظر حقیقت شناس نے فوراً ہی دل کا چور پکڑ لیا' غصہ کے انداز میں ہلکی سی گوشمالی فرماتے ہوئے ارشاد ہوا' ارے مولوی کے لڑکے! تم بڑے بدتمیز ہو' کہ بغیر اجازت حاصل کیے مکان میں گھس آئے' چلو نکلو یہاں سے اور دروازہ پر جا کر بلند آواز سے کہو کہ زکی آیا ہے اور حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ بادل ناخواستہ پسپا ہو کر تعمیل ارشاد کی گئی' اور تھوڑے سے وقفہ امتحان کے بعد حاضری کی اجازت مل گئی۔

اگر صرف اس وقت نصیحت پر ہی اکتفا کر لیا جاتا تو یہ اثر کہاں ہوتا' اس معمولی سے مجاہدے نے وہ کام کیا کہ شاید عرصہ دراز کی محنت سے بھی وہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔ فخر وغرور نفس تکبر وادعا کے امراض ایک مسیحا نفس کی ہلکی سی تدبیر سے دفعتاً غائب ہو گئے۔

وہ دن اور آج کا دن نہ کبھی پھر اس پر غرور اور تکبر ہوا' اور نہ ایسی بے احتیاطی' اور اسی کا ثمرہ ہے کہ اب سنت نبویؐ کے مطابق اپنے گھر میں بھی آواز دے کر جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

کہاں میں اور کہاں وہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی

شام کو بعد نماز عصر عام مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ہر شخص کو حاضری کی اجازت تھی' عموماً دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم طلباء اور میاں صاحبؒ کے عقیدتمند اہل شہر اتنی کثیر تعداد میں جمع ہو جاتے کہ میاں صاحبؒ کے مکان کا خاصہ بڑا صحن بھر جایا کرتا تھا۔

ایک روز میں بھی حاضر ہوا- مجمع زیادہ تھا' میں بھی ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گیا' اور ملفوظات سنتا رہا' مغرب کی اذان پر یہ علوم و معارف کی مجلس برخاست ہوئی' میں بھی اٹھ کر چلا قریب پہنچنے پر سلام عرض کیا' دیکھا کر پہچان لیا اور روک کر ارشاد فرمایا کہ جب کسی مجلس میں پہنچو تو صاحب خانہ کے علم میں تمہاری موجودگی ہونی چاہیے- خاموشی سے بغیر اطلاع دیئے بیٹھ جانا درست نہیں' بعض اوقات اس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں' ممکن ہے میں کوئی بات تم سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور تمہاری موجودگی کا علم نہ ہونے کی بنا پر وہ بات کہہ دوں تو؟

یہ تو ارشاد فرمایا' اور ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ حضرت میاں صاحب کی عادت تھی کہ کتنا ہی بڑا مجمع ہو جائے ہر ایک سے کچھ خصوصی خطاب فرما کر اس کی دلجوئی کیا کرتے تھے یہ پسند نہ تھا کہ کوئی شخص مجلس میں آئے اور چلا جائے نہ حضرت کو اس کا علم ہو اور نہ وہ حضرت کے خصوصی خطاب سے مستفید ہو سکے-

تعلیم کے زمانہ میں طلباء کا عملی سیاست میں الجھنا میاں صاحب کو ناپسند تھا' اور اس سلسلہ میں ہمیشہ طلباء کو اپنے مخصوص مشفقانہ انداز میں نصیحت فرماتے رہتے تھے- خصوصاً کانگریسی سیاست کو مسلمانوں کے لیے مضر جانتے تھے' اور اسی وجہ سے گاندھی ٹوپی سے سخت نفرت تھی بعض طالب علم وہ پہن کر آ جاتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اس شیطانی کیپ کا داخلہ میرے اس جھونپڑے میں ممنوع ہے' اور کہیں تو میرا اختیار نہیں' مگر یہاں کا میں صاحب اختیار ہوں' اگر یہ ٹوپی پہننا ہے تو میرے پاس نہ آئیں-

ایک روز والد صاحب مدظلہم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) اور یہ ناکارہ بعد مغرب در دولت پر حاضر ہوئے فرمانے لگے' آم چوسو گے؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ آم اور پھر حضرت کے عطا فرمودہ' نور علی نور! ضرور عطا ہوں' میاں صاحبؒ اٹھے' ایک ٹوکری میں آم لا کر رکھے' اور ایک خالی ٹوکری گٹھلی چھلکوں کے لیے سامنے لا کر رکھ دی' ہم آم چوس کر فارغ ہوئے تو والد صاحب گٹھلی اور چھلکوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر باہر پھینکنے کے لیے چلے' پوچھا یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے عرض کیا چھلکے باہر پھینکنے کے

لیے جا رہا ہوں' ارشاد ہوا کہ پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے' جس کو سیکھنا ضروری ہے؟ فرمایا' ہاں تم اس فن سے واقف نہیں' لاؤ مجھے دو' خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے علیحدہ کیے' اس کے بعد باہر تشریف لائے' اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے متعین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے' اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں' والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ ہمارے مکان کے قرب و جوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں' زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے' اگر وہ پھلوں کے یکجائی چھلکے دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا' اور بے مائگی کی وجہ سے حسرت ہوگی' اور اس ایذا دہی کا باعث میں بنوں گا- اس لیے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گزرتے ہیں یہ چھلکے ان کے کام آ جاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں' بچے ان کو بھون کر کھا لیتے ہیں' یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہر حال ایک نعمت ہے ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں-

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحب خود تو شاید کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں' عموماً مہمانوں ہی کے لیے ہوتے تھے' اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے' اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کر دینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں' بعض فقہاء نے بازار کے کھانے سے اسی لیے پرہیز فرمایا ہے کہ ان پر غریبوں کی نظریں پڑتی ہیں اور ناداری کے سبب وہ ان کی حسرت کا سبب بنتی ہے-

دیکھئے ان اللہ والوں کی نظر دنیا کے کاموں میں کیسی دقیق ہوتی ہے' اور ہر چیز کا حق کس کس طرح ادا کرتے ہیں-

حضرت میاں صاحبؒ کے لیے جو کھانا گھر سے آتا تھا خود تو بہت کم خوراک تھے باقی کھانا محلے کے بچوں کو بلا کر کھلاتے تھے جو بوٹی بچ جائے اس کو بلی کے لیے دیوار پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لیے اور دسترخوان

کے ریزوں کو بھی اسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہے حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر پہچاننا' ان کو ٹھکانے لگانا انہیں صاحب بصیرت بزرگوں کا حصہ تھا آج تو ہر گھر میں بچا ہوا کھانا سڑتا ہے اور نالیوں میں جاتا ہے جس کا اگر اہتمام کیا جاتا تو بہت سے غریبوں کا پیٹ بھرتا۔

اعزا' اقربا' احباب' اہل محلہ کے حقوق و جذبات کی جس قدر رعایت کرتے ہوئے اس مرد باخدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحبؒ کا اکثر مکان کچا تھا جس پر ہر سال کہگل ہونا ضروری تھی' اگر نہ کی جاتی تو مکان منہدم ہونے کا خطرہ تھا' ہر سال برسات سے پہلے اس پر کہگل کرانے کا معمول تھا' اور اس وقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائے گا کہ اس سے پختہ اینٹوں کا مکان بن جائے۔

اخلاق کریمانہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا۔ بڑی دلداری اور حوصلہ افزائی کے ساتھ فرمایا' ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات کہی میرا بھی اندازہ یہی ہے کہ پانچ سات سال میں جتنا خرچ اس پر ہو جاتا ہے اتنے خرچ میں پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے' ہم بڈھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے' یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اس طرح فرمایا کہ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں ایسی حالت میں' میاں صاحب کیا اچھا لگتا کہ اپنا مکان پختہ بنا کر بیٹھ جاتا' پڑوسیوں کو حسرت ہوتی۔

اس وقت یہ راز کھلا کہ یہ حضرات کس مقام بلند پر ہیں ان کے اعمال وافعال کا اندازہ لگانا دشوار ہے کہ ان میں کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں' پڑوسیوں اور غریبوں کی رعایت اور ان کی خدمت جو حضرت میاں صاحبؒ کی فطرت بنی ہوئی تھی دوسروں کا اس کی طرف دھیان جانا بھی آسان نہ تھا۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
بس سخن کوتاہ باید و السلام

میں نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا' یہاں کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحبؒ نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔

یہ حضرات ہیں جن کو سلف کا نمونہ کہا جا سکتا ہے' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی گراں ہو گیا' تو امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے گھی کھانا ترک کر دیا' اور فرمایا میں اس وقت گھی کھاؤں گا جب مدینہ کے عوام گھی کھانے لگیں۔

یہ واقعہ تاریخ میں پڑھا اور سنا تھا مگر ایثار' ہمدردی اور اخوت کے اس مقام بلند کی جیتی جاگتی تصویر حضرت میاں صاحبؒ ہی کی زندگی میں نظر آئی۔

ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحبؒ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ فرماتے۔ اختلاف بھی۔ ''اختلاف امتی رحمۃ'' کی تشریح پر تھا اختلاف کی حدود سے سر موتجاوز انکی فطرت ہی نہیں تھی۔

انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحبؒ کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی' لیکن اس کے باوجود والد صاحب سے فرمایا کہ میاں بارش تو ہوتی نہیں' البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لیے چلنا ضرور ہے۔ چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استسقاء ادا کی' بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لیے بھی نماز کا اعلان فرما دیا تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے' اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے۔ تیسرے روز کے لیے پھر نماز کا

اعلان ہوا تو میاں صاحب تیسرے دن بھی نماز کے لیے میدان میں پہنچ گئے- اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحب" تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے' آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی؟

بہر کیف نماز استقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی- میاں صاحب" کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی' شاید میاں صاحب" نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام ونشان نہ تھا' مجبور ہو کر پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا-

والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنجگانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟ تو فرمایا میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر ہی بدگمانی نہ ہو' میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں کیونکہ یہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر نہیں' کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے- اب اگر بدنامی ہونی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو-

سوچئے! ان اہل اللہ اور ہم دنیا داروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے؟ ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے' اور اس کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا جائے' اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل ورسوا کر دیا جائے-

لیکن یہی اختلاف جب اسلامی سانچہ میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دلفریب ہو جاتا ہے کہ جس پر سیکڑوں اتحاد قربان کیے جا سکتے ہیں-

حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف وسلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے- اور جو خود کو دنیا دار کہتے ہیں ان کو اس کے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی-

حضرت میاں صاحبؒ کو روز مرہ کے واقعات سے عبرت آموزی کا خاص انداز تھا آنے والے ہر واقعہ سے کوئی عبرت ونصیحت حاصل کرتے تھے۔ آپ کا مکان دارالعلوم سے کافی فاصلہ پر محلہ قلعہ میں ہے' شہر سے باہر باہر آنے کا دستور تھا' راستہ میں جنگل بھی پڑتا تھا۔

دارالعلوم میں تشریف لانے کے بعد معمول یہ تھا کہ ایک کمرہ جس میں حضرت موصوف کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ بھی تھا ''دارالتد ریس والاشاعت'' کے نام سے موسوم تھا' میرے والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی درس سے فارغ اوقات میں یہاں بیٹھتے تھے اور حضرت میاں صاحبؒ بھی سبق پڑھانے سے پہلے اور بعد میں کچھ دیر یہاں تشریف رکھتے تھے۔

ایک روز مکان سے تشریف لائے تو والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج ہم ایک عجیب تماشا دیکھ کر آئے ہیں والد صاحب اس تماشے کی حقیقت سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

فرمایا کہ محلہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھی' ایک دوسرے کو مارتی تھی۔ ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے' اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیر نزاع ہے' حصوں میں کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اول نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں' ہم ان کی کم عقلی اور بچگانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بیوقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و دولت اور جاہ ومنصب پر لڑتے ہیں' اگر ان کو چشم حقیقت نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ ان عقلاء زماں اور حکماء وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچیوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں۔ فناء ہونے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اس مضمون کے لیے ارشاد

فرمایا:

الدنیا جیفة و طالبوا ھا کلاب.

"دنیا ایک مردار جانور ہے اور اس پر جھپٹنے والے کتے ہیں"۔

غور کیجئے اس طرح کے سینکڑوں واقعات سب کی نظروں سے گزرتے ہیں مگر کہاں ہے وہ نظر و فکر جو ان سے عبرت حاصل کرے؟

لمحات زندگی کی قدر شناسی:

ایک روز والد صاحبؒ حسب معمول مغرب کے بعد حاضر خدمت ہوئے' عموماً مغرب سے عشاء تک یہ مجلس رہا کرتی تھی' آج خلاف عادت فرمایا کہ آج ہماری گفتگو عربی میں ہوگی- سبب پوچھنے کی تو جرأت نہ ہوئی' خود ہی گفتگو کی ابتداء عربی میں فرما دی پھر والد صاحب نے جو کچھ بھی کہا عربی ہی میں کہا- لیکن طرفین کو عربی زبان میں مکالمہ کی عادت تو تھی نہیں' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوچ سوچ کر صرف ضروری باتیں کہی اور سنی گئیں- اپنی زبان میں جس بسط و تفصیل سے کلام ہوا کرتا تھا اور ایک منٹ کی بات میں پانچ منٹ خرچ ہو جایا کرتے تھے- اس کا ایسا انسداد ہوا کہ وقت سے پہلے ہی مجلس ختم ہوگئی-

اس وقت فرمایا کہ زندگی کا ایک ایک منٹ بڑا قیمتی بلکہ بے بہا جواہرات میں ان کو فضول کام یا کلام میں صرف کرنا بڑی بے عقلی ہے' میں جانتا تھا کہ گفتگو عربی میں کریں گے تو صرف ضروری کلام ہی ہوگا اس لیے یہ کہا تھا- اور فرمایا کہ ہماری مثال اس دولت مند انسان کی سی ہے جس کے خزانے میں بے شمار گنیاں بھری ہوئی ہیں اور وہ بے دریغ خرچ کر رہا ہے' مگر اسی طرح ایک ایسا وقت آ گیا جب خزانہ خالی ہونے کے قریب آیا اور چند گنی چنی گنیاں رہ گئیں تو اب وہ بہت دیکھ بھال کر خرچ کرتا ہے ہاتھ روک ہے-

اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر کے بے شمار جواہرات عطا فرمائے تھے جن کو ہم بے دریغ خرچ کر چکے اب عمر آخر ہے خزانہ خالی ہونے کو ہے اس لیے ایک ایک منٹ دیکھ بھال کر خرچ کرنا چاہیے-

میاں صاحبؒ کی زندگی کا ہر گوشہ بلکہ ہر حرکت و سکون ہر بات ہر ادا' صحیح اسلامی زندگی کا ایک عظیم درس تھا' کاش ہم اس سے سبق حاصل کرتے۔

اس وقت جو واقعات دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے حافظہ میں محفوظ تھے بغیر کسی ترتیب کے حوالہ قرطاس کر دیئے ہیں۔ اگر پھر کچھ واقعات یاد آ گئے تو کسی دوسری صحبت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔

موقوف ہو غم میر کہ شب ہو چکی ہم دم
بس اور کسی روز یہ افسانہ کہیں گے

چند جملوں کا ایک خط:

''حضرت میاں صاحبؒ پر یہ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرمایا تو مندرجہ ذیل چند سطریں بطور تتمہ تحریر فرمائیں''۔ (ادارہ)

برخوردار عزیز مولوی محمد زکی سلمہ نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات و مقالات مجھ سے ہی سنے ہوئے لکھ لیے' اس سے تو خوشی ہوئی کہ انہوں نے ان کلمات کی قدر پہچانی اور یاد رکھا۔

لیکن اس یگانہ روزگار ہستی کے علمی و عملی کمالات اور مخصوص طرز زندگی کی کوئی جھلک بھی ان چند کلمات کے ذریعہ نہیں دیکھی جا سکتی' برخوردار نے یہ چند سطور لکھ کر ماضی کی ایک ایک بھولی ہوئی مجلس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کر کے تڑپا ہی دیا حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نورانی چہرہ گویا سامنے آ گیا' آپ کے کلمات دلنواز کانوں میں گونجنے لگے' کبھی کبھی کے واقعات یاد آنے لگے۔ مگر ان کو ضبط تحریر میں لانے کی طاقت' فرصت کہاں سے لاؤں' صرف ایک خط کے الفاظ اس وقت بے ساختہ قلب و زبان پر آ گئے جو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شگفتہ اور معنی خیز تحریر کا ایک نمونہ ہے۔ اس جگہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا تجارتی کتب خانہ آخر میں تھوڑی سی قیمت

لگا کر مجھے عطا فرمادیا تھا اور اس کی قیمت بھی بہت کم مقدار کی ماہوار قسطوں میں ادا کرنا طے ہوا تھا۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ بطور علاج آپ دلی میں گئے ہوئے تھے' یہ مہینہ کی قسط میں نے بذریعہ منی آرڈر وہیں بھیج دی اس کے جواب میں والا نامہ صادر ہوا جس کے یہ کچھ الفاظ یاد ہیں:

"آپ کا مرسلہ عطیہ احب الاشیاء والغضبا وصول ہوا' روز روز کے احسانات کا شکریہ کہاں تک بس دعاء کرتا ہوں اور آپ سے بھی حیا و میتاً دعا کا امیدوار ہوں"۔

دو سطر کا خط ہے' مگر ذرا دیکھئے اس میں سموئے ہوئے مضامین ایک قرض کو قسطوں میں وصول کرنے کا جو احسان مجھ پر فرمایا تھا اس کو میرا احسان قرار دیتے ہیں' اور اس کا نام تحفہ رکھتے ہیں' اس کے ساتھ مال دنیا کی حقیقت اس عربی جملہ میں کیسی واضح فرمائی کہ شاید اس سے زیادہ مقصود نہیں کی جا سکتی کہ مال ایسی چیز ہے کہ ایک طرف اس کی برابر کوئی چیز محبوب نہیں کیونکہ وہ ساری محبوب چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہے' دوسری طرف وہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی برابر دنیا کی کوئی چیز مبغوض نہیں ہو سکتی کہ باپ کو بیٹے سے' بیٹے کو باپ سے' شوہر کو بیوی سے' بیوی کو شوہر سے لڑا دیتی ہے۔ انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

آخری جملہ میں ہر وقت موت کے استحضار کو واضح کرتے ہوئے دعا کی ترغیب فرمائی۔ فللہ درہ وعلیہ اجرہ

بندہ محمد شفیع

۸/ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

رئیس التبلیغ

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم دین اور عارف کامل تھے- آپ ۱۳۰۳ھ میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یو- پی میں پیدا ہوئے- آپ کے والد ماجد مولوی محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں دہلی کی نواحی بستی ''نظام الدین'' میں رہتے تھے- مولوی محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں عرصہ دراز سے علم و فضل کی دولت چلی آتی تھی اور دین حق کی تبلیغ واشاعت میں نہایت حریص تھے-

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید اور مشہور عالم دین مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے خاندان سے قرابت داری تھی- مولوی محمد اسماعیل صاحبؒ حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم دین تھے اور ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب آزادی کے بعد سے بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے گھرانے میں ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر مقرر رہے- مولوی صاحب نہایت عابد و زاہد اور شب بیدار بزرگ تھے- ذکر و عبادت ان کا مشغلہ اور کلام الٰہی کی تعلیم و تدریس ان کا مقصد حیات تھا- مخلوق خدا کی ہر طرح خدمت کرنے میں انہیں لطف ملتا تھا تواضع و انکساری کا پیکر تھے انہیں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ سے خصوصی تعلق خاطر تھا مولوی صاحب کی مساعی جمیلہ ہی سے ابتداء میں میوات کے علاقے میں دین حق کی تبلیغ ہوئی ہے- ان کے

فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور بعد ازاں ان کے بیٹے مولانا محمد یوسفؒ نے عروج کمال پر پہنچا دیا۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے حفظ قرآن کی دولت اپنے والد ماجد سے پائی۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم بھی اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ پھر ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ انہیں اپنے ساتھ گنگوہ لے گئے یہ قصبہ اس زمانے میں علماء و صلحاء کا مرکز بنا ہوا تھا اور قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کی ذات عالی صفات کے سبب رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ مولانا محمد الیاس صاحب گنگوہؒ میں آٹھ نو برس رہے۔ یہاں ان کی بہترین اخلاقی تربیت اور دینی تعلیم ہوئی۔ حضرت گنگوہیؒ سے آپ کو بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ پھر ۱۳۲۶ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے درس میں شرکت کے لیے دیوبند پہنچے اور ترمذی و بخاری شریف کی سماعت کی۔ اس کے بعد برسوں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے حدیث پڑھتے رہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد شیخ العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے سلوک کی تکمیل کی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہو گئے۔

۱۳۳۴ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اگلے سال ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا دہلی میں انتقال ہوا اور آپ بستی نظام الدین میں مستقل قیام کے لیے دہلی آ گئے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مسجد ایک کچا مکان اور ایک حجرہ تھا' درگاہ نظام الدین اولیاء کے جنوب میں ایک مختصر سی آبادی تھی۔ چند میواتی اور غیر میواتی طالب علم آپ سے پڑھا کرتے تھے۔

آپ توکل علی اللہ سارے کام انجام دیتے رہے' کبھی کبھی فاقوں کی نوبت بھی آئی مگر پائے استقلال میں جنبش نہ ہوئی' جنگل میں جاتے اور گولر کھا کر پیٹ بھر لیتے۔ طلباء کو چھوٹے چھوٹے اسباق نہایت کاوش سے پڑھاتے' حدیث کا درس بڑے اہتمام سے ہوتا مگر مدرسے سے زیادہ آپ کا عظیم کارنامہ تبلیغ کی تحریک کا شروع کرنا ہے اس کا آغاز میوات سے ہوا۔ یہاں کے لوگ محض نام کے مسلمان تھے ورنہ

معاشرت اور تہذیب وہی ہندوؤں کی سی تھی- مولاناؒ نے شب و روز محنت سے اس علاقے میں بہت سے مکتب قائم کیے اور آہستہ آہستہ اصلاح و تبلیغ کا کام پھیلنے اور اثر دکھانے لگا-

دوسرے حج سے واپس آ کر مولانا محمد الیاسؒ نے عمومی دعوت و تبلیغ کا منصوبہ بنایا اور تبلیغی گشت شروع کر دیئے- مولانا نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کی اولین اصول و ارکان یعنی کلمہ توحید اور نماز کی تبلیغ کریں پھر انہوں نے جماعتیں بنا کر مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجنی شروع کیں- چند برس کے اندر اندر اس کام میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ دور دور تک تبلیغی جماعتیں جانے لگیں اور پورے برصغیر میں اصلاحِ و تبلیغ کا کام ہونے لگا- علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ:

''حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے نہایت خاموشی کے ساتھ صرف اپنے مخلصانہ سادہ طریق اور صحیح اصول و دعوت کے ذریعے پچیس برس کی انتھک محنت میں میواتیوں کو ان خالص اور مخلص مسلمانوں کی صورت میں بدل دیا جن کے ظاہر و باطن پر خاندانی مسلمانوں کو بھی رشک آتا''-

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں:

''میوات میں دینداری کے اثرات ظاہر ہونے لگے' دین کی رغبت پیدا ہو گئی- جس علاقے میں کوسوں مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں' صدہا مکتب اور متعدد عربی کے مدرسے قائم ہو گئے' حفاظ قرآن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو گئی- ہندوانہ لباس اور وضع سے نفرت ہو گئی' سود خوری جاتی رہی شراب نوشی ختم ہو گئی- بداخلاقیوں کا تناسب گھٹ گیا' بدعات و رسوم اور فسق و فجور کی باتیں اور عادتیں خود بخود مضمحل ہونے لگیں''-

غرض مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے جتنی توجہ دل سوزی' انہماک ایثار اور لگن سے یہ تحریک

چلائی اتنی ہی تیزی اور وسعت سے اسے مقبولیت نصیب ہوئی۔ مولانا کی زندگی بھر کی جدوجہد اور دعوت وتحریک کی بنیاد اسی امر واقعی کا ادراک تھا کہ مسلمانوں میں دین کی بنیاد تزلزل پر ہے اور اصل کام اس کا استحکام ہے۔ آپ کی ساری جدوجہد کا محور ومرکز یہی تھا۔ آپ نے محسوس کرلیا تھا کہ مسلمانوں میں ایمان ویقین روبہ تنزل ہیں' دین کی قدر دلوں سے اٹھتی جارہی ہے لہٰذا اس وقت سب سے مقدم اور ضروری کام مسلمانوں میں اپنے مسلمان ہونے کا احساس پیدا کرنا ہے اور یہ کہ دین سیکھے بغیر نہیں آتا اور دنیاوی چیزوں سے زیادہ اس کے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں میں دین کی طلب پیدا کی جائے۔ اسلام کا کلمہ طیبہ ہی اللہ کی رسی کا وہ سرا ہے جو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے اس سرے کو پکڑ کر آپ اسے پورے دین کی طرف کھینچ سکتے ہیں۔

مسلمان جب اس کلمے کا اقرار کرتا ہے اسے دین کی طرف لے آنے کا موقع باقی ہے اس کے بعد اسے نماز کی طرف لایا جائے جو احکام میں سب سے عمومی اور سب سے مقدم ہے۔ نماز میں اللہ نے یہ قوت رکھی ہے کہ وہ سارے دین کی استعداد پیدا کر دیتی ہے۔

مولانا محمد الیاسؒ کے نزدیک اس عظیم کام کے لیے عالم اسلام میں ایک عمومی اور دائمی حرکت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں نے جب سے جماعتی زندگی اور حرکت چھوڑی ہے اس وقت سے ان کا انحطاط شروع ہوگیا ہے۔ اور وہ روحانی زوال اور اندرونی ضعف کا شکار ہوگئے ہیں۔

بہر حال مولانا کی ساری زندگی اس تحریک کی نذر ہوگئی اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے اسے کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھ لیا اور آج پوری دنیائے اسلام میں یہ عظیم کام ہو رہا ہے۔ آپ کے مقام کے اندازہ کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''جب میں مولوی محمد الیاس کو دیکھتا ہوں تو صحابہؓ یاد آتے ہیں''۔

(تذکرہ مشائخ دیوبند)

آپ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور لطیف الروح تھے۔ بہت ضعیف و کمزور تھے اور علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے پیکر تھے۔ آخر دم تک انتھک کوششوں کے ذریعے جس دعوت کو لے کر اٹھے تھے اس میں کامیاب ہوئے اور ہزاروں افراد ایسے پیدا کر دیئے جو آپ کے بعد آپ کی دعوت کو لے کر اٹھیں اور آپ کے نشان راہ پر چلا سکیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیام آخرت آ گیا۔ اور ۱۲، ۱۳، جولائی ۱۹۴۴ء کی شب میں پچھلے پہر آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے بعد آپ کے سچے جانشین فرزند رشید مولانا محمد یوسف صاحب دہلویؒ امیر جماعت تبلیغ اور سالار قافلہ منتخب ہوئے جو کہ دم آخر تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے حتی کہ تبلیغ کے لیے جان دے دی فرحمہم اللہ۔

رئیس المناظرین

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ ہوئی- آپ کے والد حکیم سید ضیاء علیؒ صاحب قصبہ چاند پور ضلع بجنور کے مشہور اور حاذق طبیب تھے آپ کے اجداد میں عارف باللہ شیخ طریقت اور صاحب کرامات جناب سید عارف علی شاہ صاحبؒ تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے-

تعلیم:

آپ درس نظامی کی تعلیم کے لیے ۱۲۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے- آپ ہمیشہ اپنی جماعت میں اعلیٰ و امتیازی نمبر حاصل کرتے رہے- آپ کے جلیل القدر اور ممتاز اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ،حضرت شیخ الہندؒ مولانا ذوالفقار علیؒ مولانا محمد محمود اور مولانا منفعت علی رحمہم اللہ اجمعین شامل تھے-

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہ کر مکرر دورۂ حدیث پڑھا اور فیض صحبت حاصل کیا- فن معقولات میں تحصیل کمال کی غرض سے معقولات کے نامور اور مشہور استاذ حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوریؒ کی اعلیٰ کتب پڑھ کر اس فن میں مہارت تامہ حاصل کی-

مراجعت وطن:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن چاند پور واپس آ گئے اور

اپنے والد کے مطب میں مشغول ہو کر تشخیص امراض و تجویز نسخہ جات میں اور فن دوا سازی میں بدرجہ کمال عبور حاصل کیا۔ اب آپ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر و حاذق طبیب بھی تھے۔

تدریس:

اسی زمانہ میں مولانا منور علی صاحبؒ خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی نے دربھنگہ کے قریب مدرسہ امدادیہ قائم کیا اور حضرت تھانویؒ سے ایک قابل مدرس کی فرمائش کی۔ حضرت تھانویؒ کی فرمائش پر آپ طبی شغل چھوڑ کر دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں علمی درس میں مصروف ہو گئے۔ ایک زمانہ تک وہیں صدر مدرس رہے پھر کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں صدر مدرس رہے۔ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی پر پھر دارالعلوم دیوبند میں واپس آنے کا حکم دیا اور حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے غیر معمولی اصرار فرمایا۔ چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا۔ ساتھ ہی سلسلہ تدریس بھی جاری رہا۔

بیعت وارشاد:

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوئے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی اور مکرر حدیث پڑھی اور تعلیم و تربیت و ارشاد سے ایک عرصہ تک مستفیض رہے۔ زمانہ قیام کانپور اکثر مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی طرف رجوع کیا۔ پھر حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ کو اپنا سرپرست اور مربی بنایا۔ حضرت مونگیریؒ کے بعد آپ نے اپنا بزرگ و سرپرست حضرت تھانویؒ کو بنا

لیا- باوجودیکہ حضرت تھانویؒ آپ کے ہم عصر تھے- اور دونوں حضرات نے ایک ہی اساتذہ سے استفادہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود حضرت تھانویؒ سے آپ کو تعلق اور عقیدت ایسی ہی تھی جیسے اکابر و اسلاف سے تھی-

حج بیت اللہ:

فراغت علوم کے بعد جب آپ اپنے والد کے پاس طبی مشغلہ میں مصروف تھے- اسی زمانہ میں جناب حکیم بنیاد علی صاحبؒ اپنے دونوں صاحبزادوں کو ہمراہ لے کر حج کے لیے روانہ ہو گئے- اس وقت حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ بقید حیات تھے- حکیم صاحب کو حضرت حاجی صاحبؒ سے بے حد عقیدت تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ کو بھی ان سے خصوصی تعلق تھا- حکیم صاحب نے مع مولانا چاند پوریؒ حج کی سعادت حاصل کی- اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحب کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے- بعد فراغت حج حکیم صاحب کا مدینہ منورہ ہی میں انتقال ہو گیا- صاحبزادگان کو حکیم صاحب کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا- حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ نے دونوں کی سرپرستی فرمائی اور ان کو تسلی و تشفی دیتے رہے- دوسری مرتبہ حضرت مولانا چاند پوریؒ حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں سے کتب علمیہ کا کافی ذخیرہ خرید کر لائے تھے- تیسری مرتبہ آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی رفاقت میں حج کیا- اس سفر میں مخصوص رفقاء شامل تھے جب فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو امیر قافلہ بنا دیا تھا- کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص دلچسپی ہے اور منجملہ دیگر کمالات کے اس میں بھی ان کو خاص کمال ہے مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور جملہ خدمات نوبت بنوبت انجام پاتی تھیں- چونکہ تمام رفقاء اہل علم ایک مذاق تھے اس لیے نہایت خوش اسلوبی سے یہ سفر فرحت و سرور کے ساتھ طے ہوا- (سفر نامہ شیخ الہند ص ۲۵)

دعوت و تبلیغ:

مولانا چاند پوریؒ اپنے دور کے مشہور و مقبول مقرر تھے- ملک کے اطراف و

اکناف کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید نہ ہوا ہو- آپ کو فن تقریر میں ملکہ تامہ حاصل تھا- آپ اکثر فرمایا کرتے کو وعظ سے قبل دل میں کوئی مضمون نہیں ہوتا- خطبہ پڑھنے کے بعد ہی مضمون اس وقت ذہن میں آتا ہے- اسی پر بعونہ تعالیٰ تقریر شروع کر دیتا ہوں- آپ کی تقریر پند و نصائح کے ساتھ لطائف علمیہ و نکات حکمیہ' معرفت' عبادات' قصص و حکایات سے مملوء ہوتی تھی- آپ کو فن مناظرہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا- آریہ سماج کے مشہور و معروف مقرر پنڈت رام چندر سے امروہہ میں مناظرہ ہوا اور پنڈت کو لاجواب ہو کر دہلی واپس جانا پڑا-

تصنیف و تالیف:

آپ نے باطل فرقوں کے خلاف بکثرت رسائل تصنیف فرمائے- ابتداء میں جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تردید میں بکثرت رسائل تصنیف کیے- جن میں سے چند رسائل بنام ''مجموعہ رسائل چاند پوری'' پاکستان میں انجمن ارشاد المسلمین لاہور کی طرف سے طبع ہو چکے ہیں- آپ کے زمانہ قیام مراد آباد میں آریہ سماج مراد آباد کی جانب سے بنام اہل مراد آباد متعدد سوالات شائع کیے گئے تھے- مولاناؒ نے ان کے جواب میں بے مثال جوابی رسائل تحریر فرمائے-

آپ نے قادیانیت کے رد میں بھی بہت سے رسائل تحریر فرمائے جو اس وقت خصوصیت کے ساتھ پنجاب' صوبہ سرحد میں بہت مقبول اور پسندیدہ ہوئے- جن میں سے کچھ رسائل بنام ''مجموعہ رسائل'' مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی طرف سے طبع ہو چکے ہیں جس میں درج ذیل رسائل شامل ہیں-

فتح قادیان کا مکمل نقشہ جنگ' مرزائیوں کو چیلنج' قادیان میں قیامت خیز زلزلہ' مرزائیت کا خاتمہ' مرزائیت کا جنازہ بے گور و کفن' مرزائیوں سے خدائی مباہلہ' مرزا اور مرزائیوں کو دربار نبوت سے چیلنج' الابطال لاستدلال ...... 'تعلیم الخبیر فی حدیث ابن کثیر' مرزائیوں کے گلے میں لعنت کا طوق' صاعقہ آسمانی برقادیانی' اس کے علاوہ مولانا کا رسالہ ''اشد العذاب علیٰ مسیلمۃ الفنجاب'' بھی ہے-

مولانا ردِ مرزائیت کے سلسلہ میں اپنے رسائل کے متعلق نہایت پر اعتماد لہجہ میں فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے پاس اگر کفریات مرزا' اول السبعین' دوسری سبعین' یعنی یہی مرزائیت کا جنازہ' دفع العجاج' مرزائیت کا خاتمہ' مرزائیوں کی تمام جماعتوں کو چیلنج صرف یہی رسائل اور اشتہارات ہوں تو بڑے سے بڑا مرزائی بھی خدا چاہے ایک ادنیٰ مسلمان سے بات نہ کر سکے گا- اور ان رسائل میں عام فہم باتیں ہیں جو لاجواب ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ لاجواب ہیں- بڑا ہی مایہ ناز مسئلہ جو مرزائیت کا لب لباب ہے بلکہ تخم اور درخت اور پھل پھول وہی ہے- یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا فوت ہونا اور کسی مثل مسیح کا آنا- عروج اور نزول جسمانی کا محال ہونا یہ بھی اس رسالہ میں بفضلہٖ تعالیٰ مرزا صاحب کے اقرار سے ایسا ثابت ہوا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مرزائی جواب نہیں دے سکتے چاہے سب کے سب متفق ہو جائیں اور ہمت ہو تو متفق ہو کر دیکھ لیں- اپنی طرف سے کچھ کہا ہی نہیں- مرزا صاحب کی عبارات ہیں اور ان کا مطلب ہے''- (مجموعہ رسائل ص ۲۳)

''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں آپ کا سوانحی تذکرہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''آپ مولانا محمد یعقوب صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے اور حضرت تھانویؒ کے ہم عصروں میں سے تھے- ذکی' طباع اور تیز فہم علماء میں سے تھے' آپ کی تقریر مشہور اور معروف تھی- زبردست مناظر تھے' مبتدعین اور قادیانیوں کو تاب درواز ہ آپ ہی نے پہنچایا' عرصہ دراز تک دربھنگہ اور مراد آباد میں صدارت تدریس کے فرائض انجام دیئے اور آخر میں دارالعلوم کے عہد نظامت تعلیم اور پھر نظامت تبلیغ پر فائز ہوئے' دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا' آپ کی نمایاں اور غیر معمولی خطابت نے ملک کے گوشہ گوشہ کو مستفیض کیا' آپ کو رد بدعات اور رد قادیانیت سے خاص شغف تھا اور اس سلسلہ میں آپ

کی بہت سی قابل قدر تصانیف ہیں جو طبع ہو چکی ہیں''۔

وطن واپسی:

چونکہ عوارضات ضعف پیری عیاں ہو چکے تھے اس لیے تقریباً نصف صدی سے زائد اپنے وطن چاند پور سے باہر رہ کر واپس آ گئے اور یہاں صرف ذکر و عبادات اور اوراد میں تاحیات معروف رہے۔

وفات:

دسمبر ۱۹۵۱ء میں آپ کو عشاء کے وضو کے بعد معمولی سردی معلوم ہوئی' کچھ دیر بعد حرارت ہو گئی۔ آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی' اس کے بعد پھر وہی سردی کی کیفیت طاری ہو گئی اور حالت غشی طاری ہو گئی' اس حالت میں بھی زبان متحرک اور مصروف ذکر رہی' کچھ ہوش آنے پر ذکر میں آواز بلند ہو جاتی تھی' تقریباً ایک ہفتہ تک یہی حالت رہی' ذکر کے سوا زبان سے کچھ نہیں نکلتا تھا' اس عرصہ میں توجہ الی اللہ کے ساتھ ذکر کرتے رہے اور بالآخر ۳۱/ دسمبر ۱۹۵۱ء کو با آواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے انتقال فرمایا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ.

(ماخوذ ماہنامہ الرشید لاہور)

شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، وہ اپنے زمانے کے جید عالم دین، اسلام کے عظیم مجاہد اور اپنے وقت کے عارف کامل تھے، اپنے وقت کے شیخ کامل تھے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۱۹/شوال المکرم ۱۲۹۶ھ ہے، آبائی وطن موضع اللہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔

آپ کا تاریخی نام چراغ محمد ہے، آپ حسینی سید ہیں اور آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحبؒ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے خلیفہ خاص تھے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کی زیرنگرانی ہوئی، آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے پانچ سپارے قرآن شریف کے پڑھے اور بقیہ پارے والد صاحبؒ سے پڑھے۔ جب آپ کی عمر ۱۳ سال ہوئی تو آپ ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحبؒ اور شفیق استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی زیرنگرانی دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پاتے رہے، باوجودیکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ دورۂ حدیث کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے، لیکن آپ کو ہونہار پاکر ابتدائی کتابیں بھی خود ہی پڑھائیں اور توجہاتِ خصوصیہ سے نوازا، آثارِ سعادت اور جذبہ خدمت آپ میں پہلے ہی سے موجود تھا، اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

کی توجہات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا' سترہ فنون پر مشتمل درس نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کر ڈالیں اور علم نبوت کے نیر اعظم بن کر دارالعلوم کے در و دیوار کو منور کرنے لگے' ہر ایک استاذ کی نظر شفقت آپ پر پڑنے لگی' اساتذہ غایت شفقت اور محبت کی وجہ سے' نیز کم عمر ہونے کے باعث آپ کو ''مستوراتی منشی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے' اساتذہ کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے میں آپ کو کبھی عار محسوس نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں سے کسی نے بھنگی کی فرمائش کی کہ بھنگی سے نالی صاف کرا دو بھنگی نہیں ملا' مگر نالی صاف ہو کر دھل بھی گئی' معلوم ہوا کہ اس نالی کو حسین احمد نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تھا۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بہت سے مہمان آ گئے تھے' بیت الخلاء صرف ایک ہی تھا' لہٰذا دن بھر کی گندگی سے پر ہو جاتا تھا' لیکن تعجب تھا کہ روزانہ صبح صادق سے پہلے ہی صاف ہو جاتا تھا' چنانچہ ایک دن اس راز کو معلوم کرنا چاہا تو دیکھا گیا کہ رات کے دو بجے آپ ٹوکرا لے کر پاخانے میں داخل ہوئے اور پاخانہ ٹوکرے میں بھر کر جنگل کا رخ کیا۔ سبحان اللہ! یہ تھی تواضع اور خاکساری جس نے آپ کو فنائیت کے درجے پر پہنچایا ہوا تھا۔

بہر حال جب آپ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو آپ کی چند خارج از درس کتابیں طب' ادب' ہیئت میں باقی رہ گئی تھیں کہ آپ کے والد ماجد نے عزم ہجرت کیا تو آپ بھی معہ والدین و برداران وغیرہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے اور ادبیات میں باقی کتابیں مدینہ منورہ کے معمر اور مشہور ادیب مولانا الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہؒ سے پڑھیں۔

آپ کو حدیث میں علاوہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے' حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ، مولانا شیخ حسب اللہ شافعی المکی اور مولانا سید احمد برزنجی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

جس وقت آپ کے استاذِ مکرم حضرت شیخ الہند قدس سرہ آپ کو مدینہ منورہ رخصت کر رہے تھے تو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا چاہے ایک دو ہی طالب علم ہوں"۔ چنانچہ آپ نے اپنے استاذ کی اس نصیحت کو ایسا گرہ میں باندھا کہ آخر دم تک پڑھاتے رہے۔ مدینہ منورہ کی فاقہ کشی کی زندگی اور ہندوستان کی قید و بند کی زندگی میں برابر اس نصیحت پر عمل پیرا رہے اور اشتغال بالعلم رکھا اور علم کے دریا بہاتے رہے۔

مرکزِ علم مدینہ میں آپ کو وہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ عرب کی حدود سے نکل کر آپ ممالک غیر میں بھی "شیخ حرمِ نبوی" مشہور ہوگئے اور عرصۂ دراز تک حرمِ نبوی میں پڑھانے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ ہندوستان واپس تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے حلقہ درس میں شرکت فرمائی اور اربابِ اہتمام و شوریٰ نے آپ کو معقول تنخواہ پر دارالعلوم دیوبند میں مدرس رکھ لیا۔ اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں آپ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اسارتِ مالٹا کے زمانے تک برابر درس و تدریس میں مشغول رہے، مالٹا سے واپسی کے بعد آپ نے کچھ دنوں امروہہ کے مدرسہ جامع مسجد میں بھی تعلیم دی، پھر وہاں سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی خدمت میں بلا لیا۔ کچھ دنوں کے بعد کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر آپ کلکتہ تشریف لے گئے اور تدریس میں مشغول ہو گئے۔ کراچی کے مشہور مقدمہ تک آپ کلکتے میں رہے۔ بعد میں آپ اس کی مدرسی سے بوجہ گرفتاری و جیل علیحدہ ہو گئے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک تقریباً چھ سال بنگال میں اور پھر سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے پڑھاتے رہے، اس ۳۱ سالہ زمانۂ تدریس میں ہزاروں افراد آپ کے فیضِ علمی سے مستفید ہوئے۔

سلوک و تصوف میں بھی آپ کامل شیخ تھے ۱۳۱۶ھ میں آپ آستانۂ عالیہ رشیدیہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

سے بیعت :۔ ــ ۔ ـقت آپ کا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا تھا اس وجہ سے حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں نے تو تمہیں بیعت کرلیا ہے اب تم مکہ معظمہ جارہے ہو وہاں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ موجود ہیں ان سے عرض کرنا وہ تمہیں ذکر کی تلقین فرمادیں گے''۔

غرض یہ کہ آپ مکہ معظمہ پہنچ کر بارگاہِ امدادیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ان کو بیعت کرلیا تھا مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرتؒ سے حاصل کرلینا''۔ اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو تلقین فرمائی اور فرمایا کہ صبح آ کر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو۔ ان تو جہاتِ باطنی کے ساتھ آپ کی تربیت روحانی ہوتی رہی اور جب آپ مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ''تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں''۔

اس کے بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو عرصہ دراز تک حرمِ نبویؐ میں نبوتِ محمدیہؐ کی نشر و اشاعت کرتے رہے اور ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے جس کی وجہ سے متعدد رؤیائے صالحہ اور بشارات آپ کو حاصل ہوئیں۔

۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا والا نامہ برائے طلبی مدینہ منورہ پہنچا اور آپ حسب الارشاد آستانۂ عالیہ گنگوہ حاضر ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد بارگاہِ رشیدی سے آپ کو اجازتِ بیعت حاصل ہوئی اور حضرت گنگوہیؒ نے دستارِ خلافت اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر باندھی اور اس طرح آپ کمالاتِ رشیدیہ و امدادیہ کے مجمع البحرین ہوگئے۔

بہرحال آپ کمالاتِ روحانیہ میں اپنی نظیر آپ تھے اس کا اندازہ حضرت شیخ الہندؒ کے اس ارشاد گرامی سے ہوسکتا ہے جس کو حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

''مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانے میں ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد'' کے مصداق ہو گئے ہیں' ہمیشہ سفر و حضر میں خدمت کر کے آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو راحت پہنچاتے رہتے تھے' ایک دن حسب عادت پاؤں دبانے لگے اور خاکسار محروم الخدمت کو بھی حرص آئی اور دوسرا پاؤں دبانے بیٹھ گیا اور ہنس کر میں نے مولانا حسین احمد صاحبؒ سے کہا کہ ''مولوی صاحب آج تو ہم بھی آپ کے برابر ہو گئے ہیں''۔ اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: ''بھائی تم کہاں کہاں ان کی برابری کرو گے؟''۔

ان بزرگانہ توجہات کے باعث آپ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے عارف اور محدث کو بھی لکھنا پڑا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تمام تلامذہ میں یہ خصوصیت اور کمال کسی کو حاصل نہیں تھا جو حضرت مدنی کو حاصل تھا اور بقول حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ:

''حضرت مدنیؒ اس زمانے میں اولیاء اللہ کے امام تھے''۔

خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرت الاستاذ مولانا مدنی قدس سرہ حضرت شیخ الہندؒ کے صحیح علمی و سیاسی جانشین تھے' اور ولی کامل تھے''۔

الغرض تدریسی اور روحانی خدمات کی مصروفیات کے باوجود آپ اسلام کے سیاسی رخ سے بھی غافل نہیں تھے اور بڑی تن دہی سے سیاسی میدان میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ جمعیت العلماء ہند کے صدر اور قائد کی حیثیت سے آپ نے ایک بلند مقام حاصل کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلے میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے اور بالآخر ملک کو آزاد کرا لیا اور تمام عمر آزادی ہند کی خاطر اپنی جانی اور مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا اور ملکی آزادی کے لیے سیاسی جدوجہد میں سر دھڑ کی بازی لگا دی' جیلوں میں سختیاں جھیلیں اور فرنگی تشدد آپ کے پائے استقلال کو ذرا بھی لغزش میں نہ لا سکا اور ہمیشہ فرنگی حکومت کو پائے استحقار سے

ٹھکراتے رہے۔

آپ کے سیاسی کارناموں میں زبردست کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوؤں نے بھارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور چاروں طرف ہندو اور سکھوں کے سفاک ہاتھوں نے مسلمانوں کے قتل عام سے ہاتھ رنگین کر کے سرزمین ہند کو لالہ زار بنا دیا تھا' اس وقت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ گولیوں کی بوچھاڑ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی خاطر دہلی' سہارنپور' مراد آباد اور میرٹھ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے' اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت کا سہرا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے سر تھا اور پاکستان کی قیادت کا سہرا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمدؒ عثمانی کے سر تھا...... یہ دونوں حضرات ایک ہی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے فرزند اور ایک ہی مکتب فکر کے سربلند عالم تھے' ایک دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس تھا اور دوسرا دارالعلوم دیوبند کا صدر مہتمم تھا' دونوں ایک ہی استاذ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور حضرت شیخ الہندؒ کے علمی و روحانی جانشین تھے' مگر ایک نے اپنے غور و فکر اور علمی اجتہاد سے کانگریس کا ساتھ دیا اور دوسرے نے مسلم لیگ کے ساتھ رہنا اپنے اجتہاد کا ثمرہ سمجھا' اور دونوں حضرات اپنے اپنے موقف اور سیاسی نظریے کے مطابق خلوص نیت سے دینی' ملکی اور ملی خدمات انجام دیتے رہے...... اللہ تعالیٰ ان حضرات اکابر کی قبروں پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے اور ہمیں ان کے متعلق ہر قسم کی بدگمانی سے بچائے۔ آمین

مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمدؒ مدنی جو حضرت شیخ الہندؒ کے اخص تلامذہ میں سے ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم سے فراغت پا کر تزکیہ نفس کے لیے چند سال حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی

خدمت میں رہے اور بالآخر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے اور اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ مسجد نبوی میں علوم قرآن و حدیث کا درس دیا' پھر اپنے استاذ مکرم حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ جہاد آزادی میں شرکت فرما کر چار سال مالٹا جیل میں ان کے ساتھ رہے' پھر رہائی کے بعد بھی اسی مشن کی تکمیل میں جدوجہد کرتے رہے اور آخر میں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ' ۳۲ سال دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے''۔ (بحوالہ ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۱۴۷)

الحاصل آپ ساری زندگی اسلام اور ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہے اور آخرکار یہ مردحق ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نماز ظہر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔انا للّٰہ و انا الیہ رجعون.

ہزاروں عقیدت مندوں نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ صاحب کاندھلوی مدظلہٗ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور قبرستان قاسمی دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔ حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(تفصیلی حالات آپ کی خودنوشت سوانح نقش حیات میں ملاحظہ فرمائیے)

حضرت مولانا پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا فضل علی قریشیؒ بن فرزند علی قریشیؒ ن ۱۲۷۰ھ/۵۴-۱۸۵۳ء میں داؤد خیل میں پیدا ہوئے۔ مولانا قمر الدینؒ سے کتب درسیہ کی تحصیل کی اور دورۂ حدیث مولانا احمد علی محدث سہارن پوری (م ۱۲۹۷ھ) سے پڑھا۔

بھائیوں کے ساتھ داؤد خیل سے ترک سکونت کر کے ضلع مظفر گڑھ آئے اور حکومت سے کچھ رقبہ لے کر کاشتکاری شروع کی۔ ان کی کوششوں سے جنگل ہی لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں نہیں بدلا بلکہ "مسکین پور" کے نام سے ایک بستی آباد ہوگئی۔

مولانا فضل علی قریشیؒ نے ابتداء میں مولانا سید لعل شاہؒ ساکن وندہ شاہ بلاول سے بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد موسیٰ زئی شریف گئے اور خواجہ سراج الدین (م ۲۶/ربیع الاولیٰ ۱۳۲۳ھ) کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ موصوف اچھے خوشنویس تھے۔ خواجہ سراج الدین مرحوم کی خط و کتابت ان ہی کے ذمے تھے۔

علمائے دیوبند کی خدمات دینیہ کے قدردان تھے۔ ایک دفعہ دیوبند گئے تو مولانا حسین احمدؒ مدنی (م ۱۳۷۷ھ) قاری محمد طیبؒ اور دوسرے اکابر دیوبند نے عزت و احترام کا سلوک کیا۔ دیوبند سے دہلی آئے اور مفتی کفایت اللہؒ (م ۱۳۷۲ھ) کے مدرسہ امینیہ تشریف لے گئے۔ فرق باطلہ کے خلاف علمائے دیوبند کا ساتھ دیا۔ ایک بار سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بغرض تقریر قادیان جا رہے تھے۔ وہ مولانا فضل علی کو باصرار ساتھ لے گئے چنانچہ قادیان میں ان ہی کی صدارت میں خانہ زاد نبوت کے بخیے ادھیڑے گئے۔

مولانا فضل علیؒ کا ذریعہ معاش کاشت کاری تھا۔ خود ہل چلاتے اور فارغ اوقات میں اصلاح و ارشاد کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مہمان نواز، ایثار پیشہ اور

متواضع بزرگ تھے۔ کوئی مہمان بے وقت آ جاتا تو اپنا کھانا بھجوا دیتے اور خود صبر و شکر کر لیتے تھے۔[1]

موصوف کو تمباکو سے نفرت تھی اور ان کی توجہ کاملہ کا اثر تھا کہ بیعت ہونے والا شخص اگر تمباکو پینے یا کھانے کا عادی ہو۔ تو وہ اس بری عادت سے توبہ کر لیتا تھا۔[2]

یکم رمضان ۱۳۵۴ھ/ ۲۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو مسکین پور میں واصل بحق ہوئے اور وہیں مزار ہے۔ مرحوم کے ۲۷ خلفائے عظام کی فہرست جناب محمد عبدالمالک صدیقیؒ نے مرتب کی ہے۔[3]

ان میں سے مندرجہ ذیل نے علمی و دینی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے:

۱- مولانا عبدالغفور عباسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۲- مولانا محمد عبدالمالک صدیقیؒ ساکن احمد پور شرقیہ
۳- مولانا حسین علی قریشیؒ (مسکین پور)
۴- مولانا محمد عبداللہ مرحوم (بہلی شریف)
۵- خواجہ محمد سعید قریشی (م ۱۳۶۳ھ)
۶- مولانا علی مرتضیٰ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا فضل علیؒ کے پسماندگان میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ (تذکرہ علماء پنجاب)

---

[1] تجلیات ص ۶۲ [2] تحفہ زاہدیہ ص ۲۸ [3] تجلیات ص ۳۶-۳۸

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہونے والوں کے لیے

چھ معمولات کی تفصیل

۱- ذکر: (وقوف قلبی ذکر قلبی) ہر گھڑی ہر آن رکھنا ہے دھیان کہ میرا دل کر رہا ہے-

الله، الله، الله

۲- فکر: (مراقبہ) چوبیں گھنٹوں میں ایک مرتبہ آدھ پون گھنٹے کے لیے دنیا و مافیہا سے ہٹ کٹ کے اللہ سے لو لگا کر بیٹھنا اور فیض کا انتظار کرنا-

۳- تلاوت قرآن مجید: ایک پارہ روزانہ-

۴- درود شریف: دو سو مرتبہ روزانہ-

اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی ال سیدنا و مولانا محمد و بارک و سلم.

۵- استغفار: دو سو مرتبہ روزانہ

استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیه.

۶- رابطہ شیخ: دین سیکھنے اور ترتیب حاصل کرنے کے لیے شیخ سے رابطہ رکھنا- شیخ کی خدمت میں آ کر رہنا- خط و کتابت کرتے رہنا-

نصیحت

از شیخ المشائخ عارف کامل حضرت مولانا فضل علی قریشی صاحبؒ

عزیزو! دوستو! یارو! یہ دنیا دار فانی ہے
دل اپنا مت لگاؤ تم قبر میں جا بنانی ہے

تم آئے بندگی کرنے پھنسے لذات دنیا میں
ہوئی اندھی عقل تیری، تیری کیسی جوانی ہے

گناہوں میں نہ کر برباد عمر اپنی تو کر توبہ!
کہاں گئے باپ دادا سب کہ تو جن کی نشانی ہے

کہاں گئے خوبصورت پہلواں صاحب عقل بھارے
پھرے مغرور ہو اندھا بڑی تیری نادانی ہے

تو کر نیکی نمازاں پڑھ خدا کو یاد کر ہر دم
جو آخر میں یہی نیکی تیرے خود کام آنی ہے

نہ ہو شیطان کے تابع نہ بے فرمان رب کا ہو
نبی ﷺ کے در کا خادم ہو مراد اچھی جو پانی ہے

شریعت کی غلامی کر گناہوں سے تو بچ یارا
بری حالت ہو ظالم چور کی جو مرد زانی ہے

تو روزی کھا حلال اپنی سراپا نور تقویٰ بن
کہ تقویٰ میں ترقی ہے یہ نعمت جاودانی ہے

پکڑ لے پیر کامل کو کہ بیعت بھی ضروری ہے
بجز مرشد کے اچھی بات کس تم کو بتانی ہے
علامت پیر کامل کی' کہ دیکھے اللہ یاد آئے
بجز مرشد کے دنیا کی محبت کس مٹانی ہے
شریعت کا غلام ہووے عجب اخلاق ہوں اس میں
عجب روشن ضمیر ہووے کشادہ جس کی پیشانی ہے
اگر تو طالب مولیٰ ہے' طالب دین و ایمان کا
تو جلدی کر پکڑ مرشد نصیحت یہ ایمانی ہے
رہائش شہر کلیانہ ہوئی دن سات اے یارو
رہے سر سبز یہ قصبہ خدا کی مہربانی ہے
محمد عبد المالک مولویؒ آئے رہے اس میں
جو اس کے آنے میں لوگوں کی بیشک حق رسانی ہے
قریشی "دست بستہ عرض کرتا ہے سنو بھائی
قسم رب کی نہ جھوٹ اس میں نہ لائق بدگمانی ہے

اجازت نامہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ عثمانیہ

﴿ یا ایها الذین امنوا اتقوا الله و ابتغوا الیه الوسیلة و جاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون ﴾

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور اس کی طرف پہنچانے کے لیے ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو یقیناً تم کامیاب ہو گے''۔

﴿المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة اللّٰه﴾

''مجاہد وہ ہے کہ جو خدا کی فرمان برداری میں اپنے نفس کا مقابلہ کرے''۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العلمین و الصلوٰة و السلام علیٰ حبیبه سید المرسلین واله الطاهرین و اصحابه الطیبین اجمعین الی یوم الدین...... الخ

امابعد!

می گوید فقیر حقیر لاشی محمد فضل علی قریشی ہاشمی عباسی کہ این عاجز خاکسار ذرہ بے مقدار در خاندان نقشبندیہ مجددیہ عثمانیہ داخل شدہ علم سلوک تام دوبارہ تا دیرہ لاتعین از حضرت قبلہ عالم حاجی حافظ مولانا مولوی محمد سراج الدین صاحب دامانی حاصل نمودہ و شرف اجازت از آنحضرت قبلہؒ یافتہ برائے تحقیق سلسلہ شریف موجود است پس ازیں عاجز لاشی برادر طریقت۔

مولوی حافظ غلام حبیب صاحبؒ ولد غلام محی الدینؒ ساکن کروہی علم سلوک و جذب و حالات و واردات صحیحہ حاصل نمودہ برائے تعلیم اسم ذات و علم سلوک برائے

طالبان مولیٰ و برائے خدمت اسلام بموجب ضرورت اجازت دادہ شد طالبان راہ حق جل وعلیٰ رامناسب است کہ زود فیض ظاہری و باطنی ازیں شیخ کامل حاصل نمایند و ہیچ خطرہ وشک در دل نیارند کہ جناب خلیفہ صاحب موصوف للہ فی اللہ خدمت اسلام و برداران اسلام کنند۔ فقط:

دستخط:

محمد فضل علی قریشی عباسی ہاشمی

تاریخ ۲۹/ ماہ شعبان ۱۳۵۲ھ

یوم دوشنبہ، وقت قریب عصر

مقام مسکین پور شریف

الخیر باہتمام:

خاکسار ذرہ بے مقدار محمد فضل علی قریشی ہاشمی عباسی از فقیر پور شریف

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید مہر علیؒ شاہ بن سید نذرؒ دین شاہ بن سید غلام حیدرؒ شاہ بن سید روشن دینؒ یکم رمضان ۱۲۷۵ھ/۴ اپریل ۱۸۵۹ء کو گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔[1] ان کا سلسلہ نسب ۲۵ ویں پشت میں شاہ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ سے جا ملتا ہے۔ ان کی نانی حضرت سید جلال الدینؒ بخاری اوچی کی اولاد میں سے تھیں۔ پیر سید مہر علی شاہؒ کے اجداد میں سید روشن دین پہلے شخص تھے جنہوں نے گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی۔

پیر سید مہر علی شاہؒ کے خاندان میں علم و عمل کی اچھی روایات چلی آ رہی تھیں۔ انہوں نے مقامی مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ غلام محی الدین ہزارویؒ سے درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد بھوئی (ضلع راولپنڈی) جا کر مولانا محمد شفیعؒ کے درس میں شامل ہوئے اور دو سال ان کی خدمت میں رہ کر صرف و نحو کی متوسط کتب اور منطق میں "قطبی" پڑھی۔ یہاں سے انگہ (ضلع سرگودھا) گئے اور مولانا سلطان محمودؒ سے استفادہ کیا۔ راستے میں میکھی ڈھوک (ضلع اٹک) رکے مگر مولانا سلطان محمودؒ کی کشش اس قدر غالب تھی کہ یہاں قیام نہ کیا۔ انگہ میں اڑھائی سال مقیم رہے اور درس نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۹۰ھ/۴-۱۸۷۳ء میں وسط ہند کا سفر کیا۔ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے استفادہ کے لیے کانپور حاضر ہوئے مگر وہ سفر حج کے لیے پابرکاب تھے۔ اس لیے کانپور سے علی گڑھ چلے گئے جہاں مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ) کی مسند تدریس بچھی ہوئی تھی۔ مولانا لطف اللہؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر

---

[1] مہر منیر ص ۶۱

کے ریاضی کی کتب عالیہ کا درس لیا۔ ۲/۱ ۲ سال بعد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) کے پاس حاضر ہوئے اور الصحیحین کا درس لیا اور ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں ان سے سند حدیث حاصل کی۔[1] اس طرح بیس سال کی عمر میں علوم متداولہ کی تحصیل کر لی۔

پیر سید مہر علی شاہؒ کے استاد گرامی مولانا سلطان محمودؒ انگوی' حضرت شمس الدین سیالویؒ کے مرید خاص تھے۔ ان کے توسط سے پیر صاحب نے بھی حضرت سیالویؒ کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور خلافت واجازت سے مشرف ہوئے۔

علوم مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو سیر و سیاحت کے لیے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ تین چار سال لاہور میں مقیم رہے۔ ان کا قیام حافظ محمد دینؒ (کشمیری بازار) کے ہاں تھا۔ زیادہ وقت دریائے راوی کے کنارے ریاضت و عبادت میں گزارتے تھے یا شیخ الٰہی بخش کتب فروش کی دکان پر گزرتا تھا۔ ان کی علمی وجاہت کے پیش نظر انجمن نعمانیہ لاہور نے ان کی خدمات مدرسہ نعمانیہ کے لیے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۱۳۰۱ھ/۸۴-۱۸۸۳ء میں انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ طلبہ شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں رہتے تھے اور وہ درس کے لیے مسجد حاضر ہو جاتے تھے۔ قیام لاہور کے بعد مالیر کوٹلہ' ملتان' مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع کے سفر کیے۔ اسی زمانے میں اجمیر شریف بھی گئے۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں سفر حج پر روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہؒ کیرانوی (بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ) سے ملاقات ہوئی۔ مدرسہ صولتیہ کے مدرس مولانا محمد غازی پیر صاحب کے علم و تقویٰ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ ان کے ہمراہ گولڑہ شریف آ گئے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) کے درس مثنوی میں شریک ہوئے۔ پیر صاحبؒ نے مسئلہ وحدت الوجود کے موضوع پر ایسی علمی اور پر تاثیر گفتگو کی کہ حاجی صاحبؒ نے خوش ہو کر سلسلہ چشتیہ صابریہ کا شجرہ لکھ کر عنایت کیا۔

---

[1] مہر منیر ص ۸۱

پیر صاحبؒ لکھتے ہیں:

''بوقت زیارت بیت اللہ کے حاجی امداد اللہ صاحبؒ کہ اہل کشف و کرامت تھے خود ہی نعمت باطنی بخشنے کو اس عاجز کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے وہ جہان میں نظر نہیں آتا۔ ان کے کمال اصرار کے بعد کہا گیا کہ ہم کو تو حاجت نہیں لیکن آپ کی عنایت بھی جو آپ کی رضامندی سے ہے۔ غیر مشکور نہیں اور نیز یہ عنایت بھی ہم اپنے شیخ کی جانب سے جانتے ہیں۔ بعدہ انہوں نے سلسلہ صابریہ اکرام فرمایا''۔[1]

حاجی صاحبؒ نے پیر صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ جلد ہندوستان واپس چلے جائیں کیونکہ ''ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے''۔ چنانچہ پیر صاحبؒ اس مشورے کے مطابق قیام حرمین کا ارادہ ترک کر کے واپس وطن آ گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے کشف کو پیر صاحبؒ ''مرزا قادیانی کے فتنہ'' سے تعبیر کرتے تھے۔[2]

پیر صاحب نے مرزا قادیانی کے فتنے کی روک تھام کے لیے ''سخنے، قدمے اور قلمے'' کام کیا۔ انہوں نے ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء، ۱۸۹۹ء میں ایک رسالہ ''شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح'' لکھا۔ ان کی یہ کوشش بہت پسند کی گئی۔ مولانا عبدالجبار غزنویؒ (م ۱۳۳۱ھ) نے پیر صاحبؒ کو لکھا:

''کتاب شمس الہدایت دررد ملاحدۂ دہر و زنادقہ عصر خذلہم اللہ از نظر احقر گذشت۔ از مطالعہ اش حظ وافر و خیر ظاہر برداشتم''۔[3]

مرزا صاحب نے کتاب کا کوئی جواب دینے کے بجائے ۲۲/ جولائی ۱۹۰۰ء/۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ کو ایک طویل اشتہار چھاپ دیا اور پیر صاحب کو مخاطب

---

[1] مقالات مرضیہ ص ۱۷۲

[2] ایضاً ص ۱۰۴

[3] بحوالہ مہر منیر

کرتے ہوئے عربی زبان میں تفسیر نویسی کا چیلنج داغ دیا۔ پیر صاحبؒ نے چیلنج قبول کرتے ہوئے لکھا کہ مرزا صاحب علماء وصوفیاء کو دعوت مبارزت دیتے رہتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ علماء سے اپنے دعاوی اور عقائد پر گفتگو کریں اور اگر وہ عربی زبان میں مہارت دکھانے پر بضد ہیں تو وہ اس کے لیے بھی حاضر ہیں۔ اشتہار بازی کے بعد ۲۴/ اگست ۱۹۰۰ء/ ۲۷ ربیع الآخری ۱۳۱۸ھ کو شاہی مسجد لاہور میں مناظرہ طے پایا۔ پیر صاحب اور دوسرے علماء شاہی مسجد میں وقت مقررہ پر پہنچ گئے مگر مرزا صاحب نے راہ فرار اختیار کی۔[1] اس کے بعد مرزا صاحب نے تفسیر سورۂ فاتحہ (اعجاز المسیح) شائع کر کے اپنی بات رکھنے کی کوشش کی مگر پیر صاحبؒ نے ''سیف چشتیائی'' میں مرزا صاحب کی عربی دانی کی قلعی کھول دی۔ پیر صاحبؒ نے صرف ونحو لغت، بلاغت ومعانی اور منطق کے قواعد کی رو سے ''اعجاز المسیح'' کی اغلاط گنائی ہیں نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے تقریباً ایک صد اعتراضات کیے ہیں جو آج تک قائم ہیں۔ ''سیف چشتیائی'' کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) نے اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' (زیر سورہ نساء آیت ۱۵۷) میں لکھا ہے کہ:

''حیات وموت عیسوی کی بحث میں کتاب سیف چشتیائی قابل مطالعہ ہے''۔

اسی طرح مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنی تالیف ''عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام'' کے دیباچہ میں اس کی تعریف کی ہے۔

پیر سید مہر علی شاہ نے مولانا عبدالاحد خانپوری کے ساتھ بعض مسائل میں اختلاف کیا اور دونوں طرف سے رسالہ بازی ہوئی۔ نذر و نیاز، سماع موتی اور استمداد وغیرہ ان رسائل کے موضوعات تھے۔

پیر صاحبؒ صوفی صافی اور فلسفہ وحدت الوجود پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے رمز شناس تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس مسئلے کے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مہر منیر (سوانح حیات پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ)

لیے ان کی طرف رجوع کیا- انہیں ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقاصد کے لیے کھٹکایا جائے''-

پیر صاحب ۲۹/صفر ۱۳۵۶ھ/۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو فوت ہوئے اور گولڑہ شریف میں دفنائے گئے- ان سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

۱- تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (فارسی ۱۳۱۵ھ)
۲- شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح (۱۳۱۷ھ)
۳- سیف چشتیائی (۱۳۱۹ھ)
۴- اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ''ما اھل بہ لغیر اللہ'' (۱۳۲۲ھ)
۵- الفتوحات الصمدیہ (۱۳۲۵ھ)
۶- تصفیہ ما بین سنی وشیعہ (غیر مطبوعہ)
۷- فتاویٰ مہریہ
۸- مکتوبات مہریہ

پیر صاحبؒ پنجابی اور فارسی میں کبھی کبھی نعتیہ اشعار کہتے تھے اور مہر تخلص کرتے تھے- ان کی اس پنجابی نعت سے شاید ہی کوئی پنجابی بولنے والا ناآشنا ہو- ع

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں

حضرت مولانا حسین علی نقشبندی میانوالی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے بارے میں مولانا حکیم عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الصالح حسین علی ابن الحافظ میاں محمد بن عبد الله الحنفی النقشبندی الوانی احد کبار المشائخ النقشبندی.
ولد بقریة و ان بچھران من اعمال بنوں سنة ثلاث و ثمانین و مأتین وألف' و قیل سنة خمس و ثمانین و مأتین و ألف و نشأبها' وقرء الکتب الدرسیة من میزان الصرف الی حمد الله علی اساتذة بلادہ' ثم سافر الی کانپور وقرء سائر الکتب الدرسیة علی مولانا احمد حسن الکانپوریؒ معقولا و منقولا (وقرء الحدیث علی الامام رشید احمد بن هدایة احمد الگنگوهیؒ قرء علیه الصحیحین و سنن الترمذی و سنن ابی داؤد و قید دروسه و تحقیقاته اثناء الدرس فی دقة و ایجاز' و احبه' و اثر طریقته و عقیدته) ثم رجع الی بلادہ و لازم ثم رجع الی بلادہ و لازم الشیخ عثمان بن عبدالله النقشبندی' واخذ عنه الطریقة و نال منه الاجازاة' ودرس عنده زماناً' قرء علیه الشیخ سِرَاج بن عثمان النقشبندی و خلق اخرون' ثم رجع الی وطنه و تولی الشیاخة بها. (و من مؤلفاته بلغة الحیران فی ربط ایات الفرقان و تفسیر بی نظیر' و تحریرات حدیث' و تلخیص الطحاوی و تحفه ابراهیمیة توفی فِی شهر رجب سنة ثلاث و ستین و ثلاث مأة وألف[1]

---

1 مولانا عبدالحی' نزہۃ الخواطر' حیدر آباد' ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۱۲۱' ۱۲۲' ۱۲۳ (اقتباس)

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت العالم الصالح حسین علیؒ ابن حافظ میاں محمدؒ بن عبداللہ حنفی نقشبندی الوانی کبار مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے۔

واں بھچراں ضلع بنوں میں پیدا ہوئے ۱۲۸۳ھ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۱۲۸۵ھ میں وہیں نشو و نما ہوئی' درسی کتابیں میزان الصرف سے حمد اللہ تک علاقہ کے علماء سے پڑھیں' پھر کانپور کا سفر کیا اور معقول و منقول کی تمام درسی کتابیں مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے پڑھیں۔

حدیث میں بخاری' مسلم' ترمذی اور ابوداؤد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھیں۔ اثنائے درس میں ان کے اسباق اور تحقیقات کو نہایت محنت اور اختصار کے ساتھ ضبط کیا۔ پھر وطن واپس آئے اور شیخ عثمان بن عبداللہ نقشبندیؒ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور ان سے خلافت حاصل کی۔ ان کے ہاں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے ان سے شیخ سراج بن عثمان نقشبندیؒ کے علاوہ بہت سے لوگوں نے پڑھا۔ پھر اپنے وطن آ کر طریقہ کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔

ان کی تالیفات میں بلغۃ الحیر ان فی ربط آیات الفرقان' تفسیر بے نظیر' تحریرات حدیث' تلخیص طحاوی اور تحفہ ابراہیمیہ ہیں۔ رجب ۱۳۶۳ھ میں وفات پائی۔

مولانا محبوب الٰہی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ علوم عربیہ کے جید عالم' محدث اور فقیہ تھے۔ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد مظاہر نانوتوی رحمہما اللہ سے پڑھی' سلوک حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں طے کرنا شروع کیا اور خواجہ محمد سراج الدین قدس سرہ سے تکمیل کے بعد مجاز فی الطریقہ ہوئے' دیگر سلاسل طریقت میں بھی اجازت مطلقہ سے سرفراز ہوئے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان کے مجموعہ ''فوائد عثمانی'' کی تصحیح فرمائی اور ان پر حواشی بھی تحریر کیے حواشی میں (ح) آپ کے نام حسین علی کی طرف اشارہ ہے۔ بہت سے سالکان طریق آپ سے مستفید ہوئے۔ درس قرآن و حدیث آپ کا

خصوصی مشغلہ تھا- بڑی سختی سے بدعات مروجہ کی تردید کرتے تھے- ترویج سنت اور تبلیغ توحید میں ہمہ عمر سرگرم رہے''۔[1]

سجاد بخاری لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین علیؒ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۰۲ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہو کر حدیث پڑھی اور سند حاصل کی- ۱۳۰۳ھ میں عارف ربانی حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تفسیر پڑھی' اور ۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن صاحبؒ سے کانپور میں منطق وفلسفہ وغیرہ فنون کی تکمیل کی اور وطن مراجعت فرمائی' وطن واپس آنے کے فوراً بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا- اور تقریباً ساٹھ برس تک پاک و ہند کی سرزمین میں شمع ہدایت فروزاں کیے رہے- آخر چار دانگ عالم میں رشد و ہدایت کی روشنی پھیلانے اور علوم و معارف کا نور بکھیرنے کے بعد اپنے وقت کا وہ بہت بڑا محدث اور عظیم مصلح رجب ۱۳۶۳ھ میں اپنے رب رحیم اور مولائے رؤف سے جاملا''۔[2]

مولانا عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین علیؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا وسیع علم عطا فرمایا تھا- خصوصاً علم حدیث اور تفسیر' فقہ علم کلام اور تصوف وسلوک میں بڑا وسیع دستگاہ رکھتے' اور بڑی ٹھوس علمیت اور استعداد کے مالک تھے- علم اسماء الرجال میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی' احادیث کی نقد و جرح میں کامل تھے اور مختلف احادیث کی تطبیق میں مہارت تامہ رکھتے تھے- قرآن مجید کے ترجمہ اور مطالب کے بیان کرنے

---

[1] مولانا محبوب الٰہی' تحفہ سعدیہ' لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۷'۴۳ (خواجہ عثمان سے بھی مجاز تھے)

[2] مولانا سجاد بخاری' مولانا حسین علی تعلیم القرآن (ماہنامہ) راولپنڈی ماہ نومبر ۱۹۶۵ء و فیوضات حسینی ص ۸

میں اور مضامین کے استحضار اور آیات اور سورتوں کا ربط بیان کرنے میں تو اپنی نظیر آپ تھے- آپ کو علم و عمل دونوں میں اللہ تعالیٰ نے وافر حصہ عطا فرمایا تھا- علاوہ ازیں بہت ذاکر مشاغل اور فنا فی التوحید تھے- ہم نے ایک بار شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی زبان مبارک سے سنا تھا' آپ فرماتے تھے کہ ''حضرت مولانا حسین علی کاملین میں سے تھے آپ قرآن کے عاشق تھے اور توحید ان کا حال تھا''-

تصانیف:

۱- بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان (اُردو) یہ قرآن کریم کی آیات و سور کا باہم ربط بیان کرنے اور تفسیری نکات اور خاص خاص الفاظ کی تشریح اور مشکلات کے حل پر مشتمل ہے- اس کو اثنائے درس میں مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ اور مولانا نذیر حسین شاہ صاحب نے قلمبند کیا ہے- یہ کتاب تفسیر میں بہت عمدہ ہے-

۲- تبیان فی تفسیر القرآن (اردو) قدیم نام تفسیر بے نظیر ہے- اس میں قرآن کریم کی تمام سورتوں کا الگ الگ خلاصہ درج کیا گیا ہے-

۳- تلخیص الطحاوی (عربی) یہ امام طحاویؒ کی شرح معانی آلاثار کی تلخیص ہے اس کے تمام ابواب کا خلاصہ الگ الگ دیا گیا ہے- اس پر مولانا محمد مسلم عثمانی دیوبندی مرحوم کے حواشی بھی بعض بعض جگہ ہیں- نہایت ہی عمدہ کتاب ہے' اگر درس میں شامل کر لی جائے تو تمام طحاوی کا ملخص نہایت ہی قلیل وقت میں حاصل کیا جا سکتا ہے-

۴- تحریرات حدیث (عربی) بڑے سائز کے ۲۵۸ صفحات کی کتاب ہے- جس میں احادیث کی شرح ہے' جس کو ملتان کے مولوی رب نوازؒ نے ۱۹۴۳ء میں طبع کرایا

---

۱ مولانا عبدالحمید سواتی' فیوضات حسینی' لاہور ۱۳۸۷ھ طبع دوم ص ۱۲

ہے۔ احادیث کے اشکالات اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے بڑی مفید کتاب ہے۔

۵- تقریر النجوحی علی صحیح البخاری (عربی) یہ بخاری شریف کی تقریر ہے' جملہ صفحات ۱۰۳ ہیں' حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کے درس کے دوران جو علمی اور تحقیقی باتیں بیان فرمائیں انہیں آپ نے عربی زبان میں ضبط کیا۔ یہ کتاب تدریس حدیث کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔

۶- تقریر النجوحی علی صحیح المسلم (عربی) صفحات ۶۸' حضرت گنگوہیؒ کے افادات کو تعلیقات کی صورت میں آپ نے نہایت ایجاز سے جمع فرمایا ہے۔

۷- برہان التسلیم
۸- رسالہ خمس اوسق
۹- رسالہ رفع سبابہ
۱۰- رسالہ ذبح فوق العقدہ
۱۱- رسالہ جریدتین
۱۲- تحفہ ابراہیمیہ (تصوف میں)
۱۳- عون المعبود علی سنن ابی داؤد
۱۴- خلاصہ فتح القدیر
۱۵- اور حواشی فوائد عثمانی۔[1]

---

[1] مولانا عبدالحمید سواتی' فیوضات حسینی' لاہور ۱۳۸۷ھ طبع دوم ص ۲۶ تا ۳۰ (ملخص)۔

حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ابوالسعد احمد خان بن مستی خان بن ملک غلام محمد ''راجپوت تلوکر'' قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۹۷ھ/۸۰-۱۸۷۹ء میں بکھڑا ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد ملک مستی خان زراعت پیشہ تھے مگر اپنے بیٹے کو عالم دین دیکھنے کے شائق تھے چنانچہ مولانا غلام محمد بکھڑ ویؒ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ موضع سیوان میں مولانا عطا محمد قریشی سے اور موضع بندیال (میانوالی) میں مولانا ناصؒ سے استفادہ کیا۔ بندیال میں متوسطات تک کتابیں پڑھ کر مدرسہ شاہی مراد آباد چلے گئے۔ وہاں سے کانپور گئے۔ مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور مولانا عبیداللہ بکھڑ ویؒ سے تکمیل تعلیم کی۔ ماہ ذوالحجہ ۱۳۱۳ھ میں وطن مالوف واپس آئے۔

جس زمانے میں بندیال میں پڑھتے تھے۔ پیر سید لعل شاہؒ خلیفہ مجاز خواجہ محمد عثمانؒ کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ پیر سید لعل شاہ کی رحلت پر خواجہ محمد عثمانؒ سے تجدید بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے پہلے تکمیل تعلیم کا مشورہ دیا۔ جب فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت خواجہ محمد عثمانؒ دنیا سے اٹھ چکے تھے چنانچہ تجدید بیعت خواجہ سراج الدینؒ (موسیٰ زئی شریف) سے کی۔ خواجہ سراج الدینؒ ان پر ہمیشہ کرم نوازی فرماتے تھے۔ ایک بار انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''من پیری و مریدی برائے تو می کنم''[1] یعنی یہ سلسلہ مشیخت تمہارے لیے جاری کیے ہوئے ہوں۔ بعد میں مولانا احمد خان ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

مولانا احمدؒ خان کا آبائی گاؤں ''بکھڑا'' دریائے سندھ کے پانی کی زد میں تھا۔ جب کبھی دریا میں طغیانی ہوتی۔ خاصا مالی نقصان ہوتا۔ اس لیے بکھڑا سے نقل مکانی کر کے

---

[1] تحفہ سعدیہ ص ۸۸

موضع ''کھولہ'' میں سکونت اختیار کی مگر یہ گاؤں بھی سیلاب کی زد میں تھا- آخر ایک نئی بستی بسانے کا خیال پیدا ہوا اور یہ تخیل ''خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں'' کی شکل میں متشکل ہوا-

خانقاہ سراجیہ مجددیہ کی تعمیر ۱۳۳۸ھ میں شروع کی گئی اور دو سال میں ضروری عمارتیں تعمیر ہوئیں- بیس سال یہیں بیٹھ کر علمی و دینی اور اصلاحی خدمات انجام دیں- آخر عمر میں متعدد جسمانی عوارض لاحق ہو گئے تھے جن میں ''ضیق النفس'' سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا- ارادت مندوں میں سے کئی حکیموں نے علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا- آخر اپریل ۱۹۴۰ء میں حکیم عبدالوہابؒ نابینا سے علاج کے لیے دہلی گئے- حکیم نابینا کے علاج سے بھی مرض کا ازالہ نہ ہو سکا- اس کے بعد متعدد ڈاکٹروں اور اطباء کا علاج جاری رہا- بالآخر کانپور کے احباب کی استدعا پر ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو بغرض علاج وہاں تشریف لے گئے- ڈاکٹر عبدالصمد کانپوری کے علاج سے افاقہ ہوا- کافی صحت یاب ہو گئے اور کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا مگر روانگی سے ایک دن پہلے ۱۲ صفر ۱۳۶۰ھ/۱۴ مارچ ۱۹۴۱ء کو سحری کے وقت بیدار ہوئے- بحالت مراقبہ تکیہ پر سر رکھا اور اسی حالت میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے- میت خانقاہ کندیاں لائی گئی اور ۱۴ صفر ۱۳۶۰ھ کو تدفین عمل میں آئی- مولانا حکیم غلام رسولؒ نے اردو، پنجابی، فارسی اور عربی میں قطعات تاریخ کہے- ایک فارسی قطعہ تاریخ یہ ہے-

حضرت ما بہ حکم خالق خود — چوں زدنیائے دار محنت رفت

قبلہ بو سعد احمد اکمل — قرب حق یافتہ بہ کمنت رفت

عبد تاریخ فوت باغم دل

گفت ہادی بدر جنت رفت[1]

۱۳۶۰ھ

مولانا احمد خان صاحبؒ کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا- تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، تاریخ و سیر اور تصوف پر بیش بہا ذخیرہ کتب جمع کیا- کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں بعض نادر و نایاب کتابیں بھی موجود ہیں- ایک بار مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا حسین علیؒ کی

---

[1] تحفہ سعدیہ ص ۱۳۹

دعوت پر میانوالی تشریف لائے تو ان کی ''کتاب دوستی'' انہیں خانقاہ سراجیہ لے آئی۔ مولانا کاشمیریؒ نادر کتابوں کا یہ ذخیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے جو وقت کتب خانے میں گزارا۔ اسے مغتنمات زندگی میں شمار کیا۔

مولانا احمد خان صاحبؒ نے کتابیں جمع ہی نہیں کی تھیں بلکہ ان کا بغور مطالعہ بھی کیا۔ اکثر کتابوں پر ان کی یادداشتیں اور حواشی موجود ہیں۔ ان کی کتاب دوستی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کتاب کا عمدہ ایڈیشن خریدتے۔ اعلیٰ درجہ کی مطلا و منقش جلد بنواتے اور کتاب کی حفاظت کا پورا اہتمام کرتے تھے۔

مولانا احمد خان صاحبؒ مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں۔ البتہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں نے ملفوظات قلمبند کیے ہیں۔ جو ان کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ ہیں۔ ''تحفہ سعدیہ'' میں ان کے تدبر و تفکر کے بعض نمونے نقل کیے گئے ہیں۔

مولانا احمد خان صاحبؒ کے ہاتھ پر ہزاروں افراد بیعت ہوئے۔ ان کے خلفاء میں حسب ذیل نام بہت نمایاں ہیں۔

۱۔ مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ فاضل دیوبند (جانشین اعلیٰ)

۲۔ مولانا قاضی صدرالدینؒ (مجاز) بانی خانقاہ نقشبندیہ نزد ریلوے سٹیشن ہری پور۔

۳۔ مولانا مفتی عبدالغنیؒ (مجاز) ساکن ریاست مالیر کوٹلہ۔

۴۔ مفتی محمد شفیعؒ (مجاز) بانی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا۔

۵۔ مولانا نذیر احمد عرشیؒ (م ۱۳۶۶ھ) مؤلف ''مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم''

۶۔ مفتی عمیم الاحسانؒ (مجاز) ساکن ڈھاکہ۔

۷۔ مولانا سید مغیث الدین شاہؒ (مجاز) فاضل دیوبند ساکن چاند پور ضلع بجنور۔

۸۔ مولانا حکیم عبدالرسولؒ (مجاز) ساکن بکھر بار ضلع شاہ پور۔

ان کی نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا محمد معصومؒ۔ ۲۔ مولانا محمدؒ صادق بزمانہ طالب علمی وفات پا گئے تھے۔

۳۔ مولانا محمد سعیدؒ (تذکرہ علمائے پنجاب)

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

نسب وولادت:

عاشق الٰہیؒ بن یاد الٰہیؒ بن رحم الٰہی ۵ رجب ۱۲۹۸ھ/۳ جون ۱۸۸۱ء بروز جمعہ پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم:

چار سال کی عمر میں الف با شروع ہوئی' ۱۳۰۴ھ میں جب کہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی۔ قرآن پاک ناظرہ اور کچھ کتابیں پڑھ لی تھیں' ۱۳۰۵ھ میں عربی شروع کی' اس کے بعد انگریزی سکول میں دو سال تعلیم پائی' جمادی الثانیہ ۱۳۱۱ھ میں تیرہ سال کی عمر میں مدرسہ قومی میرٹھ میں داخلہ ہوا۔ اور ابتداء سے میزان وغیرہ شروع ہوئی' ۱۳۱۲ھ میں مشکوٰۃ شریف شروع ہوگئی جب کہ عربی شروع کیے ہوئے صرف دس مہینے ہوئے تھے' دو سال میں جملہ کتب صحاح و دینیات ختم ہوگئیں اور حضرت مولانا میر حسن صاحبؒ امروہی نے دستار بندی فرمائی' اس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔

مولوی فاضل:

ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ میں آپ کا نکاح ہوا اور اسی سال رجب میں لاہور "مولوی فاضل" کی تعلیم کے لیے چلے آئے اور اعلیٰ نمبر کی کامیابی حاصل کی۔

انعام:

۴ محرم ۱۳۱۶ھ کو کامیابی کا انعام لینے کے لیے لاہور روانہ ہوئے تو راستہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی' ایک شب قیام کے بعد لاہور روانہ ہوگئے۔

تدریس:

واپسی پر ۱۳۱۷ھ میں ندوۃ العلماء لکھنو کی طلب پر ملازمت پر گئے اور ۲۶/محرم

۱۳۱۷ھ کو ندوہ میں ۲۵ روپے ماہوار پر بطور مدرس دوم آپ کا تقرر ہوا' لیکن آب و ہوا کی عدم موافقت اور اکابر کی عدم پسندیدگی کی وجہ سے آخر رجب میں واپسی ہوگئی۔

خیر المطابع:

کچھ روپیہ قرض لے کر صفر ۱۳۱۸ھ میں ''خیر المطابع'' کے نام سے مطبع کھولا جس سے اجرت پر کتابیں طبع کرانے لگے اور ساتھ ہی مفید کتابوں کے تراجم میں مصروف ہو گئے' اور سب سے اول قرآن مجید کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا اور ۱۳۱۹ھ میں بصورت حمائل اس کو طبع کرایا۔ ۱۳۲۰ھ میں اس کا دوسرا ایڈیشن طبع کرایا اور ساتھ ہی اپنی تالیف ''الاسلام'' طبع کرائی' ان سے اتنا نفع ہوا کہ آپ کا قرض بھی ادا ہو گیا اور آپ پر حج بھی فرض ہو گیا۔

حج:

سترہ رجب ۱۳۲۱ھ کو مع اپنی والدہ کے حج کے سفر کے لیے روانہ ہوئے' محرم ۱۳۲۲ھ میں واپسی ہوئی اور اپنے سابقہ تجارتی کام میں مشغول ہو گئے۔

۱۳۲۳ھ میں دوسرا حج جو اپنے والد کی طرف سے حج بدل تھا کیا اور ربیع الاول ۱۳۲۴ھ میں واپسی ہوئی۔ ۱۳۲۶ھ میں ''تذکرۃ الرشید'' شائع کی۔

۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ حج پر تشریف لے جا رہے تھے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہو لیے' اسی سفر میں شام' فلسطین اور مصر کا بھی سفر کیا۔

۲۲ محرم ۱۳۳۵ھ میں آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا اور تین لڑکے (ڈاکٹر محمود الٰہی' مولوی حافظ المسعود الٰہی اور حافظ مقبول الٰہی) اور دو لڑکیاں پسماندگان چھوڑیں۔ اسی سال ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں آپ کا دوسرا نکاح ہوا' اور ۲۱/شوال ۱۳۴۱ھ میں مع دوسری اہلیہ کے چوتھے حج کے لیے روانہ ہوئے' ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو واپسی ہوئی۔

ذوالقعدہ ۱۳۴۳ھ کو پانچویں حج کے لیے روانہ ہوئے' حج سے فراغت پر مصر جا کر ٹائپ خریدا جس پر ہندوستان آ کر ''جمع الفوائد'' طبع کرائی۔

مظاہر العلوم کی سرپرستی:

۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ کو جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مستقل قیام کے لیے مدینہ منورہ تشریف لے جانے لگے تو تین حضرات کا مدرسہ مظاہر العلوم کی سرپرستی کے لیے انتخاب فرمایا' حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اور الحاج شیخ رشید احمد میرٹھیؒ ثم پاکستانی۔ حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انتہائی مشاغل کے باوجود بہت ہی زیادہ انہماک اور توجہ سے اپنے شیخ کی یادگار سمجھ کر مظاہر کی ایسی سرپرستی فرمائی کہ ماید وشاید۔

۱۳۴۸ھ کے آخر میں چھٹے حج کے لیے تشریف لے گئے اور ۲۰/محرم ۱۳۴۹ھ کو حجاز سے واپسی ہوئی مولانا محمد زکریا صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا انتہائی زکی' انتہائی مدبر' ظریف' خوش مزاج تھے لیکن منکرات پر بہت زیادہ غصہ آجاتا جو بسا اوقات سخت کلامی تک پہنچ جاتا۔ اول حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی تھی۔ حضرت کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہ مہاجر مدنی سے رجوع کیا اور حضرت سے ہی خلافت اور اجازت بیعت سلوک ملی۔ حضرت اقدس سہارنپوریؒ کے وصال کے بعد مرشد اول کی سوانح کی طرح مرشد ثانی کی سوانح بھی ''تذکرۃ الخلیل'' تصنیف فرمائی۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف و تراجم مولانا کی تصانیف میں مشہور و معروف ہیں۔[1]

وصال:

یکم شعبان ۱۳۶۰ھ/ ۲۵' اگست ۱۹۴۱ء دوشنبہ کی صبح کو چھ بجے وصال ہوا۔ چار بجے شام مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مکان کے قریب ہی اپنے خاندانی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

---

[1] مولانا محمد زکریا شیخ الحدیثؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہ کی تصانیف بھی متعدد ہیں جو عام فہم ہونے کے علاوہ بہت زیادہ دینی حیثیت سے مفید ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ سب نایاب ہوگئیں۔ یہ رسالہ ارشاد السلوک بھی حضرت میرٹھی کی تصنیف ہے' تذکرۃ الخلیل ص ۱۸ تا ۲۰

حضرت مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد عبداللہؒ بن میاں نور محمد بن میاں قطب الدینؒ موضع سلیم پور سدھواں تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ کے ایک زمیندار گھرانے میں ۵/ اکتوبر ۱۹۰۴ء/ ۲۶ رجب ۱۳۲۲ھ کو پیدا ہوئے۔ مکتب کی تعلیم کے بعد ۱۹۱۱ء میں مقامی پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ بعد میں قصبہ سودی ضلع لدھیانہ کے مڈل سکول سے اردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔

مڈل تک جدید تعلیم حاصل کر کے مولانا محمد ابراہیم سلیمؒ پوری ساکن دھرم کوٹ (ضلع فیروز پور) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دو سال بعد مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ گئے۔ کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ امرتسر میں زیر تعلیم رہے۔ شوال ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درس نظامی کے متوسطات سے دورۂ حدیث تک تمام تعلیم یہیں حاصل کی۔ ۱۳۴۵ھ میں اعزاز وانعام کے ساتھ سند فضیلت حاصل کی۔

شعبان ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر سرگودھا میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحبؒ کے ہاں طبی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب فن طب میں علمی، تدریسی اور عملی اعتبار سے امام فن تھے اور مولانا ابو السعد احمدؒ خان نقشبندی (خانقاہ سراجیہ کندیاں) کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تعلیم میں مفتی عزیز الرحمانؒ (م ۱۳۴۷ھ) سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا بعد میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحبؒ کے زیر اثر مولانا ابو السعد احمد خان مرحوم سے تعلق قائم کیا۔ مفتی عزیز الرحمان صاحبؒ کی اجازت سے ان کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی اور ان کی صحبت اس قدر پرکشش ثابت ہوئی کہ طب کی تعلیم وغیرہ چھوڑ کر خانقاہ سراجیہ کے ہو رہے۔

۱۲/ صفر ۱۳۶۰ھ کو مولانا ابو السعد احمدؒ خان فوت ہوئے۔ انہوں نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا تھا:

''فقیر اپنا خلیفہ مجاز اور سجادہ نشین مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی کو مقرر کرتا ہے جن کو فقیر نے پوری توجہ اور دلسوزی سے نقشبندی سلوک طے کرا دیا ہے۔ وہ اس خانقاہ میں جس کا نام خانقاہ سراجیہ مجددیہ ہے۔ مقیم رہ کر ترویج سلوک اور توسیع سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا''۔[1]

مولانا محمد عبداللہؒ نے باحسن وجوہ فرائض جانشینی ادا کیے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج و توسیع میں مصروف رہے۔ دینی اور علمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی اور خانقاہ کے کتب خانہ کی ترقی میں کوشاں رہے۔ حج کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے ایک نایاب قلمی کتاب ''تحقیقات'' کی نقل سات ۷۰۰ سو ریال دے کر حاصل کی کتابوں کی تعداد میں ان کی دریا دلی سے خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

حج سے واپسی پر کراچی میں کسٹم آفیسر نے ان کا سامان دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ سونا تو نہیں ہے؟ جواب میں انہوں نے فرمایا ''ہمارے لیے سونا یہ کتابیں ہیں۔ اگر ہمارے پاس رقم کی گنجائش ہوتی تو ہم یہ سونا اور خرید لیتے''۔

کتابوں کی حفاظت اور جلد بندی کے لیے مولانا غلام محمد صاحبؒ فاضل مظاہر العلوم سہارن پور کو مامور کیا تھا اور انہوں نے یہ کام نفاست سے انجام دیا۔

مولانا محمدؒ عبداللہ تقریباً ساڑھے سولہ سال سجادہ نشین رہ کر ۲۷/ شوال ۱۳۷۶ھ/ ۷ جون ۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے۔ دوسرے روز مولانا خان محمد صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خانقاہ سراجیہ کندیاں میں دفنائے گئے۔

مرحوم کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے مولانا حافظ محمد عابد صاحب ہیں۔

---

[1] تحفہ سعدیہ ص ۱۴۶

مخدوم الامت

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا اللہ دادؒ تھا- آپ ضلع کیمبل پور کے ایک موضع مل پور میں ایک نیک اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے- کتب منطق آپ نے مولوی محمد معصوم صاحب سے پڑھیں- مولانا موصوف اپنے زمانے کے علماء میں علوم عقلیہ میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے- آپ جب مدرس ہو کر غزنویہ امرتسر تشریف لائے تو اس ہونہار طالب علم کو اپنے سے جدا کرنا مناسب نہ سمجھا اس لیے آپ کو بھی اپنے ہمراہ امرتسر لے آئے اور مفتی صاحب مدرسہ غزنویہ میں تکمیل تعلیم میں مصروف ہو گئے-

آپ نے حدیث کا دورہ دو مرتبہ کیا تھا- ایک دفعہ تو مدرسہ غزنویہ میں اور دوسری مرتبہ اس وقت کیا جب آپ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں بغرض بیعت تشریف لے گئے تھے- حضرت حکیم الامت بیعت ہونے کے لیے ہر شخص کے حسب منشاء شرائط تجویز فرماتے مگر یہ ہر شخص کے لیے نہیں تھا- بعضوں کو تو بغیر کسی شرط کے بھی بیعت کیا ہے- مفتی صاحب کے لیے آپ نے یہ شرائط عائد کیں کہ آپ کسی قاری سے قرآن پاک کی مشق کریں- دوسرے کسی حنفی مسلک کے عالم سے بھی حدیث پڑھیں چنانچہ آپ نے یہ شرائط قبول کیں اور دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے یہاں آپ نے مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے کتب احادیث پڑھیں-

درس و تدریس:

بعد فراغ درسیات آپ امرتسر ہی میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے-

آپ کو قابلیت کی بناء پر تھوڑے ہی عرصے بعد مدرسہ نعمانیہ کا صدر مدرس بنا دیا گیا کہ کم و بیش چالیس سال آپ نے تدریس کی خدمت انجام دی- جب تک آپ کا قیام امرتسر میں رہا آپ روزانہ مسجد نور میں بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے- آپ کے درس میں بے حد تاثیر تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے ساتھ آپ کے شیخ کی توجہات شامل حال تھیں-

فتویٰ نویسی:

درس و تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی بھی آپ کا ایک مستقل شغل تھا- اس سلسلہ میں ملک کے ہر حصے سے آپ کی خدمت میں استفتاء آتے جن کے محققانہ جوابات تحریر فرماتے- جب تک آپ کی صحت نے اجازت دی اس وقت تک آپ یہ کام انجام دیتے رہے-

جامعہ اشرفیہ کا قیام:

امرتسر میں آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جو تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ و اسلامیہ کی تعلیمی خدمت بھی سرانجام دے رہا تھا- اس مدرسہ نے تقریباً ۴۰ سال یہ خدمت سرانجام دی قیام پاکستان کے بعد اس مدرسہ کے خدام اور اساتذہ کو بھی لاہور آنا پڑا- لاہور میں نیلا گنبد کے علاقہ میں مول چند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کے لیے الاٹ ہو گیا- چنانچہ توکلاً علی اللہ اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے ۸ ذی قعد ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴/ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہوئی جو ان اشعار کا مصداق ہے ؎

درس گاہ علم دین ایں جامعہ اشرفیہ از معارف لامعہ
یاد گار مولوی معنوی مولوی اشرف علی تھانوی
اے خدا ایں جامعہ قائم بدار فیض او جاری بود لیل و نہار

جب جامعہ کی عمارت طلبہ و اساتذہ کے لیے ناکافی ہوئی تو فیروز پور روڈ لاہور پر مدرسہ کی جدید عمارت کے لیے ایک سو کنال اراضی خریدی گئی- جس طرح حق تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو یہ شرف عطا کیا تھا کہ اس کا سنگ بنیاد جملہ مقدسین نے مل کر رکھا

تھا- اسی طرح حق تعالیٰ نے حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے نام اور حضرت مفتی صاحبؒ کے خلوص برکت سے اس جامعہ کے سنگ بنیاد رکھتے وقت اہل اللہ کو جمع فرما دیا- اس وقت جو حضرات موجود تھے ان میں مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا حافظ جلیل احمدؒ صاحب' مولانا شاہ مسیح اللہ خانؒ صاحب' مولانا خیر محمدؒ صاحب' مولانا رسول خانؒ صاحب' مولانا مفتی محمد شفیع صاحب' مولانا محمد ادریس صاحب' مولانا مفتی جمیل احمد صاحب اور مولانا داؤد غزنوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین شامل تھے-

کمالاتِ حسنہ

مرض و آلام میں صبر و شکر:

آپ کے پاؤں پر ایک سمی قسم کا پھوڑا ہو گیا تھا- جس نے رفتہ رفتہ ساری پنڈلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا- ٹانگ میں تکلیف اس قدر تھی کہ بیان نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ آپ کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہیں- ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے اور جاننے والے جب کبھی اس سلسلہ میں دریافت فرماتے تو ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ "الحمد للہ اچھا ہوں" جب زخم اوپر بڑھنے لگا تو اس وقت مخلصین کے اصرار پر آپ نے آپریشن کروانا منظور کر لیا-

ڈاکٹروں نے ایسی دوا دینی چاہی جس سے شدید تکلیف کا احساس نہ ہو یا ہو تو کم ہو مگر آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو- ۷۰ سال کی عمر ڈاکٹر صاحب بہت پریشان تھے لیکن آپ کے سامنے بات کرنے کی کس کو مجال نہ تھی- طوعاً و کرہاً ایک ٹیکہ لگا کر ٹانگ کاٹنا شروع کر دی- اس میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا- آپ کے ڈاکٹر کا بیان ہے کہ آپریشن کے شروع سے اختتام تک نبض کی رفتار میں سر مو فرق نہیں آیا- اس آپریشن کے بعد جو درد ہوتا ہے اس کی شدت کا کوئی اور فرد مقابلہ نہیں کر سکتا-

صبر و شکر:

ٹانگ کٹنے کے بعد آپ کی تکلیف میں کمی نہ ہوئی بلکہ اکثر اوقات درد ہوتا ہی

رہتا تھا- آپ کبھی کبھی ارشاد فرماتے تھے کہ جس وقت میرے اس حصہ میں درد ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بیک وقت سو چھریوں سے حملہ کر رہا ہو مگر پھر بھی کبھی آپ کے منہ سے اف تک نہ نکلتی- ڈاکٹر حضرات کے ساتھ ساتھ اہل دل حضرات بھی حیران تھے- چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو آپ نے اس استقامت کا (جو کہ ٹانگ کاٹتے وقت تھی) راز پوچھا- آپ نے فرمایا ''میں اس وقت اجر جزیل کی خوشی میں جو متشکل ہو کر سامنے آ گیا تھا- ایسا محو ہوا کہ مجھے کہیں کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا ہے''-

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ''جب میری ٹانگ کاٹی گئی تو ڈاکٹروں کو خطرہ تھا کہ میں شاید جانبر نہ ہو سکوں کرنل امیر الدین بھی گھبرائے ہوئے تھے کرنل ڈاکٹر ضیاء اللہ صاحب نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے- وہ سمجھ رہے تھے کہ میں بھی پریشان ہوں گا مگر میں نے کہا کہ میرے لیے یہ عید ہے''-

مجموعہ امراض ہونے کے باوجود آپ کی زبان سے کسی قسم کا کوئی جملہ شکایت و شکوہ نہیں سنا گیا بلکہ آپ اس حالت میں حق شانہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہتے تھے- شفاء الملک صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے حالت پوچھی تو فرمانے لگے کہ ''یہ صرف اللہ کی نعمت ہے'' میں نے عرض کیا کہ آپ تو امراض سے گھرے ہوئے ہیں تو فرمایا دیکھیے آپ کو بلا طلب اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا ہے اور اب آپ دوا بھیجنے کے متعلق کہہ رہے ہیں- یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے پھر دوسرے معالجین کو اللہ تعالیٰ اس طرح متوجہ کرتے رہتے ہیں- کراچی کے ایک طبیب کو میں نہیں جانتا مگر وہ برابر دوائیں بھیجتے رہتے ہیں- پھر اللہ تعالیٰ نے رفیقہ حیات ایسی عطا کی ہے جو جملہ ضروریات کا خیال رکھتی ہے اور شب و روز سرگرم خدمت ہے-

تلاشِ مرشد:

حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ سے پہلی ملاقات میں جب اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میرے فلاں دوست سے اصلاح کا

تعلق قائم کرو اور ان سے ۲۵ مرتبہ خط و کتابت کرنے کے بعد وہ خط و کتابت مجھے دکھاؤ پھر بیعت کے متعلق گفتگو کرنا- چنانچہ آپ نے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ کے خلیفہ حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ سے مسلسل دو سال تک اصلاحی تعلق قائم رکھا جب اس عرصہ میں ۲۵ خطوط کی تعداد پوری ہوگئی تو آپ نے یہ خطوط حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کیے- حضرت حکیم الامتؒ نے ان خطوط کو ملاحظہ کر کے ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت کیا- اس کے بعد آپ نے اپنے آپ کو ہمہ تن حضرت حکیم الامتؒ کے سپرد کر دیا-

پہلی حاضری:

اپنی پہلی حاضری تھانہ بھون کے متعلق خود فرمایا کہ میری سب سے پہلی حاضری خانقاہ تھانہ بھون رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ میں ہوئی- ہوا یوں کہ میں دو صد روپیہ کے قرض سے زیر بار تھا- رمضان شریف قریب تھا- امرتسر میں رمضان گزارتا تو ایک جگہ پر ایسی صورت پیدا ہوگئی تھی کہ قرض کی رقم سے سبکدوش ہو جاتا لیکن ادھر تھانہ بھون میں پہلی مرتبہ حاضری کا بے حد شوق ادھر طبیعت پر قرض کے بوجھ کا اثر اور قرض کی ادائیگی کا خیال اسی کشمکش میں تھا آخر تھانہ بھون حاضر ہونے کا فیصلہ کر لیا- جونہی حضرت حکیم الامتؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا مصافحہ کیا- میرے ہاتھ پکڑے رہے اور بار بار جملے فرماتے رہے کہ دو سو روپیہ بھی کوئی چیز ہے یہ تو علماء کی جوتیوں کی گرد ہے- میرے ہاتھ تب چھوڑے کہ دل سے یہ خیال نکال دیا- اس موقع پر خانقاہ میں پہلی رات ایک خواب دیکھا جس میں موٹے حروف میں یہ لکھا ہوا بتلایا گیا تھا-

''سگ در بارگیلاں شو چو خواہی قرب ربانی''

اور اس کے بعد ۱۳۴۰ھ رمضان سے لے کر ۱۳۶۳ھ تک برابر ہر سال حاضری ہوتی رہی-

خلافت:

جب حکیم الامتؒ نے اپنی خداداد فراست سے یہ معلوم کر لیا کہ اب یہ درجہ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں- اور اب ان کے اندر اصلاح خلق کی پوری پوری اہلیت پیدا ہو چکی

ہے تو آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت سے مشرف فرمایا۔

پیر و مرشد سے تعلق:

حضرت تھانویؒ اور مفتی صاحبؒ کے تعلقات اور ربط قلبی کا اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے ایک خادم نے آپ کی علالت کے متعلق مفتی صاحبؒ کو اطلاع دی چنانچہ مفتی صاحبؒ تھانہ بھون تشریف لائے اور تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا۔ اسی دوران حضرت تھانویؒ کی طبیعت ٹھیک ہوگئی اور مفتی صاحبؒ واپس تشریف لے گئے۔ خانقاہ میں پنجاب کے ایک بزرگ سائیں طور شاہ نے حضرت سے ارشاد کیا۔ ''حضرت خلیفہ جی چلے گئے۔ خانقاہ کی رونق کم ہوگئی ہے'' اس پر حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا ''ہاں سائیں جی میں بھی یہی محسوس کرتا ہوں''۔

جب کبھی حضرت تھانوی اپنی مجلس میں علماء کی موجودگی میں کوئی علمی مضمون بیان کرتے اور حضرت مفتی صاحبؒ وہاں موجود نہ ہوتے تو فرمایا کرتے کہ ''مولوی محمد حسن اگر یہ سنتے تو بہت خوش ہوتے''۔

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے شیخؒ کے بارے میں فرماتے تھے:

''حضرت کیسے تھے حضرت جو اصل تھے وہ کتابوں سے سمجھ نہیں آ سکتے۔ کتابیں دیکھ کر انہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ کیسے تھے اگر کوئی تجوید کی کتاب دیکھے تو یوں سمجھے گا کہ حضرت بہت بڑے قاری تھے اگر ان کے فقہی اور اجتہادی کارنامے دیکھے گا تو سمجھے گا کہ بہت بڑے فقیہ تھے اگر احادیث کے شغف کو دیکھے تو محدث سمجھے گا ان کے مناظرانہ ارشادات کو دیکھ کر فلسفی سمجھے گا لیکن حضرت ان سب چیزوں سے بلند تھے اور جنہوں نے حضرت کو نہیں دیکھا وہ حضرت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے''۔

جب ڈاکٹروں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے پاؤں کو کاٹنے کا مشورہ دیا تو مفتی صاحب کے ایک عزیز نے حضرت تھانویؒ سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس بات کو سن کر حضرت تھانوی نے فرمایا ''میں تو یہ بات تمہارے منہ سے سن کر بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

سچ کہتا ہوں مولوی صاحب کے پاؤں قطع کرنے کا تصور آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرا اپنا پاؤں قطع کیا جاتا ہے''۔ پھر آپ نے مولانا شبیر علی تھانوی صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا کہ بھائی کوئی ایسی دوائی نہیں جس سے آرام آ جائے مولانا شبیر علیؒ نے کہا ''حضرت یہ بیماری مدراس میں ہوتی ہے سنا ہے وہاں کوئی ایسی بوٹی ہوتی ہے جو اس کے لیے مفید ہے' حضرت نے فرمایا ''بھائی کوشش کر کے منگوا لو۔ انہوں نے یہ بوٹی مدراس سے منگوائی اور گملے میں لگا کر اس کی دوائی بنا کر حضرت مفتی صاحب کو بھیج دی۔ اس دوران حضرت تھانوی بار بار استفسار کرتے رہے کہ دوائی بن گئی ہے یا نہیں اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی لیتے رہے۔

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے حضرت والا تھانویؒ کی خدمت میں مچھلی بھیجی اور مچھلی کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور جس شخص کے ہاتھ روانہ کی اس کو ہدایت کر دی کہ ایک حصہ چھوٹے گھر کا ہے دوسرا حصہ دوسرے گھر کا اور تیسرا حصہ اس گھر کا جہاں حضرت کی باری ہوگی۔ جب حضرت کو مچھلی ملی اور اس تقسیم کی بھی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور کئی روز تک اس واقعہ پر خوشی کا اظہار کرتے رہے اور پھر فرمایا ''اس سے زیادہ میری اور کون رعایت کر سکتا ہے''۔

حضرت تھانویؒ سے آپ کو عقیدت عشق کی حد تک تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کی کتابوں کے سوا کسی اور کتاب کو دیکھنے کی جرأت بھی نہیں رکھتا۔

اپنی وصیت میں آپ نے اپنی اولاد کو نصیحت فرمائی کہ بہشتی زیور' جزاء الاعمال' تعلیم الدین' مواعظ' ملفوظات حضرت تھانوی مطالعہ میں رکھنا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس زمانہ میں پیدا ہونا بھی بڑی نعمت ہے کہ تھوڑے سے عمل پر بھی بڑا اجر ملتا ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ حضرت والا سے جو بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ متعلق ہو گیا اس کا خاتمہ ضرور ایمان پر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

حضرت مفتی صاحب کے متعلقین میں سے ایک صاحب کو جو آپ کے پرانے خادموں میں سے تھے حج کی درخواست دی اور عام مسلمانوں کی طرح دل میں امید لگا

رکھی کہ اجازت مل جائے گی لیکن قرعہ اندازی میں ان کا نام نہ نکلا یہ صاحب بہت پریشان ہوئے ان کی پریشانی کی اطلاع حضرت مفتی صاحب کو کی گئی- چنانچہ حضرت نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا ''چودھری صاحب درخواست نامنظور ہوگئی''- چودھری صاحب نے بہت ہی آزردہ آواز میں کہا ''حضور نامنظور ہوگئی- حضرت مفتی صاحب نے فرمایا پھر تو موج ہوگئی اور اس لفظ کو کئی مرتبہ دہرایا اس پر فرمایا ''حج کا ثواب تو تمہیں تمہارے ارادے پر مل گیا ہے پھر گھبرانے کی کیا بات ہے- حج کا ثواب تو گھر بیٹھے مل گیا ہے'' اس سے صاحب معاملہ اور جملہ حاضرین کی پوری تسلی ہوگئی-

آپ پر جب فالج کا اثر ہوا تو اس کے بعد کچھ آرام ہوا اور ہاتھ حرکت کرنے لگا- ایک روز مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ خوش ہوئے اور خود بھی آپ پر صحت کا اثر دکھائی دیتا تھا- اس پر فرمایا پہلے تو صرف یہ سمجھ میں آتا تھا کہ ہاتھ اللہ کی نعمت ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ ہاتھ بھی اللہ کی نعمت ہیں لیکن ان کی حرکت ایک مستقل نعمت ہے اسی طرح کھانے کو نعمت سمجھا جاتا ہے لیکن کھانے سے سیر ہو جانا بھی ایک مستقل نعمت ہے اگر خدانخواستہ اس میں رکاوٹ ہونے لگے یا زیادہ ہونے لگے تب معلوم ہوگا کہ یہ بھی ایک نعمت ہے'' فرمایا کہ سونا بھی ایک نعمت ہے لیکن سو کر بیدار ہونا دوسری نعمت ہے'' آخر میں فرمایا- بھائی کہاں تک آدمی گنے- **ان تعد و انعمت اللہ لا تحصوھا.**

ایک مرتبہ آپ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد سے گزر رہے تھے کہ ساتھ والے سکول میں بچوں کو چھٹی ہوئی- بچوں نے عادت کے مطابق چھٹی کی خوشی میں شور مچاتے اچھلتے کودتے ہوئے باہر نکلنا شروع کیا تو آپ دھکم پیل سے بچنے کے لیے ایک طرف کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''یہ بچے اس پڑھائی کو اپنے لیے مصیبت سمجھتے ہیں اور جب ان کو اس سے نجات ہوئی تو کس قدر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ مومنین کو کہیں گے کہ تمہاری نجات ہوگئی تو اس وقت ان کو کس قدر خوشی ہوگی''-

ایک مرتبہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امرتسر میں حضرت مفتی صاحبؒ کے درس میں شرکت

فرمائی- اس درس میں شرکت کے بعد اپنے تاثرات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے یوں بیان فرمایا۔

یہ اعجوبہ بہ فیض و فضل مولانا حسن دیکھا
کہ امرتسر ہم نے آج اک تھانہ بھون دیکھا
دیا وہ درس قرآنی کہ آنکھیں کھول دیں جس نے
معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا

حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجھے دنیا سے جانے کا کوئی فکر وخیال نہیں جب کہ میرے بعد یہ دو موجود ہیں- احقر نے عرض کیا کہ یہ دو کون ہیں فرمایا کہ ''ایک تو مفتی محمد حسنؒ ہیں''-

آپ کو خاتمہ بالخیر کی اس قدر فکر تھی کہ تقریباً ہر مجلس میں اس کی اہمیت اور فکر کو ضرور ظاہر کرتے تھے- ایک دفعہ قاری خدا بخش صاحب عیادت کے لیے آئے- آپ کی طبیعت کافی روز سے ناساز تھی- ابتدائی گفتگو کے بعد ہی ذکر ہوا کہ بس سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر فرمائیں پھر بڑے زور دے کر فرمایا کہ ''حافظ جی اگر خدانخواستہ' خدانخواستہ ایمان نہ ملا تو؟'' یہ فرمایا اور ساتھ ہی آواز متغیر ہوگئی اور آنکھوں میں آنسو چھلک آئے- قاری صاحب نے فرمایا کہ ''حضرت خدا کا شکر ہے ایمان حاصل ہے اور انشاء اللہ وہ اپنے فضل سے مرتے وقت بھی اس نعمت سے محروم نہیں فرمائیں گے''- فرمایا کہ ''بے شک اس وقت تو یہ دولت حاصل ہے مگر کیا ذمہ داری ہے کہ مرتے وقت بھی ایمان ملے گا اگر نہ ملا تو''- یہ فرما کر مزید رقت اور گریہ طاری ہوگیا اور اپنے آپ کو سنبھال کر بآواز بلند کئی بار فرمایا: کہ

''یا اللہ ایمان' یا اللہ ایمان' یا اللہ ایمان''

۱۲ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو کراچی میں آپ کا انتقال ہوگیا اور وہیں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا- حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے نماز جنازہ پڑھائی' ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی- (تفصیلی حالات 'احسن السوانح' میں ملاحظہ فرمائیے)

شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ بن شیخ حبیب ؒ اللہ قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ کے ایک نومسلم خاندان میں ۲ رمضان ۱۳۰۴ھ/ ۲۵ مئی ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد شیخ حبیب ؒ اللہ اپنا آبائی مذہب (ہندومت) ترک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے قبول اسلام سے خاندان نے مخالفت کی تو قصبہ جلال کی سکونت ترک کر کے موضع باہو چک میں رہائش اختیار کر لی۔

مولانا احمد علیؒ نے قرآن مجید والدہ ماجدہؒ سے پڑھا۔ کوٹ سعد اللہ کے پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ بعد میں خاندان کے موضع باہو چک آنے پر ''تلونڈی کھجور والی'' کے پرائمری سکول میں پڑھنے لگے۔ ابھی نو سال کے تھے کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی مولانا احمد علیؒ کے خاندان سے عزیز داری تھی۔ حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ نے شیخ حبیب اللہؒ مرحوم کی وفات کے بعد بچوں کی نگہداشت کے خیال سے مولانا احمد علی کی والدہ کا نکاح ثانی مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے کر دیا۔ یوں مولانا احمد علیؒ مولانا سندھیؒ کے ربیب ہونے کے ناطے ان کے زیر تربیت رہے۔

مولانا سندھیؒ نے انہیں امروٹ شریف کے دوران قیام میں ابتدائی درسی کتابیں پڑھائیں۔ وہاں سے مولانا سندھی گوٹھ پیر جھنڈا (نواب شاہ) منتقل ہوئے اور ۱۳۱۹ھ میں مدرسہ دارالارشاد کی بنیاد رکھی۔ ''مدرسہ دارالارشاد'' کی سب سے پہلی فارغ

التحصیل جماعت میں پانچ طلبہ تھے- ان میں سے ایک مولانا احمد علیؒ تھے ۱۳۲۶ھ میں ان کی دستار بندی ہوئی-

مولانا سندھیؒ دارالعلوم دیوبند اور بعد میں دہلی میں مقیم رہے- ان کی عدم موجودگی میں ''دارالارشاد'' کا انتظام مولانا احمد علیؒ کے ہاتھ میں رہا- کچھ عرصہ بعد مولانا احمد علیؒ نواب شاہ منتقل ہو گئے اور ایک دینی مدرسہ قائم کیا- یہاں ان کے ساتھیوں میں مولانا سندھیؒ کے دو شاگرد مولانا عبداللہ لغاریؒ اور مولانا محمدؒ صالح تھے-

مولانا سندھیؒ دہلی میں ''نظارت المعارف القرآنیہ'' کے ذریعے قرآن کی تعلیم عام کر رہے تھے- انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء پر مولانا احمد علی کو نواب شاہ سے دہلی بلا لیا- نواب شاہ کا دینی مدرسہ جو ابتدائی حالت میں تھا مناسب نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے دم توڑ گیا-

''نظارت المعارف القرآنیہ'' کی طرف سے مولانا احمد علیؒ نے آگرہ کا تبلیغی دورہ کیا- پہلی عالمگیر جنگ کے زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک ہوئے- اسی سلسلے میں دہلی سے گرفتار کیے گئے- راہوں ضلع جالندھر میں نظر بند کر دیئے گئے- وقتاً فوقتاً راہوں سے دہلی، شملہ، لاہور اور جالندھر کی حوالات میں منتقل ہوتے رہے- آخر ۱۹۱۷ء میں لاہور آ گئے اور مسجد لائن سبحان خان میں درس قرآن شروع کیا- مولانا مرحوم کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ لاہور کے ابتدائی زمانہ قیام میں کئی کئی دن فاقہ رہتا تھا- (مرد مومن ص۴۶)

ان کے ذریعہ معاش کے سلسلے میں قاضی محمد عدیل صاحب کا یہ بیان قابل ذکر ہے کہ:

> ''حضرت (مولانا احمد علیؒ) ہفتے میں ڈیڑھ دن اپنی معاش کا بندوبست کرتے تھے- کبھی صابن بناتے اور کبھی عربی کتابوں کی کتابت کی تصحیح فرماتے تھے- میں نے انہیں صابن بناتے دیکھا نہیں اس کا اہتمام شاید گھر کے اندر رہتا ہو- لیکن کتابت کی اصلاح میں مشغول دیکھا ہے- یہ کام آپ مسجد کے حجرہ میں

کرتے تھے- اس ڈیڑھ دن میں جتنی آمدنی ہوتی تھی اسے ہفتہ بھر کھاتے تھے- یہ آمدنی کتنی ہوتی تھی یہ میں قطعی طور پر نہیں بتا سکتا لیکن ظاہر ہے کہ وہ بہت قلیل ہوتی ہوگی- میں نے سنا ہے کہ بعض دن پورے گھر نے صرف چنے چبا کر گزارہ کیا- لیکن بایں ہمہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کی شان خودداری اور فقر و استغناء کی آن میں کوئی فرق آسکے''- (مرد مومن ص ۴۷)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے زمانہ تلمذ (۳۴-۱۹۳۳ء) کے مشاہدات و تجربات کے پیش نظر لکھا کہ رمضان مبارک میں غریب مسلمانوں کے ہاں بھی کچھ نہ کچھ افطاری کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے- لیکن مولانا احمد علیؒ کے یہاں یہ اہتمام بھی نہ ہوتا تھا-[1]

مولانا احمد علی سیاسی تحریکوں میں پیش پیش رہتے تھے- ۱۹۲۰ء میں ''تحریک ہجرت افغانستان'' کا آغاز ہوا تو لاہور میں وہ اس تحریک کے نگرانوں میں سے تھے- انہوں نے اہل وعیال سمیت افغانستان ہجرت کی- تحریک میں کوئی منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے مقاصد حاصل نہ ہوئے اور مہاجرین تباہ حال واپس آ گئے- مولانا بھی واپس لاہور آ گئے- ۱۳۴۰ھ/۲۲-۱۹۲۱ء میں انجمن خدام الدین لاہور کی بنیاد رکھی جو قرآن و سنت کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہی ہے-

مولانا احمد علیؒ نے مولانا سندھیؒ کے طرز تفسیر کو پنجاب میں عام کیا- قرآن مجید سے انہیں والہانہ تعلق تھا ''ان کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا- اور ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا- ان کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی-[2]

مولانا صبح کی نماز کے بعد درس قرآن دیتے تھے جس میں عام لوگ شریک ہوتے تھے اور ان کی فہم و فراست کے مطابق تعلیمات قرآنی پیش کرتے تھے- دوسرا درس

---

[1] پرانے چراغ ص ۱۵۶

[2] پرانے چراغ ص ۱۵۱

قرآن بعد از نماز مغرب ہوتا تھا- جس میں فارغ التحصیل عالم اور جدید تعلیم یافتہ لوگ شامل ہوتے تھے- حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تالیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' بھی بڑے اہتمام اور ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے-

مولانا احمد علیؒ کے زیر نگرانی ''انجمن خدام الدین'' دینی و تبلیغی کاموں میں مصروف تھے-[1] اس کے علاوہ دوسری دینی اور اصلاحی انجمنوں کے کام میں تعاون کرتے رہتے تھے- مثال کے طور پر انجمن حمایت اسلام لاہور کے رکن تھے- ۲۲/ستمبر ۱۹۳۳ء کو بحیثیت عالم دین انجمن کی جنرل کونسل میں لیے گئے- اس کے بعد انجمن کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے رہے حتیٰ کہ ۱۷-نومبر ۱۹۵۰ء کو انجمن کے نائب صدر چنے گئے- اور آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے- ان کی وفات پر انجمن کے سیکرٹری نے لکھا:

> ''مولانا مرحوم و مغفور ضعیف العمری اور ناتوانی کے باوجود انجمن کے اجلاسوں میں شرکت فرما کر اپنے قیمتی مشوروں سے انجمن کو مستفید فرماتے تھے- بالخصوص ان مشاورتوں میں جو ردِ عیسائیت کے سلسلے میں منعقد ہوئیں مرحوم نہایت ہی انہماک کے ساتھ دیگر علمائے کرام کے ساتھ صلاح مشوروں میں حصہ لیتے- آپ انجمن کے سالانہ جلسوں میں بھی تشریف لاتے اور اپنے مواعظ حسنہ سے سامعین کو فیض یاب کرتے تھے''-[2]

قیام پاکستان کے بعد یہاں اٹھنے والی ہر دینی تحریک میں پیش پیش رہے- ۹/۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو پاکستان بھر کے ۷۷ علماء کی مجلس مشاورت ہوئی اور انہیں بالاتفاق مرکزی جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان کا صدر چنا گیا-

مولانا احمد علیؒ سلسلہ قادریہ میں منسلک تھے- لڑکپن میں مولانا غلام محمدؒ دین پوری سے بیعت ہوئے تھے- اس کے بعد مولانا تاج محمودؒ امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) سے

---

[1] انجمن کی خدمات کے لیے ایک الگ تصنیف کی ضرورت ہے-

[2] مردِ مومن ص ۹۹

استفادہ کیا- مولانا دین پوریؒ کے ممتاز ترین خلیفہ تھے- مولانا احمد علیؒ سے ہزاروں بندگانِ خدا نے تعلق ارادت قائم کیا- ان کے خلفاء کی تعداد بیس سے زائد ہے-[1] چند نام یہ ہیں:

۱- حافظ محمد حبیب اللہ مرحوم (خلف اکبر)
۲- مولانا عبدالعزیز جالندھری مرحوم
۳- مولانا سید احمدؒ بخاری مرحوم
۴- مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
۵- مولانا بشیر احمد پسروری مرحوم
۶- مولانا قاضی زاہد الحسینی
۷- مولانا عبیداللہ انورؒ (جانشین)

۲۲ فروری ۱۹۶۲ء / ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو لاہور میں فوت ہوئے اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے- بوقت وفات تین صاحبزادے حیات تھے-

۱- مولانا حبیب اللہ مرحوم
۲- مولانا عبیداللہ انورؒ
۳- مولانا حمید اللہؒ

مولانا مرحوم کی وفات پر علماء وفضلاء نے بھرپور خراج عقیدت پیش کیا- شعراء نے بکثرت تعزیتی نظمیں اور قطعات تاریخ کہے- مفتی جمیل احمد تھانوی صاحبؒ کا ایک مادہ تاریخ یہ ہے-

وصف کی صورت ہے تاریخ وصال
رہبر راہ خدا احمد علیؒ
۱۳۸۱ھ

---

[1] دیکھئے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء (قاری فیوض الرحمان)

''انجمن خدام الدین'' کی طرف سے مولانا احمد علی مرحوم کی حسب ذیل قلمی یادگاریں زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں-

۱- چونتیس رسائل، تبلیغی مقاصد کے لیے مختلف اوقات میں یہ رسائل لکھے جاتے رہے- جو لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیے گئے ہیں-

۲- خلاصۃ المشکوٰۃ

۳- ترجمہ وحاشیہ قرآن مجید (قرآن عزیز)

۴- خطبات جمعہ (۸ جلدیں)

۵- مجلس ذکر کے مواعظ (۸ جلدیں)

۶- حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب

۱۹۵۵ء میں ان کی نگرانی میں ہفت روزہ ''خدام الدین'' جاری ہوا تھا جو تا حال اصلاحی وتبلیغی کام کر رہا ہے-

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

جن لوگوں کو دین وعلم میں رسوخ حاصل ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ دین کا ایک اہم شعبہ احسان واخلاص ہے جو کہ شریعت مطہرہ کے تمام اعمال کی روح ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ دین کے اس شعبہ کی خدمت وحفاظت اس امت کے تمام طبقات میں سے صوفیاء کرام نے سب سے بڑھ کر کی ہے۔ خیر القرون کے بعد دین کی اس روح اور رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک کی امانت یعنی ''نور عرفان'' کو محبت وصحبت کے ذریعہ حاصل کر کے ''محبت وصحبت'' ہی کے ذریعے دوسروں تک منتقل کرنے اور اس روح اسلام اور نور عرفان کو دنیا میں باقی رکھنے کی جو مساعی جمیلہ صوفیاء کرام نے کی ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طبقہ نے رسول اللہ ﷺ کی صحیح جانشینی کا حق ادا کر دیا ہے۔ پھر ہمارے اس دور میں مشائخ دیوبند کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ تمام مشہور سلاسل طریقت کے فیوض وبرکات اور ان کی نسبتیں ان کو حاصل ہوئیں، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے واسطہ سے مشائخ چشت کا جذبہ درد اور عشق وفنائیت حاصل ہوئی، خاندان ولی اللہی کے ذریعے نسبت نقشبندیہ اور اتباع سنت کا ذوق نصیب ہوا اور مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ کے واسطے سے جذبہ جہاد وسرفروشی ملا عشق وطریقت اور شریعت وجذبہ جہاد کے اس حسین امتزاج نے میخانہ یثرب کی شراب اخلاص وعرفان کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ کر کے حلقہ دیوبند کے متوالوں کو ایک امتیازی شان بخش دی ہے اور اب بجا طور پر ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے ۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

انہی مشائخ دیوبند کی آخری نشانی سیدنا ومرشدنا حضرت مولانا الشیخ عبدالقادر رائے پوری

نور اللہ مرقدہٗ نے جو تمام مشائخ متقدمین اور متاخرین کی نسبتوں کے جامع اور امین تھے‘ جن کے مقدس چہرہ کو دیکھ کر حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابو بکر شبلیؒ اور حضرت ابراہیم ادہم بلخی ؒ کی نورانی صورتیں چشم تصور کے سامنے آ جاتی تھیں۔ مجلس مبارک میں جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات پڑھے جارہے ہوتے تھے تو ہو بہو حضرت غوث الاعظمؒ کی مجالس کا نقشہ کھچ جاتا اور جب موجودہ اسلامی وملکی سیاسیات پر گفتگو ہو رہی ہوتی تو سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ علماء کرام کے مجمع میں جب علمی نکات بیان کیے جارہے ہوتے۔ اس وقت خاندان ولی اللٰہی کے درس کی کیفیات کا نقشہ سامنے آ جاتا اور جب اذکار و اشغال اور مراقبات کی تلقین کی جارہی ہوتی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیوض و برکات کے آثار نمایاں ہوتے‘ جب کبھی کوئی نو وارد حضرت کے ہاں مہمان بن کر آتا تو آدھی رات کے بعد اطراف وجوانب سے ذکر اللہ کی پیہم صدائیں سن کر اسے حضرت کی قیام گاہ پر شیخ کبیر شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اور شاہ ابو المعالی قادریؒ کی خانقاہوں کا گمان ہوتا وسیع دستر خوان‘ کامل توکل وتبتل اور عالمگیر اخلاق و مروت کو دیکھ کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلویؒ کی خانقاہ کا سماں اہل بصیرت کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔ غرض یہ کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس دور کی ایسی جامع الصفات شخصیت تھی۔ جس نے ہندو پاکستان کے مختلف المزاج اور مختلف الاستعداد مریدین و مسترشدین کی رائے پور کی خانقاہ میں بیٹھ کر تربیت پائی اور نصف صدی تک جملہ مشائخ سلاسل کی یاد کو تازہ رکھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد حضرتؒ کی زندگی کا ایک اجمالی نقشہ ذیل میں کھینچا جاتا ہے کہ اس مضمون میں شرح و بسط کی گنجائش نہیں ہے۔

ولادت وخاندان:

حضرت کے آباؤ اجداد کا اصلی وطن موضع تھوہا محرم خان ضلع کیمبل پور (پاکستان) ہے۔ حضرتؒ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے تین بھائیوں کے ہمراہ تھوہا محرم خان سے موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں آ کر آباد ہوئے‘ اس خاندان میں کئی

پشتوں سے علم وتقویٰ وراثتاً چلا آ رہا تھا- حضرت کے تایا مولانا کلیم اللہؒ حضرت اخوند صاحب صحات والوں کے خلیفہ تھے اور عوام میں ٹوپی والا کے نام سے مشہور تھے' حضرت کے ایک دوسرے تایا مولانا محمد احسنؒ بہت بڑے عالم تھے اور علم کے ایسے شیدائی تھے کہ دینی کتب کے حصول کے لیے اگر اپنے گھر کا سارا اثاثہ بھی قربان کرنا پڑتا تو اس سے دریغ نہ فرماتے- حضرت کے والد ماجد حضرت حافظ احمدؒ نے تمام عمر قرآن پاک کی خدمت کی' ہزاروں کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور ساری عمر اپنے ہاتھ سے کاشت کاری کر کے طیب و پاکیزہ روزی حاصل کی اور اس سے اپنی اور اپنے خاندان کی پرورش کی حضرت کی ولادت موضع ڈھڈیاں میں ۱۲۹۵ھ کے قریب ہوئی-

تعلیم وتربیت:

حضرتؒ کے تایا مولانا کلیم اللہ کھوڑہ ضلع جہلم میں رہائش رکھتے تھے' انہی کے پاس رہ کر حضرتؒ نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی کے چند رسالے انہی سے پڑھے' صرف ونحو کی کتابیں مولانا محمد رفیق صاحبؒ جھاوریاں ضلع سرگودھا والوں سے پڑھیں مولانا محمدؒ رفیق قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ تھے- بعدہ علمائے سلف کی طرح رحلت کا مرحلہ پیش آیا اور شوق علم نے اپنے وطن عزیز اور اعزہ واقارب کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا چنانچہ بچپن میں تحصیل علم کے لیے ہندوستان کا لمبا سفر کیا اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے رام پور پہنچے- کچھ عرصہ وہاں رہ کر درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں- پھر پانی پت' سہارن پور اور دہلی کے مقامات پر قیام کر کے درس نظامی کی تکمیل کی اور منطق و فلسفہ میں مہارت حاصل کی- حدیث کی کتابیں مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا عبدالعلیؒ سے پڑھیں- مولانا عبدالعلی مرحوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے شاگرد تھے- دہلی کے قیام کے دوران ہی بخاری وقت حضرت مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہو کر ترمذی شریف کے چند اسباق کی سماعت کی بچپن ہی سے حضرتؒ کی طبیعت بہت قانع واقع ہوئی تھی- جہاں کہیں بھی رہے جو کچھ میسر آ گیا- اسی پر قناعت کی' اساتذہ یا کسی اور دوست آشنا سے کبھی اپنی تکلیف کا اظہار

نہیں کیا- طالب علمی کے زمانہ میں حضرتؒ نے بڑی بڑی مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائیں- خود فرمایا کرتے تھے- جب میں رام پور سے دہلی گیا تھا- صرف ایک اکنی میرے پاس تھی' تمام راستہ پیدل طے کیا تھا' ٹکے کے چنے لے کر چبائے تھے اور ٹکہ کشتی والوں کو دے کر دریا عبور کیا تھا- حضرتؒ کے متعلقین سے یہ بھی سنا تھا کہ طالب علمی کے زمانے میں کئی کئی وقت کا فاقہ برداشت کر لیتے تھے- لیکن کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے- منطق وفلسفہ اور فقہ وحدیث کی تکمیل کے بعد حضرت نے طب یونانی کی باقاعدہ تحصیل کی اور ضلع بجنور کے ایک قصبہ افضل گڑھ میں مطب بھی کیا' کچھ عرصہ بریلی اور دوسرے شہر رہ کر قرآن وحدیث کا درس بھی دیا- لیکن حضرتؒ کی بے چین طبیعت کسی حال میں بھی مطمئن نہ ہوئی- فرماتے تھے- میرے والد ماجد چاہتے تھے کہ میں ایک بڑا مولوی اور واعظ بنوں- لیکن میری طبیعت اس طرف نہیں چلتی تھی اور طبیعت میں ایک خلش تھی- جو کہیں چین نہیں لینے دیتی تھی-

تلاش حق:

علم کلام کی موشگافیوں اور منطق وفلسفہ کے مسلمات (Axloms) سے جب کسی طرح طبیعت کی خلش دور نہ ہوئی تو حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کی کتاب ''المنقذ من الضلال'' کا مطالعہ کیا- اس سے متاثر ہو کر طبیعت نے یہ فیصلہ کیا کہ اندرونی خلش کا علاج اگر کہیں ہے تو صرف صوفیاء کرام کے پاس ہے اور صوفیہ کے بارے میں امام غزالیؒ ہی کی طرح حضرتؒ کے دل و دماغ میں یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ:

ان سیرتھم احسن السیر و طریقتھم اصوب الطریق و اخلاقھم اذکی الاخلاق بل لو جمع عقل العقلاء و حکم الحکماء و علم الواقفین علی اسرار الشرع من العلماء لبغیروا شیئا من سیرھم و اخلاقھم و بدلوہ بما ھو خیر منه لم یجدوا الیه سبیلا و ان جمیع حرکاتھم و سکناتھم فی ظاھرھم و باطنھم مقتبسة من نور مشکوۃ النبوۃ و لیس ورآء نور النبوۃ علی وجه الارض نور

یستضاء به. (المنقذ من الضلال ص ۳۲)

''انہیں (صوفیہ) کی سیرت خوب تر ہے' انہیں کا راستہ زیادہ سیدھا ہے اور انہیں کے اخلاق زیادہ پاکیزہ ہیں' بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقلیں' سب حکماء کی دانائیاں اور علماء شریعت اور واقفان دین کے علوم اکٹھے کیے جائیں۔ تب بھی اس قابل نہ ہوں کہ ان کے اخلاق و سیرت کے مقابلہ میں کسی اخلاق و سیرت کو پیش کر سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تمام حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے روشن ہیں اور نور نبوت کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی نور ہے ہی نہیں۔ جس سے روشنی حاصل ہو سکے''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے تغیر حال اور نظامیہ بغداد کی صدارت کو چھوڑ کر تصوف کے دامن میں پناہ لینے کا مفصل واقعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بڑے مزے سے اپنی مجالس مین بیان فرمایا کرتے تھے اور اس طرح سر دلبران کو ''حدیث دیگراں'' کی صورت میں ظاہر فرماتے تھے۔

آخر عنایت ربانی نے دستگیری فرمائی اور درس و تدریس کے مشاغل کو چھوڑ کر تلاش حق میں دیوانہ وار نکل کھڑے ہوئے اور ایک عرصہ تک سرگرداں رہے۔ حتیٰ کہ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی خدمت میں پہنچے' بڑے حضرت کو سلسلہ قادریہ نقشبندیہ میں قطب زمانہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارن پوریؒ سے اجازت و خلافت حاصل تھی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ اور نقشبندیہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اور اس وقت کوہ شوالک کے دامن قصبہ رائے پور میں نہر کے کنارے ایک باغ میں متوکلانہ گزران کر کے طالبین حق کی تربیت میں مصروف تھے۔ پہلی ملاقات میں ہی حضرت عالیٰ کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کے لیے انہیں کا ہو رہنے کی تمنا کا اظہار کیا اور بیعت ہونے کی درخواست کی اس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے۔ بڑے حضرتؒ نے حضرت کو گنگوہ حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرتؒ نے عرض کیا۔ کہ مجھے جناب ہی سے پوری مناسبت ہے۔ میں اور کہیں جانا

نہیں چاہتا- فرمایا اچھا اتنی کیا جلدی ہے استخارہ وغیرہ کر کے اپنی طبیعت کا اطمینان کر لیں- چنانچہ ذکر وغیرہ بتلا کر حضرتؒ کو رخصت فرما دیا- حضرتؒ والا اپنے وطن تشریف لے آئے اور چند روز وطن میں قیام کر کے دوبارہ ہندوستان کا سفر کیا- خانقاہ رائے پور حاضر خدمت ہو گئے' حضرتؒ نے بیعت فرمالیا اور ذکر اذکار کی تلقین فرمائی' فرماتے تھے' ایک روز میرے حضرتؒ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا پیچھے بھی کوئی ہے' میں نے عرض کیا جی ہاں! میرے والدین ہیں' بھائی بہن اور رشتہ دار موجود ہیں- فرمایا اوہو! میں تو چاہتا تھا کہ زندگی کے دن اکٹھے ہی گزاریں گے! عرض کیا حضرتؒ! میں ایسے ہی ہوں جیسے کسی کا کوئی نہ ہو اگر چہ میرے سب رشتہ دار موجود ہیں لیکن میں نے سب سے یکسو ہو کر حضرتؒ ہی کا ہو رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے- یہ سن کر حضرتؒ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا-

ریاضت و مجاہدہ:

رائے پور کی خانقاہ کے قیام کے دوران میں حضرتؒ نے بڑا مجاہدہ کیا طالب علمی کے زمانے کے مصائب جھیلنے سے پہلے ہی بہت کچھ تزکیہ نفس ہو چکا تھا- اب شیخ طریقت کی رہبری میں سلوک کی باقاعدہ منزلیں طے کرنے کا مرحلہ درپیش تھا- بڑے حضرت بالکل متوکلانہ گزران کرتے تھے اور رائپور کی خانقاہ کا وہ زمانہ نہایت عسرت کا زمانہ تھا' عام طور پر مکئی باجرے یا چنے کی خشک روٹی کھانے کو ملتی تھی' حضرت فرماتے تھے روٹی پکانے والے نہایت لاپرواہی سے روٹی پکاتے تھے اور کچی پکی جیسی مل جاتی ہم اس پر گزارہ کر لیتے ایک بار خیال آیا کہ حضرت سے اس کی شکایت کریں' لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں حضرت یہ نہ فرما دیں کہ یہاں تو یہی کچھ ہے اگر اچھی روٹی کھانی ہے تو کہیں اور تشریف لے جائیے- یہ سوچ کر خاموش ہو گئے- متواتر کئی سالوں تک خشک روٹی کھانے اور اس کے ساتھ ساتھ پہروں ذکر بالجہر کرنے کی وجہ سے حضرت کو مختلف قسم کے امراض لاحق ہو گئے- جن کا اثر آخری دم تک رہا- لیکن ہمیشہ صبر و استقامت کے ساتھ یاد حق اور خدمت شیخ میں مصروف رہے- ذکر اذکار کے ساتھ ساتھ بڑے حضرت کی خدمت بھی حضرت ہی کے ذمے تھی اور رات دن میں آرام کرنا بہت کم نصیب ہوتا تھا- فرماتے تھے

کہ پہلے پہل جب میں رائے پور گیا- میرے پاس کوئی بستر نہیں تھا- سردیوں کا موسم آیا تو میں نے خانقاہ کے چھپر کے ایک کونے کو صاف کر کے اپنے لیے سونے کی جگہ بنائی اور ایک پھٹا پرانا کمبل کہیں سے دستیاب ہوگیا- جس کو میں نے دھو کر صاف کر لیا' اسی کو میں آدھا نیچے بچھالیتا اور آدھا اوپر اوڑھ لیتا تھا-

ان تمام مرحلوں کو حضرت نے بڑی خندہ پیشانی سے طے کیا اور کبھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے- بڑے حضرت کی توجہات بھی ہمیشہ حضرت پر مبذول رہیں اور آخر دم تک حضرت سے راضی رہے- بوقت وصال حضرت کو اپنا خلیفہ و جانشین بنایا اور رائے پور قیام رکھنے کی تلقین فرمائی-

مسند ارشاد پر جلوہ افروزی:

چودہ پندرہ سال مسلسل حضرت عالی کی خدمت میں رہ کر اور سخت مجاہدات کر کے سلوک کی انتہائی منزلیں طے کیں اور چاروں سلسلوں کے فیوض و برکات حاصل کیے' چونکہ بڑے حضرت پر نسبت نقشبندیہ قادریہ کا غلبہ تھا- اس لیے حضرت بھی اس رنگ میں رنگے گئے- آخر ۲۶' ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا' تو حضرت مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور پورے پینتالیس سال تک رونق تلقین و ارشاد کا باعث بنے رہے- ابتداءً حضرت کو بڑی مشکلات کا سامنا ہوا لیکن فضل خداوندی نے ہر حال میں دستگیری فرمائی اور کبھی پائے استقامت میں لغزش نہ آئی- فرماتے تھے حضرت عالی کے وصال کے بعد میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ قوت لایموت حاصل کرنے کے لیے بان بٹ کر سہارن پور جا کر بیچ آیا کروں گا اور اپنے کام میں مشغول رہوں گا- لیکن الحمدللہ کہ ایسی نوبت کبھی نہیں آئی اور اللہ کے فضل سے ہمیشہ غیب سے روزی کے تمام سامان مہیا ہوتے رہے-

پینتالیس سال کے اس عرصہ میں دنیا میں سینکڑوں انقلابات رونما ہوئے' اسلامی ممالک کے حصے بخرے ہوئے- برطانوی شہنشاہیت کا نہ غروب ہونے والا سورج غروب ہوگیا' برصغیر پاک و ہند نے برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات پائی' بیسیوں

مذہبی و سیاسی تحریکیں چلیں، بہی خواہان ملک نے ہزاروں رنگ بدلے، دردمندان قوم نئے نئے رنگوں اور طرح طرح کے لباسوں میں ظاہر ہوئے نام نہاد مشائخ وسجادہ نشینان نے عوام کو خوب خوب بیوقوف بنایا اور دنیا کو لوٹا- مگر واہ رے پیکر صدق و اخلاص کہ کبھی بھولے سے بھی شہرت و ناموری کی خواہش نہیں کی اور دنیا کے مزخرفات کو عمر بھر نظر التفات سے نہیں دیکھا- دنیا کی کوئی چیز حتیٰ کہ استعمال پارچاجات تک کبھی اپنی ملکیت میں نہیں رکھے- دنیا اور اہل دنیا سے بے غرض ہو کر اپنے مالک کے آستانہ پر جس توکل و تبتل کے ساتھ سر رکھا تھا، ہمیشہ اسی طرح رکھے رہے اور بزبان حال یہ کہتے رہے ؎

وہ تیری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے
یہ میری جبین نیاز تھی کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

اپنے عمل و اخلاص سے خلق محمدیؐ کو دنیا میں عام کیا اور اشاعت و ترویج میں ہر ممکن کوشش کی، سینکڑوں علماء کو روحانی منازل طے کرائیں لاکھوں مسلمانوں کو فسق و فجور اور بدعات سے توبہ کرائی علاوہ ازیں ہر طبقہ کے لوگوں، کاروباریوں، ملازموں، ادیبوں، شاعروں مقرروں اور سیاستدانوں کو اپنے اخلاق ومحبت سے اپنا گرویدہ بنائے رکھا اور ہر ایک کی استعداد کے مطابق سب کی اصلاح وتربیت فرماتے رہے، سیاسی لیڈروں کو اپنی خداداد سیاسی بصیرت سے راہ نمائی فرمائی، جمعیۃ العلماء، کانگرس، احرار مسلم لیگ اور دوسری مذہبی وسیاسی جماعتوں کے لیڈروں کو نازک موقعوں پر نہایت مناسب ہدایات دیں- جن پر عمل کرنے سے ملک وقوم کے حق میں نہایت مفید نتائج کا ظہور ہوا- کئی ایک ذہنی فتنوں کی روک تھام کی اور اہل حق وصداقت کی جلائی ہوئی شمع کو آخر دم تک روشن رکھا-

مکارم اخلاق:

حضرت کے مکارم اخلاق کی پوری تصویر تو حضرت کی مستقل سوانح حیات ہی میں مل سکتی ہے، یہاں حضرت کے چند نمایاں اوصاف کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے-

عالی ظرفی اور عالمگیر مروّت:

یوں تو حضرت کے سارے ہی اخلاق و عادات خلق محمدیؐ کے پورے پورے

آئینہ دار تھے۔ لیکن سب سے نمایاں وصف جسے ہر کہ ومہ محسوس کرتا تھا۔ حضرت کی عالی ظرفی اور عالمگیر اخلاق و مروت کا ہے۔ جس کی بدولت حضرت کے اندر ایک ایسی مقناطیسی کشش معلوم ہوتی تھی جو انسانوں کو بے اختیار کر کے اپنی طرف کھینچ لیتی تھی اور اپنا والہ وشیدا بنائے رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے متوسلین کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ہندو پاکستان کا کوئی کونہ ایسا نہیں ہے۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو اور ان میں حضرت کے دامن سے وابستگی کا شرف ان کو حاصل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے متوسلین میں ہر قسم ہر قماش کے لوگ مل جاتے ہیں۔ حضرت کی مجلس مبارک میں ہم نے بار ہا متضاد خیالات رکھنے والوں اور مختلف المزاج اشخاص کو ایک جگہ جمع دیکھا ہے۔ ایک ہی مجلس میں ایک طرف پکے لیگی بیٹھے ہیں اور دوسری طرف کٹر کانگرسی ایک طرف احراری رہنماؤں کا حلقہ ہے اور دوسری طرف جمعیۃ العلماء کے مشائخ جلوہ افروز ہیں۔ احرار رہنما سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور کانگرس اور احرار کے مشہور لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ حضرت ہی کے دامن سے وابستہ تھے۔ دوسری طرف مسلم لیگ کے رہنما صوفی عبدالحمیدؒ صاحب (سابق وزیر زراعت پاکستان) کو حضرت ہی کا خادم خاص ہونے پر ناز ہے۔ آزاد فتح پوریؒ اور مولانا عبدالمنان دہلویؒ جیسے قادر الکلام شعراء اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسے وسیع النظر ادباء کو حضرت ہی کے آستانہ مبارک پر سرارادت خم کرنے کا فخر حاصل ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری استاذ العلماء مولانا محمد ابراہیم صاحب میاں چنوں والے مولانا عبدالعزیزؒ صاحب رائے پوری مولانا محمد صاحب نوریؒ فیصل آبادی اور استاذی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ دھرم کوٹی رحمہم اللہ اجمعین جیسے مقدس و متقی علماء آپ کو حضرت جیؒ کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے نظر آئیں گے اور ان کے ساتھ ساتھ بدنام کنندۂ نکونامان راقم السطور جیسے ننگ اسلاف کو بھی آپ حضرت کے دامن عفو میں پناہ لیتے ہوئے پائیں گے۔

بڑے بڑے مشائخ اور علماء صلحاء اور حکماء کی سیرتوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ ایسے عالی ظرف اور عالی استعداد جن کے ہاں ہر چیز کی سمائی ہو- دنیا میں بہت ہی قلیل لوگ ہوئے ہیں- حضرت کا معمول تھا کہ مجلس میں جس قسم کا کوئی آدمی آ جاتا- حضرت والا اس سے اس کے مزاج اور افتادِ طبیعت کے مطابق ہی گفتگو فرماتے- راقم السطور کے آباؤ اجداد چشتی تھے- اس لیے جب کبھی حاضر خدمت ہوتا- حضرت رحمۃ اللہ علیہ مشائخ چشت کا تذکرہ فرماتے- ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مشائخ کی دو خصوصیات ایسی ہیں- جو انہی کا حصہ ہیں- ایک تو عشق و محبت ہے اور دوسری جذب و فنائیت' اپریل ۱۹۶۲ء میں احقر نے اپنی کتاب تذکرہ سلیمان تونسویؒ کا ایک نسخہ حضرت کی خدمت میں رائے پور شریف روانہ کیا جسے حضرت نے مجلس میں پڑھوا کر سنا' جب آخری دورے میں پاکستان تشریف لائے اور راقم السطور حاضر خدمت ہوا تو فرمایا- ''میں نے آپ کی کتاب سنی ہے ماشاء اللہ خوب لکھی ہے''- پھر فرمایا:

''ہمارے تو سارے ہی بزرگ ہیں' خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ، خواجہ شمس الدین سیالویؒ اور پیر مہر علیؒ شاہ گولڑوی سبھی کو ہم مانتے ہیں اور یہ سب نہایت سچے لوگ تھے''-

بعض اوقات صاحب استعداد مریدین کی مخفی استعدادوں کو اجاگر کرنے کے لیے ان کے کسی صحیح وصف کی جو فی الواقعہ ان میں پایا جاتا- تعریف فرماتے اور اس طرح ان کو اپنے ساتھ جوڑ کر نہایت حکیمانہ طور پر ان کی تربیت فرماتے- مشہور ماہر نفسیات ڈیل کارنیگی نے اپنی مشہور عالم کتاب ''میٹھے بول میں جادو ہے''- میں لوگوں کو دوست بنانے کا ایک یہ اصول بھی لکھا ہے کہ ''ہر شخص کی جائز تعریف کیجئے اور اسے دوست بنایئے''- عجیب بات ہے کہ اس قسم کے تمام اصول جو علم الاخلاق کے ماہرین بڑی کدوکاش کے بعد محض علمی طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں- ہم کو عملی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں کے اسوۂ حسنہ میں مل جاتے ہیں لیکن افسوس کہ لوگ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے جاتے ہیں- جو خود اخلاق و عمل سے عاری اور اس معاملہ میں دوسروں کے محتاج ہیں اور جن کے پاس تھوڑا بہت جو کچھ بھی ہے' ہمارے ہی گھر (اسلام) سے مستعار لیا گیا ہے یا چرایا گیا ہے-

سیاسی بصیرت' عالی دماغی اور سلامت فہم:

حضرتؒ کا دوسرا نمایاں وصف حضرت کی خدا داد فہم و فراست' عالی دماغی اور سیاسی بصیرت کا ہے- نصف صدی کی موجودہ اسلامی سیاست پر حضرتؒ بہت گہری نظر رکھتے تھے' اس دور کی تمام تحریکوں' سیاسی جماعتوں اور سیاسی لیڈروں کے متعلق ایسی جچی تلی رائے رکھتے تھے جس سے زیادہ معقول و مناسب رائے دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مدبر بھی قائم نہیں کر سکتا- زمانہ حال میں دنیا کے تمام اسلامی ملک نے جن ابتدائی حالات کا سامنا کیا- سب کی تاریخ حضرتؒ کے حافظہ میں پوری طرح محفوظ تھی- مولانا ابوالکلام آزادؒ، مسٹر محمد علیؒ جناح' پنڈت نہرو اور گاندھی وغیرہ اس دور کے بڑے سیاست دان مانے جاتے ہیں- ان لوگوں نے کچھ تو اپنی ذہانت اور کچھ سیاسی تجربات سے سیاسی بصیرت حاصل کی- یہ لوگ عملاً سیاست کے میدانوں میں اتر کر ٹھوکریں کھانے اور نشیب و فراز کا تجربہ کرنے کے بعد مدبر بنے- لیکن حضرت نے دنیا سے الگ تھلگ خانقاہ کے ایک گوشے میں زندگی گزاری' نہ کبھی کسی ماہر سیاسیات کی شاگردی اختیار کی اور نہ کوئی سیاسی جماعت بنا کر کوئی عملی تجربہ کیا- اس کے باوجود حضرتؒ کا ذہن سیاسی معاملات میں وہاں تک پہنچتا جہاں تک بڑے بڑے سیاستدانوں کے اذہان کی رسائی ناممکن ہے اور یہ نتیجہ ہے ریاضات و مجاہدات کے ساتھ ساتھ کامل اتباع سنت کا جسے اگر کوئی چاہے تو علم لدنی کا نام دے لے-

حضرتؒ نے اپنی مومنانہ فراست سے ہمیشہ سیاسی زعماء کی رہبری فرمائی' جمعیۃ العلماء' مجلس احرار اسلام اور کانگرس وغیرہ کے بعض لیڈروں کو بروقت نہایت مفید اور قیمتی مشورے دیئے گو خود عملاً سیاست کے میدان میں کبھی نہیں اترے تاہم سیاسی معاملات میں ہمیشہ حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی کی ہمنوائی کی اور بارہا فرمایا کہ ''ہم تو حضرت مدنیؒ کے ساتھ ہیں'' حضرتؒ مدنی کو بھی حضرتؒ کے ساتھ ایسا اخلاص تھا کہ ہر اہم قدم اٹھاتے وقت حضرت سے مشورہ لیتے اور اکثر حالات میں اس پر عمل کرتے-

اس سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ حضرت کی سلامتی فہم بھی اس درجہ کی تھی کہ

کبھی فکری مبالغے سے کام نہیں لیا' جس چیز کا جو مقام و درجہ ہوتا - اس کو اسی درجہ میں رکھتے' نہ کبھی سیاسات کے معاملے میں افراط سے کام لیا اور نہ کبھی عبادات و معاملات کے معاملہ میں تفریط سے' نہ کبھی عشق و محبت کے پہلو پر اتنی توجہ دی کہ دین کے دوسرے پہلوؤں سے بالکل اغماض ہی ہو جائے اور نہ کبھی خشک فقاہت ہی کو اتنا درجہ دیا کہ اخلاص و احسان اور ذوق و شوق کے جذبات بالکل مردہ ہو کر رہ جائیں - ایسی سلامتی فہم صرف انبیاء کرام ہی کو نصیب ہوتی ہے - جن کی پوری زندگی کانٹے پر تلی ہوئی ہوتی ہے یا پھر ان لوگوں کو جن کے قلوب و ارواح کو انبیاء علیہم السلام کے قلوب و ارواح سے پوری پوری مناسبت ہوتی ہے - ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور ایسے جامع الصفات لوگ صدیوں کے بعد وجود میں آیا کرتے ہیں - بقول اقبالؒ ؎

سالہا در کعبہ و بتخانہ مے نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

الحمدللہ کہ ہمارے حضرت کا شمار ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں ہے -

فنائیت:

حضرتؒ کا ایک تیسرا امتیازی وصف اپنے آپ کو بالکل مٹا دینے کا ہے' جن لوگوں نے اپنی عمریں حضرتؒ کے ساتھ بسر کی ہیں - ان کا بیان ہے کہ حضرتؒ کے کسی قول و فعل سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ حضرت اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں' تمام عمر میں کبھی بھولے سے بھی اپنی کسی خوبی یا وصف کا ذکر نہیں فرمایا - حتیٰ کہ تحدیثِ نعمت کے طور پر بھی کبھی کوئی بات بیان نہیں فرمائی جیسا کہ بعض بزرگ' بعض مصالح کے پیش نظر اپنے خصوصی حالات بیان فرما دیا کرتے ہیں - جاننے اور پرکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ دل و دماغ کے ایک ایک گوشہ سے حب جاہ کو نکال کر حضرتؒ نے صدیقین کے مقام میں رسوخ حاصل کر لیا تھا - ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یوتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ.

امتیازی کارنامے:

مذکورہ بالا بے مثال اوصاف کے باوجود اور سینکڑوں طالبین حق کی اصلاح و

تربیت اور ہزاروں گم گشتگان بادیہ ضلالت کی رہنمائی و دستگیری کرنے کے علاوہ حضرتؒ کے چند ایسے امتیازی کارنامے بھی ہیں- جن کا ذکر کرنا حضرتؒ کے سوانح نگار کا فرض ہے- اول یہ کہ تقسیم ملک کے بعد ملک کے دونوں حصوں میں ایک عام افراتفری اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی- بالخصوص علماء دین پر ایک مایوسی و بد دلی کی سی کیفیت طاری تھی' حضرتؒ نے انہی ایام میں ہند و پاکستان میں مسلسل دورے کر کے علماء کو تسلی و تشفی دی اور جس جگہ اور جس حال میں کوئی بیٹھا تھا- اسی کو اسی جگہ اور اسی حال میں اللہ پر توکل کر کے کام کرنے کی تلقین فرمائی' اس سے علماء کی ہمتیں بڑھیں اور جگہ جگہ نئے دینی مدارس قائم ہو گئے' دیکھا دیکھی پرانے دینی مدارس کے بے جان و مردہ نظام میں بھی زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس طرح اشاعت دین کا کام وسیع تر ہو گیا- دوسرے یہ کہ تقسیم ملک کے ساتھ ہی پاکستان میں چند پامال مذہبی فرقوں نے سر اٹھایا- مرزائیت' شیعیت' عیسائیت اور بدعت کے علمبر داروں نے چاروں طرف ایک طوفان کھڑا کر دیا- حضرتؒ نے ایک طرف تو احرار رہنماؤں کو مناسب ہدایات دے کر ایک کام پر لگایا اور اس طرح مرزائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کا سد باب ہوا- ساتھ ساتھ دوسرے علماء سے شیعیت' عیسائیت' پرویزیت اور بہائیت وغیرہ کی تردید کروائی- دوسری طرف اہل قلم علماء سے باطل فرقوں کے رد میں کتابیں لکھوائیں- مولانا سید ابوالحسن ندویؒ سے ''قادیانیت'' اسی سلسلہ میں لکھوائی- جس کا علمی اور سنجیدہ حلقوں میں خاطر خواہ اثر ہوا- یہ ہیں حضرتؒ کے وہ کارنامے جن کی وجہ سے حضرتؒ نے اہل حق و صداقت کے دلوں میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے اور اب ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ؎

اولـئك آبـائـي فجئني بِمِثْلِهِمْ   اِذَا جَمَعْتَنِيَ يا جريرَ المجامع

وفات و جانشین:

آخر یہ آفتاب حکمت و ہدایت زندگی کی تقریباً نوے منزلیں طے کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا' ۱۴' ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو لاہور کے مقام پر حضرت کا انتقال ہوا' جنازہ لاہور سے ڈھڈیاں لایا گیا' نماز جنازہ لاہور' لائل پور' سرگودھا اور

ڈھڈیاں چار مقامات پر پڑھی گئی اور پنج شنبہ جمعہ کی درمیانی شب میں ڈھڈیاں شریف کی مسجد کے پہلو میں سحری کے وقت دفن کیے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشہور و معروف درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب گھملوی مدظلہ' سرگودھا
۲۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ دامت برکاتہم مہاجر مدنی
۳۔ حضرت مولانا محمد خلیل صاحبؒ ساکن ڈھڈیاں شریف سرگودہا
۴۔ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحبؒ ساکن ڈھڈیاں شریف سرگودہا
۵۔ حضرت مولانا عبدالوحید صاحبؒ ساکن ڈھڈیاں شریف سرگودہا
۶۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب چک نمبر ۴۷ دریا خان میانوالی
۷۔ حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہ' رائے پوری ساکن چک نمبر ۱۱ ساہیوال
۸۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال
۹۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ' ساہیوال
۱۰۔ حضرت مولانا خان محمد یوسف خان صاحب مدظلہ' ساکن نورارتھ ساہیوال
۱۱۔ حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ رائپوری
۱۲۔ حضرت مولانا قاضی عبدالقادر صاحب جھاوریاں' سرگودہا
۱۳۔ حضرت مولانا مخدوم عبدالغفور صاحب مدظلہ' ساکن جلد مخدوم' سرگودہا
۱۴۔ حضرت مولانا میاں منظور محمد صاحب مدظلہ' گوجرہ منڈی فیصل آباد
۱۵۔ حضرت مولانا حکیم شیر محمد صاحب مدظلہ' مالک ارسطور جھنگ
۱۶۔ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ' کیمبل پوری
۱۷۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدظلہ' مدرسہ تعلیم القرآن کلورکوٹ
۱۸۔ حضرت مولانا سید معروف علی صاحب ہمدانی مدظلہ قصور
۱۹۔ حضرت مولانا سید انور حسین صاحب نفیس رقم گیسو درازی لاہور
۲۰۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب بہاولنگری

۲۱- حضرت مولانا سید عطاء المنعم شاہ صاحب امیر مجلس احرار الاسلام
۲۲- حضرت مولانا حافظ صاحبزادہ محمد اکرم صاحب مدظلہ کھیوڑہ
۲۳- حضرت مولانا ڈاکٹر صاحبزادہ محمد حسین صاحب مدظلہ گجرخان راولپنڈی
۲۴- حضرت مولانا حافظ عبدالرشید صاحب مدظلہ رائے پور
۲۵- حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مدظلہ استاذ العلوم دارالعلوم دیوبند
۲۶- حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی مدظلہ
۲۷- حضرت مولانا فتح محمد صاحب مدظلہ دہلی
۲۸- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۹- حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ مدظلہ مدیر الفرقان لکھنؤ
۳۰- حضرت مولانا صوفی انعام اللہ صاحب مدظلہ لکھنؤ
۳۱- حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی مدظلہ العالی
۳۲- حضرت مولانا حاجی حافظ محمد علی صاحب سرگودھوی
۳۳- حضرت مولانا عبدالستار صاحب چھٹملپور ضلع سہارن پور
۳۴- حضرت مولانا زاہد حسین صاحب سہارن پور

گلزار رحیمی قادری کے وہ خلفاء جو دار فانی سے دار البقا کو تشریف لے گئے ہیں۔

۳۵- حضرت مولانا خدا بخش صاحب ساکن فاضلکا ضلع فیروز پور
۳۶- حضرت مولانا احمد دین رائے پوری ساکن رائے پور گجراں ضلع جالندھر
۳۷- حضرت مولانا محمد عبداللہ فاروقی صاحبؒ
۳۸- حضرت مولانا سید عطاء اللہ بخاری صاحبؒ ملتان
۳۹- حضرت مولانا حافظ عبدالحکیم صاحبؒ
۴۰- حضرت مولانا حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دھرم کوٹیؒ تحصیل خوشاب
۴۱- حضرت مولانا فضل احمد صاحب رائے پوریؒ چک نمبر ۱۱ ساہیوال
۴۲- حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اسیر صاحب گرداسپوری مزار کوہاٹ شہر

۴۳- حضرت مولانا محمد صاحب انوریؒ مزار بڑا گورستان فیصل آباد

۴۴- حضرت مولانا حافظ انیس الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ

۴۵- حضرت مولانا الحافظ محمد ابراہیم صاحبؒ سلیم پوری مزار میاں چنوں

۴۶- حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحبؒ بہاول نگری

۴۷- حضرت مولانا سید محمد اسحاق صاحب سنسار پوریؒ تحصیل و ضلع سہارن پور

۴۸- حضرت مولانا عبدالمنان صاحب دہلویؒ

۴۹- حضرت مولانا سید مسعود علی شاہ صاحب آزاد فتح پوریؒ

۵۰- حضرت مولانا سید نیاز احمد صاحب گیلانیؒ تلنبہ ضلع ملتان

۵۱- حضرت مولانا پیر جی عبداللطیف صاحب رائے پوریؒ

۵۲- حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ جالندھری مزار شیخو پورہ شہر

۵۳- حضرت مولانا محمد قمرالدین صاحب فیروز پوریؒ تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ

۵۴- حضرت مولانا قاری محمد شبیر صاحب لکھنویؒ

۵۵- حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ احمد پور شرقیہ

ان کے علاوہ بھی کئی حضرات گلزار رحیمی و گلزار قادری سے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

حضرت حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد ماجد مردان علی صاحب بڑے عہد دار اور خطاب یافتہ کارگزار اور اس کے ساتھ ہی نہایت دیندار بھی تھے۔ اپنے سب صاحبزادوں کو بجائے انگریزی کے عربی کی تعلیم دلائی۔ جناب حکیم صاحب کی استعداد علمی بہت اعلیٰ پایہ کی تھی۔ حضرت والا کے مواعظ کو تقریر کی روانی کے وقت بھی بلا تکلف قلم برداشتہ عربی عبارت میں ضبط کرتے جاتے تھے کیونکہ عربی الفاظ جامع اور مختصر ہوتے ہیں۔ پھر بعد میں اس کی اردو کرتے تھے۔ آپ نے مناجات مقبول کا ایسا نفیس اور معنی خیز اردو ترجمہ کیا ہے کہ حضرت تھانویؒ اس کی اکثر تعریف فرماتے تھے کہ اول خود اپنے ذہن میں اس کے کسی فقرہ کا ترجمہ سوچا۔ پھر حکیم صاحب کے ترجمہ سے ملایا تو ہمیشہ حکیم صاحب کے ترجمہ کو بڑھا ہوا پایا۔

سب سے پہلے حضرت تھانویؒ کے مواعظ کو آپ ہی نے قلمبند کرنا شروع کیا تھا جو امت مرحومہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ثابت ہوا۔ آپ نے حضرت تھانویؒ کی مشہور تصنیف الانتباہات المفیدہ عن الاستباہات الجدیدۃ کی جو نو تعلیم یافتہ حضرات کے شبہات کے رد میں لا جواب کتاب ہے' ایک نہایت نفیس شرح بھی تحریر فرمائی جس سے آپ کی قابلیت اور علوم عقلیہ میں مہارت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ آپ نے حضرت والا کے رسالہ ''شوق وطن'' کی بھی تسہیل فرمائی ہے آپ فن طب کے بھی ماہر تھے اور میرٹھ کے ایک مشہور حاذق طبیب تھے' اور بہت سے نافع اور عجیب و غریب مرکبات کے موجد تھے۔ آپ نہایت لطیف الطبع اور ذکی الحس تھے' یہاں تک کہ بعض اوقات کسی کے نقش تحریر ہی سے اخلاق اور مزاج کی کیفیت معلوم کر لیتے تھے اور فاسق و متقی کے قاروروں میں فرق کر لیتے تھے بہشتی زیور کے حصہ نہم میں اور بہشتی گوہر

میں سب اصناف امراض کے متعلق اپنے خاص خاص مجربات بے دریغ تحریر فرما کر اور نہایت مفید معالجات و تدابیر طیبہ درج فرمائی- آپ اس کے علاوہ ''معمولات اشرفیہ 'مجالس الحکمت' امثال عبرت'' وغیرہ کے بھی مصنف ہیں- حضرت والا کے ارشد خلفاء میں سے تھے- آپ کو تقویٰ کا بہت ہی اہتمام تھا' اور دقیق دقیق شوائب نفس پر نظر رہتی تھی- صدق و خلوص آپ کا شعار اور عبدیت و انکسار آپ کا حال تھا- سفر حج میں موٹر چلانے والے نماز کے وقت جب کسی طرح موٹر روکنے پر راضی نہ ہوئے تو حکیم صاحب چلتی موٹر سے کودنے پر تیار ہو گئے لیکن خدا کی شان موٹر میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی اور اسے خود بخود روکنا پڑا- آپ کارہائے خیر کے بے حد حریص تھے اور مساکین کا نہایت توجہ کے ساتھ مفت علاج کرتے تھے- نیز اپنے آشنا عازمین حج کو سفر میں کام آنے والی دواؤں اور بعض دیگر کار آمد اشیاء مثلاً سمت قبلہ معلوم کرنے کا نقشہ وغیرہ اکثر ہدیۃً عطا فرماتے تھے' بڑی عمر میں کلام پاک حفظ فرمایا اور حافظوں کو لقمہ دینے میں خاص طور سے ماہر تھے- غرض آپ کی ذات والا صفات مجموعہ کمالات جلیلہ اور مخزن اوصاف جمیلہ تھی-

حکیم صاحبؒ کو حضرت حکیم الامتؒ مولانا تھانوی قدس سرہ سے کس قدر عشق اور عقیدت تھی اس کا اندازہ حضرت تھانویؒ کے اس سفر کی روئیداد کے ابتدائی فقروں سے ہوتا ہے جس کو خود حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کیا- انہوں نے تحریر فرمایا ''احقر محمد مصطفیٰ بجنوری عرض رسا ہے کہ مدت دراز سے خاکسار کو یہ تمنا تھی کہ کسی موقع پر اپنے پیر و مرشد زبدۃ المحققین مجدد الملۃ والدارین حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مدظلہٗ کے ساتھ طویل سفر کرے تاکہ حضرت والا کے اخلاق و معاملات و معاشرت سے استفادہ کر سکے مگر اس آرزو کے پورا ہونے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مانع موجود رہا- اتفاقاً ماہ محرم ۱۳۳۵ھ میں بروقت تشریف آوری حضرت والا کے میرٹھ میں احقر نے یہ خواہش ظاہر کی- فرمایا بہت قریب ایک سفر گورکھپور ہونے کا ہے اگر چلنا ہے تو یہ موقع ہے اور خرچ سفر تیرا ہمارے ذمہ- احقر کو جو خوشی ہوئی بیان نہیں کر سکتا اور باوجود کثرت علائق اور

بعض خاص عوائق کے تہیہ کر لیا اور تاریخ ۱۹/صفر ۱۳۳۵ھ کو میرٹھ سے مراد آباد پہنچ کر حضرت کے ہمرکاب ہو گیا۔

جن لوگوں نے حضرت والا کی صحبت اٹھائی ہے یا ایک دفعہ بھی زیارت کی ہے وہ بخوبی اس بات کی تصدیق کریں گے کہ حضرت والا کی ذات بابرکات کو حق تعالیٰ نے سچ مچ حکیم الامت بنایا ہے اور حضرت والا کا کوئی فعل وقول بلکہ ادنیٰ حرکات وسکنات بھی حکمت سے خالی نہیں اور شک وشبہ وجود باوجود اس کا مصداق ہے ۔

اے قبائے راہنمائی راست بربالائے تو
علم وحکمت را شرف از گوہر والائے تو

احقر کا ارادہ خود ہی پہلے سے تھا کہ اس سفر کے تمام واقعات وملفوظات قلم بند کرے اور اس مقصد سے بعض حمیم حضرات مثل خواجہ عزیز الحسنؒ صاحب اور میر معصومؒ علی صاحب کی فرمائش نے اور بھی موکد کر دیا اور کاغذ وپنسل کافی مقدار میں ہمراہ لے لیا اور تمام سفر میں اسی کے سر رہا کہ حتی الامکان قلم کسی ملفوظ اور واقعہ کو قلمبند کرنے سے نہ چھوڑے۔ اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے ہر وقت کاغذ پنسل پاس رہتا۔ افسوس ہے کہ قلم زبان کا پورا ساتھ نہیں دے سکتا ورنہ ایک لفظ بھی حضرت والا کا ضائع نہ جانے دیتا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا ''حکیم محمد مصطفیٰ میرٹھی کہتے ہیں کہ میں قارورہ دیکھنے سے مومن وکافر' فاسق اور متقی میں امتیاز کر لیتا ہوں۔ نیز نبض سے بے نمازی ہونے کا ادراک ہو جاتا ہے۔ نیز خط کے الفاظ سے کاتب کی حالت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ کس حالت میں اس نے خط لکھا ہے۔

حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ صاحب نے ایک مرتبہ خواب دیکھا جو رسالہ ''صدق الرؤیاء'' سے نقل کیا جاتا ہے۔ ''بندہ نے ایک خواب ۳/اکتوبر ۱۹۰۱ء کو یعنی رجب ۱۳۱۹ھ میں جب کہ حضرت مدظلہ' کے قیام خانقاہ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ بمقام مراد آباد دیکھا کہ حضرت والا مدظلہ' خانقاہ تھانہ بھون میں جنوب کی جانب طلبہ کو درس دے رہے

یں اور تہجد کا وقت ہے- چاندنی کھلی ہوئی ہے- عجب سہانا وقت ہے اتنے میں صبح
صادق ہوئی طلبہ سبق ختم کر کے نماز کی تیاری کے لیے نکلے ان کے منہ سے مشک کی
خوشبو آتی ہے- بندہ نے عرض کیا کہ ان حضرات کے واسطے کوئی معجون مقوی کیوں نہ
بنائی جائے- حضرت والا نے فرمایا- ان کے واسطے معجون مشائین بنائی گئی ہے بس میری
آنکھ کھل گئی' یہ خواب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو لکھا گیا تو آپ نے یہ
جواب لکھا:

''مشفقہم سلمہم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ' خواب بہت اچھا ہے- یہ
خوشبو علم و ذکر کی ہے' جس میں بندگان خدا یہاں مشغول ہیں- مشائین سے
مراد سالکین ہیں- مشی اور سلوک کے معنیٰ متقارب ہیں- آپ نے اپنے کو ان
میں شامل دیکھا آپ کے لیے بھی بشارت عظمیٰ ہے''- والسلام

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب مدظلہ' رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''حکیم صاحب'' حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے شاگرد بھی تھے' مرید بھی-
پھر خلافت سے سرفراز ہوئے ان کی علمی قابلیت رسالہ ''حل الانتباہات'' سے
ظاہر ہوئی جو حضرت حکیم الامت قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر رسالہ انتباہات کی شرح
ہے- حضرت قدس سرہ کا رسالہ ایک جزو سے زیادہ نہیں مگر حکیم صاحب کا
رسالہ کئی سو صفحات سے متجاوز ہے- اس رسالہ میں انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے
شبہات کا جواب ہے حکیم صاحب اگر طب کا مشغلہ اختیار نہ کرتے- درس و
تدریس کا شغل اختیار کرتے تو بڑے بڑے علماء کے ہمسر ہو جاتے- اللہ تعالیٰ
نے فہم و فراست عطا فرمائی تھی اور اس کے ساتھ تقویٰ کی دولت سے بھی
نوازے گئے تھے- مکائد نفس پر بڑی گہری نظر تھی- تربیت السالک میں آپ
کے خطوط کے جوابات حضرت حکیم الامت نے بڑی تفصیل سے دیئے ہیں-
ایک طویل مکتوب کا نام بھی مستقل رسالہ کی صورت میں غالباً الشفاء لاہل
الاصطفاء تجویز فرمایا ہے''-

حضرت قدس سرہ نے حکیم صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''حکیم مصطفیٰ فقیہ النفس ہیں ان کی نفس پر بڑی گہری نظر ہے''۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے حکیمؒ صاحب کو خاص تعلق تھا۔ حضرت قدس سرہ ان کی بڑی عزت وقدر کرتے تھے۔ تمام خلفاء میں غالباً حکیم صاحب ہی کی ذات ایسی ہے جن پر حضرت حکیم الامت کا کبھی عتاب نہیں ہوا۔ حکیم صاحب کو فن طب میں بھی کمال حاصل تھا بہشتی زیور حصہ نہم میں جو طب یونانی کے نسخے ہیں وہ حکیم صاحب ہی کے تحریر فرمودہ ہیں اور فرماتے تھے کہ بعض نسخے بے نظیر ہیں۔

حکیم صاحب کو تقویٰ کا خاص اہتمام تھا جب کسی ایسے مریض کے گھر جاتے جس کی آمدنی حرام ہو تو اس سے فیس اس طرح لیتے کہ وہ کسی ہندو سے ان کے سامنے قرض لے اور قرض لے کر حکیم صاحب کو دے دے اور پھر اپنی آمدنی سے ہندو کا قرض ادا کرے۔

(کاروانِ تھانویؒ)

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ عزیز الحسنؒ مجذوب کی تاریخ پیدائش ۱۲ جون ۱۸۸۴ء ہے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز ہو گئے مگر سات برس بعد نصف تنخواہ پر محکمہ تعلیم میں اپنی خدمات منتقل کروالیں اور انسپکٹر آف سکولز کے عہدہ پر ترقی پائی۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو آپ سے خصوصی تعلق تھا۔ ۱۳۲۶ھ میں حضرت تھانوی قدس سرہ الٰہ آباد تشریف لائے خواجہ صاحب کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ بے تابانہ جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ اپنی پہلی ملاقات کے متعلق خود فرمایا ''جلتی دھوپ میں دو ڈھائی میل کی مسافت طے کر کے پہنچا۔ حضرت اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے۔ نماز ظہر کا وقت آیا۔ حضرتؒ بیدار ہو کر قیام گاہ سے باہر نکلے۔ حضرت والا حسب عادت نیچی نگاہیں کیے مستانہ وار جھومتے ہوئے اس شان سے تشریف لا رہے تھے کہ چہرہ مبارک تو نہایت شاہانہ مگر لباس بالکل فقیرانہ بالکل سادہ کرتہ اور کرتے کے اوپر کا بٹن کھلا ہوا۔ کاندھے پر رومال آنکھیں سرگیں خمار آلود اور چونکہ سو کر تشریف لا رہے تھے لہٰذا قدرے سرخی مائل اور بال بھی کسی قدر بکھرے ہوئے تھے بس کسی کا یہ شعر بالکل حسب حال تھا اور ہو بہو صادق آ رہا تھا۔

قبا وا کردہ وکاکل پریشاں کردہ می آید
بہ بیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ می آید

حضرت تھانویؒ سے تعلق کے بعد آپ کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہو گیا تھا۔ حقوق العباد کی ادائیگی پر خصوصی توجہ فرمانے لگے۔ ایک مرتبہ تھانہ بھون سے اپنے گھر تشریف لے جا رہے تھے سٹیشن ماسٹر سے کہا کہ میرے پاس اتنا زائد سامان ہے۔ میرے

سامان کا وزن کرلیں تاکہ میں کرایہ ادا کرسکوں- سامان چونکہ کچھ زیادہ نہیں تھا اس لیے سٹیشن ماسٹر کہنے لگا کہ کوئی بات نہیں ایسے ہی لے جاؤ مگر آپ اپنی بات پر مصر رہے کہ سامان کا وزن کروایا جائے- اس بات کو دیکھ کر سٹیشن ماسٹر ایک دوسرے شخص کو انگریزی میں کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص نشے میں ہے- یہ سن کر خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ''ہاں مجھے حقوق العباد کی ادائیگی کا نشہ چڑھا ہوا ہے''- خود حضرت تھانوی قدس سرہ نے آپ کے تقویٰ وطہارت کے متعلق فرمایا کہ ''تقویٰ وطہارت بڑی چیز ہے مگر آج کل ہر طبقے میں اس کی کمی ہے- علماء ومشائخ میں اس کی کمی بہت مذموم ہے اور خدا کا فضل ہوتا ہے تو غیر علماء کو یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے- دیوبند مدرسہ میں خواجہ صاحب کا قیام ہوا شب کا وقت ہوا- خواجہ صاحب نے مہمان خانہ میں خادم مدرسہ کو روشنی کرنے کا حکم دیا- خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر یہ لالٹین اور تیل آپ کا نجی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں اور اگر مدرسہ کا ہے تو میں خود انتظام کرلوں گا- ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ اور خواجہ صاحب جونپور سے بنارس کا سفر کر رہے تھے- صبح کی نماز حضرت حکیم الامتؒ نے ڈبہ کے فرش پر ادا کی- حضرت خواجہ صاحبؒ کو ڈبہ کی پاکی پر شبہ ہوا اور دریافت فرمایا کہ کیا اس پر نماز ہو جائے گی- اس پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا ''خواجہ صاحب کو تو تقویٰ کا ہیضہ ہو گیا ہے''-

حضرت حکیم الامت قدس سرہ اور خواجہ صاحب کے تعلق کی مثال حضرت امیر خسرو اور حضرت سلطان جی رحمہم اللہ کی مانند تھی- ایک مرتبہ سفر دہلی میں خواجہ صاحبؒ حضرت تھانوی قدس سرہ کے ہمراہ تھے- ایک روز حسب معمول سیر کے لیے تشریف لے گئے جو احباب سفر میں ساتھ تھے ان کو اس وقت ساتھ چلنے کی ممانعت فرما دی گئی- خواجہ صاحبؒ بھی واپس جانے لگے تو حضرت قدس سرہ نے ان کو واپس بلا لیا- راستہ میں خواجہ صاحب سے فرمایا کہ ''ممانعت تو ان لوگوں کے لیے تھی جن سے بے تکلفی نہیں ہے- اگر ہر عورت چاہنے لگے کہ میرے ساتھ بی بی کا تعلق رکھا جائے تو یہ اس کی حماقت ہے''- ایک مرتبہ خواجہ صاحب نے حضرت قدس سرہ کو ایک خط لکھا حضرت سے والہانہ عقیدت و

محبت کی بناء پر خط کافی طویل ہو گیا- آخر میں طوالت مضمون پر معذرت چاہی اس پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا ''محبوب کی زلفیں جتنی دراز ہوں اتنی ہی پسند ہوتی ہیں'' ایک مرتبہ خواجہ صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے کچھ روز قیام کے بعد جب واپس جانے لگے تو کچھ نقد ہدیہ پیش کرنے کے لیے اپنی اچکن کی اوپر والی جیب سے روپیہ نکالنے لگے لیکن چونکہ جیب تنگ تھی اس لیے روپیہ نکالنے میں توقف ہوا اور کچھ دیر لگی- حضرت قدس سرہ نے اس پر مزاحاً فرمایا کہ روپیہ نہیں نکلتا تو اچکن ہی اتار کر مجھے دے دیں میں خود ہی نکال لوں گا''-

ایک مرتبہ حضرت قدس سرہ نے خواجہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ ''خواجہ صاحب بے حد بے نفس آدمی ہیں'' حضرت تھانوی قدس سرہ آپ کے اس شعر کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو خواجہ صاحب کو انعام دیتا-

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ نے خواجہ صاحب کو ۴۰ یوم سکوت کا حکم دیا- ادھر حضرات فرنگی محل حضرت خواجہ صاحب کے کلام کے دلدادہ تھے جب ان کو حضرت قدس سرہ کے اس حکم کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ لکھا کہ خواجہ صاحب کی شاعری ہم سب کے لیے غذائے روح ہے اور یہاں صرف مخصوص سامعین کی نشست ہوتی ہے- اس لیے درخواست ہے کہ یہاں کی نشست کو اس سے مستثنیٰ فرما دیں- حضرت قدس سرہ نے جواب دیا کہ میرا اور خواجہ صاحب کا تعلق مریض اور طبیب کا ہے- طبیب کا فرض ہے کہ وہ جن چیزوں کو مفید سمجھے استعمال کرائے اور جن کو مضر سمجھے ان سے پرہیز کرائے خواجہ صاحب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہیں تو کسی دوسرے طبیب سے رجوع کر لیں- خواجہ صاحب نے جب یہ خط پڑھا تو چیخیں نکل گئیں غش کھا کر گر پڑے بہت دیر بعد ہوش آیا تو روتے روتے فرمایا: کہ

''حضرت نے یہ کیسے لکھ دیا کہ دوسرے طبیب سے رجوع کیا جا سکتا ہے''-

یہ تھا عشق کا عالم حضرت تھانوی قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ صاحب کی حالت بہت ناقابل بیان ہوگئی تھی- آپ کی زبان پر اکثر یہ اشعار رہنے لگے۔

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کیے ہوئے
روئے زمین کو کوچہ جاناں کیے ہوئے
میں بے قرار کس کو خبر ہے کہ قلب میں
سامان صد قرار ہوں پنہاں کیے ہوئے

حضرت قدس سرہ کے انتقال کے بعد یہ فقرہ ''اللہ میرے حضرت کے درجات کو بلند کرے''- آپ کا تکیہ کلام بن گیا تھا- ایک مرتبہ کسی ہندو وکیل سے کسی مقدمہ کے بارے میں گفتگو کررہے تھے لیکن درمیان میں بار بار کہہ رہے تھے:

''اللہ میرے حضرت کے درجات کو بلند کرے- اللہ میرے حضرت کے درجات کو بلند کرے''-

۱۷/ اگست ۱۹۴۴ء کو چمنستان اشرفی کا یہ بلبل ہزار داستان اس دار فانی سے رخصت ہوکر وہاں پہنچ گیا جہاں کچھ عرصہ قبل اس کا محبوب گل سرسبد گلستان چشتیہ (حضرت تھانوی قدس سرہ) زینت بخش ہو چکا تھا-

تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ''ذکر مجذوب''-

رئیس الامت

حضرت مولانا جلیل احمد شروانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ضلع علی گڑھ کے رئیس خاندان شروانی سے تعلق رکھتے تھے ۱۳۱۵ھ میں حافظ مصلح الدین صاحب کے گھر پیدا ہوئے اور قرآن پاک اور تجوید کی تعلیم ایک صاحب کمال اور صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا قاری محمد صدیق خراسانی ؒ سے حاصل کی جب آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تو آپ کے والد گرامی حافظ مصلح الدین صاحب نے بطور انعام آپ کے استاذ مکرم کو ایک بنگلہ عطا فرمایا۔ قرآن کریم کی تعلیم کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپ کو دنیاوی تعلیم میں لگا دیا مگر بچپن ہی سے آپ کا رجحان دین کی طرف تھا اور اپنے استاذ مکرم مولانا قاری محمد صدیق صاحب ؒ کی صحبت سے دین میں مزید پختگی پیدا ہو گئی تھی' اسی زمانہ تعلیم ہی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کا مسلم یونیورسٹی میں وعظ ہوا تو آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ پھر ساری زندگی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ہی ہو کر رہ گئے۔ یہ حضرت حکیم الامت ؒ کی پہلی دفعہ زیارت تھی جو آپ کو زمانہ طالب علمی میں نصیب ہوئی۔

حکیم الامت تھانوی ؒ سے خصوصی تعلق:

آپ کے والد ماجد کو بھی حضرت حکیم الامت ؒ سے ایک خاص عقیدت تھی اس لیے حضرت حکیم الامت ؒ سے گھر پر تشریف آوری کی درخواست کی جو حکیم الامت نے بخوشی منظور فرمائی اور مکان پر تشریف لے گئے' حضرت تھانوی ؒ نے اپنی خداداد فراست

سے آپ کو بچپن ہی کے زمانہ میں پہچان لیا اور آپ کے والد کو فرمایا کہ یہ لڑکا آپ کے کام آئے گا- اس ملاقات کے بعد آپ نے حضرت تھانویؒ سے باقاعدہ خط وکتابت شروع فرما دی اور اپنے استاذ قاری محمد صدیق صاحب سے حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ وملفوظات لے کر پڑھنا شروع کر دیئے اور حکیم الامتؒ سے اصلاح باطن اور بیعت کی درخواست کی جو بارگاہ اشرفی میں منظور ہوئی اور حکیم الامتؒ نے باقاعدہ آپ کو بیعت فرمالیا- بیعت کے بعد آپ کی دنیا ہی بدل گئی- ہر بات میں حضرت حکیم الامت سے مشورہ طلب کرنے لگے حتیٰ کہ اپنے خانگی امور تک میں حضرت سے مشورہ لیتے تھے حضرت تھانویؒ سے اتنا تعلق اور عشق ہو گیا کہ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد مستقل طور پر تھانہ بھون قیام کا ارادہ کرلیا تا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے قریب رہ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے- آپ نے اپنے اس ارادے سے حضرت حکیم الامت کو مطلع کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"اگر جائداد کی نگرانی کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے تو بے شک اس ارادہ پر عمل کریں"-

چونکہ بفضلہٖ تعالیٰ جائداد کا ایک معتد بہ حصہ وراثت میں ملا تھا اس لیے اتنی بڑی جائداد کا انتظام کرنا بھی ایک مشکل کام تھا لیکن آپ اپنے پیر ومرشد حکیم الامت تھانوی کی خدمت اقدس میں حاضری کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے- اور ادھر حکیم الامتؒ بھی دعائیں فرماتے تھے- تو منجانب اللہ ایک نگران کا انتظام ہو گیا- اگرچہ بعض منتظمین حضرات نے خورد برد بھی کی مگر آپ نے اپنے شیخ ومربی کی خدمت بابرکت میں حاضری کو ترجیح دی- اور مالی نقصان کو برداشت کیا- تھانہ بھون میں آپ کو قیام کے لیے ایک مکان کی مستقل ضرورت بھی تھی- اور چونکہ حضرت حکیم الامت کو آپ کی طبیعت کا حال معلوم تھا- اس لیے حضرت کو اس کی فکر تھی کہ ایسا مکان ہو جس میں ہر قسم کی سہولت موجود ہو- چنانچہ متعدد مکانات میں رہائش رکھنے کے بعد حضرت نے خود اپنا ذاتی دولت خانہ آپ کو رہائش کے لیے عطا فرمایا' آپ چودہ سال تک اس دولت کدہ میں قیام فرما رہے-

مگر آپ کے بار بار عرض کرنے کے باوجود حضرت حکیم الامتؒ نے اس کا کوئی کرایہ نہیں لیا- قیام تھانہ بھون کے دوران آپ نے عربی نصاب کو مکمل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا- چنانچہ حضرت آپ کو کاندھلہ لے کر گئے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے والد ماجد مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ سے کہا کہ مولوی صاحب! اس کا آپ ایسا ہی خیال رکھیں جیسے آپ میری اولاد کا رکھتے- اور دیکھئے دو باتوں کا خیال رکھیے ایک تو یہ کہ رات کو تنہا نہیں سو سکتے-

دوسرے یہ کہ اندھیرے میں ان کو نیند نہیں آتی- چنانچہ آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے اس مدرسہ میں باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کی اس کے بعد آپ تھانہ بھون واپس تشریف لے آئے اور حضرت حکیم الامتؒ کے مشورہ سے یہاں بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور چند دیگر اکابر علماء سے استفادہ کیا- حضرت تھانویؒ کی دعاؤں اور دوسرے اکابر علماء کی خصوصی توجہات اور اپنی رات دن کی محنت اور شوق سے بفضلہٖ تعالیٰ چند ہی روز کے اندر آپ میں وہ قابلیت پیدا ہوئی جو آٹھ آٹھ دس دس سال لگانے والوں میں بہت ہی کم پیدا ہوئی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر کام اپنے شیخ معظم کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے- کتاب کا انتخاب ہو یا کسی استاد کا ہر کام حضرت تھانوی کے مشورہ سے کیا جاتا تھا غرض یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ذات بابرکات سے آپ کو ایسی والہانہ عقیدت و محبت تھی کہ اکثر مجلسوں میں بار بار حکیم الامتؒ کے ارشادات ہی کا ذکر فرماتے تھے اکثر جب کوئی مسئلہ بیان فرماتے تو اس مسئلہ پر بطور استدلال و اشتہاد توضیح حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات بیان فرماتے تھے جب کسی مسئلہ کو بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے علوم آپ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں- حضرت حکیم الامتؒ سے عقیدت و محبت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوٹھی جس کا نام پہلے جلیل منزل تھا- مگر حضرت سے تعلق کے بعد اس کا نام تبدیل کر کے اشرف منزل رکھ دیا- آپ کے لیے ہر کام میں اپنے شیخ کا اتباع ضروری تھا- آپ پہلے شیروانی زیب تن فرماتے تھے جب یہ سنا کہ حضرت تھانویؒ علماء کے لیے شیروانی پسند نہیں فرماتے تو آپ نے شیروانی

پہننا چھوڑ دیا- اور حضرتؒ کے اتباع میں چھ کلی والی اچکن پہننا شروع کردی اور زندگی بھر یہی چھ کلی والی اچکن زیب تن فرماتے رہے اسی طرح جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت والا علماء کے لیے اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ ہاتھ پر گھڑی باندھیں تو آپ نے بھی اسی دن سے ہاتھ پر گھڑی باندھنا چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے جیبی گھڑی استعمال کرنا شروع کردی- مختصر یہ کہ ہر قول وفعل میں اپنے شیخ کا اتباع فرماتے تھے- آپ نے حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد پر خود بھی عمل کیا- اور عوام وخواص کے لیے بھی حضرت کے ملفوظات وارشادات کو ضبط کر کے ایک ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا- اور جس سے قیامت تک لاکھوں کروڑوں افراد استفادہ کر کے اپنی روحانی پیاس بجھاتے رہیں گے-

آپ نے حضرت حکیم الامتؒ کے ارشادات کو بڑی محنت اور شوق سے جمع کیا اور ''الافاضات الیومیہ'' کے نام سے سات حصوں میں ہزاروں ملفوظات کا ذخیرہ جمع کر کے شائع کیا جس کے اندر ''القول الجلیل'' کے نام سے بھی تین چار حصے شائع ہوئے ہیں اور دو حصے ''القول الجلیل'' کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہو چکے ہیں حق تعالیٰ کا آپ پر یہ بڑا فضل وکرم تھا آپ کی محنت کو شرف قبولیت بخشے آمین- اس کے علاوہ آپ کی کئی تصانیف بھی شائع ہوئی ہیں- جو ''ملفوظات التصوف'' قرآن کا بڑا معجزہ' قرآن کا عجیب وعدہ' آثار رحمت' جمہوری نظام وغیرہ ناموں سے طبع ہوئی ہیں- یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں-

مجلس صیانۃ المسلمین کا قیام:

حضرت مولانا جلیل احمد شروانی صاحبؒ علی گڑھ کے ایک رئیس خاندان کے فرد تھے- ہر قسم کا آرام وراحت بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو نصیب تھا- مگر محض دین کے تحفظ کے جذبے نے آپ کو ترک وطن اور ہجرت پر مجبور کیا چنانچہ قیام پاکستان کے بعد آپ اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان تشریف لے آئے اور یہاں آ کر سب سے پہلا کام جو آپ نے انجام دیا- وہ اپنے شیخ ومربی حضرت تھانویؒ کی عظیم اور دلی خواہش کو منظر عام پر لانا

تھا۔ حضرت حکیم الامتؒ کی وہ دلی خواہش اور تمنا کیا تھی؟ وہ یہ تھی کہ یہاں پاکستان میں بھی صیانۃ المسلمین کو قائم کیا جائے۔ اور اس کے مرتبہ قواعد وضوابط کے تحت اصلاح و تربیت کا کام اجتماعی انداز میں کیا جائے۔ مجلس صیانۃ المسلمین کی اہمیت کا اندازہ حضرت تھانوی کے ارشادات کی روشنی میں دیکھنا ہو تو مجلس صیانۃ المسلمین حضرت تھانویؒ کی نظر میں' رسالہ ملاحظہ فرمایئے۔

آپ نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہر قول وفعل کو عام کرنے کا کام جاری رکھا اور اسی مقصد کے لیے پہلے آپ نے علی گڑھ شہر میں مجلس صیانۃ المسلمین قائم فرمائی اور قیام پاکستان تک یہ کام علی گڑھ میں جاری رہا۔ پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کی سرپرستی میں لاہور شہر میں مجلس کا کام شروع کیا اور آج بحمد للہ پورے پاکستان میں یہ عظیم الشان کام بڑے ذوق وشوق سے ہو رہا ہے اور جہاں بھی حضرت حکیم الامت کے متوسلین اور عقیدت مند موجود ہیں مجلس صیانۃ المسلمین قائم ہے اور ایسی کون سی جگہ یا شہر ہے جہاں حضرت تھانویؒ کے چاہنے والے نہ ہوں۔ حضرت مولانا شروانی صاحبؒ کی یہی خواہش تھی کہ تمام مسلمان حضرت حکیم الامت کے بتلائے ہوئے اس نظام کو خود بھی اپنائیں۔ اور دوسروں کو بھی اس طرف دعوت دیں اور پھر سب مل کر اس نظام کے تحت افرادی اور اجتماعی طور پر معاشرہ کی اصلاح میں لگ جائیں۔

اس جدوجہد میں آپ نے دامے درمے قلمے اور قدمے ہر طرح کام کیا اور اپنے ہمراہ لایا ہوا کل سرمایہ بھی اسی کام کی اشاعت اور جدوجہد میں لگا دیا اور جب تک آپ حیات رہے اس وقت تک اس کی اشاعت میں مصروف رہے اور جب آپ کو امراض نے گھیر لیا۔ قویٰ کمزور ہو گئے۔ ہمت نے جواب دے دیا اور آپ نے دیکھا کہ مجلس کے کام کو پوری محنت سے نہیں چلایا جا سکتا تو احباب کے مشورے سے اپنے رفقائے کار میں سے حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانوی مدظلہ کو مجلس کی خدمت پر مامور فرما

کر صدر بنا دیا اور اب اس کام کو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے صاحبزادہ مولانا وکیل احمد شروانی استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا مشرف علی تھانوی ناظم اعلیٰ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان بڑے احسن طریقے سے جاری رکھے ہوئے ہیں اس لحاظ سے حضرت مولانا جلیل احمد شروانی مرحوم کو پاکستان میں مجلس صیانۃ المسلمین کا بانی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

آپ نے اپنے شیخ کی تعلیمات کو عام کرنے کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور ساری عمر اپنے شیخ کی ہدایات پر عمل پیرا رہے اور انہی کے مسلک و مشرب پر قائم رہے آخر کار یہ مرد حق ساری زندگی اسلام کی خدمت کرتے ہوئے۔ ۱۰، ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ الحسن لاہور)

امیر شریعت

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بن سید ضیاء الدینؒ احمد بن سید نور الدینؒ احمد کے آباؤ اجداد بخارا سے ترک سکونت کر کے برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ اس خانوادے کے کئی افراد نے علمی اور دینی حلقوں میں نام پیدا کیا ہے۔ اس خاندان کے پیش رو سید عبدالغفارؒ بخاری، سلطان زین العابدینؒ والی کشمیر کے مرشد تھے۔

ایک دوسرے فرد سید اکمل الدینؒ بخاری متوطن دہلی، حضرت شاہ غلام علیؒ دہلوی (م ۱۲۴۰ھ) کے خلیفہ مجاز تھے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں دہلی سے سرہالی ضلع گجرات آئے تھے۔ انہوں نے سرہالی میں سفر آخرت اختیار کیا اور ان کے پسماندگان یہیں آباد ہو گئے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے دادا، سید نورؒ الدین، خواجہ شمس الدینؒ سیالوی کے ارادت مند تھے۔ وہ سرہالی سے ایک دوسرے گاؤں ناگڑیاں منتقل ہوئے۔ سید نور الدین احمد کے فرزند سید ضیاء الدین احمد پشمینے کا کاروبار کرتے تھے۔ اور اسی سلسلے میں ان کی پٹنہ میں آمد و رفت رہتی تھی۔ انہوں نے پٹنہ کے حکیم سید احمد اندرابی کی دختر نیک اختر سے شادی کی۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یکم، ربیع الاول ۱۳۰۱ھ/۲۳، ستمبر ۱۸۹۲ء کو اپنے ننھیال پٹنہ میں پیدا ہوئے[1] شاہ صاحب کی عمر ابھی تین چار سال سے زیادہ نہ تھی کہ ان کی والدہ

---

[1] روایت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری صاحب

ماجدہ کا انتقال ہو گیا- ان کی پرورش اور ابتدائی تعلیم ننھیال میں ہوئی-

انہوں نے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے نانا حکیم سید احمد اندرابی (جو طبیہ کالج لکھنؤ کے فارغ التحصیل تھے اور علوم دینیہ پر گہری نظر رکھتے تھے) سے پڑھیں- شاہ صاحبؒ سن بلوغت کو پہنچے تو پنجاب کا سفر اختیار کیا- اس سفر میں انہیں کافی مشکلات و مصائب سے دو چار ہونا پڑا- امرتسر آئے اور اساتذہ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا- مولانا نور احمد امرتسریؒ (م ۱۳۴۸ھ) سے تفسیر قرآن' مولانا مفتی محمد حسن سے حدیث اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (م ۱۳۵۲ھ) سے فقہ کے اسباق پڑھے-

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے عملی زندگی کا آغاز امرتسر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں فرائض امامت کی انجام دہی سے کیا- اللہ تعالیٰ نے آواز اور زبان میں بے پناہ تاثیر رکھی تھی- بحیثیت واعظ ان کی شہرت امرتسر سے پھیل کر ملک گیر ہو گئی - اپنے دور کے عظیم مقرر تسلیم کیے گئے- شاہ صاحبؒ کے سوانح نگار آغا شورش کاشمیری مرحوم نے بجا طور پر لکھا ہے:

''جس طرح ہر بڑے آدمی کی خصوصیت اس کا نام لیتے ہی حافظہ کی لوح پر آجاتی ہے- مثلاً غالب کا نام لیتے ہی ایک عظیم شاعر کا تصور بندھتا ہے- اسی طرح شاہ جی کی ذات خطابت سے مختص ہو گئی ہے- وہ سراپا خطابت ہیں''[1]

۱۹۲۶ء/ ۴۵-۱۳۴۴ھ میں ایک جلسہ عام دہلی دروازہ لاہور کے باغ میں مولانا محمد علیؒ جوہر (م ۱۳۴۹ھ) کی صدارت میں منعقد ہوا- اس جلسے کے ایک مقرر شاہ صاحبؒ تھے- مولانا جوہرؒ نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''کامیابی کا سہرا اس بے مثال مقرر کے سر رہا- جن کا نام سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہے- ان کی قرآن خوانی' ان کی اردو' ان کی پنجابی' ان کی متانت' ان کی ظرافت' غرض ہر چیز نے سامعین کو مسحور کیے رکھا- لوگوں کا تقاضا تھا کہ شاہ صاحبؒ اپنی تقریر جاری رکھیں- شاہ صاحبؒ بھی تیار تھے مگر میرے کہنے سے

---

[1] سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۸۳-۱۸۴

انکار کردیا- جلسہ غالباً دو بجے شب ختم ہوا- ورنہ وہیں صبح ہو جاتی''[1]

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تحریک خلافت کے زمانے میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور قید و بند زندگی کے معمولات میں شامل ہوگئی- پہلی بار اسی تحریک میں ۱۴/ مارچ ۱۹۲۱ء/ ۴ رجب ۱۳۳۹ھ کو گرفتار ہوئے اور تین سال قید بامشقت کی سزا کاٹی- اس کے بعد برصغیر میں اٹھنے والے ہر جذبہ آزادی کو اپنایا- آریہ سماجیوں کی دریدہ دہنی جب حد سے گزر گئی- تو میدان عمل میں آئے اور ۶ جولائی ۱۹۲۷ء/ ۶ محرم ۱۳۴۶ھ کو ایک سال کے لیے جیل چلے گئے- ۱۹۳۰ء/ ۴۹، ۱۳۴۸ھ میں کانگرس کی نمکین ستیہ گرہ میں شمولیت کی پاداش میں چھ ماہ قید ہوئے- ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء/ ۸ شعبان ۱۳۴۹ھ کو ''مجلس احرار اسلام'' کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری پہلے صدر چنے گئے- احرار اسلام کی تحریک کشمیر میں دو سال پس دیوار زنداں رہے- دوسری عالمی جنگ کے آغاز سے چند دن پہلے مختلف سنگین الزامات کے تحت گرفتار ہوئے- مقدمہ چلا تو پولیس رپورٹر کے انکشاف نے حکومت کی سازش عیاں کر دی- اور چھ ماہ قید رہ کر باعزت بری ہوگئے-

شاہ صاحب کی سیاسی زندگی میں بنیادی اہمیت ''انگریز دشمنی'' کو حاصل تھی- وہ خود کہا کرتے تھے:

''(میں) سپاہی ہوں- تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا- اگر اس مہم میں سور بھی میری مدد کریں گے تو میں ان کا منہ چوم لوں گا- میں تو ان چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لیے تیار ہوں جو صاحب بہادر کو کاٹ کھائیں- خدا کی قسم! میرا ایک ہی دشمن ہے- انگریز- اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی- ہمیں غلام رکھا اور مقبوضات پیدا کیے بلکہ خیرہ چشمی کی حد ہوگئی کہ قرآن حکیم میں تحریف کے لیے مسلمانوں میں جعلی نبی پیدا

---

[1] سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۸۹

کیا- پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بچے کی طرح پال رہا ہے"۔[1]

قیام پاکستان سے چند ماہ پہلے سے فسادات شروع ہو گئے تھے- شاہ صاحب مارچ ۱۹۴۷ء/ ۱۳۶۶ھ میں امرتسر سے لاہور آ گئے- تقسیم ہند کے بعد وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے- دو سال بعد مجلس احرار اسلام کو ہمہ تن تبلیغی جماعت بنا دیا- اور قادیانیت کے تعاقب میں تیغ برہنہ ہو گئے- تحریک ختم نبوت میں بھر پور حصہ لیا اور ایک سال سنت یوسفی بھی ادا کی-

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ابتداء میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے بعد میں مولانا عبدالقادر رائے پوری (م ۱۳۸۲ھ) کے ہاتھ میں ہاتھ دیا-

آخری ایام حیات میں ملتان منتقل ہو گئے تھے- وہیں ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ/ ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو فوت ہوئے-

مولانا مرحوم کی اولاد میں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں- صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا حافظ سید عطاء المنعم بخاری (سید ابو معاویہ ابوذر بخاری)
۲- حافظ سید عطاء المحسن بخاری
۳- حافظ سید عطاء المومن بخاری مدظلہ
۴- حافظ سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مولانا مرحوم کی قلمی یادگاروں میں ان کا مجموعہ کلام "سواطع الالہام" ہے- جو مولانا حافظ سید عطاء المنعم بخاری نے ترتیب دیا ہے-

---

[1] سید عطاء اللہ شاہ بخاری

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۹۳ھ کو اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے عمر میں تیرہ برس چھوٹے تھے' آپ ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بہ چھاؤں کے رہنے والے تھے مگر چونکہ عمر کا بیشتر حصہ پھول پور میں گزارا تھا اس لیے پھولپوری کے نام سے مشہور ہو گئے' گاؤں ہی میں ایک پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ ابھی دو تین ہی روز گزرے تھے کہ آپ کے دادا نے آپ کی والدہ صاحبہ کو خواب میں ہدایت کی کہ وہ عبدالوہاب سے کہہ دیں کہ اس بچے کو دین کی تعلیم دلوائیں' آپ کے دادا صاحب نسبت بزرگ تھے اور مولانا عبدالسبحان صاحب سے بیعت تھے جن کا سلسلہ بیعت چار واسطوں کے بعد حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے جا ملتا ہے۔آپ کے والد صاحب نے آپ کو دینی تعلیم کے لیے جونپور مولانا ابوالخیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا جو مولانا سخاوت علیؒ صاحب خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے بیٹے تھے آپ مولانا ابوالخیر مکی سے دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا سید امینؒ الدین نصیر آباد کی خدمت میں تشریف لے گئے۔

اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی اسی دوران میں ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کانپور تشریف لائے تب ہی سے آپ کے دل میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی عقیدت اور محبت بیٹھ گئی اور تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہونے کا ارادہ کر لیا' آپ کو چونکہ معقولات کا بہت شوق تھا اس لیے مدرسہ عالیہ رامپور تشریف لے گئے جو اس زمانہ میں منطق اور فلسفہ کا مشہور اور مخصوص مرکز تھا' تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ سیتاپور میں کچھ عرصہ کے لیے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا پھر جونپور

میں تقریباً پانچ سال تک صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے اس زمانہ میں آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ہمراہ سرائے میر اعظم گڑھ تشریف لائے جہاں حضرت کا وعظ ہوا اور عید گاہ ہی میں ۱۳۳۸ھ میں آپ نے حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے' ۱۳۴۳ھ میں آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مشورہ سے پھولپور میں مدرسہ روضۃ العلوم قائم کیا جس کی بنیاد حضرت تھانویؒ نے اپنے ہاتھ سے رکھی اور ارشاد فرمایا کہ اس مدرسہ کا نام پھولپور کی نسبت سے روضۃ العلوم رکھتا ہوں ۱۳۴۹ھ میں حضرت پھولپوریؒ نے قصبہ سرائے میر میں ایک اور مدرسہ بیت العلوم بھی قائم کیا اور حضرت تھانوی نے اس مدرسہ کی سرپرستی بھی قبول فرمائی اور اس مدرسہ کا نام بھی حضرت تھانویؒ ہی کا تجویز کردہ ہے اس کا نام سرائے کی نسبت سے بیت العلوم رکھا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دارالعلوم بنادیں' مولانا پھولپوریؒ اس مدرسہ کے انتظام کی خاطر اپنے گھر پھولپوری سے پانچ میل دور قصبہ سرائے تشریف لے جایا کرتے اور اگر کبھی وہاں پورا دن ٹھہرنا ہوتا تو گھر سے آٹا نمک گھی لے جاکر علیحدہ پکواتے اور تناول فرماتے' آپ نے مدرسہ سے کبھی نمک تک نہیں چکھا اور نہ ہی کبھی تنخواہ لی' محض رضائے الٰہی کے لیے دس میل کا سفر اختیار کیا کرتے تھے' آپ کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا:

> ''مولانا عبدالغنیؒ ماشاء اللہ سپاہی آدمی ہیں بڑے مستعد ہیں' پہلوان آدمی ہیں' پھر علمی و عملی کمال جدا' مگر وضع سے مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بھی کچھ ہیں یہ ذکر کا اثر ہے ذکر عجیب چیز ہے سب اصلاحیں اسی سے ہوتی ہیں' مولوی عبدالغنی کس قدر سادہ ہیں کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں' ذکر بناوٹ کو تو بالکل اڑا دیتا ہے' مولوی محمد عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں اور تزئین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے کہ اللہ جمیل و یحبُّ الجمال اور یہ جب تک ہے حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہو جائے گی تو اللہ جمیل و یحب الجمال سے

استدلال رکھارہ جائے گا'' پھر کچھ عرصہ بعد فرمایا: کہ اب ان کی حالت دیکھئے اچکن اور گھڑی سب بھول گئے ہیں' غریبوں کی سی وضع ہوگئی ہے یہ کیا ہے یہ سب کچھ ذکر کی برکت ہے''۔(بزم اشرف کے چراغ)

حضرت مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو شروع ہی سے راہ خدا میں اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ ہروقت بے چین رکھتا تھا اسی کیفیت کے تحت آپ نے ایک مشہور استاذ کو اپنے مدرسہ پھولپور میں ایک معتد بہ مشاہرہ پر دس برس تک رکھا اور ان سے فن سپاہ گری کے فنون کی تکمیل کی' ایک استاذ سے کشتی بھی سیکھتے رہے اس لیے قوت جسمانی بہت قوی تھی' تھانہ بھون میں اپنے شیخ کے حکم سے بعض اہل علم حضرات کو آپ لاٹھی سکھاتے تھے ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے آپ کی فن سپاہ گری کو دیکھ کر فرمایا کہ جب آپ لاٹھی کے ہاتھ دکھارہے تھے تو مجھے جوش آرہا تھا۔ ایک دفعہ اور موقعہ پر فرمایا کہ:

''ہماری مولوی عبدالغنیؒ ہزار آدمیوں کے مقابلہ کے لیے تنہا کافی ہیں اور اگر ہم کو کبھی فوج کی ضرورت ہوئی تو ہماری فوج اعظم گڑھ میں ہے''۔

آپ کے مزاج میں خلاف دین کاموں کو دیکھ کر سخت تغیر ہوتا اور جوش غضب میں مخالفین دین کی ہمیشہ بے لاگ بیخ کنی فرماتے' ایک بار ایک مولوی صاحب نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے آپ کے غصہ کے متعلق شکایت کی تو انہوں نے فرمایا: کہ

''اپنے آدمیوں میں ایک گرم آدمی کی بھی ضرورت ہے ورنہ دشمن کھا جائیں گے''۔

حضرت پھولپوریؒ کے زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ کپڑے ہمیشہ گھر میں دھلواتے تھے اگر ضرورتاً کبھی دھوبی کے یہاں کپڑا دیا گیا تو بعد میں دوبارہ اس کو گھر میں دھلوا کر استعمال فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے: کہ

''میں اس عمل پر فتویٰ نہیں دیتا ہوں حق تعالیٰ سے میرا خاص معاملہ ہے کہ اگر میں اس کے خلاف کرتا ہوں تو میری زبان ذکر میں بند ہو جاتی ہے اس لیے میں اپنے نفس کے لیے یہ اہتمام کرتا ہوں''۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں آپ کا جو خاص مقام تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے' کہ ایک مرتبہ مولانا پھولپوریؒ نے تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی' تو حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا:

''اے آمدت باعث صد شادی ما''

اسی طرح ایک بار تحریر فرمایا:

''اجازت چہ معنی بلکہ اشتیاق''

ایک مرتبہ آپ بلا اطلاع تھانہ بھون حاضر ہوئے اس وقت حضرت تھانویؒ لیٹے ہوئے تھے- آپ کو دیکھ کر فرط مسرت سے کئی قدم چل کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا: ''نعمت غیر مترقبہ'' ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت تھانویؒ سے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے کے لیے ایک آدمی بھیج دیجئے' حضرت تھانویؒ نے مولانا پھولپوریؒ سے دریافت کیا کہ میں آپ کو دیوبند بھیجتا ہوں آپ کیا تنخواہ لیں گے' آپ نے عرض کیا کہ حضرت چنے چبا کر پڑھاؤں گا''- اس پر حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا ہی کریں گے'' بہر حال حضرت پھول پوری کا مقام بہت بلند تھا اور اپنے شیخ سے خاص لگاؤ اور عشق تھا- آپ نے درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے علاوہ کئی کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں ''معرفت الٰہیہ'' اور معیت الٰہیہ ہیں جو اپنے شیخ کے ارشادات کی روشنی میں لکھی ہیں- ''صراط مستقیم'' اللہ کی محبت پر ایک الہامی کتاب ہے- ''براہین قاطعہ'' بھی حضرت کے ملفوظات ہیں حق تعالیٰ ان تالیفات کو قبول فرمائے- ۱۲/اگست ۱۹۶۳ء کو رحلت فرمائی اور پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں تدفین ہوئی-

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

(بزم اشرف کے چراغ)

حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۰۱ھ ۱۳۸۱ھ

آپ میاں محمود بن حماد اللہ کے فرزند ہیں۔ ۱۳۰۱ھ کو ''ہالیجی'' سندھ میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند ہیں۔

چار پانچ سال کے تھے کہ والد صاحب نے آپ کی تعلیم کی خاطر مسجد میں ایک مولوی صاحب کو مقرر کیا' تھوڑے عرصے کے بعد والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور اس گاؤں کے جنوب میں ایک اور گاؤں کے مولوی مٹھا صاحب سے قرآن پاک پڑھا' پھر ماموں صاحب حبیب اللہ صاحب نے قرآن پاک پختہ کرا دیا۔ نام حق بھی انہی سے پڑھی۔ کھیل کود اور بکریاں چرانے کے بعد ایک مرد صالح کی نصیحت سے تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ مدرسہ بستی ابراہیم میں داخلہ لیا اور مولوی محمد واصل صاحب بردتی سے پڑھنے لگے اور خوب محنت کی اور اکثر علوم کی تحصیل اسی مدرسہ میں کی' بقیہ کتب بعض دوسرے مدارس میں پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ آپ نے اپنے علاقہ کے ممتاز علماء سے تعلیم حاصل کی۔

فراغت کے بعد اپنے گاؤں اور پھر قاضی عبداللہ کی تحریک پر قاضی دھن میں پڑھانا شروع کیا' کئی طلبہ نے آپ سے فراغت حاصل کی۔ پھر ٹھیڑی میں بھی تدریس کی۔ تدریس کے دوران میں شدت محبت رسول ﷺ کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور کتاب پر ٹپکتے رہتے۔ فقیر عبدالغنی کی تحریک پر ۲۶' رمضان کو حضرت مولانا تاج محمود امروٹی کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے بڑی شفقت فرمائی اور جب ارشوال کو فقیر عبدالغنی نے اجازت طلب کی تو فرمایا کہ ''مولوی صاحب (حماد اللہ

صاحب) کو جو کچھ پڑھانا تھا یا دینا تھا میں نے دے دیا۔ حالانکہ ظاہری طور پر کچھ بھی تعلیم نہیں دی ابتداء آیۃ الکرسی اور درود شریف کی تعلیم دی۔ پھر آمد و رفت اور تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رہا آپ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے محبوب خلفاء میں سے تھے۔ حضرت امروٹیؒ نے ایک بار آپ کے متعلق فرمایا کہ: دودھ تو سب نے لیا مگر مکھن حماد اللہ نے نکالا[1]

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

و بالجملة ان الشيخ حماد الله كان عالماً عارفاً زاهداً عابداً محققاً في علومهٖ و معارفهٖ' كان واقفاً باسرار الذكر و خواصهٖ قلما يجاريهٖ احد من العلماء و الا ولياء و كان طبيباً حاذقاً مرشداً هادياً متبعاً لِسُنة النَّبويته الكريمة مشغول باتباع الشريعة و كان وصل الى منزلة عالية..... مارايت في خصائصهٖ من يضاهيه.

حاصل کلام یہ کہ حضرت حماد اللہ بلاشبہ ایک عالم' عارف' زاہد' عابد اور اپنے علوم و معارف میں محقق تھے اور ذکر کے اسرار و خواص سے واقف تھے۔ علماء اور اولیاء میں کم لوگ ہی آپ کی طرح ہوئے ہیں' آپ طبیب حاذق اور مرشد و ہادی اور سنت نبویہؐ کے متبع اور اتباع شریعت سے انتہائی شغف رکھنے والے تھے۔ میں نے ان جیسی صفات کسی اور میں نہیں دیکھیں۔

مولانا عبدالواحد فاضل دیوبند (خلیفہ حضرت ہالیجویؒ) کا بیان ہے کہ "جب میں حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے روحانی تعلق کے بارے میں استفسار کیا' جب میں نے حضرت شیخ حماد اللہ صاحبؒ کا نام لیا تو حضرت نے فرمایا: کہ

"حضرت مولانا حماد اللہ کو عارف باللہ تو سارا عالم تسلیم کرتا ہے مگر ظاہری علوم میں بھی ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں"۔

---

[1] ابوالحسن دھتی بخش تجلیات شیخ ہالیجوی' کراچی بلا تاریخ ص ۱۱

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں کا کہنا ہے کہ ''میں نے دو شخصوں کو دیکھا کہ وہ
لم کے ساتھ عارف کامل بھی ہیں۔' ایک پنجاب میں' دوسرے سندھ میں مگر ہالیجوی
رفت میں پنجاب والے بزرگ سے بہت بلند و بالا ہیں''۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

''وھذا ممایورث الحیرة و العجب رجل ینشأ فی ھذہ البلاد و
یتعلم فی ھذہ لمدارس الدینیته و یعیش فی رجال لامساس لھم
بالا ذواق الادبیته و لا دقائق اللغته ثم لا یشتغل کثیراً بالکتب
الادبیة و یصل الی ھذہ الدرجة و المزیته فیبنا علی شخصیة فذة
و عبقریته کاملة ذلک فضل اللّٰہ یوتیه من یشآء و اللّٰہ ذوالفضل
العظیم.

یہ انتہائی حیرت وتعجب کی بات ہے کہ ایک شخص اس دیار میں پیدا ہوا اور پھر
تعلیم بھی یہیں کے مقامی مدارس دینیہ میں حاصل کی اور پوری زندگی ایسے لوگوں کے
ساتھ گزاری جنہیں نہ عربی ادب کا کوئی ذوق ہے اور نہ لغات عربی سے کوئی مس' اور نہ
اس نے عربی ادب کی زیادہ کتابیں پڑھائی ہوں اس کے باوجود قرآن حکیم کی لغات کو
اس خوش اسلوبی سے حل کرتا ہوا اس مقام تک پہنچ جائے' اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ کوئی نادر روزگار اور عبقری (Genius) شخصیت تھی' یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے
جس پہ چاہتا ہے کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وہ ریاء سے بہت دور' نہایت حلیم' صاحب کشف وکرامات' علماء وفقراء کے محب اور
نہایت صابر شاکر بزرگوں میں سے تھے آپ اپنے وقت کے نہایت ہی عابد وزاہد اور صالح و
پارسا بزرگ تھے' آپ نے بہت سے لوگوں کی اصلاح فرمائی اور وہ صحیح دین پر چلنے لگے۔

آپ نے ۱۳۵۳ھ میں پنو عاقل میں مدینۃ العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم
کیا جو بڑی کامیابی سے چل رہا ہے آج کل اس کے صدر مدرس مولانا ابو محمد امین اللہ
بہاولپوری ہیں۔

تصانیف:

آپ کی گراں قدر تصانیف میں شرح اسماء اللہ الحسنیٰ شرح السبع المعلقات‘ شرح قصیدہ بانت سعاد تعلیقات علیٰ تفسیر الکشاف للزمخشری‘ اٹھ مسائل اور الیاقوت و المرجان فی شرح لغات القرآن (عربی) موخر الذکر کتاب لاجواب کتاب ہے اور اس پر علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے وہ بھی لاجواب ہے۔ اس میں حضرت ہالیجویؒ نے حل مفردات کے علاوہ بہت سی تفاسیر اور کتب نحو سے عمدہ نکات پیش کیے ہیں۔ یہ لغوی معجم ہی نہیں فہرست والی معجم ہے‘ وہ ابواب کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

وصال:

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ بروز چہار شنبہ نماز فجر کے وقت وصال ہوا۔

حامد ذات حق حماد اللہ سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

۱۳۸۱ھ

تفسیر قرآن میں کمال:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفسیر قرآن اور علوم حدیث میں بڑا ہی کمال عطا فرمایا آپ کے تفسیری نکات کو سن کر بڑے بڑے علماء یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ یہ علوم کتابوں میں نہیں مل سکتے۔

ایک مرتبہ علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے درج ذیل آیت کی تفسیر اور آیت کے الفاظ کے مصداق بیان کرنے کی درخواست کی تو ایک گھنٹہ سے زائد نہایت مفصل اور مدلل بیان فرمایا:

﴿ وَ مَن يُطع اللّٰه و رسُوله فاولٓئک مع الَّذین انعم اللّٰه علیهم من النَّبیین و الصّدّیقین و الشّهداء و الصَّالحِیْنَ وَ حَسُنَ اولٓئک رَفِیْقًا﴾

اور یہ نکتہ بھی سامنے آیا کہ انبیاء علیہم السلام وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کا مورد بنایا ہے کہ ان پہ وحی کا نزول ہوتا ہے۔ صدیق اس وحی کے برتن

ہیں- شہداء اپنے جان و مال کی قربانی دے کر وحی کی حفاظت کرتے ہیں اور صالح وہ لوگ ہیں جو وحی الٰہی کے مقتضاء پر عمل کرتے ہیں- پس ان میں سے عمل کے لحاظ سے اور سب کے حقائق کی معرفت میں سب سے زیادہ سچے اور احق وہ حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے وحی کا مورد و مہبط بنایا ہے' پھر وہ جن کے دلوں کو وحی الٰہی کی حفاظت کے سلسلہ میں اس کا برتن بنایا ہے' پس وہاں کبھی وحی الٰہی ضائع نہیں ہوسکتی' پھر شہداء اور پھر صالح حضرات کا نمبر آتا ہے''۔[1]

آپ نے فرمایا کہ ''صبر کی تین قسمیں ہیں صبر علی الطاعۃ' ۲' صبر عن المعصیۃ' ۳' صبر علی المصیبۃ- صبر علی الطاعۃ' یہ ہے کہ عبادات (نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد) کی ادائیگی میں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے اور عبادت کو کما حقہ ادا کرے-

صبر عن المعصیۃ یہ ہے کہ جو خواہش بھی خلاف شریعت ہو اس سے باز رہے اور صبر علی المصیبہ یہ ہے کہ جو تکلیف بھی (بیماری' تنگی وغیرہ) آئے اس پر جزع فزع اور واویلا نہ کرے اور اناللہ پڑھتا رہے-

آیت: اللہ نور السموات و الارض........ کی تفسیر میں فرمایا: کہ

''طاق سے مراد بندۂ مومن کا سینہ اور شیشہ سے مراد مومن کا دل ہے اور چراغ ہے مراد لطیفہ قلبی ہے جو کہ رکھا ہوا ہے شیشہ قلب کے اندر اور زیت (تیل) سے مراد ذکر اللہ ہے جس سے کہ قلب مؤمن منور ہو جاتا ہے- جب ذکر اللہ سے قلب مومن منور ہو جاتا ہے تو تجلیات حق تعالیٰ مومن کے قلب منور پر متجلی ہوتی ہیں یہی نور علی نور ہے''-

تصوف کی حقیقت:

تصوف کی حقیقت اکھاڑنا اور بونا ہے- حق تعالیٰ کے غیر کے تعلق کو دل سے

---

[1] مولانا محمد یوسف بنوری المقدمات البنوریہ کراچی ص ۹
محمود محمد عبداللہ اللغۃ العربیہ فی باکستان اسلام آباد ۱۹۸۲ء ص ۳۳۱

اکھاڑ کر حق تعالیٰ کو دل کے کھیت میں بونا یہی حق تعالیٰ کا راستہ ہے۔

تعلق بالشیخ کیا ہے؟ فرمایا: کہ

''شیخ ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے اور کسی دوسرے کی حاجت وضرورت نہیں''۔

سائل کے سوال کہ ''میں تصور شیخ کر لیا کروں؟'' کے جواب میں فرمایا:

''تصور شیخ کی کیا ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کا تصور کافی ہے''۔

مَانَعْبُدُ هُمْ اِلَّالِیقرِّ بُونَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی...

''ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں''۔

اور یہ بھی فرمایا کہ یہی جواب مجھے اپنے شیخ مولانا تاج محمود امروٹی ؒ نے دیا تھا۔

چند ملفوظات:

طالب کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی طلب میں مایوسی کو راہ نہ دے اور استقامت اختیار کرے انشاء اللہ مقصود حقیقی کو پالے گا۔

طالب کو چاہیے کہ جو کچھ طاعت وعبادت کر رہا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جانے اور اپنے آپ کو ہر شخص سے کمتر سمجھے اور تکبر سے پرہیز کرے۔ جو شخص اپنے نفس کے عیوب پر نظر رکھے وہ دوسروں کے عیوب پر نظر نہیں کرے گا۔ انسان کو باطن میں عقائد صحیحہ اور ظاہر میں اعمال صالحہ سے آراستہ ہونا چاہیے۔

چند خلفاء:

آپ کے خلفاء میں مولانا احمد الدینؒ، صاحبزادہ مولانا محمود اسعدؒ مولانا عبدالواحد اور مولانا حافظ عبدالجلیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(ماخوذ مشاہیر علماء جلد اول مطبوعہ ملتان)

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب حصاروی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء موضع ڈربی تحصیل سرسہ ضلع حصار میں پیدا ہوئے آپ راجپوت برادری کے متوسط درجہ کے زمیندار گھرانے کے فرد تھے۔ آپ کے والد صاحب مولانا محمد شاکر صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے اس لیے گھر کا ماحول نہایت ہی عمدہ اور دین دار تھا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گھر پر ہی حاصل کی۔

آپ اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے لہٰذا آپ کے والد نے آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ جب آپ کچھ سن شعور کو پہنچے تو مزید تعلیم کے لیے آپ کو رائپور گجراں ضلع جالندھر کے شہرہ آفاق مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں آپ نے موقوف علیہ دورہ تک کی تعلیم استاذ العلماء حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور پھر تکمیل کے لیے مدرسہ عالیہ عبدالرب دہلی میں داخل ہوئے جہاں سے آپ نے سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور اپنی تمام توجہات تعلیم و تبلیغ کے لیے وقف کر دیں اور اپنی مستقل رہائش ابوہر منڈی فیروز پور میں اختیار کر لی جہاں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کروائی۔ اور مدرسہ اشرف المدارس کا اجراء کیا۔ علاقہ باگڑ ریاست بیکانیر کے ہزار ہا لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی وفات کے وقت آپ کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کا حکم فرمایا چنانچہ آپ حضرت شیخ کی وفات کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت تھانوی قدس سرہ نے آپ کو خلافت سے نوازا آپ اکثر

فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قدس سرہ کی برکت سے اور صحبت کی وجہ سے امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے ہیں۔ حضرت قدس سرہ کی آپ پر خصوصی شفقت تھی۔

آپ حقہ پیتے تھے ایک مرتبہ آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ جنت میں حقہ ملے گا حضرت قدس سرہ نے ازراہ تفنن فرمایا کہ ہاں مگر آگ لینے کے لیے جہنم میں جانا پڑے گا۔

جب علامہ مشرقی نے تذکرہ مولوی کا غلط مذہب وغیرہ لکھیں تو حضرت قدس سرہ نے آپ کو ان کے رد پر مقرر فرمایا آپ نے حسب الحکم تمام ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس دورہ کے دوران کئی مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ اطراف ملک سے بہت سے لوگوں نے آپ کی تقریر اور اس کی تاثیر کے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں لکھا تو حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا:

''عبدالجبار کے بیان میں میری دعا شامل ہے''۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں شرکت کے لیے علماء کا ایک وفد ترتیب دیا تھا حضرت مولانا عبدالجبار صاحب بھی اس وفد میں شامل تھے۔

حضرت قدس سرہ کے حکم پر آپ دارالعلوم دیوبند میں عرصہ تک صدر تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کو حضرت قدس سرہ سے ایسی محبت تھی کہ قلم سے اس کا اظہار ممکن نہیں شاید ہی کوئی ایسی مجلس ہو جس میں آپ حضرت قدس سرہ کا ذکر نہ کرتے ہوں۔

حضرت قدس سرہ کی وفات کے بعد اکثر آپ کا ذکر کرتے وقت رو پڑتے تھے۔ جب حضرت تھانویؒ کے انتقال کی خبر دارالعلوم دیوبند پہنچی تو آپ ریل کا انتظار کیے بغیر پیدل ہی تھانہ بھون چل دیئے باوجودیکہ راستہ میں کئی پرخطر ندیاں آتی ہیں اور حضرتؒ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ آپ اپنے مواعظ میں اکثر فرمایا کرتے تھے ۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

آپ ایک بہت مشہور واعظ تھے۔ قرآن پاک بہت اچھا پڑھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں جنگل میں ہوتا ہوں اور بعد نماز فجر سننے والا کوئی نہیں ہوتا تو میں درختوں سے خطاب کر کے انہیں ترجمہ سناتا ہوں۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجاہدہ کے دوران حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے آپ کو وعظ کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ بعد میں اجازت فرمائی تھی کہ کتاب دیکھ کر وعظ کیا کرو۔ پھر کچھ عرصہ بعد خود وعظ کرنے کی اجازت دے دی لیکن فرمایا کہ نظر کتاب پر ہو اور لوگ یہی سمجھیں کہ کتاب دیکھ کر وعظ کر رہے ہو۔ پھر اصلاح کے بعد اجازت وعظ دے دی۔ اور آخر میں آپ کو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے لیے واعظ مقرر کر دیا تھا۔

جب آپ نے فاضلکا میں سکونت اختیار کی تو ابوہر میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی اور اس کے نام کے متعلق حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ سے مشورہ کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کا نام ''اشرف المساجد'' رکھ دیا جائے کیونکہ آپ کا معمول تھا کہ اپنے خانگی امور تک کی ہر جزئیات کے لیے حضرت قدس سرہ سے مشورہ لیتے تھے۔ حکیم الامت قدس سرہ کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ ''بیت الجبار'' رکھنے میں کیا حرج ہے۔ اس سے آپ حضرت قدس سرہ کا منشا سمجھ گئے کہ مساجد تو بجز سہ مساجد کے سب برابر ہیں پھر ''اشرف المساجد'' کا کیا مطلب۔ پھر آپ نے اس کا نام اشرف المساجد نہیں رکھا۔ اس کے بالمقابل حضرت کا اپنا پختہ مکان تھا جس میں بیٹھک بالاخانہ سہ دری وغیرہ بھی تھے۔ بالاخانہ میں کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا جس میں حضرت تھانوی قدس سرہ کی تمام میسر شدہ کتابیں موجود تھیں۔

تبلیغ تو آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو مجلس ''دعوت الحق'' کا مبلغ بنا دیا اور ضرورت سفر کے لیے ایک خادم بھی دے دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تبلیغ کا کام آپ کے سپرد ہوا اور آپ نے ان دنوں ہندوستان کے دور افتادہ علاقوں کا دورہ فرمایا۔ آپ جب

بزرگانِ دین کا تذکرہ کرتے تو آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور سامعین کو تڑپا دیتے تھے- جو حصہ وعظ کا بزرگان دین کے تذکرہ سے خالی ہوتا اس میں لوگوں کی آنکھیں خشک ہوتیں' جونہی حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہ حضرات کا ذکر فرمایا تو لوگوں کو آنسو صاف کرتے دیکھا- جب آپ دیکھتے تھے کہ سامعین پر اثر کم ہو رہا ہے تو اہل اللہ کا ذکر شروع فرما دیتے بس فوراً سامعین پر سناٹا چھا جاتا تھا- آپ پر سامعین کی بیجا ہلچل اور خلاف اصول نشست و برخاست کا بھی اثر ہوتا تھا- چنانچہ ایک شخص سامنے بیٹھا ہوا تسبیح پھیر رہا تھا فرمایا کہ بھائی یہ وقت میری بات سننے کا ہے تسبیح دوسرے وقت پھیر لینا- ایک شخص گھٹنے کھڑے کیے بیٹھا تھا فرمایا بھائی ادب سے بیٹھو میری طبیعت بٹتی ہے جو مجبور ہو وہ آنکھوں سے اوجھل بیٹھے- البتہ سامعین کی کمی بیشی کا اثر نہیں ہوتا تھا-

صرف سامعین کی دلچسپی اور توجہ چاہتے تھے- صبح کے درس میں عام مجمع کے وعظ سے زیادہ حظ حاصل ہوتا تھا- شدت مرض اور نہایت تکلیف میں کئی دفعہ یہ شعر پڑھتے ؎

سکھ دیویں یا دکھ دیویں میں کون جو حضرت دم ماراں
جو دکھ دی لذت جان گئے او سکھ دے کولوں نسدے نی

اثنائے ذکر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی مناجات ''گلزار معرفت'' کے اشعار پڑھا کرتے تھے جیسے ؎

مرض لا علاج کی دوا کس سے چاہوں ۔۔۔ تو ہے شافی اور میں بیمار تیرا
کہاں جائے جس کا نہ تجھ بن ہو کوئی! ۔۔۔ کسے ڈھونڈھے جو طلب گار تیرا

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک دفعہ لکھا کہ معاش کے متعلق کسی وقت ذہن میں آتا ہے کہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کرلوں تو جواباً ارشاد فرمایا کہ تو پھر مشورہ کیجئے - بس آپ سمجھ گئے کہ شیخ کا منشاء اپنے ہی طرز طریق پر رکھنے کا ہے- فرمایا پھر اس کے بعد پریشانی تو کیا کبھی خیال تک نہ آیا-

ابوہر کی مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے رات کو درد بھری آواز میں بارگاہ الٰہی میں درخواست کی کہ مولیٰ اپنا اور اپنے حبیبؐ کا دربار دکھلا - معلوم نہیں وہ آواز کسی کے کان میں پڑ گئی یا باری تعالیٰ کی طرف سے اس کو الہام ہوا کہ جب آپ کچھ دیر بعد مسجد سے نکلے تو ایک آدمی دروازہ پر ملا کہ آپ کو حج کے لیے جتنے روپے کی ضرورت ہو حاضر ہے۔

ایک دفعہ رات کو ابوہر کے ایک جلسہ میں بمعہ اہل و عیال تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو قفل ٹوٹا ہوا پایا اور گھر کا سامان تمام صحن میں بکھرا پڑا ہے۔ حیران ہو گئے۔ ہر ایک چیز کو سنبھالا تو بالکل درست پایا حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کو اطلاع دی تو شیخ نے جواب تحریر فرمایا:

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

اور ہدایت فرمائی کہ اس طرح آئندہ گھر خالی نہ چھوڑنا چاہیے۔

حضرت کے ایک خادم تحریر فرماتے ہیں کہ ایک قصبہ میں آپ کا بیان تھا میں تہجد کے وقت مسجد میں آیا وہیں کچھ دیر ہوگئی سردی کا موسم تھا۔ حضرت نے میرے بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا سردی میں وہاں کیوں بیٹھ رہے۔ نفل پڑھ کر یہاں ذکر کر لیتے۔ آپ صبح کو درس دینے کے لیے قرآن شریف دیکھ رہے تھے میں آہستہ ذکر کرنے لگا تو فرمایا اپنے حسب معمول ذکر کرو مجھ پر آواز کا اثر نہیں ہوگا۔ میں نماز مغرب کے لیے گیا' وہاں دیر ہوگئی آپ نے آواز دی میں باہر نکلا تو مسجد کے دروازے کے سامنے اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے ہیں' فرمایا ذکر دوسرے وقت بھی ہو سکتا ہے حقوق العباد کا خیال رکھا کرو۔ میزبان کو روٹی کے لیے انتظار کی تکلیف ہو گی' آج دعوت ہے وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں علیل ہوں' کھانے میں پرہیز ہے تو فرمایا کہ شادی وغیرہ کے کھانے جو نام و نمود کے لیے ہوتے ہیں مضر ہوتے ہیں مخلصانہ دعوت کا طعام نقصان نہیں کرتا۔ مجھے نئی شکایت کا ڈر تھا' سابقہ بھی کافور ہوگئی۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا صاحب کے خطوط:

عرض: میرے لیے احیاء العلوم کا دیکھنا مناسب ہے یا صرف حضور کے مواعظ پر اکتفا کروں۔

ارشاد: تقدیم اس کی چاہیے پھر تربیت السالک۔

عرض: مناظرہ سے نفع کچھ نہیں ہوتا بلکہ مخالفت زیادہ بھڑکتی ہے۔

ارشاد: بس تو ایسے شغل کو ترک دیا جائے۔

عرض: بفضلہٖ تعالیٰ برکت حضور والا ترکہ کے متعلق ہمشیرگان سے تصفیہ کرلیا ہے۔

ارشاد: مبارک ہو، اگر اولاد کی مقبوضہ جائیداد میں کوئی پھوپھی شریک ہو تو اس کا بھی ایسا تصفیہ کرلیا جائے۔

عرض: کل دوپہر کو خواب میں حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ عبدالجبار عشاء کی اذان ہوگئی، میں نے عرض کیا نہیں۔

ارشاد: فرمایا کہ کہو میں نے اذان کہی، نماز پڑھنا یاد نہیں۔ مجلس میں بعض دفعہ جی بھر آتا ہے، چیخیں مار کر رونے کو جی کرتا ہے، بمشکل ضبط کرتا ہوں۔

عرض: میں پنکھا ہلانے کے فن سے واقف ہوں، اگر اجازت ہو تو کبھی کبھی اس کام کو کرلیا کروں۔

ارشاد: بہتر۔

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نے پنکھے کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا کہ جب پہلی دفعہ خانقاہ امدادیہ میں حاضر ہوا تو ایک صاحب حضرت حکیم الامتؒ کا پنکھا کھینچ رہے تھے اور حضرت کچھ تحریر فرمارہے تھے۔ میں نے پنجابیوں کے طریق پر بلا اجازت ان سے پنکھا لے کر زور زور سے کھینچنا شروع کردیا۔ جب ہوا تیز ہوئی تو حضرتؒ کے کاغذ اڑنے لگے۔ میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب تمہیں ہلانا نہیں آتا تو بلا اجازت اس سے چھینا کیوں اب کاغذ اڑ رہے ہیں میرا وقت ضائع ہو رہا ہے اس وقت معلوم ہوا کہ میں حکیم الامتؒ کی تربیت کا کتنا محتاج ہوں۔

عرض: حضرت والا کا گرامی نامہ ملا بے حد ندامت ہوئی کہ میں نے ایک اجنبی شخص کے ہاتھ دستی لفافہ بھیج دیا اور حضرت کو ناحق تکلیف پہنچائی' مجھے اپنی اس غلطی پر بے حد ندامت ہوئی اس پر مجھ کو جو صدمہ ہوا وہ میں ہی جانتا ہوں- عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ہمیشہ خط بذریعہ ڈاک ہی بھیجا کروں گا- نہایت عاجزی کی عرض ہے کہ غلام کی غلطی معاف فرمائی جائے-

ارشاد: یہ آپ کی محبت ہے مجھ کو دستی خط سے تکلیف نہیں ہوئی اس کے لفافہ نہ دینے سے ہوئی ہے-

عرض: حضور نے گرامی نامہ میں اس ناچیز کو بیعت وتلقین کی اجازت فرمائی ہے چونکہ یہ میرے گمان میں بھی نہیں تھا اس لیے نعمت خداوندی سمجھ کر قبول کرتا ہوں اور ارادہ ہے کہ کچھ مدت حضور کی خدمت میں رہ کر اپنی اصلاح کی سعی کروں' دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس ارادہ کو پورا فرمائیں نہایت بے چین ہوں-

ارشاد: دعا کرتا ہوں-

اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا:

''میں تھانہ بھون محض حضرت والا کی زیارت وملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا- حضرت نے مجلس ''دعوۃ الحق'' کا کام سپرد فرمایا- درحقیقت مجھے اللہ تعالیٰ اور پھر اپنے شیخ کی رضامندی مقصود ہے- قبل ازیں لکھنؤ' پٹنہ' عظیم آباد جو کہ کلکتہ کے قریب ہے اور دہلی وغیرہ کا بھی دورہ کیا ہے- تھانہ بھون بھی قیام ہوتا ہے- یہاں کی مساجد میں بھی حضرت والا کے مشورہ سے وعظ ہو رہے ہیں- میرے کام سے شیخ بے حد خوش ہیں تنخواہ سے انکار کیا گیا تھا- مگر شنوائی نہیں ہوئی- مسٹر جناح اور بہت سے بڑے بڑے آدمیوں سے ملاقات کر کے ان کو تبلیغ کی گئی''-

اپنے شیخ قدس سرہ سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''بخدا سچ عرض کرتا ہوں کہ حضرت والا کی تعلیم اور ہر امر پر دن بدن فریفتہ

ہوتا جاتا ہوں اور محبت میں اضافہ ہو رہا ہے اگر بیوی بچوں کا جھگڑا نہ ہوتا تو اپنی عمر خانقاہ شریف کی جاروب کشی میں گزار دیتا۔ اب بھی انشاء اللہ جلدی جلدی حاضری کی کوشش رکھوں گا''۔

ایک خط میں تحریر فرمایا:

''اب تو ہر وقت اپنی ناکامی پر توجہ رہتی ہے اور یہ خیال رہتا ہے کہ حضرت اقدس محض عنایت سے برگزیدہ مجلس میں بیٹھنے کی جگہ دیتے ہیں......ورنہ مجھ میں تو ابھی تک انسانیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ آہ اپنی عمر کا معتد بہ حصہ برباد کر لیا مگر الحمد للہ کہ حضور کی برکت سے خلاف شرع امور سے قدرتی نفرت آ گئی ہے اور ارتکاب سے کراہت''۔

آپ مزاج اور لباس کے سادہ اور صفائی پسند تھے، جماعت اور خطبہ کے وقت عمامہ زیب تن فرماتے اور پابندی شرع کا عالم یہ تھا کہ خلاف شرع امور پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی مستقل رہائش ہارون آباد میں اختیار کی اور یہاں سابقہ مدرسہ اشرف المدارس کا اجراء کیا ۱۶/اپریل ۱۹۵۱ء کو آپ ہمیشہ کے لیے اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی)

حضرت حافظ محمد حبیب اللہ اعظم گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ قاری محمد حبیب اللہ قصبہ مؤ ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی پھر تکمیل درسیات کے لیے الہ آباد تشریف لے گئے جہاں تعلیم سے فراغت کے بعد مشن ہائی سکول میں فارسی کے استاد مقرر ہو گئے۔

آپ کو دینی ذوق بزرگانِ دین سے لگاؤ اور ان کی طرف میلان بچپن ہی سے تھا۔ دورانِ قیام الہ آباد جہاں کسی دینی جلسہ یا وعظ وتقریر کی آپ کو اطلاع ملتی آپ اس میں ضرور شرکت فرماتے کئی بار حضرت تھانویؒ کی تقاریر سننے کا موقع اسی طرح حاصل ہوا۔ آخر میں انہی مواعظ حسنہ سننے کے بعد آپ نے دوسرے جلسوں میں شرکت ترک کر دی۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے حضرت تھانویؒ کی طرف گرویدگی بڑھتی ہی چلی گئی۔

اس زمانے میں گئے ہوش کہ جب ہوش نہ تھا

بعض ہم جماعت طلبہ نے حضرت تھانویؒ سے بیعت ہونے کا خیال ظاہر کیا مگر چونکہ حضرت کا اصول دوران تعلیم کسی کو بیعت کرنے کا نہ تھا لہٰذا آپ فی الحال خاموش رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جب ملازمت اختیار کی تو دوبارہ خط وکتابت شروع کر دی اور تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی جو فی الفور مل گئی۔ پہلی بار چند دن تھانہ بھون میں قیام فرما کر چولوٹے تو دل کی کیفیت ہی بدل چکی تھی۔ محبت وعقیدت کی آگ جو چپکے چپکے دل میں سلگ رہی تھی۔ شعلہ جوالہ بن کر بھڑک اٹھی جہاں سکول میں تعطیلات ہوئیں۔ فوراً تھانہ بھون روانہ ہو گئے۔

وہیں چلیے وہیں چلیے محبت کا تقاضا ہے
وہ محفل ہائے جس محفل میں دنیا لٹ گئی اپنی

پہلی ہی حاضری میں شرف بیعت حاصل ہو گیا اور چند ماہ کے تعلق کے بعد اجازت بیعت و تلقین بھی مل گئی- اس وقت تک حضرت تھانویؒ کے خلفاء کی تعداد چھ یا سات ہی تھی- حضرت تھانویؒ سے تعلق کے بعد آپ کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا- آپ فرمایا کرتے تھے کہ کتابیں تو بہت پڑھ رکھی تھیں مگر حقیقت علم تھانہ بھون میں حاصل ہوئی-

آپ کو اتباع سنت کا بے حد اہتمام رہتا تھا جو مرض الموت تک اسی آب و تاب کے ساتھ جاری رہا- عالم باعمل اور مومن کامل تھے- علماء کے اشکالات فی الوقت بلا کتاب دیکھے اور بغیر کسی تیاری کے آسان اور عام فہم طریقہ سے حل فرما دیتے ہر بات کا برجستہ اور شافی جواب عطا فرماتے- طالبین کے باطنی امراض ان کے چہرے سے سمجھ لیتے یا تحریر سے اندازہ فرما لیتے مگر اپنی طرف سے ایک لفظ اشارۃً یا کنایۃً اس وقت تک نہ فرماتے جب تک کہ طالب خود اپنی زبان یا تحریر سے بیان نہ کرتا- آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا- زبان سے وہی فرماتے جو دل میں ہوتا- جو کچھ ارشاد فرماتے نہایت واضح اور بے جھجک- ایک مرتبہ عرض کیا گیا کہ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرح کسی اور بزرگ کو اس قدر بے لاگ اور صاف صاف بات کہتے نہیں سنا گیا- فرمایا کہ اگر میں کوشش بھی کروں تو کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بنا سکتا اور نہ ہی حق کو چھپا سکتا ہوں کوئی معتقد ہو یا بد اعتقاد کسی کی پرواہ نہیں- جس کا مزاج چاہے رجوع کر سکتا ہے جس کا جی چاہے ''پھر جائے کتمان حق ممکن نہیں''-

تھانہ بھون میں ایک بزرگ اپنے ہمہ وقت کے قہقہوں اور بلند آواز سے ہنسنے اور ایک بزرگ پر گریہ بے اختیاری کی وجہ سے ایک بکاء اور دوسرا ضحاک کہلاتا تھا- بلند آواز سے ہنسنے والی ہستی یہی ذات تھی- خود فرمایا کہ قیام تھانہ بھون کے دوران گریہ غالب رہتا تھا- ایک بار حضرت حکیم الامتؒ کہیں جانے کے لیے تانگے پر سوار ہوئے- غلبہ شوق میں حضرت کا ہاتھ پکڑ کر زار و قطار رونے لگا حضرت نے فرمایا: ''رونے کی کیا بات ہے ہنسا کیجئے'' اس وقت سے یہ حالت ہوئی کہ حالاً ہمہ خنداں نظر آنے لگے- ایک مرتبہ ایک

خواجہ تاش نے آپ کو اس طرح بے جھجک ہنستے دیکھا تو اپنے قریب والوں سے کہا کہ یہ شخص بڑا بے باک معلوم ہوتا ہے۔ عنقریب مجلس سے نکالا جائے گا اس کی بھنک حضرت تھانویؒ کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔ آپ اس وقت ڈاک دیکھ رہے تھے سر اٹھایا اور فرمایا۔

تو اے افسردہ دل واعظ یکے در بزم رنداں شو
کہ بنی خنداں برلب ہاو آتش پارہ دردل ہا

چند یوم کے بعد جب آپ تھانہ بھون سے رخصت ہونے لگے تو حضرت سے رخصتی مصافحہ کرتے وقت گریہ طاری ہو گیا جتنا ضبط کرتے اتنا ہی بڑھتا حتیٰ کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ حضرت نے تسلی دی طبیعت کچھ سنبھلی اور وطن روانہ ہو گئے یہی خواجہ تاش اس وقت خانقاہ امدادیہ میں حاضر تھے یہ منظر دیکھ کر سکتہ میں آ گئے۔

حضرت تھانویؒ کے برسہا برس کے تعلق کے دوران ہمیشہ سرخرو رہے نہ کبھی مجلس سے اٹھائے گئے اور نہ کبھی کسی معاملہ پر معمولی سی خفگی کا اظہار ہوا۔ حضرت تھانویؒ کے التفات خاص، حسن سلوک شفقت محبت دل جوئی اور عزت افزائی کے ہمیشہ گن گایا کرتے۔ ایسے موقعوں پر تعریف شیخ میں غلو نہ کرتے جو کچھ ارشاد فرماتے بڑے حزم و احتیاط تفکر اور وثوق سے فرماتے جب کبھی بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تو وہیں خاموش ہو جاتے۔

آپ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے۔ یہ روحانی قوت تھی جو آپ کو تھکنے نہ دیتی آپ کام پر آرام کو ترجیح نہ دیتے۔ طالبین کے لیے تو تعلیم اور تاکید یہ تھی کہ حسب ضرورت آرام کو مقدم رکھیں اور جتنا کام بآسانی ہو سکے اتنا کریں مگر خود اپنا عمل یہ تھا کہ کام مقدم اور آرام مؤخر۔ تمام زندگی اسی طرح گزار دی۔ خالی اوقات اول تو ہوتے ہی کم تھے اور جو ہوتے بھی تو ان محدود لمحات میں بھی تلاوت قرآن کا سلسلہ جاری رکھتے۔ باوجود سادہ مزاجی کے آپ کے مزاج میں نفاست پسندی اور صفائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر بے قرینہ چیز نگاہوں پر گراں گزرتی۔

بچوں کی شرارتوں بلکہ ان کی بدتمیزیوں سے مسرور ہوتے اور ہمہ وقت ان پر روک ٹوک کو ناپسند فرماتے۔ ایک مرتبہ اپنے ایک عقیدت مند کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان کے بچے مٹی میں کھیل کود میں مصروف تھے اور ننگے پاؤں فرش اور چادر پر چلے آتے۔ میزبان ان کو ڈانٹتے اور اندر بھیج دیتے۔ آپ نے انہیں منع فرماتے ہوئے کہا کہ مٹی سے تو بدن مضبوط ہوتا ہے اور رہا چادر وغیرہ کا گندہ ہونا تو فرش وغیرہ تو میلے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ آپ بھی تو کپڑے میلے کر دیتے ہیں اور دھوبی ان کو دھو دیتا ہے یہی حال طالب صادق اور شیخ کامل کا ہوتا ہے۔ طالب اپنے داغ دار قلب کو پیش کرتا ہے اور مرشد ان داغوں کو دھو ڈالنے کی ترکیبیں بتاتا ہے۔ کبھی مجاہدہ کبھی ریاضت کبھی نوافل کبھی استغفار اصل چیز تو یہی ہے کہ ہم گندے ہیں اور ہمیں صفائی کی ضرورت ہے جب تک یہ جذبہ زندہ رہے گا صفائے قلب حاصل ہوتی رہی گی جس دن اپنی صفائی کا یقین آ گیا بلکہ گمان ہو گیا تو اسی دن باطنی ترقی رک جائے گی۔ پھر یہ سلسلہ ہی رفتہ رفتہ منقطع ہو جائے گا۔

اندر ایں راہ می تراش وی خراش
تادمے آخر دمے فارغ مباش

مٹھائی پھل وغیرہ کے ہدایا جو بے تکلف احباب اور ارادت مند پیش کرتے بطیب خاطر قبول فرما لیتے جن حضرات سے بے تکلفی نہ ہوتی ان سے کچھ قبول نہ فرماتے اگر وہ اصرار کرتے تو فرماتے کہ پہلے بے تکلفی پیدا کرنے کے لیے بار بار تشریف لائیں اور مجھے کوئی دینی خدمت کا موقعہ دیں پھر ہدیہ بھی قبول کر لیا جائے گا۔

اپنے پیر بھائیوں سے ملاقات کے ہمیشہ متمنی رہتے۔ آخر وقت میں انتقال سے صرف چند ماہ قبل سکھر سے کراچی اس حالت میں تشریف لائے کہ انتہائی نقاہت و کمزوری کی وجہ سے بدست دگرے وسنت بدست دگرے کے مصداق تھے۔ فالج کا ہلکا سا حملہ ہو چکا تھا۔ ابھی ہاتھ پاؤں میں تھوڑی سی قوت آئی تھی کہ خبر پہنچی کہ حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفہ خاص ہندوستان سے تشریف لائے ہیں اور چند ہی روز کے بعد

ان کی واپسی ہے۔ اس موقعہ پر اعزا واقارب نے بڑی دلسوزی سے سفر کی مخالفت کی مگر آپ نے ایک نہ سنی۔ سکھر سے کراچی اسی نازک حالت میں سفر کیا اور ۲۴ گھنٹے قیام کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ وہ منظر بھی بڑا رقت آمیز تھا۔ جب ایک میخانہ کے دو قدیم بادہ کش عمر کے ایک ہی پیٹے میں اور صحت جسمانی کے اعتبار سے دونوں قریب قریب معذور ایک دوسرے سے رخصت ہونے کے لیے بغل گیر ہو رہے تھے آواز گلوگیر آنکھیں آبدیدہ اور ہونٹ لرزاں تھے باہمی دعائے خیر کی استدعا اس کی پذیرائی اور اس پذیرائی پر چہروں پر شادمانی دیکھنے والوں نے دیکھی اور دل تھام کر رہ گئے۔

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹/ مئی ۱۹۶۰ء کو سکھر میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ (کاروان تھانویؒ)

از راقم:

بخاری غفرلہٗ

حضرت مولانا شیر محمد گھوٹوی

مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شیر محمد صاحب گھونکی سکھر میں ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے- آپ کے والد سید محمد عارف شاہ صاحب فارسی کے جید عالم اور بہت نیک آدمی تھے- ہر وقت تسبیح و تحلیل میں مصروف رہتے اپنے بڑے کا ادب بھی حد درجہ کرتے- یہاں تک کہ جب کبھی باہر جاتے تو اپنے بڑے چچا زاد بھائی سے اجازت لے کر جایا کرتے- مہمان نوازی میں گھونکی شہر میں ان کے مثل کوئی اور نہیں تھا- اگر کبھی دشمنوں پر بھی کوئی تکلیف آن پڑتی تو ساری باتوں کو بھلا کر ان کی مدد کو جا پہنچتے-

مولانا شیر محمد صاحب نے قرآن شریف ناظرہ پڑھ کر سندھی زبان میں تعلیم حاصل کی- اس کے بعد فارسی اور دیگر علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی- تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی زمین داری کے کام میں مصروف ہو گئے- شکار اور گھوڑ سواری میں بہت ماہر تھے- اپنے والد کی طرح شروع ہی سے نماز روزہ کے پابند تھے- قرآن شریف کے ورد میں بھی کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے- دیانت داری میں آپ بے مثل تھے- ایک مرتبہ آپ کو بہت سے زیورات ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے ملے- اسی وقت تمام شہر میں اعلان کروادیا کہ جس کے ہوں نشانی بتلا کر لے جائے- ایک ہندو آیا اس نے صحیح نشانی بتلا دی چنانچہ اس کو تمام زیورات بحفاظت پہنچا دیئے-

حضور اکرم ﷺ سے عشق آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا- آپ کی تمام عمر دینی علوم کی خدمات میں گزری اور عملی زندگی کا ہر پہلو عشق رسولؐ میں ڈوبا ہوا تھا- آپ حضور اکرم ﷺ کے اعمال و اقوال کی اطاعت و پیروی کو فرض عین اور جزو ایمان سمجھتے تھے-

حب رسولؐ میں آپ کو فنافی الرسولؐ کا درجہ حاصل تھا۔ جب بھی کسی مجلس میں حضور اکرم ﷺ کا تذکرہ آتا تو آپ کی آنکھوں سے بے اختیار اشک رواں ہو جاتے۔ اکثر تنہائی میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں نعت پڑھتے رہتے۔ اپنے ایک عزیز کو فرمایا کرتے تھے کہ ”حبیب اللہ دعا کرو کہ حضور ﷺ کے قدموں میں سو جاؤں مجھے ادھر چین نہیں آتا“ اکثر یہ شعر بھی وردِ زبان رہتا۔

فرض کر دم کہ بیادے تو دلم خرسند است
لیکن ایں دیدۂ دیدار طلب راچہ علاج

اگرچہ کئی بار آپ نے حج اور روضۂ مبارک کی زیارت کی تھی مگر واپسی پر آپ پر پہلے سے زیادہ گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ انجام کار آپ نے اس جذبۂ محبت میں سرشار ہو کر وطن اولاد اور جملہ علائق دنیوی کو ترک کر کے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور عمر کے آخری چودہ سال بارگاہ رسولؐ میں گزار کر وہیں دفن ہونے کی ابدی سعادت حاصل کی۔ اگرچہ آپ کے وطن میں معیشت و معاشرت کی تمام و کمال سہولتیں حاصل تھیں۔ نیک و سعید اولاد موجود تھی مگر محبت رسول ﷺ کے بے پناہ جذبے کے تحت آپ نے تمام آسائشوں کو ترک کر کے جوار پاک میں بقیہ زندگی اس طرح گزاری کہ چودہ برس تک خود اپنے ہاتھ سے اپنی روٹی پکا کر کھاتے رہے۔

سادگی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ مولانا منظور نعمانیؒ نے اس ضمن میں لکھا کہ ”جب الفرقان“ بریلی سے شائع ہونا شروع ہوا تو اس کے ابتدائی دور میں گھونکی سکھر سے سالانہ چندہ کا ایک منی آرڈر آیا۔ مرسل کا نام صرف ”شیر محمد“ لکھا ہوا تھا اور تحریر کی سادگی سے اس کا شبہ بھی نہیں ہوا کہ یہ کوئی طالب علم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خریداروں کے رجسٹر میں صرف شیر محمد لکھ دیا۔ عرصہ کے بعد الفرقان میں ایک مضمون کے بارے میں ان صاحب کا خط آیا جس میں امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے اس مسئلہ کے متعلق حضرت تھانوی کی ایک خاص تحقیق کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس خط سے پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی عالم دین ہیں۔ جب مولانا کے پاس الفرقان کا شمارہ پہنچا جس میں ان کا نام مولانا شیر محمد لکھا ہوا تھا

تو ممدوح نے مجھے لکھا ''میں عالم نہیں ہوں عامی ہوں- اکابر کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہے ان سے کچھ باتیں معلوم ہوگئی ہیں اس لیے میرے نام کے ساتھ مولانا نہ لکھا جائے''-

حضرت تھانویؒ سے تعلق:

آپ کو مسائل فقہ سے کافی دلچسپی تھی اسی غرض سے پنجاب اور سندھ کے علماء سے مسائل میں استفادہ فرماتے رہتے- حضرت تھانوی قدس سرہ سے بھی اسی سلسلہ میں بذریعہ خط و کتابت کئی مسائل دریافت فرمائے- اس طرح حضرت قدس سرہ کی کتابیں دیکھنے کا موقعہ ملا اور حضرت سے بیعت ہونے کا شوق پیدا ہوا اور اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے ایک خط میں کیا- حضرت قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ میں خیر پور کسی کی دعوت پر آنے والا ہوں آپ مجھ سے خیر پور میں ملاقات کرلیں چنانچہ خیر پور میں آپ نے حضرت قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی- حضرت سے تعلق سے پہلے آپ کے خاندان میں مروجہ رسوم و رواج کا بہت زور شور تھا مگر بیعت کے بعد آپ نے تمام رسومات کا خاتمہ کیا-

سندھ میں ایک زمانہ میں کانگرس کا بہت زور شور تھا اور آپ کے اکثر احباب آپ کو کانگرس میں شرکت کی دعوت دیتے تھے مگر آپ فرماتے کہ ہم اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کے پیچھے ہیں- اس معاملے میں ہماری کوئی رائے نہیں ہے-

ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کسی شخص نے حج بدل کرانے کے لیے رقم ارسال کی اگرچہ آپ کے یہاں بہت سے حضرات موجود رہتے مگر آپ نے حج بدل کے لیے آپ ہی کو منتخب فرمایا چنانچہ آپ نے حضرت تھانوی کے حکم پر عمل فرمایا-

۱۳۸۶ھ میں آپ نے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا- اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی- (بزم اشرف کے چراغ)

عارفِ کامل شیخ العصر

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری کا سلسلہ نسب مشہور افغان قبیلہ یوسف زئی سے منسلک ہے آپ کے آباؤ اجداد شرافت و دیانت پاکیزگی عمل اور دینداری میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے آپ کے والد مولانا گل اپنے وقت کے مشہور طبیب' ایک سنجیدہ عالم دین متورع متقی اور عبادت گزار انسان تھے۔

آپ کی پیدائش ۲۷/ اگست ۱۸۸۲ء کو ضلع کیمبل پور میں ہوئی۔ آبائی وطن کیمبل پور ہونے کی وجہ سے نسبت کیمبلپوری ہونی چاہیے تھی مگر یہ نسبت آپ کے نام سے مناسبت نہیں رکھتی تھی اس لیے کمال تقویٰ وعلم کی وجہ سے کامل پوری نسبت مشہور ہوئی۔ حضرت حکیم الامتؒ کی لطیفہ گوئی بذلہ سنجی اور لطافت طبع مشہور ہے۔ آپ کے بارے میں اسی سبب فرمایا کرتے تھے کہ ''کامل پوری نہیں کامل پورے ہیں'' بچپن ہی سے آپ میں خداترسی' رحمدلی' خوش خلقی' سنجیدگی اور عابدانہ زندگی کا اثر نمایاں تھا۔ تعلیم کا آپ کو بچپن سے شوق تھا۔ ماحول زراعت کا تھا مگر آپ نے اس طرف توجہ نہ کی۔ قرآن مجید کی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی مگر چونکہ گھر کے عیش و آرام کی وجہ سے بہبودی میں مزید تعلیم مشکل تھی۔ اس لیے آپ گاؤں سے دور کسی جگہ حصول تعلیم کے متمنی تھے چنانچہ فارسی عربی کی ابتدائی کتب کے لیے شمس آباد تشریف لے گئے۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتب مولانا فضل حق صاحب سے پڑھیں جو حاجی امداداللہ صاحبؒ کے شاگرد تھے اور پھر مکھڈ تشریف لے گئے جو اس وقت بہت بڑا علمی اور روحانی مرکز تھا قاضی عبدالرحمٰن صاحب

سے شرح جامی اور ملا حسن تک کتابیں پڑھیں۔ سرحد و پنجاب کے یکتا و مشہور اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ نے وہندوستان کا عزم کیا۔ ۱۹۱۲ء میں آپ نے مظاہر العلوم میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں مظاہر العلوم میں مولانا خلیلؒ احمدؒ مولانا عنایتؒ علیؒ مولانا عبدالوحیدؒ اور مولانا عبداللطیفؒ جیسے اکابر مدرسین موجود تھے۔ دورہ حدیث کی اکثر کتابیں آپ نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے پڑھیں۔ ۱۳۲۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ ہندوستان کے ایک علمی چشمہ سے سیرابی کے بعد بھی آپ کی علمی تشنگی دور نہیں ہوئی بلکہ علم کی پیاس بجھانے کے لیے آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دورہ حدیث پڑھوں۔ آپ نے اپنے استاد مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے دیوبند میں حدیث پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اس شرط پر اجازت دی کہ فراغت کے بعد تدریس مظاہر العلوم میں کرنی ہوگی۔ دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کی کتابوں میں داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی تدریسی زندگی کا یہ آخری سال تھا۔

آپ نے حضرت شیخ الہندؒ مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد احمد صاحب رحمہم اللہ اجمعین سے کتب احادیث پڑھیں۔ مظاہر العلوم کی طرح دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

سفرِ حج:

قیام مظاہر العلوم کے دوران ۱۹۳۶ء میں آپ نے حج ادا کیا۔ آپ کے ایک خصوصی شاگرد اور متوسل جناب مولانا محمود داؤد یوسف صاحب آپ کے رفیق سفر اور خادم خاص تھے۔

مرشد اول کا انتخاب:

آپ کو اپنی روحانی تسکین کے لیے دور جانے کی ضرورت نہ پڑی۔ طالب علمی کے آخری دور میں آپ نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا جو صرف عالم ہی نہ تھے بلکہ شیخ طریقت اور آسمانِ روحانیت کے ماہتاب

ستارے تھے۔ آپ نے پہلے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت کی تھی۔

مرشد ثانی:

ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات اقدس مرجع خاص و عام تھی چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حکیم الامتؒ سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پر لیا وہ اہل نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ بھی کسی ایسے ہی جامع شیخ کی تلاش میں تھے۔ قلب و نظر نے حضرت تھانویؒ کی طرف ایسی جاذبیت اور کشش محسوس کی جو بعد میں رجوع پر منتج ہوئی۔ حضرت حکیم الامتؒ کی طرف رجوع کرنے کے بعد آپ نے اصلاح و تزکیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تخلیہ اور تحلیہ کی طرف توجہ فرمائی۔

آپ نے ۳۰ جمادی الآخری ۱۳۴۷ھ کو حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پہلا مکتوب ان الفاظ میں تحریر کیا ''احقر کا ارادہ حضرت اقدس کے سلسلہ میں داخل ہو کر ذکر و اذکار کرنے کا حسب تجویز اقدس ہے لہٰذا گذارش ہے کہ بندہ کے مناسب حال جو حضرت تجویز فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اہتمام کے ساتھ عمل کروں گا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے اس تعلق کو منظور فرمایا اور آپ کے علمی مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمال تواضع سے تحریر فرمایا۔ ''گو میں حضرات اہل کمال کی خدمت کی اہلیت نہیں رکھتا لیکن تاہم خدمت سے عذر نہیں''۔

تھانہ بھون میں پہلی حاضری:

حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد سب سے پہلے جب آپ نے تھانہ بھون حاضر ہونے کی درخواست کی تو حضرت حکیم الامتؒ نے اجازت دیتے ہوئے یہ مصرعہ جواب میں تحریر فرمایا:

کرم نماو فرود آ کہ خانہ خانہ تست

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کو آپ سے کیسا انس و تعلق تھا۔ آپ کا حضرت مولانا سے تعلق عجیب تھا جب آپ نے سلسلہ میں داخل ہونے کی درخواست کی

اور اصلاح و تربیت کا آغاز ہوا تو آپ کو نہ کسی دوسرے خلیفہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا اور نہ تعداد مکاتیب کی قید رکھی اور آپ نے بھی اس راہ میں اپنی دانائی و فراست کا وہ ثبوت دیا کہ حکیم الامتؒ کی نگاہوں میں خاص مقام پا گئے اور آپ کی تربیت باطنی کی مراسلت بطور معیار نمونہ مکاتیب عبادۃ الرحمٰن کے زیر عنوان اشرف السوانح کا جزو خود حضرت حکیم الامتؒ کے ایماء سے بنا دی گئی۔ آپ کی اس باضابطہ تربیت اور کمال عقیدت اور کمال عبدیت و فنا کا نتیجہ تھا کہ ابھی تربیتی تعلق کے دو سال بھی پورے نہ ہونے پائے تھے اور ابھی اصلاحی مکاتیب کا سلسلہ جاری تھا کہ خلافت اور پھر بیعت سے نوازے گئے۔

تبدیلی احوال:

حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق کے بعد آپ کی طبیعت یکسر تبدیل ہوگئی۔ لیل و نہار کے نظام الاوقات میں انقلاب آ گیا۔ معمولات میں فرق محسوس ہونے لگا۔ پہلے زیادہ تر وقت مطالعہ کتب میں خرچ ہوتا اب ذکر اللہ اور تدبر و تفکر میں بیشتر وقت صرف ہوتا۔ اگرچہ ان کی پوری زندگی دین داری اور پرہیزگاری میں گزری تھی لیکن بادہ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد آپ کی دین داری میں تقویٰ و تورع کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہو گیا۔ ذکر جلی و خفی کا دور دورہ زیادہ ہونے لگا۔ طبیعت میں خاموشی پہلے سے تھی مگر اب سراپا سکوت بن گئے۔ خلوت و نسبت جلوت پہلے کی نسبت اب زیادہ محبوب ہوگئی۔

آپ نے جس رفتار اور جس ترتیب و اخلاص سے سلوک کے منازل طے کیے اور جس قدر مسرت سے مراتب عالیہ پر فائز ہوئے تاریخ تصوف و سلوک میں اس کی مثال کم ملے گی، حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

''مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ نے بہت اچھی طرح باقاعدگی سے سلوک کی منازل کو طے کیا ہے''۔

آپ نے جو گراں قدر مکاتیب حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں لکھے وہ اپنے سوالات

ومندرجات کے اعتبار سے اس قدر رفیع تھے کہ خود حضرت حکیم الامتؒ نے ان کے جوابات کو مشکل فرمایا۔ مولانا ظہور الحسن فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے ایک بار فرمایا:

''مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کے مکاتیب محفوظ کر لیے جائیں کیونکہ انہوں نے مجھ سے ایسے سوالات کیے ہیں کہ ان کے جوابات میرے قلب پر من جانب اللہ القاء ہوئے''

اس متاع گراں مایہ کی قدر دانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشرف السوانح میں حضرت حکیم الامتؒ کے مکاتیب اصلاحیہ کا نمونہ جزو سوانح بنانے کا موقع آیا تو خواجہ صاحب نے حضرت حکیم الامتؒ کے ایماء سے آپ کے مکاتیب کو من وعن شامل کیا۔

خلافت سے سرفرازی:

بیعت کے بعد خلافت مل جانا کوئی بڑی بات نہیں اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے مگر بیعت سے قبل خلافت سے سرفراز ہونا واقعی کمال عبدیت اور راہ معرفت سے واقفیت کی دلیل اور طریقت و جوگ میں ایک نادر مثال ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں صرف آپ کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو بیعت سے قبل ہی خلافت سے نوازا گیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کی جانب سے مندرجہ ذیل خط تحریر کیا گیا ہے:

''مشفقی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم۔ بے ساختہ قلب پر وارد ہوا جو کہ آپ کو مع دوسرے بعض احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت دوں پس تو کلاً علی اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کے لیے آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ اگر کوئی طالب حق آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول فرمالیں اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا ہے میں بھی دعا کرتا ہوں اور اپنے اس علم کو ظاہر بھی فرما دیجئے۔ بنظر احتیاط بیرنگ لفافہ بھیجتا ہوں''۔ والسلام بندہ اشرف علی از تھانہ بھون۔

حضرت حکیم الامتؒ کو جو اعتماد حضرت مولانا صاحب پر تھا اس کا انداز یوں لگایا جا سکتا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ''مولانا کامل پوری نہیں کامل پورے ہیں''۔

شیخ سے عشق:

آپ کو اپنے شیخ سے انتہائی محبت تھی مگر عشق و محبت کے ساتھ ہوش اور حزم و احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ مولانا محمود یوسف صاحب تحریر فرماتے ہیں "جب حکیم الامتؒ کا انتقال ہو گیا تو تھانہ بھون حاضر ہونے کے لیے سہارن پور پہنچا۔ حضرت استاذ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مجھے اچھی طرح اس بات کا احساس تھا کہ حضرت استاذ کی طبیعت پر کافی اثر ہے۔ تھانہ بھون سے واپسی پر حضرت قدس سرہ کی ایک کرامت جس کو بعض حاضرین نے عین وفات کے وقت مشاہدہ کیا تھا بطور تذکرہ حضرت استاذ کے سامنے بیان کیا تو فرمانے لگے کہ شیخ اس کا چرچا مت کرو ہم لوگ تو حضرت اقدس کے بارے میں اس سے بھی زیادہ عقیدت مند ہیں مگر خواہ مخواہ نکتہ چین لوگ اس پر تبصرہ کریں گے جس کو سن کر کوفت ہوگی۔

تقسیم کے بعد قیام پاکستان:

۱۹۴۷ء میں آپ بہودی تشریف لائے اور وہاں سے مدرسہ خیر المدارس ملتان تشریف لے گئے جہاں تین سال قیام کے دوران ۱۰۸ طلباء آپ سے علوم حدیث کی سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کی طرف سے شیخ الفقہ کے عہدہ پر آپ کو دعوت دی گئی مگر آپ نے وہاں جانا منظور نہیں فرمایا' شوال ۱۳۶۹ھ سے شعبان ۱۳۷۲ھ تک دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں تین سال قیام فرمایا۔ بعد میں وطن واپس تشریف لے گئے۔

۳۱' دسمبر ۱۹۶۵ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو تجلیات رحمانی' سعید الرحمٰنؒ' راولپنڈی)

مصلح الامت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے شیخ طریقت اور سالکین کی اصلاح و تربیت میں اپنے مرشد حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا ثانیٔ تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد ان کی ذات طالبین کا مرجع بن گئی تھی۔ ان سے ایک مخلوق فیضیاب ہوئی۔ ان کی اصلاح و تربیت سے ہزاروں بگڑی ہوئی زندگیاں سنور گئیں، گم کردہ راہوں کو راہ راست اور تاریک دلوں کو ایمان کی روشنی ملی، ادھر چند برسوں سے جب مولانا نے اپنے وطن فتح پور تال نرجا کا گوشۂ عافیت چھوڑ کر الٰہ آباد کا قیام اختیار فرمایا۔ آپ کا فیض پورے ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا رجوع خاص طور سے بہت بڑھ گیا تھا اور اس کو خصوصیت سے زیادہ فائدہ پہنچا۔[1]

آپ کی ولادت ۱۳۱۰ھ میں فتح پور تال نرجا ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔ بنسی تعلق اودے بنسی راجپوتوں سے ہے۔ اعظم گڑھ کا علاقہ قدیم زمانے سے اجودھیا کے سورج بنسی راجپوتوں کی حدود ملکیت میں شامل تھا۔ اسی بنا پر اسلامی حملہ کے وقت اکثر راجپوت، راجپوتانہ وغیرہ سے بھاگ کر اعظم گڑھ، فیض آباد وغیرہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس نواح میں ان کی بستیاں آج بھی موجود ہیں۔ شجرۂ نسب یہ ہے۔

مصلح الامت مولانا وصی اللہ بن یعقوب خاں بن فضل علی خاں بن حسن علی

---

[1] ماہنامہ معارف نمبر۲ ص ۴۰۲

خاں بن رحم دین خان بن شہادت خاں بن فاضل خان بن مصاحب خان بن پہاڑ خان بن سیف خان بن فیروز خان بن......خان بن ملک فتح بن ملک مبارک بن ملک اودھرن بن ملک دیندار (کنور سنگھ) بن آری سنگھ بن بحر سنگھ بن دولہ سنگھ۔

آری سنگھ کے چار لڑکے تھے جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ سرجو سنگھ، گنج سنگھ، کنور سنگھ، گنگا سنگھ، کنور سنگھ ۸۳۴ھ میں راج بھیروں کے مقابلے میں ابراہیم شاہ شرقی کے دربار میں مدد لینے گئے تھے کہ طالع بیدار نے رہنمائی کی اور یہ وہیں شعبان ۸۳۴ھ میں جون پور سے ایمان واسلام کی قوت سے مسلح ہو کر واپس آئے۔[1]

آپ نے قرآن مجید اپنے ہی گاؤں میں حافظ ولی محمد صاحبؒ کے پاس حفظ کیا۔[2] حافظ ولی محمد صاحبؒ بڑے پاکباز اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے۔ ادھر حضرت فتح پوری مادرزاد ولی تھے استاذ وتلمیذ کی طبعی مناسبت نے اپنا اثر دکھایا اور مولانا بہت جلد حافظ قرآن ہونے کے ساتھ صلاح وتقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ ہو گئے۔ حضرت فتح پوریؒ کے ایک ہم وطن عالم مولانا محمد عثمان صاحب تلمیذ حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ اس وقت کانپور میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے۔ مولانا جب حفظ قرآن سے فارغ ہو گئے تو انہیں کے ہمراہ عربی کی تحصیل کے لیے کانپور چلے گئے۔ اور مولانا عثمان صاحبؒ کی قائم کردہ درس گاہ مدرسہ اشرف العلوم میں داخل ہو کر مولانا محمد عثمان اور مولانا عبدالستار صاحب سے نحو وصرف وغیرہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد اپنے اساتذہ کے مشورے سے ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور قدوری وکافیہ وغیرہ کی جماعت میں پڑھنے لگے، آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم

---

[1] تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۲۳

[2] مشاہیر علماء دیوبند جلد اول ص ٦٦٠

دارالعلوم دیوبند جیسے آفتاب و ماہتاب تھے[1]

آپ نے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی- آپ کے اساتذہ میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، حضرت میاں سید اصغر حسینؒ محدث دارالعلوم دیوبند اور حضرت شیخ الادب و الفقہ علامہ اعزاز علیؒ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہیں-[2]

طالب علمی کا زمانہ عموماً آزادی اور غفلت شعاری کا ہوا کرتا ہے- لیکن حضرت فتح پوری کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا- بچپن ہی سے رشد و صلاح ایثار و قربانی اور خدمت خلق جیسے اخلاق حسنہ کے آثار نمایاں تھے- حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

آج سے چھپن سال پہلے ۱۳۳۱ھ میں جب احقر نے دارالعلوم دیوبند میں کافیہ قدوری وغیرہ اسباق میں داخلہ لیا تو اعظم گڑھ کے رہنے والے ایک ذہین و فطین مگر سیدھے سادے طالب علم سے ہم سبق ہونے کی حیثیت سے تعلق قائم ہوا اور دارالعلوم کے بہت سے اسباق میں ان کے ساتھ شرکت رہی مگر دوران تعلیم ہی میں ان کو اصلاح اعمال کی فکر اور ذوق عبادت حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا طالب علمانہ شوخیاں ان کے پاس سے ہو کر نہیں گزریں- اجتماعات سے الگ تھلگ رہنے کے عادی تھے-[3]

مولانا نے دارالعلوم دیوبند میں تقریباً چھ سال گزارے اس دوران میں آپ ہمیشہ عزلت نشین رہے طلبہ سے اختلاط بالکل پسند نہیں کرتے تھے- بلکہ ہمیشہ حجرہ میں تنہا رہنے کی کوشش کرتے تھے- چنانچہ اسی ذوق کی تسکین کے لیے دارالعلوم کے حجروں میں

---

۱ تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۲۳-۳۲۴

۲ ماہنامہ الحق ص ۵۶ ماہ اگست ۱۹۷۹ء

۳ ماہنامہ البلاغ کراچی ماہ شوال ۱۳۸۷ھ

رہنے کے بجائے ریلوے اسٹیشن کی مسجد کے کمرہ میں رہتے تھے۔

دعوت وغیرہ کے کھانے سے بھی اس زمانے میں بہت اجتناب کرتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی طلبائے دارالعلوم کی دعوت ہوتی اور مطبخ بند ہو جاتا تو اس وقت بھی مولانا دعوت میں نہ جاتے اور اس دن فاقہ ہی سے رہتے۔ حضرت مہتمم صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس وقت سے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جس دن مدرسہ کی دعوت ہوا کرے اس روز آپ کھانا ہمارے یہاں کھالیا کریں۔

مولانا کے عہد تحصیل و تعلیم کے مجاہدات اور ایثار و قربانی کے واقعات اتنے حیرت انگیز ہیں کہ اس زمانے میں ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے یہ سادہ و رنگین داستان اگرچہ اپنے اندر بے شمار فوائد سمیٹے ہوئے ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے مولانا کی اقبال مندی اور سعادت بخشی کا پتہ چلتا ہے۔

مولانا بشیر احمد صاحب غالب پوری جب دیوبند تشریف لے گئے تو چونکہ شرح جامی کے معیار کی تعلیم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے مدرسہ میں داخلہ نہ ہو سکا' اتفاقاً گھر واپس ہونے کے لیے کرایہ بھی نہیں تھا۔ اس لیے بڑی الجھن میں پھنس گئے۔ اعظم گڑھ کے دوسرے طلبہ کی زبانی مولانا بشیر احمد صاحب کی پریشان حالی کی اطلاع ہوئی تو انہیں اپنے حجرہ میں بلایا اور تسکین اور حوصلہ افزائی کے بعد فرمایا کہ کھانے کی طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میرا دوپہر کا پورا کھانا اور شام کا آدھا آپ کو مل جایا کرے گا۔ آپ ایک سال کے اندر اپنی علمی کمزوری کو دور کریں۔ چنانچہ حسب وعدہ مکمل ایک سال تک آپ نے ایک وقت کے نصف کھانے پر اکتفا کر کے دوسرے کی مدد کی' ایثار و قربانی کے اس سے اہم اور بڑے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن جس دور میں مولانا نے یہ قربانی پیش کی ہے۔ شاید اس عہد کی قربانیوں میں اس کی مثال نہیں دی جا سکے گی۔[1]

دارالعلوم دیوبند سے فراغت تعلیم کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے

---

[1] تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۲۴

آستانہ پر تھانہ بھون پہنچ گئے۔ مولانا فتح پوریؒ کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں دوران تعلیم ہی میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری اور تربیت باطنی کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد پورے طور سے خانقاہ تھانہ بھون کے ہو رہے۔ ان کی قابلیت کو حق تعالیٰ نے حکیم الامتؒ کی تربیت سے چار چاند لگا دیئے اور بہت جلد ظاہری تعلیم کی طرح باطنی تربیت میں بھی تکمیل کر کے حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز ہو گئے۔[1]

آپ کا شمار حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ممتاز خلفاء میں ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی آپ پر خاص عنایات تھیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

۱۳۴۶ھ کی پہلی حاضری تھانہ بھون میں روزانہ مجلس خاص و عام میں شرکت ہوتی تھی۔ ایک روز مجلس میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے مولانا وصی اللہ صاحبؒ کا تذکرہ ایک خاص محبت وعنایت اور تحسین کے انداز میں فرمایا اور مجھ سے دریافت کیا کہ آپ ان کو جانتے ہیں۔ تھانہ بھون کے اس قیام نے میرے قلب میں اپنے ہم سبق (شاہ وصی اللہ) کی سبقت کو قابل رشک اور اپنی تاخیر کو قابل حسرت وافسوس بنا دیا تھا۔ اس سوال پر بے ساختہ حضرت قدس سرہ کے سامنے یہ شعر نکل گیا۔

ماو مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق　　　او بصحرا رفت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم

اس پر حضرت قدس سرہ نے ایک خاص لطف کے انداز میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ "ہاں یہاں یہی دستور ہے کہ کسی کو صحرا دیا جاتا ہے۔ کسی کو سہرا دیا جاتا ہے۔" ہر ایک کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس پر راضی رہنا چاہیے: بات آئی گئی ہوگئی لیکن اپنے اس صحرا نورد ہم سبق دوست کے کمالات کی عظمت ہمیشہ دل میں رہی۔ اس وقت بھی میں یہ سمجھا کرتا تھا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں ایک خاصی تعداد ایسے حضرات کی ہے جو

---

[1] تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۲۶

اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہیں مگر ان کی روشنی اس آفتاب عالم تاب کے سامنے ظاہر نہیں ہوتی- ان میں خصوصیت سے شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ پر نظر جاتی تھی اور حضرت قدس سرہ کی وفات کے بعد ان آنکھوں نے اس کا مشاہدہ کر لیا کہ ان دونوں بزرگوں کی مجلس ایک کیمیا تاثیر رکھتی تھی-[1]

آپ کا طرز اصلاح و تہذیب نفس ہو بہو حضرت تھانویؒ کی طرح تھا- بڑے بڑے ذی علم اور صاحب جاہ و ثروت حضرات کی اصلاح آپ کے ذریعہ سے ہوئی- اور ہزاروں بندگانِ خدا کو روحانی فیض پہنچا-[2]

آپ کے پاکیزہ حالات کی بنا پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے خواجہ عزیز الحسن مجذوب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ انہیں دیکھ لو ان کا ایک زمانہ آنے والا ہے-[3]

تھانہ بھون کے قیام کے دوران تلقین و تذکیر کے ساتھ خانقاہ کے مدرسہ میں درس بھی دیتے تھے- تربیت میں تکمیل کے بعد حضرت تھانویؒ کی اجازت سے کانپور میں کچھ دنوں تک تدریسی خدمت انجام دی- پھر یہاں سے علیحدہ ہو کر ۱۳۴۲ھ کے حدود میں احیاء العلوم مبارک پور میں مدرس دوم ہو کر چلے آئے اس وقت احیاء العلوم میں ضلع اعظم گڑھ ہی کے ایک دوسرے عالم مولانا محمد صدیق تلمیذ حضرت مولانا ماجد علی مانویؒ صدارت تدریس پر فائز تھے- حضرت فتح پوریؒ اور مولانا محمد صدیق صاحبؒ کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے- مولانا بارہا اسی رفاقت کے تعلق سے مولانا محمد صدیق کے ہمراہ ان کے دولت خانہ پر بھی تشریف لائے تھے' احیاء العلوم سے بھی چند سال کے بعد علیحدہ ہو گئے یہ دور مولانا کے تحیر اور توحش کا تھا- کہیں سکون نہیں ملتا تھا- کبھی تھانہ بھون رہتے تو کبھی کانپور میں کبھی حضرت مولانا شاہ عبدالغنیؒ پھول پوری کی صحبت میں رہتے تو کبھی

---

[1] بزم اشرف کے چراغ ص ۵۸'۵۹

[2] تاریخ دار العلوم دیو بند ص ۷۳ از قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ

[3] تذکرہ علماء اعظم گڑھ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن بکھراوی کی خدمت میں لیکن اس عالم میں بھی علمی مشغلہ قائم رہتا چنانچہ جس زمانہ میں آپ حضرت پھولپوری کی خدمت میں رہتے تھے تو اپنے روحانی مشاغل کے ساتھ باقاعدہ طلبہ کو درس بھی دیتے تھے- چنانچہ مولانا محمد سعید صاحب ہمئی پوری سابق ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر نے اسی عہد میں حضرت فتح پوریؒ سے شرح جامی کی بحث اسم کو پڑھا تھا- اس وقت کے حضرت فتح پوریؒ کے بہت سے شاگرد اس دیار میں اب تک موجود ہیں- اوران کی ذہانت اور علمی استحضار کی تعریف میں رطب اللسان ہیں-

تقریباً دس برس کے بعد مولانا کی یہ کیفیت دور ہوئی تو ۱۳۵۱ھ میں اپنے وطن فتح پور میں مستقل طور سے اقامت گزیں ہوئے اور تجرد وتفرد کے بجائے ۱۳۴۳ھ میں سنت طریقہ پر نکاح کیا-[1] اور ازدواجی سرگرمیوں کے ساتھ علمی و روحانی مشاغل میں منہمک ہو گئے- فتح پور تال نرجا ایک معمولی گاؤں ہونے کے علاوہ سڑک اور اسٹیشن سے بھی دور ہے- جہاں شہر اور قصبات کی سہولتیں یکسر ناپید ہیں- مولانا نے اسی وادی غیر ذی زرع میں ایمان واخلاص اور علم وعمل کی تخم ریزی کا کام شروع کر دیا- آپ کے اخلاص و للّٰہیت کی برکت سے تھوڑے ہی ایام میں اس قدر لوگوں کا رجوع ہوا کہ اطراف وجوانب کے علاوہ ملک کے دور دراز مقامات سے بھی ارادت مندوں کی آمد شروع ہوگئی اور فتحپور کی یہ نئی خانقاہ جہاں پہنچنے کے لیے وقت کی جملہ سہولتیں یکسر معدوم تھیں مگر رشد وہدایت کے پروانے ہر طرح کی کلفتیں برداشت کرتے ہوئے یہاں جمع ہونے لگے اور یہ سنسان دیہات اللہ اور لا الہ الا اللہ کی تسبیحات سے گونجنے لگا- دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اوسطاً پچیس تیس افراد روزانہ خانقاہ میں رہتے تھے-

مولانا فتح پوریؒ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر تزکیہ نفوس، تطہیر قلوب کے ساتھ طالبان علم کو درس بھی دیتے تھے چنانچہ ایک اچھی خاصی تعداد اس رخ سے بھی مستفید ہوئی

---

[1] تذکرہ مشاہیر علماء دیوبند جلد اول ص ۶۶۰

جن میں مولانا قمر الزماں داماد حضرت فتح پوریؒ - مولانا محمد حنیفؒ جونپوری' مولانا محمد عمار گھوسویؒ وغیرہ نے ابتداء سے دورۂ حدیث تک فتح پور میں ہی پڑھا۔[1]

حضرت فتح پوریؒ کا چشمہ فیض پوری توانائیوں سے جاری تھا اور خلق خدا ہر طرح سے مستفید ہو رہی تھی کہ ایک جزوی مسئلہ میں گاؤں کے باشندوں میں باہم اختلاف رونما ہو گیا جس نے آگے چل کر ایسی سنگین صورت حال اختیار کر لی کہ مولانا کو علم و معرفت کی اس بساط کو یہاں سے لپیٹنا پڑ گیا- اس کی تفصیل یہ ہے کہ فتح پور کے مولوی ظہیر الدین صاحبؒ جو اس وقت مدرسہ اشرف العلوم کانپور میں حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ فتح پوری کے پاس زیر درس تھے- شرح وقایہ میں جب باب الجمعہ تک پہنچے اور اس میں دیہات میں جمعہ کے عدم جواز کا مسئلہ پڑھا تو مولانا محمد عثمان صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ ہمارا گاؤں بھی تو دیہات ہی ہے- لہٰذا وہاں جمعہ نہیں پڑھنا چاہیے- مولانا محمد عثمان صاحب نے سمجھایا کہ ایک زمانہ سے یہاں جمعہ ہوتا آیا ہے- اور جہالت بھی عام ہے- اس لیے اس مسئلے میں تشدد مناسب نہیں' لوگوں میں جب دینی شعور پیدا ہو جائے گا اس وقت مناسب طریقے سے انہیں سمجھا دیا جائے گا-

وقت کی اس مصلحت کو مولانا ظہیر الدین سمجھ نہ سکے اور گاؤں میں آ کر جمعہ کے عدم جواز کا اعلان کر دیا- گاؤں کے لوگوں نے مولانا محمد عثمان مرحوم سے اس سلسلے میں استفسار کیا- مولانا نے مسئلہ کی نوعیت کو واضح کر دیا- اور اس وقت سے خود بھی وہاں جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا جس پر مخالفت شروع ہو گئی- اور اس جزئی مسئلہ نے آگے چل کر دیوبندیت اور بریلویت کے اختلاف کو کھڑا کر دیا- اور گاؤں کا ایک طبقہ کھل کر حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا- اور مخالفت کا جنون ایسا سوار ہوا کہ مولانا وصی اللہ صاحبؒ کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں- جس کے ظاہر ہونے پر حضرت مولانا سے تعلق رکھنے والے برافروختہ ہو گئے اور مولانا کے روکنے کے باوجود مخالفین سے

---

[1] تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۲۶-۳۲۷

برسرپیکار ہو گئے جس کے نتیجہ میں ایک قتل بھی ہو گیا- اور آپس میں مقدمہ بازی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا-- جس کی لپیٹ میں حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کو بھی کھینچ لیا گیا مگر مولانا کا قلب اب بھی دونوں فریق کے لیے کھلا ہوا تھا اور برابر آپس میں صلح و آشتی کی دعوت دیتے رہے مگر حضرت کی اس دعوت کو نہ غیروں نے سنا اور نہ اپنوں نے بالآخر حضرت مولانا نے فتح پور سے ترک سکونت کا فیصلہ کر لیا اور اہل و عیال کو لے کر مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) جانے کی تیاری کر لی جب حضرت کے ہجرت پاکستان کی اطلاع ان کے مرید خاص مولوی حاجی نثار اللہ گورکھپوریؒ کو ہوئی تو انہوں نے پاکستان کے بجائے گورکھپور آنے کی دعوت دی چنانچہ ان کے اصرار پر ۲ رمضان ۱۳۷۵ھ کو فتحپور سے گورکھپور منتقل ہو گئے-[1]

حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی مجلس کے ایک حاضر باش اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے مرید جناب حکیم وصی احمد علیگ گورکھپوری بھی تھے- ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اپنے شیخ اور مرشد حضرت مدنیؒ سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی مجلس میں حاضری کی اجازت لے لوں- چنانچہ حضرت مدنی کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا تو اس کا جواب حضرت مدنی کے دست مبارک سے تحریر کردہ موصول ہوا جس میں حضرت مدنیؒ نے تحریر فرمایا: کہ

''حضرت مولانا وصی اللہ صاحب ہمارے اکابر کی یادگار ہیں- ان کے گاؤں کے لوگوں نے انہیں اذیت پہنچائی جس سے غمزدہ ہو کر وہ تمہارے شہر میں آ گئے تم ان کا پورا پورا خیال رکھو تمہاری ہی نہیں میری بھی لاج کا سوال ہے اس لیے کہ تم سے میری نسبت ہے''-

یہ خط جب حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ گرامی نامہ پڑھتے ہی آبدیدہ ہو گئے اور خط کو سر پر رکھ لیا- اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے-

---

[1] تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۲۷-۳۲۸

آنکھوں سے آنسو جاری تھے- خط کو کبھی دل سے لگاتے تو کبھی سر پر رکھتے اور فرماتے جاتے: ''آج تو لا دیا آپ نے احسان سے'' اس خط کا ذکر حضرت نے اپنی مجلس میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ کئی بار فرمایا-

اکثر فرماتے تھے کہ یہ لوگ حضرت مدنی کے آدمی ہیں ان کو اپنوں سے زیادہ قابل اعتماد سمجھتا ہوں' یہ وقت پر کام آنے والے لوگ ہیں- ان کو پہچانو' ان میں اخلاص کی بو آتی ہے- غرض حضرت کی شفقت حکیم صاحب اور حضرت مدنی کے جملہ خدام پر بہت زیادہ رہا کرتی تھی- حضرت جملہ مریدین کو اپنے قریب بٹھاتے اور توجہ فرماتے- اس طور پر ایک سال تک مولوی نثار اللہ صاحب کے مکان پر حضرت نے مجلس فرمائی اور وہیں قیام بھی کیا- اس دوران میں کچھ بے وقوفوں نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے خلاف پمفلٹ بازی اور اشتہار بازی شروع کر دی مگر حضرت کے علم میں یہ بات نہیں تھی؛ لوگوں نے اس بات کو آپ سے چھپایا- مولوی نثار اللہ صاحب محبت میں فرمایا کرتے تھے کہ ''مکان میرا ہے کسی سے کیا مطلب'' مگر اندر ہی اندر بات بڑھتی رہی اور آخر ایک دن آپ کی لڑکیوں نے خود اپنے کانوں سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ ''اگر اب بھی مکان نہ خالی کریں گے تو لولو' اور تالی بجا کر مکان خالی کرایا جائے گا''- ظاہر بات ہے یہ آپ اور آپ کے عیال کے لیے انتہائی تکلیف دہ بات تھی- چنانچہ صاحبزادیوں نے رونا شروع کر دیا اس شور پر حضرت کو تمام حالات کا علم ہوا فوراً حضرت تنہا حکیم وصی احمد صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے- حکیم صاحب آرام فرما رہے تھے- نماز عصر کا وقت قریب تھا حضرت مسجد میں تشریف لے گئے- نماز کے بعد تمام لوگ تسبیح کے اندر مشغول تھے کہ ایک چیخ کی آواز بلند ہوئی- ساتھ ہی حضرت کے یہ الفاظ کانوں سے ٹکرائے- ''حکیم وصی احمد صاحب میں مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) جا رہا تھا مگر لوگ یہاں لے آئے اور اب ذلیل کر کے اپنے مکان سے نکال رہے ہیں- کیا مجھے کہیں ٹھہرنے کی جگہ دو گے''-

یہ سن کر حکیم صاحب آبدیدہ ہو گئے- اور عرض کیا کہ ''حضرت یہ مکان تو آپ ہی کا ہے اگر دل سے کہتا ہوں تو اللہ والوں پر دل کی بات منکشف ہوتی ہے- آپ قبول

فرمائیں یہ مکان حاضر ہے- آپ کو مکان کی کیا کمی ہے- اس مکان میں آپ رہیں تو ہماری سات پشت فخر کریں گی''-

حضرت مولانا فتح پوریؒ نے یہ سن کر حکیم صاحب کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا بے شک یہ مکان میرا ہے- اس کے بعد حضرت کو مکان دکھانا شروع کیا تو گھر میں لگی ہوئی پانی کی ٹونٹی کی طرف آپ نے اشارہ کر کے فرمایا یہ کیا ہے- حکیم صاحب نے عرض کیا ''حضرت! یہ واٹر ورکس کی ٹونٹی ہے- آپ نے اسے ہاتھ سے کھولا پانی گرنے لگا- پھر بند کر دیا- اس کے بعد فرمایا- آج ہی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مکان میں داخل ہوا ہوں جس میں ٹونٹی لگی ہوئی ہے- میں نے اسے کھولا پانی گرنے لگا پھر میں نے اسے بند کر دیا- اس خواب کو بیان کرنے کے بعد فرمایا- یہاں مجھے سکون ملے گا- یہ میرا ہی مکان ہے- اب کوئی مجھے یہاں سے نکال کر دیکھے تو جانوں' پھر حکیم صاحب کو حکم دیا کہ جاؤ اپنی بہنوں کو اور سارا سامان یہاں لے آؤ- یہ سن کر حکیم صاحب اور کچھ دوسرے لوگ دوڑ پڑے اور سارا سامان مکان پر پہنچا دیا- نیز خانقاہ کے تمام متعلقین اور احباب بھی ساتھ آ گئے- یہاں آ کر حضرت کی کچھ زندہ کرامتیں دیکھنے میں آئیں-

حکیم صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت کامل ایک سال تک بجلی کے پنکھے کے نیچے رات دن رہے اب اس غریب گھر میں بجلی کہاں' از حد پریشان ہوئے- معاً ذہن میں آیا کہ حضرت نے فرمایا ہے یہ میرا مکان ہے لہٰذا پریشانی کی ضرورت نہیں- یہ کہتے ہوئے مطب میں آئے تو بجلی کے ایک آفیسر پر نگاہ پڑی جو مطب میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ ان کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ گھبرایئے نہیں ابھی بجلی لگتی ہے- غرض یہ کہ ادھر مؤذن نے اللہ اکبر کی ندا دی ادھر بجلی کا پنکھا گھومنے لگا- حضرت خوش ہو گئے اور فرمایا بھائی یہ بھی ایک ضرورت تھی- جو پوری ہو گئی- اللہ تعالیٰ کسی کی ضرورت کو نہیں روکتے-

نماز کے بعد دوسری عجیب وغریب کرامت دیکھنے میں آئی جس سے حضرت کا مقام تو سمجھنا مشکل ہے البتہ مومن کی شان سمجھنا آسان ہے- ہوا یہ کہ مولوی نثار اللہ

صاحب یہ کہتے ہوئے اپنے گھر سے چلے کہ حضرت خفا ہو کر چلے گئے ہیں- وہاں بجلی نہیں ہے- تکلیف ہوگی- ابھی لاتا ہوں' غرض جیسے ہی سامنے آئے حضرت شیر کی طرح جھپٹے اور فرمایا مولوی نثار اللہ صاحب جب آپ فتح پور تشریف لاتے تھے تو اکثر کہتے تھے کہ کوئی کرامت نہیں دیکھی- کہئے تو اب دکھلاؤں پھر معاً فرمایا جائیے میں نے معاف کر دیا- اور دل سے معاف کر دیا- اور آپ کے واسطے دعا بھی کروں گا- و الکاظمین الغیظ و الْعافین عَنِ الناس - پھر حکیم صاحب کو حکم دیا کہ بھائی ان کو کچھ کھلاؤ- چنانچہ حضرت کے لیے جو ناشتہ تیار تھا حاضر کیا حضرت نے اپنے ہاتھ سے کھلایا پھر فرمایا مولوی نثار صاحب مجھے اپنے قیام کے سلسلے میں انتخاب کی غلطی ہوئی تھی- اس کا خمیازہ بھگتنا تھا اللہ اب مجھے دوبارہ وہاں چلنے پر مجبور نہ کیجئے گا- اس کے بعد مسلسل ایک سال سے کچھ زیادہ ہی حکیم صاحب کے مکان پر قیام رہا- جب درد گردہ کا شدید دورہ پڑا تو بغرض علاج الہ آباد تشریف لے گئے- وہاں علاج سے فائدہ ہوا-- اس لیے مستقل قیام کا ارادہ فرما کر بچوں کو بلا لیا یہ واقعہ غالباً ۱۹۵۸ء جاڑے کے موسم میں پیش آیا-[1] (انتہی)

۲' ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ کو حضرت فتح پوریؒ نے گورکھپور کی سکونت کو ترک کیا اور الہ آباد کو اپنا مسکن بنایا- الہ آباد میں محلہ روشن باغ میں اپنا ذاتی مکان بنا لیا تھا اور مع اہل و عیال کے مستقل طور سے وہیں رہنے لگے تھے- مکان سے متصل وصیۃ العلوم کے نام سے ایک درسگاہ بھی قائم فرمائی جس میں درس نظامی کی منتہی کتابوں تک کی تعلیم ہوتی تھی- اور دیگر اساتذہ کے ساتھ مولانا خود درس دیتے تھے چنانچہ مولانا محمد حنیفؒ جونپوری' مولانا عمار احمد گھوسویؒ' مولانا قمر الزماںؒ نے دورہ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا سے یہیں کی- مولانا کو کتابوں کے اکٹھا کرنے کا بہت شوق تھا- بالخصوص نادر و نایاب کتابیں تو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے لیے تیار رہتے- کتابوں کی جلد اور ان کی حفاظت پر خاص توجہ دیتے- کتابوں کے مطالعہ سے بھی بہت شغف تھا- مطالعہ میں شروح حدیث' تفسیر اور فقہ کی

---

[1] خلاصہ مکتوب حکیم وصی احمد علیگ گورکھپوری

کتابیں بیشتر رہتی تھیں- تفسیر روح المعانی' تفسیر ابن کثیر' بیضاوی' عینی' قسطلانی' شامی' البدائع' بحرالرائق' فتح القدیر تو آخر زندگی تک مطالعہ میں رہتی تھیں-

الہ آباد میں بھی فتح پور اور گورکھپور کی طرح ارادت مندوں کا خوب رجوع تھا- جن میں عوام کے علاوہ علماء کی معتد بہ تعداد تھی- مریدین کی اصلاح و تربیت میں آپ کا طریقہ بعینہ اپنے شیخ و مرشد حضرت تھانویؒ کے اصولوں پر تھا- خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کا خانقاہ وصی اللہ بالکل نقش ثانی تھا- وہی اصول و ضوابط جو وہاں تھے الہ آباد میں بھی انہیں پر عمل تھا- مولانا کثرت مریدین کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے- اور اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ آج کل تو لوگ کرتے دھرتے کچھ نہیں صرف بدن پر گرنا اور بھیڑ کرنا جانتے ہیں-

الہ آباد میں آپ کا قیام تقریباً دس سال رہا- اس مدت میں آپ کی ذات قدسی صفات سے امت کو بہت فائدہ ہوا- یہاں کی بہت سی بدعتیں ختم ہوگئیں- اور اس کی جگہ پر سنت نے رواج پکڑا- شرپسندوں نے یہاں بھی آپ کے خلاف چہ میگوئیاں شروع کر دیں- لیکن مولانا اپنے حال میں مست تھے ان کی جانب بالکل توجہ نہ فرمائی' سچ تو یہ ہے کہ مولانا جس حال میں رہتے تھے- اس میں ان خرافات کی جانب توجہ کی کوئی گنجائش بھی نہیں تھی- آپ کا حال اس آخری دور میں ایسا ہوگیا تھا کہ سوتے جاگتے ہر حال میں امت کی زبوں حالی کی فکر دامن گیر رہتی تھی- ایک اضطراب اور بے چینی کا عالم تھا جس میں شب و روز آپ مبتلا رہتے- جو بات بھی کرتے وہ امت کی اصلاح ہی سے متعلق ہوتی- بالآخر شدت کرب کی وجہ سے صحت نے جواب دے دیا- دوران سر اور دورۂ قلب جیسے موذی امراض کے شکار ہو گئے- اور مقامی ڈاکٹروں نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ الہ آباد کی آب و ہوا اب آپ کے لیے نقصان دہ ہے- اس لیے ڈاکٹروں کے مشورہ سے آپ بمبئی چلے گئے اور محلہ کرلا میں ایک مکان لے کر وہیں اکثر رہنے لگے اس علاقے میں بھی آپ کی ذات سے بہت نفع ہوا اور بے شمار افراد آپ کے سلسلے میں داخل ہو کر تزکیہ نفس کے کام میں لگ گئے- اس عہد میں مولانا فتح پوریؒ کو یہ امتیاز خاص حاصل

تھا کہ ان کے حلقہ ارادت میں خود ان کے اساتذہ (حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ) اور رفقاء درس بھی شامل تھے۔ اس کی مثال اس دور میں مولانا کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔[1]

حضرت مولانا خلقتاً نحیف و ناتواں تھے۔ عمر کے تقاضے اور فالج کے اثر نے اور کمزور کر دیا تھا۔ بمبئی کے زمانہ قیام میں ضعف و نقاہت میں حد درجہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے معمولات اور فیض رسانی میں فرق نہ آیا تھا۔

مریدین کی اصلاح و تربیت کا کام بدستور جاری رہا' حسب سابق مجالس کا انعقاد بھی جاری رہا۔ مجلس میں بیٹھنے والوں کا کہنا ہے کہ اس آخری دور میں ضعف کی وجہ سے آپ کی آواز بھی صاف سنائی نہ دیتی تھی۔ اور دور کے لوگ تو بالکل سمجھ ہی نہیں پاتے تھے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ لیکن اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ سخت سے سخت دل والا بھی مجلس سے اٹھتا تو اس حال میں کہ آنکھیں جاری ہوتیں اور دل خوف خدا سے کانپتا تھا۔ اسی زمانہ میں آپ نے حج بیت اللہ شریف کا ارادہ فرما لیا۔ ڈاکٹروں اور متعلقین کی یہ خواہش تھی کہ مکمل صحت اور قوت آ جانے کے بعد یہ مبارک سفر کیا جائے۔ لیکن اس کے برخلاف آپ کا خیال یہ تھا کہ جلد از جلد دیار حبیبؐ میں پہنچ جائیں چنانچہ ۱۱' شعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۲' نومبر ۱۹۶۷ء کو مریدین و ارادت مندوں کے کثیر مجمع کے ساتھ آپ مظفری جہاز پر سوار ہو گئے۔ رمضان مبارک حرمین شریفین ہی میں گزارنے کا ارادہ تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں رہنے والے حضرت کے خاص محبین و مسترشدین حافظ محمد صدیق صاحب الیمنی (مقیم مکہ مکرمہ) اور مولانا امجد اللہ گورکھپوری (مقیم مدینہ طیبہ) نے حضرت کے قافلہ کے قیام کے لیے بہت کچھ تیاری کر رکھی تھی۔ دوسری طرف مدرسہ صولتیہ میں مکہ مکرمہ کے مہتمم جناب مولانا محمد سلیم صاحب کیرانویؒ نے بھی استدعا کی تھی کہ مدرسہ صولتیہ میں قیام فرمائیں۔

جہاز کی روانگی کے کل دو دن بعد ۲۵' نومبر ۱۹۶۷ء کو بعد نماز مغرب بلڈ پریشر کا

---

[1] تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۳۳۲' ۳۳۳

شدید دورہ پڑا جس کے صدمہ سے سر کی رگ پھٹ گئی- اور اسی شب تہجد کی نماز سے فراغت کے بعد فجر کی نماز سے پہلے صبح چھ بج کر پانچ منٹ پر (یعنی صبح صادق سے کچھ پہلے کیونکہ سمندر کے جس علاقہ میں اس وقت مظفری جہاز جا رہا تھا- وہاں صبح صادق ۱/۲/۶ بجے کے قریب ہوتی ہے) رشد و ہدایت کا یہ امام بیت اللہ کے بجائے رب البیت سے جا ملا-[1]

جہاز کے کیپٹن کا کہنا یہ تھا کہ جہاز کے عام قانون و دستور کے مطابق نماز جنازہ پڑھ کر حضرت کی میت کو سمندر کے سپرد کر دیا جائے- مریدین و خدام کا اصرار یہ تھا کہ ہم جدہ لے جا کر دفن کریں گے- چنانچہ فوراً ہی اس کی کوشش کی گئی- مغل کمپنی نے منظور کر لیا- اور جہاز کے کیپٹن کو بذریعہ وائرلیس اس کی ہدایت دے دی کہ حضرت کی میت کو جدہ تک لے جانے کا انتظام کرے- اور ایک تار سعودی عرب میں حکومت ہند کے سفیر مدحت کامل قدوائی کو بھی دیا گیا- لیکن قضا و قدر کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت کی میت حجاز مقدس کے ساحل پر سمندر ہی میں دفن ہو- واقعہ یہ ہوا کہ حکومت ہند کے سفیر مدحت کامل قدوائی اور بعض دوسرے حضرات کی استدعا اور غیر معمولی کوششوں کے نتیجہ میں سعودی حکومت نے تو (وہاں کے دستور کے خلاف) اس کی اجازت دے دی کہ حضرت کی میت کو جدہ کی بندرگاہ پر اتارا جائے- اور مکہ معظمہ میں دفن کیا جائے لیکن اس اجازت کی اطلاع جہاز کے کیپٹن کو نہیں ہو سکی- اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میت کو بندرگاہ پہنچنے سے پہلے ہی سمندر کے سپرد کر دیا جائے- چنانچہ آپ کی میت کو سمندر کے حوالے کر دیا گیا-

بفضل اللہ مایشاء و یحکم مایرید. اللھم اغفرله و ارحمه و عافه واعف عنهٔ واکرم نزله وانزل علیه شآبیب رحمتک و رضوانک-[2]

---

[1] الفرقان لکھنؤ ص ۱۵۲ و تذکرہ علمائے اعظم گڑھ ص ۳۳۴

[2] الفرقان ماہ شوال ۱۳۹۱ھ ... [illegible] ... جون ۱۹۷۱ء

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے متوسلین ''معرفت حق'' کے نام سے ایک پرچہ نکالتے تھے۔ حضرت مولانا کی اصلاحی تقریریں ملفوظات اور اصلاح وتربیت کی متعلق سوالات و جوابات شائع ہوتے تھے۔ یہ ملفوظات اصلاح وتربیت کے نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔[1]

اب وصیۃ العرفان کے نام سے پرچہ نکلتا ہے۔ اس میں مولانا کے حالات تعلیمات اور مکتوبات ہوتے ہیں۔

مولانا کو تعلیمی وروحانی مشاغل سے ایک ساعت بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اس لیے آپ نے باضابطہ تصنیفی کام نہیں کیا۔ البتہ دستور تھا کہ اصلاح امت سے متعلق شریعت وطریقت کے اہم مسائل کو موضوع بنا کر اپنی خاص اصلاحی مجالس میں ان پر تفصیلی گفتگو فرماتے تھے اس مجلسی خطاب میں موقع بہ موقع حضرت مولانا کتابیں کھول کھول کر ان پر تفصیلی گفتگو فرماتے تھے۔ سناتے جاتے تھے۔ بعض اہل علم مسترشدین اس کو مقالہ کی شکل میں مرتب کرتے تھے۔ پھر حضرت کی نظر سے گزرنے کے بعد اس کی اشاعت ہوتی تھی۔[2]

چنانچہ یہی املائی تصانیف آج آپ کی علمی یادگار ہیں۔ جن کے دیکھنے سے مولانا کے وسعت علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ فہرست یہ ہے۔

(۱) وصیۃ الاخلاق (۲) وصیۃ الاحسان، حصہ اول و دوم (۳) وصیۃ السالکین (۴) ایقاظ الافکار بتذکرۃ الجنۃ والنار (۵) نعم الامیر (۶) توقیر العلماء (۷) وصیۃ الاخلاص (۸) تلاش مرشد (۹) تحذیر العلماء (۱۰) اعتقاد وانکار (۱۱) مضمون نمیمہ (۱۲) مضمون ذکر (۱۳) مژدہ جانفزا (۱۴) جنت (۱۵) ادائے حقوق مع تلاش مرشد (۱۶) خوف آخرت (۱۷) ایجادات کی حقیقت اور اس کی حیثیت

---

[1] ماہنامہ معارف نمبر ۶ جلد نمبر ۱۰۰ ص ۴۰۳

[2] ماہنامہ الفرقان ذی الحجہ ص ۱۳۸۵ھ و ماہنامہ معرفت حق الٰہ آباد

(۱۸) مفتاح الرحمۃ (۱۹) تصوف ونسبت صوفیہ (۲۰) التذکیر بالقرآن (۲۱) الامر الفارق (۲۲) الاصول النادرہ لاصلاح' الامۃ الحاضرہ (۲۳) حج رب البیت (۲۴) طریق کار (۲۵) اعتراف ذنوب (۲۶) طہارت (۲۷) الافادات الوصیۃ علی ترصیع الجواہر الحکیہ (۲۸) سعادت حقیقیہ کے حاصل کرنے کا طریقہ (۲۹) تعلیم وتربیت اولاد (۳۰) دیباچہ معرفت (۳۱) گلستان معرفت (۳۲) علم کی ضرورت (۳۳) عاقبۃ الانکار (۳۴) طریق اصلاح۔[1]

اب ان جملہ رسائل وکتب کو ان کے متوسلین نے تین حصوں میں جمع کر کے شائع کیا ہے اس مجموعہ کا نام ہے مجموعہ تالیفات مصلح الامت جلد اول' دوم' سوم' پتہ مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد مکتبہ وصیۃ العلوم' آپ کے متوسلین وصیۃ العرفان کے نام سے ایک پرچہ بھی نکالتے ہیں۔ جس میں آپ کی تعلیمات شائع ہوتی ہیں۔

ان تصانیف کے علاوہ حضرت فتح پوریؒ نے اپنے اصلاحی وتبلیغی مشن کو جاری رکھنے کے لیے بہت سے خلفاء بھی تیار کیے جن میں مشاہیر حسب ذیل ہیں۔

حضرت قاری مبین احمد صاحب جانشین حضرت مولانا عبدالحلیم فیض آبادی ناظم مدرسہ ریاض العلوم گرینی' حضرت مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند جناب ڈاکٹر اصلاح الدین الٰہ آبادی وغیرہ خلفاء کی مکمل فہرست کے لیے ''معرفت حق'' کا مطالعہ کیا جائے۔[2]

---

[1] مشاہیر علماء دیوبند

[2] ماہنامہ وصیۃ العرفان ماہ دسمبر ۱۹۸۰ء

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب ولد حضرت مولانا شاہ صاحب مرحوم ضلع ہزارہ ریاست سوات خاص علاقہ جدبا دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔ آپ چار بھائی تھے سب سے بڑے مولانا محمد معصومؒ مرحوم' مولانا عبدالغفورؒ مرحوم' مولانا عبدالحلیم مرحوم' مولانا عبدالقیوم مرحوم یہ تینوں بھائی اپنے وقت کے بڑے بڑے عالم تھے علوم ظاہری و باطنی میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا نے علم دین حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھر سے سفر کیا۔ دہلی مدرسہ امینیہ میں درسی تعلیم حاصل کی اور سند فراغ حاصل کی۔ تحصیل سند کے بعد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ امینیہ میں مدرس رہے۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع المنقول والمعقول تھے۔ تقریباً ۵ برس تک مدرسہ امینیہ میں تندہی اور نہایت ذوق وشوق سے درس دیا۔ اس کے بعد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا فضل علی القریشی مسکین پوری ضلع ملتان سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اللہ نے آپ کو جلد ہی رواحانی مقام پر فائز فرمایا اپنے شیخ کی نظر میں آپ کو خصوصیت حاصل تھی حضرت موصوف کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

خلافت حاصل ہونے کے بعد تقریباً ایک سال اپنے شیخ کی جگہ قیام کیا اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی اشارے پر اپنے ملک تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اپنے ملک جاؤ

اور وہاں تبلیغ کرو۔ تقریباً ایک سال وہاں قیام فرمایا اور بہت سے اکابرین نے آپ سے بیعت کی اور سلسلہ مبارکہ کی اشاعت کی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم سے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور تقریباً ۴۲ سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا تقریباً ۲۰ سال کے بعد مدینہ طیبہ سے پاکستان طریق نقشبندیہ کی تبلیغ کے لیے تشریف لائے۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت کا صرف چھ مرتبہ یہاں آنا ہوا۔ آخری مرتبہ علاج کی غرض سے پاکستان تشریف آوری ہوئی اور آٹھ دن کے قیام کے بعد علالت کی حالت میں ہی مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ واپسی کے بعد اپنی زندگی کے آخری ۲۰ دن وہیں گزارے۔

یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۶۹ء اتوار کی شب کو بعد نماز عشاء داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

نماز فجر کے بعد مسجد نبویؐ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ طریق نقشبندیہ کے ممتاز شیخ و مجدد وقت اور اپنے وقت کے روحانی صاحب متصرف تھے۔ حضرت کے ہزارہا معتقدین اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حجاز مقدس پاکستان، افریقہ، لبنان، ترکی، فلسطین، مصر، شام، عراق اور افغانستان وغیرہ ممالک قابل ذکر ہیں۔ اور ان ممالک میں آپ کے خلفاء اور متوسلین موجود ہیں آپ نہایت متبع شریعت اور سنت رسولؐ کے دلدادہ تھے۔ اپنے تمام مریدین اور معتقدین کو بڑی تاکید کے ساتھ ہمیشہ اتباع شریعت اور سنت رسولؐ کی پیروی کی تعلیم دیتے تھے۔ اور خلاف سنت کبھی کوئی کام پسند نہیں فرماتے تھے۔

اپنے پسماندگان میں ایک بیوہ اور دس جگر گوشے چھوڑے ہیں جن میں چار فرزند ہیں۔ ۱۔ مولانا عبدالحق صاحب جامعہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل عالم اور خلیفہ مجاز ہیں، ۲۔ مولوی عبدالرحمٰن، ۳۔ محمد سعید اور محمد شریف ہیں۔

حضرت کا شمار اپنے وقت کی بزرگ ہستیوں میں سے تھا بعض مرتبہ فرمایا کرتے

تھے کہ جب میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوتا ہوں تو مجھ پر حق تعالیٰ جل شانہ اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اس قدر انوار برستے ہیں کہ میرا جسم برداشت نہیں کر سکتا۔ تقویٰ و طہارت ظاہری و باطنی اور روحانیت کا آپ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا لاکھوں افراد کو حضرت سے روحانی فیض پہنچتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب مدینہ منورہ میں قیام کے لیے مکان لیا تو رات کو استخارہ کیا خواب میں حضور پر نور ﷺ کو دیکھا کہ اس مکان میں تشریف لائے ہیں اور جب آپ تشریف لے جانے لگے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ساتھ ساتھ دروازے تک گئے۔ حضور پر نور ﷺ جب دروازہ سے باہر نکلے تو انگشت شہادت سے اس قسم کے الفاظ لکھے:

هذا منزل الطريقة النقشبندية و هذا امور و الا نوار النبوية.

حضرت فرماتے تھے کہ مجھ کو تسلی ہوگئی کہ یہی فیض کی اور فقراء کی جگہ ہے چنانچہ جتنے بھی لوگ مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تھے ان میں سے بیشتر حضرت سے ضرور مستفیض ہوتے تھے۔ آپ کے گرد علماء و صلحاء اور اتقیاء کا مجمع رہتا تھا اس کے علاوہ و تبلیغی جماعت سے آپ کو قلبی وابستگی اور شغف تھا۔ تمام تبلیغی جماعتوں کو حرم نبویؐ سے حضرت دعا فرما کر رخصت کرتے تھے اور خواص و عوام بارگاہ رسالتؐ سے روحانی فیض اور دلی سکون حاصل کرتے تھے۔ آپ کا وصال عالم اسلام کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے' آپ کی رحلت سے دنیائے علم و عرفان میں ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے کہ جس کو پر کرنا بظاہر نظر نہیں آتا۔

حق تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں آپ کے افراد خاندان و متعلقین اور متوسلین کو صبر کی توفیق ہو۔ علم و معرفت کے اس نقصان عظیم کی مکافات کی کوئی سبیل پیدا فرمادیں۔ آمین ثم آمین

حضرت موصوف کا یہ خاک پا بھی اپنے برداران طریقہ عالیہ سے دعا کے ذریعہ دستگیری کا امیدوار ہے اور سب کے حق میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو اتباع شریعت و سنت کی توفیق بخشیں۔ آمین

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ اپنے تعزیتی ادارے میں تفصیلی نوٹ لکھتے ہیں کہ:

صد افسوس کہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مایہ ناز بزرگ اور روحانی رہنما حضرت مولانا شاہ عبدالغفور صاحب عباسی مجددی مہاجر مدینہ طیبہ بھی امت کو داغ مفارقت دے گئے- انا للہ وانا الیہ راجعون- سانحہ وفات یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ (سعودی عرب کے مطابق) ۱۷ مئی ۱۹۶۹ء بروز ہفتہ عشاء کے بعد پیش آیا جنازہ مسجد نبویؐ میں نماز فجر کے بعد ہوا اور طلوع آفتاب کے ساتھ رشد و ہدایت کا یہ آفتاب قدسیوں کی خواب گاہ بقیع الغرقد میں روپوش ہوگیا-

جس ذات والا صفات (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اتباع اور نقش قدم پر ساری زندگی نچھاور کر دی تھی' موت کے بعد اس کے قدموں میں ہی جگہ پائی طاب حیاً ومیتا رحمہ اللہ ورضی عنہ وارضاہ ذیابیطس' ضعف اعصاب وغیرہ تکالیف عرصہ سے لاحق تھے- اسی ضعف و علالت میں اس سال بھی ادائیگی حج کے لیے تشریف لے گئے- عرفات جاتے ہوئے منیٰ میں طبیعت نڈھال ہوئی' بیہوش ہو گئے- اور اسی حالت میں وقوف عرفہ کا فریضہ ادا ہوا' عرفات سے واپسی پر راتوں رات مدینہ طیبہ پہنچا دیئے گئے- بقیہ مناسک حج قربانی وغیرہ کے لیے اوروں کو مامور فرمایا- پچھلے ۳۰' ۳۵ برس سے حج کرتے چلے آئے تھے مگر اس حج پر عجیب مسرت اور ناز تھا' بڑے مزے لے کر اس کا ذکر کرتے اور ایسا محسوس ہوتا کہ شاید یہی حج ان کا حجۃ الوداع ہے-

۱۱' مارچ کو احقر مدینہ طیبہ پہنچا' دوسرے دن حاضری دی' ضعف و نقاہت کافی تھی مگر طبیعت سنبھلنے لگی تھی- ۲۷' مارچ تک وہاں احقر کا قیام رہا' اس دوران وعظ و ارشاد کی مجالس زائرین اور مہمانوں کی خاطر داری اور پرتکلف مہمان نوازی کا وہی سلسلہ جاری رہا جو عمر بھر ان کا شیوہ تھا' جسم اندر ہی جان لیوا بیماریوں سے کھوکھلا ہو رہا تھا مگر چہرہ پر وہی بشاشت اور طمانیت ذکر و فکر میں وہی ذوق و شوق اور استغراق اور وعظ و ارشاد میں وہی سوز و گداز-

۲۳/اپریل کو مخلصین کے اصرار پر بغرض علاج و آرام کراچی لائے گئے مگر مرض میں افاقہ کی بجائے اضافہ ہی ہوتا گیا- اس دوران ذرا بھی ہوش آتا تو طبیعت فراق مدینہ میں بے چین اور مضطرب محسوس ہوتی اور جلد از جلد واپس پہنچانے کا تقاضہ ہوتا......ڈاکٹروں کی تشخیص تھی کہ فم معدہ پر کینسر ہے اور اس حالت میں حضرت کے زندہ رہنے پر حیرت ظاہر کرتے- کراچی ہفتہ عشرہ قیام کے بعد مدینہ طیبہ پہنچا دیئے گئے اور مشاہدہ کرنے والوں کا بیان ہے کہ سرزمین حجاز پر قدم رکھتے ہی حضرت کی بے چینی مسرت اور سکون سے بدل گئی' مدینہ طیبہ پہنچنے پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اسی دن کے لیے تو مدتوں آستانہ یار پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے-[1] بالآخر ہفتہ کی شب[2] بعد از عشاء وصال محبوب میں تڑپنے اور سلگنے والا یہ روشن چراغ وصال حقیقی کی دولت سے سرفراز ہو کر خاموش ہو گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت مولانا مرحوم غالباً ستر پچھتر برس قبل صوبہ[3] سرحد کے شمال مشرق کے یاغستانی علاقہ چغرزئی کے موضع جدبی میں پیدا ہوئے' قدرت کی فیاضی دیکھیے کہ علمی اور روحانی چرچوں سے بہت دور ایک دور افتادہ علاقہ اور حصول علم کی آسائشوں سے محروم ایک کوہستانی بستی کے ایک معصوم بچے کو آگے چل کر اپنے وقت کا شیخ مدینہ بننا تھا- اور

---

[1] جی میں آتا ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے اور ہم تمہارے سامنے

[2] بقول جگر مراد آبادی مرحوم۔
جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

[3] سن ولادت ۱۸۹۴ء (مرتب)

جن کے فیض سے نہ صرف عجم بلکہ عرب اور افریقہ[1] کے بے شمار لوگ فیضاب ہوتے تھے۔
ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی تکمیل ہندوستان میں اکابر دیوبند بالخصوص حضرت مفتی کفایت اللہؒ سے فرمائی۔ بعد از فراغت مدتوں دہلی میں مسند تدریس کو رونق بخشی اور عقلی و نقلی علوم میں نہایت تبحر اور ید طولیٰ حاصل کیا' سلوک اور تزکیہ باطن کے مراحل سلسلہ نقشبندیہ کے ایک ممتاز مرشد حضرت خواجہ فضل علی مسکین پوری سے طے فرمائے۔ عشق حقیقی سے سرشار طبیعت کو قرار مدینہ طیبہ میں نظر آیا۔ ۳۰'۳۵ برس پہلے ہجرت فرمائی ابتداء میں ابتلاء و آزمائش کے نہایت صبر آزما مراحل سے گزارے گئے اور کامیابی و استقامت کے بعد ظاہری و معنوی برکات اور فتوحات کا دروازہ کھلا اور ایسا کھلا کہ بے پناہ مقبولیت' مرجعیت اور عجیب جاذبیت سے نوازے گئے۔

''العطایا علی متن البلایا'' جہاں بھی گئے ایک مقناطیسی قوت کی طرح خلق خدا پروانہ وار جمع ہونے لگی۔ اور بقدر ظرف ہر ایک نے فائدہ اٹھایا۔ فیاض ازل نے انہیں نہایت بلند اور پاکیزہ صفات سے نوازا تھا' تحمل' بردباری' شفقت علی الخلق بلند حوصلہ' بے مثال سخاوت اور مہمان نوازی دین کے لیے درد و سوز اصلاح خلق کی تڑپ اور تبلیغ دین میں حکمت و موعظمت اور طریق احسن اپنانے کا ملکہ' لوگوں کی نفسیات کا گہرا شعور' غرض ہر چیز میں نہایت اعتدال و احتیاط اور ہر کام میں بصیرت اور تدبر کا ظہور ہوتا...... نتیجتاً مرجع خاص و عام بنے تربیت اور اصلاح پانے والوں کا سلسلہ عرب سے عجم تک پھیلا ہوا ہے مگر فیض کا زیادہ حصہ پاکستان کو پہنچا ہے۔

پچھلے پندرہ سال میں کئی بار پاکستان تشریف لائے' جب کہ دیگر ممالک کے سفر پر کبھی آمادہ نہ ہوئے' اپنے دورۂ سرحد کے موقعہ پر دارالعلوم حقانیہ بھی کئی بار تشریف

---

[1] مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ہزار ہا مخلوق خدا آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرار و خواجہ باقی باللہ و مجدد الف ثانی رحمہم اللہ طرح حلقہ نقشبندیہ کو افریقہ و عرب و عجم میں متعارف کرایا۔ (مرتب)

لائے دارالعلوم کی موجودہ شاندار مسجد کی اینٹ دیگر رفقاء کار کے ساتھ آپ نے بھی رکھی۔ محبت، تعلق اور خصوصی توجہات اور دعاؤں کا سلسلہ تو آخر دم تک قائم رہا اس لحاظ سے دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ نے بجا طور پر اس سانحہ کو دارالعلوم کا ذاتی سانحہ قرار دیا ہے۔

ایک ایسے کامل الصفات اور جامع شریعت و طریقت بزرگ کی سانحہ وفات سے علم و عمل تصوف اور سلوک، وعظ و ارشاد کے ایوانوں میں جتنا بھی ماتم ہو تو حق ہے حضرت اقدس کی ذات دیوبندی سلسلہ الذہب کی ایک بیش قیمت کڑی تھی، ابھی چند سال پہلے تو مدینہ الرسول میں اس سلسلہ الذہب سے وابستہ تین مہاجر بزرگ موجود تھے اور اطراف عالم میں حکمت و معرفت کی شکل میں دیوبند کا فیض تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی[1]، حضرت مولانا شیر محمد سندھی اور حضرت مولانا عبدالغفور عباسی رحمہم اللہ، مگر اب وہ تینوں محفلیں اجڑ گئیں ہیں کہ جن کے وجود پر برصغیر کے دینی اور علمی حلقے جتنا بھی ناز کرتے تو کم تھا۔

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

حضرت اقدس مولانا عباسی مرحوم اخلاق حسنہ کے پیکر اتباع سنت کا مجسمہ انسانیت کا نمونہ تھے مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس کائنات میں ہمارے سب سے بڑے محسن اور سب سے زیادہ محبوب نبی کریم ﷺ کے پڑوسی اور غلام حاضر باش تھے، ان کی نیم شبانہ دعاؤں میں ہمارے لیے ایک بڑا سہارا تھا۔ انہیں پورے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی، مواجہۃ الرسول ﷺ میں ان کی

---

[1] بزم انوری کا امین و ترجمان مؤلف و محشی فیض الباری، عظیم علمی کتاب ترجمان السنۃ کے مصنف۔ آخری عمر میں مسکن مدینہ طیبہ رہا۔ اور مدفن حضرات صحابہ بالخصوص عثمانؓ کے جوار میں جنت البقیع۔ (مرتب)

گریہ زاری پوری امت اور پاکستانی مسلمانوں کے لیے خاص طور پر نعمت کبریٰ تھی۔ دنیا کا ہر خطہ ایسے بزرگوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے' جنہیں زمین کا نمک انسانیت کا جوہر اور علم وعمل کی آبرو کہنا چاہیے۔ دوائے دل بیچنے والے تو مدت ہوئی کہ بڑی تیزی سے اپنی دکان علم وحکمت بڑھانے لگے ہیں۔ حرمین الشریفین بھی اس عالمی خسارہ کی لپیٹ میں ہیں کہ یہ تو عالم اسباب ہے' معنوی برکات ایسے مقامات سے معدوم تو نہیں ہوسکتیں مگر مستور ضرور ہوتی جا رہی ہیں' افسوس کہ مدینہ طیبہ کی وہ عباسی خانقاہ اجڑ گئی جہاں پہنچ کر روحانی پیاسوں اور تھکے ماندے مسافروں کو شفقت غفوری اپنی آغوش میں ڈھانپ لیتی تھی۔ ہماری دعا ہے کہ جانے والے پر رحمتوں اور رہنے والے پسماندگان اور متوسلین پر صبر واجر کی بارش ہو اور مدینہ طیبہ کی منزل عباسی کی رونق اسی طرح قائم ودائم رہے۔

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جون ۱۹۷۴ء

بدر العلماء

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دار العلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم ودینی درسگاہ ہے جس نے وہ عظیم المرتبت اور عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیتیں پیدا کی ہیں جنہوں نے ملت کی فکری اور عملی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کیے ہیں یہ اس مدرسہ فکر کی جامعیت اور نیابت محمدیہ کی برکت ہے کہ علوم نبوت کی جو تعلیم و تدریس' اشاعت و دعوت اور اس کے مطابق تربیت اور تزکیہ ظاہر و باطن اس طبقہ کے حضرات سے ہوا اس کی مثال قرون متاخرہ میں شاذ ہی ملے گی' اس عظیم درس گاہ کا فیضیافتہ ہر شخص ایک درثمین اور گوہر نایاب ثابت ہوا جو اپنے علم و فضل اور تقویٰ وطہارت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا- انہی مقدس اور عظیم ہستیوں میں سے رئیس المحد ثین' قطب العارفین بدر العلماء حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی- آپ کا شمار بھی انہی جامع الکمالات شخصیتوں میں ہوتا ہے جن پر دار العلوم دیوبند بجا طور پر فخر کر سکتا ہے- آپ نہ صرف اپنے دور کے جید عالم اور محدث تھے بلکہ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے- حلم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے- اپنے علمی و عملی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے-

تعلیم و تربیت:

آپ شہر بدایوں کے ایک معزز شریف دیندار سید گھرانے میں ۱۳۱۶ھ میں

پیدا ہوئے، بچپن ہی سے بڑے ذہین و متین ثابت ہوئے پھر ایسے مشاہیر وقت کی صحبت ا
ور تربیت میں رہے کہ آسمان علم و فضل پر آفتاب علم و عمل بن کر چمکے، ہر میدان میں اپنے
اکابر و اساتذہ کی رہنمائی میں وہ علمی و تدریسی اور تصنیفی خدمات سرانجام دیں کہ جلد ہی ان
کے منظور نظر بن گئے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی
توجہ و محبت نے اس قدر کام کیا کہ آپ صحیح معنوں میں ان کے علمی جانشین تسلیم کیے گئے۔
اسی طرح آپ کے دوسرے اساتذہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا
مفتی عزیز الرحمٰنؒ عثمانی، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور حضرت مولانا ظفر احمدؒ
عثمانی جیسے بزرگوں کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ الغرض میرے جیسا تہی دامن
آدمی ایسی عظیم شخصیت پر کیا لکھ سکتا ہے۔ یہاں صرف آپ کے ہم عصر بزرگوں کے مفصل
تاثرات میں سے آپ کی حیات طیبہ اور علمی و عملی زندگی کے متعلق چند اقتباسات پیش
کیے جاتے ہیں جن سے آپ کے علمی و عرفانی مقام پر کافی روشنی پڑتی ہے اور آپ کی
زندگی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

درس و اصلاح:

محدث عصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہ اپنے طویل
مضمون میں حضرت میرٹھیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مولانا بدر عالم صاحب
دورِ حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم دین کی ساکھ قائم ہے جن سے
مدارس آباد ہیں منبر بارونق ہیں۔ موصوف قابل مدرس، فاضل مقرر، کامیاب و مقبول
مصنف تھے اردو عربی کے ادیب و شاعر تھے، مؤثر اسلوب، شگفتہ طرز ادا کے مالک تھے،
عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں جو ان کی نوک
زبان سے بکھرتی تھیں، مؤثر تعبیر، دلنشین طرز ادا ان کی خصوصیت تھی، صدق و صفا کے مجسمہ
تھے ورع و تقویٰ اور استغناء کے پیکر تھے، نصیحت و خیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے
نہایت زیرک و مدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحات حیات میں مرشد کامل تھے۔
پاک و ہند و جنوب مشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگان خدا ان کی تربیت و تزکیہ اور بیعت و

ارشاد سے فیضیاب ہوئے اور شریعت کی پابندی و استقامت ان کو نصیب ہوئی' ذکی عالم تھے' صاحب فراست بزرگ تھے مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشت و طبیعت میں بہت کارگر اور مؤثر ثابت ہوئی' مدینہ کے انوار و برکات نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا' ان کے فطری جوہر کھلے' کرم گستری' مہمان نوازی' مروت' جواں مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جو نمودار ہوئے- ابتدائی دور طالب علمی مظاہر العلوم سہارنپور کے برکات سے بہرہ اندوز ہوئے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشاد خلفاء میں عارف باللہ فقیہ' محدث اور صوفی باصفا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے مرکز توجہات والطاف رہے اور ان کی آغوش میں تربیت نصیب ہوئی-

درمیانی عمر میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی آغوش تربیت میں پہنچے' دیوبند میں ان کے فیض اور انوار علوم و معارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ' سے شرف بیعت کی سعادت نصیب ہوئی- عرصہ دراز تک ان کے انفاس قدسیہ اور محبت مقدسہ کے برکات سے مالا مال ہوتے رہے- انتہائی استقامت و استقلال کے ساتھ اذکار و اشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی- بالآخر حضرت مفتی صاحبؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھیؒ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا- الغرض اس طرح علمی و عرفانی سرچشموں سے کما حقہ سیرابی کا موقعہ نصیب ہوا اور اپنے عہد کے ممتاز ترین اکابر کے فیض سے پورے طور پر مستفیض اور ان کی ظاہری و باطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے-

ہجرت مدینہ:

حیات طیبہ کے آخری لمحات و انفاس میں سید الانبیاء رسالت پناہ ﷺ کے جوار مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہو گئی- چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں مدینہ منورہ ہجرت کی' خاک پاک مدینہ نے اور حبیب رب العلمین ﷺ کے جوار مقدس نے طبیعت میں خاصی استقامت کی سعادت بخشی اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر و شکر کے وہ قابل رشک

مظاہر وآثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے۔

تصانیف:

فیض الباری شرح بخاری چار ضخیم جلدوں میں (جو حضرت امام العصر علامہ کشمیریؒ کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے جو عربی میں ہے) اور ''ترجمان السنۃ'' اردو میں خدمت حدیث نبوی ﷺ کے وہ بےنظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم و دین کے طبقہ میں منبع فیض بنی رہیں گی۔ ''جواہر الحکم'' کے نام سے احادیث نبویہ ﷺ کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دلنشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد آپ دیوبند پہنچے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی ساتھ دارالعلوم دیوبند میں منصب تبلیغ و تدریس پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً ردّ قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے ۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ عثمانی کے قافلہ کے ہم رفیق بنے اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا۔ اسی دور میں دیوبند کے ''مہاجر'' اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے' ڈابھیل کے بعد بہاولپور و بہاولنگر آپ کا مرکز فیض رہا اور آخر میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الله یار میں استاذ حدیث و نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ عرصہ سے مدینہ منورہ کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا' رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفرازی ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوار حبیب ﷺ کی تمنا نے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔ عبادت واستقامت' ادب وسکون' ذکر وفکر کے ساتھ مسجد نبویؐ کی حاضری نصیب ہوئی یہاں تک کہ علالت نے صاحب فراش بنا دیا' پورے چار سال صاحب فراش رہے اس دور میں صبر وشکر و رضاء بالقضاء کے جو منازل طے کیے اور جو نعمتیں ان کو نصیب ہوئیں

قابل صد رشک ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

وصال:

ماہ رجب المرجب کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العلمینؐ کے جوار میں اور جنت البقیع کی خاک مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتاب عالمتاب سے زیادہ بانور ہے اس خادم علم و دین اس باغیرت و باحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کیا اللہ تعالیٰ اس خادم علم و دین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے۔ آمین۔ (ماہنامہ بینات ماہ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ)

معاصرین کا خراج تحسین:

مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت قبلہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اپنے ہم عصر شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اپنے تاثرات میں حضرت مولانا بدر عالم صاحب قدس سرہ کا تذکرہ کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

اس وقت دارالعلوم دیوبند کے اس دور کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا ہے جب کہ ۱۳۳۷ھ میں ہم چند نوعمروں کو بیک وقت دارالعلوم دیوبند میں خدمت درس و تدریس سپرد کی گئی ان میں مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھیؒ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپوری سے فارغ ہو کر ۱۳۳۶ھ میں دوبارہ دورہ حدیث کے لیے حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس طرح مکرر دورہ حدیث سے فارغ ہو کر ۱۳۳۷ھ میں خدمت درس و تدریس پر مامور ہوئے اس سے ایک سال پہلے ۱۳۳۵ھ میں احقر دورہ حدیث سے فارغ ہوا تو ۱۳۳۶ھ میں کچھ اسباق سپرد کیے گئے اور ۱۳۳۷ھ میں مستقلاً درس و تدریس کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ ہم تینوں اس وقت کے نوعمر بچے تھے جن کو اکابر اساتذہ کی خدمت میں رہ کر تعلیمی خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ اس وقت

دارالعلوم دیوبند ائمہ فن علماء اور اولیاء و اتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہو جانا بلاشبہ حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر ہوتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس کے فضل سے ان سب بزرگوں کی نظر انتخاب نے ہم نوعمروں کو ان اکابر کی خدمت سے استفادہ کے مواقع فراہم کیے۔ ان حضرات نے ہم تینوں (مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور احقر) میں درس و تدریس کی خدمت کے ساتھ مسائل کی تحقیق اور علمی بحث و مباحثہ اور تصنیف و تالیف کا بھی ذوق پیدا کیا خصوصاً ۱۳۴۰ھ میں قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا اور ان لوگوں کو یہ جرأت ہونے لگی کہ علماء کو مناظرہ اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے، اس نے سنی علماء کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف متوجہ کیا خصوصاً حضرت الاستاذ علامہ کشمیریؒ کے قلب مبارک میں اس کا اہتمام اس شان سے پیدا ہوا کہ جیسے کوئی مامور من اللہ کسی خاص خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت درس و تدریس کے بعد حضرت موصوف کے تمام اوقات اس فتنہ کے انسداد پر خرچ ہونے لگے۔

حضرت نے ہم تینوں نوعمروں کو اس کام پر لگایا کہ عقائد اسلامیہ کے خلاف تمام مسائل میں قادیانیوں کے دجل و فریب کا پردہ چاک کیا جائے۔ مسئلہ ختم نبوت پر لکھنے کے لیے احقر کو مامور فرمایا۔ اور نزول مسیح علیہ السلام وغیرہ کے مسائل کا کام مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سپرد فرمایا۔ سب سے پہلے ہم تینوں میں وجہ ربط و ارتباط یہ سلسلہ بنا احقر نے حضرت استاذ کی ہدایت کے مطابق پہلے عربی زبان میں مسئلہ ختم نبوت کی تحقیق پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام حضرت الاستاذ نے ''ہدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین'' رکھا۔ اس کو عربی زبان میں لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ عرب بغداد وغیرہ عرب ممالک سے ایسی خبریں آتی تھیں کہ وہاں بھی ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اس طرح کی تلبیس پھیلائی ہے پھر مزید تفصیل کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کو اردو زبان میں تین حصوں میں لکھا۔ مولانا بدر عالم صاحب نے ''الکلام الفصیح فی نزول المسیح'' کے نام سے ایک قابل قدر تصنیف فرمائی اور مولانا کاندھلویؒ نے ''کلمۃ اللہ

فی حیات روح اللہ" کے نام سے اس مضمون پر بہترین کتاب لکھی۔ یہ سب کتابیں اسی زمانہ میں چھپ کر شائع ہوئیں پھر اسی زمانہ میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاذ محترم فرما رہے تھے عام مسلمانوں میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا اس دورہ میں بھی ہم تینوں کو حضرت کے ہمسفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اسی زمانہ میں یہ تجویز ہوا کہ ایک سالانہ جلسہ خود قادیان میں منعقد کیا جائے جس میں مرزا کے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع حاصل رہا۔ فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو ان کے مناظرہ کے لیے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے حضرت مولانا سید مرتضیٰ صاحبؒ کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیق سفر رہے۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی پہنچ گئے تین روز یہ تاریخی مناظرہ جاری رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص توجہ اور مسلسل کوشش نے چند سال میں ایسا کر دیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانیت نے دم توڑ دیا۔ اور یہ لوگ مناظرہ مباہلہ کا نام چھوڑ کر زیر زمین سازشوں میں مشغول ہو گئے اکابر دارالعلوم کی خاص نظر عنایت نے ہم تینوں کو ایسا مخلص رفیق بنا دیا تھا کہ نہ کبھی کوئی معاصرانہ چشمک درمیان میں آئی نہ کوئی شکوہ شکایت۔

۱۳۴۶ھ کے ایک خاص واقعہ میں حضرت شاہ صاحبؒ مع دیگر اکابر و اصاغر کے ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا سید بدر عالمؒ بھی ساتھ ہی تشریف لے گئے دیوبند میں اب ہم تینوں میں سے احقر اور مولانا کاندھلویؒ رہ گئے اور دیوبند میں ہماری یہ رفاقت بناء پاکستان کے وقت تک مسلسل رہی پاکستان بننے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ہم تینوں کو پاکستان میں جمع کر دیا اور مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ میرے پاکستان میں مستقل قیام کا سبب مولانا سید بدر عالم صاحبؒ تھے کیونکہ احقر شروع میں جب پاکستان آیا تو ہجرت کی نیت سے نہیں بلکہ ایک کام دستور اسلامی کے سلسلہ میں انجام دینے کے

لیے آیا تھا اس لیے والدہ محترمہ اور اکثر عیال اس وقت تک دیوبند ہی تھے۔

رمضان ۱۳۶۸ھ میں ہمارا وہ کام پورا ہو گیا تو میرا ارادہ واپس ہندوستان جانے کا تھا۔ ماہ رمضان گرمی کے زمانہ میں تھا مولانا بدر عالمؒ صاحب کئی مرتبہ گورا قبرستان کراچی سے میری رہائش گاہ وکٹوریہ روڈ پر پیدل چل کر اس لیے تشریف لائے کہ مجھے پاکستان میں مستقل قیام کے لیے تاکید کریں' کیونکہ ان کی نظر میں اسی وقت میرا قیام پاکستان کے لیے ضروری تھا۔ ان کی ایک مخلصانہ ہمدردانہ فرمائش ہی کی بناء پر احقر نے ہندوستان سے ہجرت اور پاکستان کے مستقل قیام کا عزم کر لیا۔

(ماخوذ ماہنامہ البلاغ کراچی و ماہنامہ الرشید ساہیوال ۱۳۹۴ھ)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مدظلہم العالی مشاہیر دارالعلوم کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں حضرت علامہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں فراغت تحصیل کے بعد دارالعلوم دیوبند کے درجہ ابتدائی کے مدرس رہے' فن حدیث میں خاص دلچسپی اور لگاؤ تھا فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد کئی بار حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں ترمذی اور بخاری کی تلاوت فرمائی۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کے خاص ترجمان ہیں۔ فیض الباری شرح بخاری آپ کی تالیفات کا شاہکار ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمان قدس سرہ کے خلیفہ مجاز حضرت قاری محمد اسحاق میرٹھیؒ سے بیعت اور ان کے خلیفہ مجاز بنے' آپ کا سلسلہ ارشاد و ہدایت الحمد للہ وسیع ہے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستانی قومیت اختیار کی اور ٹنڈوالہ یار کے مدرسہ میں ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے کام کیا اور درس حدیث میں مشغول رہے۔ پھر پاکستان سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور آپ کا سلسلہ بیعت وارشاد افریقہ میں بہت پھیلا ہے۔ زمانہ حج میں جو قافلے ایسٹ یا ساؤتھ افریقہ سے آتے وہ اکثر و بیشتر آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر واپس ہوتے آپ کی تصنیف و تالیف میں ''ترجمان السنۃ'' علم حدیث میں ایک شاہکار تصنیف ہے جس میں اکابر دارالعلوم اور بالخصوص علامہ کشمیریؒ کے علوم کو جمع کر کے خود اپنے علم اور علمی

مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند)

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

''چند سال گزرتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک عالم و فاضل جس کی زندگی کا نصف سے زیادہ حصہ قال اللہ قال الرسول کی شرح و تفسیر، توضیح و تنقیح میں گزرا اور جس کے ولولہ عشق نے خاک پائے مدینہ زاداللہ شرفاً و تعظیماً کو اس کا مقدس مدفن بنا دیا۔ یہ عالم و فاضل مولانا مرحوم کی شخصیت تھی جو دار العلوم دیوبند کے ممتاز فاضل حضرت العلامہ کشمیریؒ کے قابل فخر تلمیذ تھے۔ جنہوں نے اپنے استاد کی درسی افادات بصورت تقریر بخاری ضخیم چار جلدوں میں لکھ کر رہتی دنیا تک افادات انوری کو محفوظ کر دیا۔ اس کے علاوہ مستقل تصانیف کا ایک گرانمایہ سلسلہ مآثر علمی کی حیثیت سے چھوڑ گئے''۔ (ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

بہرحال حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی ذات اقدس علم و عمل، شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھی زندگی بھر علم و حکمت ان کا زیور اور حیاء و شرافت ان کا لباس رہا۔ آپ کی حیات مستعار، تدریس و تبلیغ، اصلاح و ارشاد اور خدمت اسلام میں بسر ہوئی پاکستان میں جدوجہد اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اپنے اساتذہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی فقیہ الامتؒ حضرت علامہ ظفر احمدؒ عثمانی اور اپنے ہمعصر علماء و اکابر کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔

۱۹۵۱ء میں اسلامی آئین کی ترتیب و تدوین میں ہر مکتبہ فکر کے علماء کی میٹنگ میں شرکت کی اور پاکستان میں ایک مثالی دار العلوم بنانے میں علامہ عثمانی قدس سرہ کے ایک مشیر خاص کی حیثیت سے نمایاں کردار ادا کیا بالآخر تقریباً بیس سال پہلے آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں واصل بحق ہوئے، ان للہ و انا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے آمین۔

(تفصیلات احقر راقم کی کتاب ''سیرت بدر عالمؒ'' میں ملاحظہ فرمایئے)

استاذ العلماء

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

آپ بمقام عمر والہ بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں اپنے ماموں جان کے مکان پر ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام الٰہی بخش اور دادا کا نام خدا بخش تھا۔ زمیندار پیشہ گھرانہ تھا۔ آپ کے ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد بڑے عزت دار سمجھے جاتے تھے۔ اور تمام برداری کی رسومات کو چھوڑ کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور ذکر واشغال کی طرف متوجہ ہوئے اور آخر وقت تک دینیات وقرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔ (ماہنامہ الرشید لاہور)

تعلیم وتربیت:

آپ نے قرآن مجید اپنے ماموں میاں شاہ محمد صاحب سے پڑھا اور بچپن ہی سے ان کے زیر تربیت رہے ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخلہ لیا اور دو سال اسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر میں مولانا فضل احمد صاحبؒ اور مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ سے ابتدائی عربی کتب صرف و نحو، فقہ ومنطق، فلسفہ وادب پڑھیں۔ ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۳ء مولانا سلطان احمد صاحبؒ سے مختلف کتابیں پڑھتے رہے اس کے بعد مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مولانا غلام نبی، مولانا کریم

بخش پنجابی' اور مولانا محی الدین صاحبؒ سے مختلف علوم حاصل کیے' پھر چار ممتاز علماء مولانا محمد یٰسین سرہندیؒ، مولانا سلطان احمد صاحبؒ پشاوری' مولانا سلطان احمد بریلویؒ اور مولانا عبدالرحمٰن سلطان پوریؒ سے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی- سند حدیث مولانا محمد یٰسینؒ سرہندی سے حاصل کی- ۱۳۲۵ھ کے آخر میں تعلیم سے فارغ ہوئے' سند فراغت تعلیم حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دست مبارک سے عطا ہوئی- (ماہنامہ الرشید لاہور)

تدریسی خدمات:

تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد اسی مدرسہ اشاعت العلوم میں مولانا محمد احمد قاسمیؒ کے حکم سے تقریباً ایک سال تک مدرسی کے فرائض انجام دیئے- ۱۳۲۶ھ سے منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور میں صدر مدرسی کے عہدے پر تقرری ہوئی اور اس دوران مکمل نصابِ تعلیم کا درس دیتے رہے- اس کے بعد اساتذہ رائے پور گوجراں کے حکم سے مدرسہ عربی فیض محمدی جالندھر میں حدیث رسول کے چراغ جلاتے رہے اس طرح شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق جنوری ۱۹۳۰ء تک تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر جب مدرسہ فیض محمدی بند ہو گیا تو اپنا ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا-

(الرشید لاہور)

خیر المدارس کا قیام:

مدرسہ فیض محمدی کے سلسلہ درس و تدریس ختم ہونے کے بعد آپ نے حکیم الامتؒ مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے مشورہ کیا- حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ بہ نسبت دیہات کے شہر میں رہ کر دینی خدمات انجام دینا زیادہ مفید ہو گا- حضرت مولانا جالندھریؒ نے اس رائے عالی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جالندھر شہر میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور بالآخر حضرت حکیم الامت کی زیرنگرانی مسجد عالمگیر جالندھر شہر اٹاری بازار میں مؤرخہ ۱۹' شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۹' مارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کا افتتاح کیا جس کا نام حکیم الامت نے ''خیر المدارس'' رکھا- بفضلہ تعالیٰ مدرسہ

اپنے دینی مقاصد تعلیم وتبلیغ میں ہر سال ترقی کرتا رہا اور طبقہ علماء وصلحاء سے خراج تحسین و دعا حاصل کرتا رہا اور مدرسہ کو یہ خصوصی سعادت ہمیشہ حاصل رہی کہ بزرگان دین اور مشاہیر علماء ہمیشہ گاہے گاہے اپنی تشریف آوری اور معائنہ جات اور اظہار رائے سے متبرک فرماتے رہے، جن اکابر ملت نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ کو اعزاز بخشا ان میں خود حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی ذاتِ اقدس بھی شامل ہے- حضرت تھانویؒ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ کو خیر المدارس جالندھر میں رونق افروز ہوئے- آپ کی آمد پر ایک خیر مقدم تیار کیا گیا جسے ملک کے مشہور فارسی شاعر حضرت گرامی مرحوم کے شاگرد رشید مولانا عزیز الدین عظامی نے لکھا تھا اس کے چند اشعار بطور تبرک درج کیے جاتے ہیں ملاحظہ فرمایئے-

چہا خیر المدارس برسر بخت خودش نازود — کہ میدارد حکیم الامت آں اشرف علی مہمان
رسد گرمے خورم سوگند خاک پاک جالندھر — کہ گشتہ سر زمینش مطلع نور عرفان
چہ مے پرسی عظامی نسبت ایں شہروایں مکتب — ہمانا شہر جسم آمد دراں جسم است مکتب جان

حضرت مولانا جالندھریؒ فرماتے تھے کہ جس مکان میں حضرت حکیم الامتؒ نے قیام فرمایا تھا بلا مبالغہ تقریباً ایک ماہ تک اس کے در و دیوار سے انوار محسوس ہوتے رہے- حضرت حکیم الامتؒ کے علاوہ جن حضرات نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ کو مشرف فرمایا ان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنیؒ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ حضرت مولانا رسول خاں ہزارویؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں- خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جو خیر المدارس کے متعلق ہیں-

عجب ہے پر انوار خیر المدارس — خدا کا ہے گلزار خیر المدارس

طریق سلف پر ہے یہ چلنے والا | ہے بدعت سے بیزار خیر المدارس
پڑھاتا ہے علم اور سکھاتا ہے تقویٰ | بناتا ہے دیندار خیر المدارس
یہاں مجمع اہل علم وعمل ہے | یہ ہے بزم اخیار خیر المدارس
پئے نصرت وحفظ دیں ہے یہ گویا | سپر اور تلوار خیر المدارس
یہ ہے خیر جاری کہ علم وعمل کے | بہاتا ہے انہار خیر المدارس
چلو اہل خیر ہے اجر کی یہ منڈی | جزا کا ہے بازار خیر المدارس
رہے حق پہ تو تاقیامت سلامت | بایں نیک اطوار خیر المدارس
جو بانی ہیں خیر محمد تو پھر کیوں | نہ ہو نیک آثار خیر المدارس
مگر سر پہ ہے ظل اشرف جو تجھ پر | برستے ہیں انوار خیر المدارس

یہ احوال سن کر ہے مجذوب خواہاں
کہ دیکھے وہ اک بار خیر المدارس

خیر المدارس کی اس نشأۃ اولیٰ میں سینکڑوں طلباء علوم وفنون عربیہ درسیہ' تفسیر قرآن وحدیث' اصول حدیث' فقہ' اصول فقہ' عقائد' کلام' فرائض' معانی' ادب' عروض' تاریخ سیرت' اخلاق وتصوف' صرف ونحو' منطق' فلسفہ' حساب' مناظرہ' حفظ وناظرہ قرآن مجید اور فارسی سے فارغ التحصیل ہوکر درس وتدریس اور تعلیم وتبلیغ جیسے دینی خدمات میں مشغول ہوئے- پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے مرکزی شہر ملتان میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مدرسہ خیر المدارس کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور جس میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید علماء کا بطور اساتذہ تقرر ہوا جن کی علمی شہرت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد طالبان علم حدیث خیر المدارس کی طرف رجوع کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ پورے ملک میں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا اور دارالعلوم دیوبند کا عین نمونہ بن گیا' حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے فیضان نے فی الواقع خیر المدارس بنادیا اور جہاں سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں علماء وفضلاء فارغ التحصیل ہو کر ملک وملت کی خدمت میں مصروف ہیں' اس سلسلہ میں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: پاکستان آنے کے بعد نظریں ڈھونڈتی تھیں کہ کوئی دیوبند اور سہارنپور کا نمونہ نظر آئے سوالحمدللہ یہاں آنے کے بعد وہ نمونہ ملتان میں نظر آیا اور دل کو تسلی ہوئی۔ یہ مدرسہ خیر المدارس وہی خیر المدارس ہے کہ جو تقسیم ہند سے پہلے جالندھر میں تھا اور جس کی نشأۃ اولیٰ حضرت مولانا و بالفضل اولٰینا مولانا خیر محمد صاحب مدظلہم کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اور مجاز اور شریعت وطریقت کے زبردست عالم ہیں مدرسہ بحمدہ تعالیٰ اپنے عروج اور شباب پر تھا اور اپنی حسن تعلیم اور حسن تربیت کی بناء پر مقبول عام وخاص تھا، تقسیم ہند کے بعد مولانا موصوف جالندھر سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لائے اور مدرسہ کی بیش بہا عمارتیں اور تمام کتب خانہ اور علمی و مالی سرمایہ اور علماء وفضلاء کی ایک جماعت کو جمع کر کے تعلیم دین کے فریضہ کی ادائیگی شروع فرمائی، فجزاہ اللہ فی الدارین خیر الجزاء، تقسیم ہند سے پہلے یہ مدرسہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں جاری تھا اور یہ نام خیر المدارس بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی کا تجویز فرمودہ ہے۔ تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی قدس اللہ سرہ کی سرپرستی میں رہا۔[1] میرے علم میں اب تک پاکستان میں اس شان کی کوئی درس گاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خیر کثیر کے چشمہ فیض کو قیامت تک جاری رکھے اور وہم وگمان سے زیادہ اس میں خیر و برکت عطا فرمائے اور نظر بد سے محفوظ رکھے اور اس چشمہ فیض کے جاری کرنے والے مخدوم ومحترم خیر مجسم حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے ظل خیر کو طویل اور مدید فرمائے اور اہل پاکستان خصوصاً اہل ملتان کو اس نعمت غیر متوقع کی قدر شناسی کی توفیق عطا فرمائے امین۔

(آئینہ وآئین وقواعد خیر المدارس ص ۴۸)

---

1. علامہ عثمانیؒ کی وفات کے بعد مولانا ظفر احمدؒ عثمانی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آخر دم تک مدرسہ کے سرپرست رہے۔ احقر بخاری غفرلہٗ

بیعت وخلافت:

ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامت تھانوی کی ذات اقدس مرجع خواص وعام تھی ان کی ذات بابرکات سے خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل تھی جو گیارہویں صدی کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی کی ذات اقدس سے سرہند کو تھی اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پر لیا وہ اہل نگاہ سے پوشیدہ نہیں اس خانقاہ اشرفیہ کا تربیت یافتہ ہر شخص ایک درثمین اور گوہر نایاب ثابت ہوا' حضرت مولانا جالندھریؒ بھی اسی خانقاہ کے ایک موتی تھے۔ حضرت مولانا جالندھریؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ: میری تھانہ بھون کی پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مطابق مئی ۱۹۲۴ء کو ہوئی اور پھر یہ سلسلہ آخری حاضری ۱۷' رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱' جولائی ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔ حضرت اقدس حکیم الامت کا وصال ۱۶' رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰' جولائی ۱۹۴۳ء' ۱۱ بجے شب منگل کو ہوا تھا اور اس کے دوسرے دن تھانہ بھون آخری حاضری ہوئی۔ پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مئی ۱۹۲۴ء کے اوائل میں ہوئی اور ایک ہفتہ قیام رہا۔ مقیمین کو اس وقت مکاتبت کی اجازت تھی چنانچہ پہلا خط لکھ کر اپنا حال عرض کیا گیا تو حضرت والا نے مجھ میں تکبر تشخیص کر کے اس کا علاج شروع فرمایا میں نے دوسرے خط میں تشخیص وتجویز دونوں کو تسلیم کیا تو حضرت والا نے جواب میں جو الفاظ تحریر فرمائے وہ اب تک دماغ میں محفوظ ہیں فرمایا کہ جی بہت خوش ہوا ھنیأ لک العلم والعمل۔ پہلے بیعت حضرت مرشدی حافظ محمد صالح صاحبؒ سے کی ہوئی تھی اس لیے سیدنا ومرشدنا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز نے ابتداء بیعت کرنے سے انکار فرمایا کیونکہ حضرت اقدس کا یہ اصول تھا کہ ابتداء بیعت نہیں فرماتے تھے بلکہ مناسب ہونے کے بعد بیعت فرماتے تھے کہ ایک سال کے بعد تجدید بیعت کی درخواست کی گئی تو قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ پرچہ میں اپنے پاس رکھتا ہوں بعد نماز مغرب میں خود بلالوں گا چنانچہ ۹' ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ یکم جولائی ۱۹۲۵ء کو بعد نماز مغرب لیلۃ العید الاضحیٰ میں مسجد خانقاہ امدادیہ میں چاروں سلسلوں چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' قادریہ میں

بیعت سے دست بدست مشرف فرمایا اس روز سے حضرت والا کی طرف سے شفقت اور نظر عطوفت اور ظاہری و باطنی تربیت میں زیادتی اضعافاً مضاعفۃً نمایاں ہونے لگی اور خط و کتابت آمد و رفت میں بھی ترقی ہوئی بلکہ ذوق و شوق روز مرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا- یہاں تک کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مورخہ ۱۷/ رجب ۱۳۴۷ھ کو بوقت قیام احقر در خانقاہ امدادیہ اس خاکپائے اہل اللہ سراپا گناہ کو بیعت و تلقین کی اجازت فرمائی اور اس کی اطلاع باقاعدہ طور پر ماہنامہ ''الامداد'' میں بھی شائع کرا دی-

(خود نوشت نقش حیات، خیر الافادات ص ۲۶)

دینی و سیاسی خدمات:

حضرت مولانا جالندھریؒ نے اپنے سینے میں متلاطم علم کے سمندروں سے مخلوق خدا کو جس طرح فائدہ پہنچایا اور آج وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کے گلستانِ علم و فضل سے سینکڑوں کی تعداد میں فیضیاب ہو کر دین و ملک اور قوم کی خدمت کر رہے ہیں- آپ کی دینی، علمی، تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ ملکی اور سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں- تحریک پاکستان کے سلسلہ میں آپ اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہ کے مسلک و مشرب کے حامی تھے اور دل و جان سے شیخ الاسلام علامہ عثمانی مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہم اللہ اجمعین کے ہمراہ پاکستان کے حق میں تحریر و تقریر کے ذریعے اپنی خدمات انجام دیتے رہے- قیام پاکستان کے بعد قرارداد مقاصد کی تدوین و ترتیب میں مذکورہ بالا حضرات کی جدوجہد اور مساعی جمیلہ میں معاونت فرماتے رہے اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ مدظلہ نے جب مختلف مکاتب فکر کے علماء کو کراچی مدعو کیا تاکہ اسلامی دستور تیار کیا جائے اور ایسا دستور ہو جس پر علماء کرام کا ہر فرقہ متفق ہو اس اجلاس میں جن مقدس اور بزرگ، ہستیوں نے شرکت کی ان میں مولانا جالندھریؒ بھی شریک تھے- اس اجلاس کے کچھ دنوں کے بعد ۱۹۵۳ء میں دوبارہ اس دستور کے بنیادی اصول اسلام کی ضروری ترامیم کے سلسلہ میں دوبارہ کراچی

تشریف لے گئے۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے دستوری مسائل پر غور وفکر کرنے کے لیے پاکستان کے جن ممتاز علماء کو مدعو کیا گیا تھا ان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ بھی شامل تھے۔ جمعیت علماء اسلام کے باہمی اتحاد کے لیے ۱۹۵۶ء میں کراچی پھر تشریف لے گئے اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے باہمی سرپرست اور مرکزی رہنما کی حیثیت سے آخر دم تک علماء کرام کے اتفاق واتحاد کی جدوجہد میں لگے رہے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے دارالعلوم کی کمیٹی کے رکن رہے اور کچھ عرصہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر ہر باطل کے مقابل علماء واکابر کے شانہ بشانہ میدان میں ڈٹے رہے اور ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود آخر دم تک خدمت اسلام اور امت مسلمہ کی اصلاح میں مصروف رہے۔ (ماہنامہ الرشید محرم ۱۳۹۶ھ)

اخلاق وعادات:

حضرت جالندھریؒ کو حق تعالیٰ نے حسن ظاہری و باطنی سے نوازا تھا آپ کا اخلاقی معیار بہت بلند تھا' آپ کی زبان کذب' غیبت' بدگوئی' بہتان تراشی وغیرہ سے قطعاً ناآشنا تھی۔ آپ کی طبیعت ذاتی طور پر فکر آخرت کی طرف ہر وقت مائل رہتی تھی۔ آپ اتباع سنتؐ کے مجسم پیکر تھے ان کی زندگی کا ہر ہر شعبہ رشد و ہدایت کی شمع تھا' نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ عابد و زاہد اور اسلاف کا عین نمونہ تھے۔ محدث وقت حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا جالندھریؒ اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے' بڑے عاقل ومتین اور مدبر و منتظم تھے' علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے پاکستان کے مرکزی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمی تھا جہاں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس' اصلاح اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی' صورت کے ساتھ روح بھی تھی' صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا یوں تو حضرت جالندھریؒ مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرہ آفاق تھی' آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی

مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع اس وقت ملا جب کہ دینی درسگاہوں کی تنظیم ''وفاق المدارس'' کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت اور ہم نشینی کے مواقع میسر آئے' انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش وغضب سے پاک دیکھا' ان کے رگ وریشہ میں عقل ودانش اور حلم وتدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا' خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے۔

(ماہنامہ بینات دسمبر ۱۹۷۰ء)

تصنیف وتالیف:

آپ نے جس طرح دوسری علمی' تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دیں ان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے نہایت مفید رسائل اور تالیفات بھی تصنیف فرمائیں ان میں ''نماز حنفی مترجم'' فلسفہ نماز' خیر الاصول' خیر التنقید' شان رسالت ﷺ' خیر الوسیلہ' خیر المصابیح' تیسیر الابواب دو جلد ایقاظ المسلمین' آئین وقواعد خیر المدارس' نصاب تعلیم اور نقش حیات شامل ہیں۔

مقام جالندھری:

آپ کی عالمانہ رفعت وعظمت کا اندازہ لگانا تو بہت مشکل ہے یہاں صرف چند اکابر ومشائخ اور علماء وصلحاء کی مختصر آراء درج کی جاتی ہیں تا کہ آپ کے مقام ارفع کا اندازہ لگایا جا سکے' آپ کے شیخ ومربی حضرت حکیم الامتؒ تھانوی قدس سرہ آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور آپ کی علمی قابلیت پر مکمل اعتماد فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کے رسالہ خیر الاصول کو مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے نصاب تعلیم میں داخل کر کے اسے نقشہ میں لکھوا دیا گیا کہ مشکوٰۃ سے پہلے اس کو پڑھایا جایا کرے۔ اسی طرح ۱۹۳۸ء جب حضرت حکیم الامت قدس سرہ دانت بنوانے کے لیے لاہور تشریف لے آئے تو عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ نے جالندھری کو مطلع کرنے کے لیے حکیم الامتؒ سے اجازت طلب کی تو حضرت حکیم الامتؒ نے ہنس کر فرمایا کہ میں مناع الخیر کیوں بنوں۔ (خود نوشت سوانح نقش حیات)

مجاہد اسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا: کہ

''جو پاکستان میں حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ موجود ہیں ان سے صحبت اور فیض حاصل کرو''۔

اسی طرح حضرت جالندھریؒ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی قدس سرہ کے مہمان تھے۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ابوہریؒ کا اصرار تھا کہ آپ ایک مرتبہ میری دعوت قبول فرمائیں تو اس پر حضرت مولانا مدنی قدس سرہ نے فرمایا:

''آپ مناع الخیر بنے ہوئے ہیں''۔ (خیر الافادات ص ۴۰،۴۱)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی قدس سرہ حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مدرسہ خیر المدارس کے متعلق اپنی رائے عالی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''یہ مدرسہ خیر المدارس ابتداء تعمیر ہی سے حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں علماء اہل حق کا ایک اچھا مرکز رہا ہے اس کے سالانہ جلسوں سے بھی صحیح تبلیغ کا بہت نفع پہنچتا رہا ہے۔ اس کے سرپرست حضرت حکیم الامت اور بانی و مہتمم مولانا خیر محمد صاحبؒ ہمیشہ پاکستان کے حامی رہے اور اب پاکستان میں آنے کے بعد جہاں تک میرا علم ہے اس کے مدرسین و ملازمین پاکستان کی بقا اور استحکام کو ایک اسلامی فریضہ سمجھتے ہیں''۔ (آئین وقواعد خیر المدارس ملتان)

مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مرید حاجی عبدالسلام لائل پوری کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ملتان میں برکت نازل فرمائیں، حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی ملاقات نعمت ہے اس سے نفع حاصل کرو حق تعالیٰ نے موقع عنایت فرمایا ہے''۔ (القول العزیز ج ۲ ص ۱۳۸)

سید الملت حضرت علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ خیر المدارس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''یہ مدرسہ بزرگوں کے طریق پر نہایت اخلاص اور خوبی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اور مخلص حضرات کی مساعی جمیلہ سے ترقی کر رہا ہے''۔

(آئین وقواعد خیر المدارس)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تربیت السالک ج ۲ص ۴ پر فرماتے ہیں کہ:

''جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ہی خیر ہے اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہو گیا ان کو حق تعالیٰ نے بہت سے امور خیر سے موفق فرمایا تھا''۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: کہ

''حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ پاکستان کے علماء و اولیاء میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھنے والے تھے' ایسی جامع علم وعمل باخدا ہستیاں قرنوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں''۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ ایک مرتبہ حضرت جالندھریؒ کے ساتھ سفر کر رہے تھے' حضرت جالندھریؒ ریل کے ڈبہ میں قضائے حاجت کے لیے جانے لگے تو حضرت لاہوریؒ اٹھے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت جالندھریؒ نے بیت الخلاء کا دروازہ بند کر لیا واپسی میں حضرت لاہوریؒ پھر کھڑے ہو گئے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت مولانا جالندھریؒ اپنی نشست گاہ پر واپس تشریف نہ لے آئے اس سے حضرت لاہوریؒ کے دل میں حضرت جالندھریؒ کا احترام ظاہر ہوتا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ تربیت السالک ج ۲ ص ۶ پر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی ذات تعارف کی محتاج نہیں حضرت حکیم الامت کے خلفاء میں ان کا بلند مقام ہے''۔

اسی طرح خیر المدارس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ

''ماشاء اللہ مولانا خیر محمد صاحب کی ذات گرامی مدرسہ کے اہتمام اور خوبی انتظام کا ضامن ہے یہاں کے طلباء اور مدرسین میں علم و عمل کے انوار نمایاں ہیں''۔(آئین وقواعد خیر المدارس)

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بڑے عالم اور بڑے بزرگ تھے علم کے پرکھنے کے لیے تو ان کی تالیفات اور درس و تدریس' خیر المدارس کی بنیاد مناظرے' تبلیغ اسلام کے مواعظ' مجلسی گفتگو' حاضر و بعید سب کے لیے شاہد عمل ہیں مگر ہر فن والا ہی فن والے کے درجہ کو پہچان سکتا ہے اس لیے اہل علم ہی ان کے علمی مرتبہ کو پہچان سکتے ہیں جیسے ہر فن کے ماہر کو اس کے فن والے ہی ماہر ہونا اور کس درجہ کا ماہر ہے پہچان لیتے ہیں ورنہ دوسروں کے لیے تو سب یکساں ہی معلوم ہوا کرتے ہیں یہ قاعدہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے' حضرت جالندھریؒ کی علمی مہارت اہل علم میں معروف و مشہور ہے مگر بزرگی کا کیا درجہ ہوگا اس تک ہر اہل علم بھی نہیں پہنچ سکتا'' ولی راولی می شناسد'' ایک صحیح قاعدہ ہے' باطن میں کیا درجہ ہے اس کو اہل باطن بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں دوسروں کے بس کا کام نہیں ہے اس کے لیے حضرت تھانوی قدس سرہ جو زمانہ حال میں اور خصوصاً علوم باطنہ کے مجدد تسلیم شدہ ہیں ان کا بیعت و تربیت کی اجازت دینا اور مرض وفات میں جن خلفاء کا انتخاب تربیت مجمع فرما کر اعلان فرما دیا تھا جو'' اشرف السوانح'' میں درج ہے اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نام نامی درج ہونا ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے۔ بلکہ ایک دفعہ فرمایا تھا کہ'' انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت کھینچتا ہے''۔ چونکہ مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی اس کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت و فوقیت کو انجن کی زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ

ظاہر فرمایا ہے- حضرت حکیم الامت مجدد الملت کی ان دو شہادتوں کے سامنے اور کسی کی تعریف وستائش پر کتاب کی کتاب میں بھی اس پایہ کی تعریف نہیں ہو سکتی-

(مکتوب گرامی بنام احقر بخاری غفرلہ' ۹' شعبان ۱۳۹۶ھ)

وفات:

مدرسہ خیر المدارس اکتالیس سال پورے کر چکا تھا اور ۱۵' شعبان ۱۳۹۰ھ کو سالانہ امتحان ختم ہو چکے تھے اور مدرسہ تعطیلات کے لیے بند ہو گیا تھا- بیرونی طلباء و اساتذہ کرام اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے کہ ۲۰' شعبان ۱۳۹۰ھ بروز پنج شنبہ استاذ العلماء والصلحاء بانی و مہتمم مدرسہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ پر دل کا جان لیوا دورہ پڑا اور آپ اس جہاں فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے' سینکڑوں علماء اور ہزاروں تلامذہ آپ کی خیر و برکت اور تعلیم و تربیت سے محروم ہو گئے اور مدرسہ خیر المدارس اپنے بانی اور مربی کی شفقت سے محروم ہو گیا-

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

آپ کی وفات کی خبر ملک کے گوشے گوشے میں آگ کی طرح پھیل گئی بہت سے علماء وصلحاء دور دراز سے سفر کر کے نماز جنازہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے کراچی سے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اور مفتی رشید احمدؒ صاحب لدھیانوی' لاہور سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی' خانپور سے مولانا محمد عبداللہ درخواستی' اور پشاور سے مولانا شمس الحق صاحب افغانی فوراً ملتان پہنچے ایک لاکھ سے زائد عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی- مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ' نے امامت کے فرائض انجام دیے اور اس خیر مجسم ہستی کو مدرسہ خیر المدارس کے ایک احاطہ میں سپرد خاک کر دیا گیا- آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے-

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا: کہ

"مولانا کی وفات کے بعد علماء اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں وہ اس زمانہ میں علماء سلف کی یادگار تھے اور تمام علماء میں افضل اور قابل احترام تھے-

حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہؒ نے فرمایا کہ مولانا اسلاف کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ مشکل ہی سے پر ہو گا۔ (روزنامہ امروز ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۰ء)

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ نے تاریخ وفات لکھی تھی۔

یہ کیسی ہستی بے مثل کھو گئی تاریخ — وفات جس کی ہے بے شک وفات علم و عمل
سرالم سے پکارا جو آج ہاتف نے — وفات خیر محمدؒ ہی ہو گئی تاریخ

۱۳۸۹
۱
۱۳۹۰

(تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو احقر راقم کی کتاب 'ذکر خیر محمدؒ' مطبوعہ ملتان)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے تھے جن کا نام اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اور علم وعمل کے سلسلہ میں سرفہرست آتا ہے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی، دینی علوم میں کمال جامعیت وبصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا- آپ دنیائے اسلام کے علماء ومشائخ کی صف اول میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے مالک تھے- نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے متبحر عالم تھے بلکہ علوم طریقت اور سلوک وتصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذاتِ گرامی علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کا مخزن تھی اور علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ آپ کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا- آپ کے علم وفضل، اخلاص وعمل، تقویٰ وطہارت، خشیت وللّٰہیت، سادگی وتواضع اور دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی ہے-

ولادت وتعلیم:

آپ ۱۳، ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو شیخ لطیف احمد صاحبؒ عثمانی کے گھر دیوبند سہارنپور میں پیدا ہوئے اور ابتدائے زمانہ تعلیم سے ہی اپنے حقیقی ماموں مجدد اعظم حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی توجہات عالیہ اور خصوصی تربیت کا مرکز بنے رہے- حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کی تعلیم وتربیت کا اس طرح اہتمام فرمایا جیسے کوئی شفیق ومہربان باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں تعلیم وتربیت کے مراحل طے کرتے ہوئے محدث وقت حضرت مولانا خلیل احمد سہارپوری قدس سرہٗ کے ظل عاطفت میں تزکیہ باطن کی آخری منزلین طے کرنے کا شرف بھی مولانا عثمانی مرحوم کو حاصل ہوا اور اس طرح آپ کو اپنے زمانہ کے حکیم الامتؒ کی بزم علم وعرفان سے مستفید ہونے کے ساتھ اپنے دور کے محدث جلیل کی محفل ارشاد و

ہدایت سے مستفید و مستفیض ہونے کے یکساں مواقع میسر آئے اور آپ بیک وقت علم و عرفان کی شمع فروزاں، محفل ارشاد و ہدایت کے شہ نشین بن کر اور میدان حکمت و سیاست کے شہسوار اور علم و عمل، اخلاص و تقویٰ اور سیرت و کردار کی جملہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہو کر علمی اور روحانی دنیا میں نمودار ہوئے۔

سلوک و تصوف:

اپنے علم و فضل سے اور زہد و تقویٰ کی شمع نورانی سے ایک عالم کو منور اور ہزاروں تشنگانِ معرفت کو سیراب و شاداب کیا۔ اسی لیے مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت قبلہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ ''حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہد حاضر کے ائمہ فن علماء اولیاء اور اتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے حق تعالیٰ نے ان کو علمی و روحانی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل باخدا ہستیاں کہیں ''قرنوں'' میں پیدا ہوتی ہیں''۔
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانی اس تاریک دور میں علم و عمل، اخلاص و للّٰہیت اور علم ظاہری و باطنی کے آفتاب و ماہتاب تھے، رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے آخر وقت تک تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہ طریقت و تصوف کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیہ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف رہے، سینکڑوں علماء اور ہزاروں افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے''۔

(تذکرۃ الظفر مؤلفہ مولانا سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ)

درس و افتاء:

حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اسی زمانے میں آپ کی نوک قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات و تصنیفات عالم ظہور میں آئیں جن پر عالم اسلام کے مشاہیر علماء کرام نے

آپ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا- آپ کی مایہ ناز اور شہرۂ آفاق تالیف ''اعلاء السنن'' کے متعلق چند مشاہیر علماء کی آراء درج کی جاتی ہیں تاکہ آپ کے علمی مقام کا اندازہ ہو سکے-

روحانی و علمی مقام:

مصر کے نامور محقق عالم علامہ زاہد الکوثریؒ اس عظیم تالیف کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ''اعلاء السنن'' کے مؤلف جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں یعنی محدث و محقق، مدبر و مفکر اور زبردست فقیہ حضرت مولانا الشیخ ظفر احمد عثانی کو اللہ تعالیٰ علمی خدمات کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا فرمائے' میں تو اس غیرت مند عالم کی علمی قابلیت و مہارت اور اس مجموعہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا جس میں اس قدر مکمل تحقیق و جستجو اور تلاش و تدقیق سے کام لیا گیا ہے کہ ہر حدیث پر فن حدیث کے تقاضوں کے مطابق متن پر بھی اور سند پر بھی اس طریقہ سے کام کیا گیا ہے کہ اپنے مذہب حنفی کی تائید پیش کرنے میں تکلیف کے آثار قطعاً نظر نہیں آتے بلکہ اہل مذاہب کی آراء پر گفتگو کرتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا- مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہائی درجے کا رشک ہونے لگا' مردوں کی ہمت اور بہادروں کی ثابت قدمی' اس قسم کے نتائج فکر پیدا کیا کرتی ہے خدا ان کی زندگی کو خیر و عافیت کے ساتھ دراز فرمائے کہ وہ اس قسم کی مزید تصنیفات پیش کر سکیں- (المفتی دیوبند ۱۳۵۷ھ)

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر حضرت عثانی کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو بھی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات' حدیث وفقہ ورجال کی قابلیت و مہارت ثبوت و تحقیق کے ذوق کو محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لیے برہان قاطع ہے- اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث وفقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی یہ کتاب ان کی شاہکار تصانیف اور فنی و تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے- حضرت عثانی مرحوم نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر

احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے"۔ (ماہنامہ بینات کراچی ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ مدظلہ فرماتے ہیں کہ "حضرت عثمانی ایسے زبردست عالم دین اور شیخ کامل تھے جن کی رگ رگ میں دین بھرا ہوا تھا اس زمانے میں ان کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ دوسری بے شمار تصانیف کے علاوہ ان کی دو کتابیں ان کے علوم و معارف کے تعارف کے لیے زندہ دلیلیں ہیں۔ ایک "احکام القرآن" اول کی دو منزلیں اور "اعلاء السنن" اٹھارہ جلدوں میں یہ تو ایسا زبردست شاہکار ہے کہ گذشتہ ہزار سال سے ایسی کتاب کی ضرورت تھی مگر اب تک وجود میں نہ آسکی تھی"۔ (تذکرۃ الظفر ص ۱۷۴)

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ مدظلہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمانی مرحوم کو حسن ظاہر اور حسن باطن سے نوازا تھا وہ علم و عمل کے سمندر اور متانت و وقار کے پہاڑ اور اسلاف کی یادگار تھے ان کے علمی مقام کے لیے صرف ان کی ایک ہی کتاب "اعلاء السنن" جو اس صدی کا عظیم کارنامہ ہے پکی دلیل اور شاہد عدل ہے۔

(ماہنامہ الرشید ساہیوال)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدظلہ فرماتے ہیں کہ "حق تعالیٰ نے حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کو حدیث رسول اللہ ﷺ کی خدمت جلیلہ سے نوازا تھا پھر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ جیسے مرشد و ہادی کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات انجام دینے کا موقع عطا فرمایا اور اپنی ذہانت و تبحر علمی کی بدولت احادیث مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ "اعلاء السنن" جیسی تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی"۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ۔ مولانا عثمانی کی تصنیف "اعلاء السنن" حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ مولانا عثمانی جب پہلی جلد لکھ کر حضرت حکیم الامت کی خدمت میں لے گئے تو حضرتؒ نے دیکھا اور

بہت پسند فرمایا دوسری جلد لکھنے کا حکم دیا' مولانا مرحوم نے دوسری جلد مکمل کی اور وہ بھی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کی' حضرت نے بے حد پسندیدگی کا اظہار کیا اور اتنا خوش ہوئے کہ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے- وہ اتار کر مولانا عثمانی کو اوڑھادی اور فرمایا کہ ''علمائے احناف پر امام ابوحنیفہؒ کا بارہ سو برس سے قرض چلا آ رہا تھا الحمدللہ آج وہ ادا ہو گیا''- اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی بلند پایہ کتاب ''فتح الملہم شرح صحیح مسلم'' میں مولانا عثمانی کی مایہ ناز کتاب ''اعلاء السنن'' کے جگہ جگہ حوالہ دیئے ہیں غرض حضرت عثمانی کی علوم حدیث پر بہت گہری اور وسیع نظر تھی''- (تذکرہ ادریس ص ۲'۳)

''بہر حال حضرت عثمانی قدس سرہ' علوم ظاہری حدیث وتفسیر اور فقہ اور جملہ علوم اسلامیہ کے امام تھے اور بقول شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی- ''مولانا عثمانی علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متبحر عالم تھے وہ شریعت کے مزاج کو خوب سمجھتے تھے اور عقل سے تولتے تھے کوئی بات ذمہ داری اور تحقیق سے خالی نہیں ہوتی تھی اور وہ تمام عالم اسلام کے لیے چراغ ہدایت تھے''-[1] غرض آپ کی نظر اس قدر عمیق اور مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ اس کی نظیر اس دور میں نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی بلاشبہ آپ اپنے علمی اور روحانی کمالات میں اسلاف کے سچے جانشین اور ان کی مایہ ناز یادگار تھے جن پر آپ کی محققانہ اور بلند پایہ علمی تصنیفات بے نظیر تدریسی خدمات اور تربیت وسلوک کا صحیح ذوق شاہد عدل ہیں- شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا علمی مقام معاصرین میں کیا ہے؟ تو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو ان کا شاگرد ہوں اور میری طرح سے ان کے بہت سے شاگرد ہیں حضرت حکیم الامتؒ تھانوی قدس سرہ آپ کے علم اور فہم پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے- حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ سے مولانا انیس احمد صاحب صدیقی نے پوچھا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی میں کیا نسبت ہے؟ تو شیخ الحدیث صاحب

---

[1] تذکرۃ الظفر مولفہ مولانا سید عبدالشکور ترمذی

نے فرمایا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا علم وفہم یقیناً زیادہ ہے۔[1] استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب علم کا خزانہ ہیں اور اس وقت کے ولی کامل اور محدث اعظم ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات اتنی ہیں جن کا بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ پاکستان کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں اور ساری زندگی نظام اسلام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ مؤلف ''تذکرۃ الظفر'' آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''برصغیر پاک و ہند کی جن گنی چنی معروف و نامور علمی و روحانی شخصیتوں کے فضل و کمال، علم و عرفان اور دینی بصیرت وثقاہت، تقویٰ وطہارت اور رسوخ فی العلم پر تمام دینی اور علمی حلقوں میں بالاتفاق اعتماد کیا جاتا تھا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نہ صرف ان کی صف اول میں شمار ہوتے تھے بلکہ ان میں سرفہرست اور ان کے صدر نشین تھے۔ بایں علم و فضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے مولانا مرحوم عادات واطوار کی سادگی میں خود اپنی مثال آپ تھے نہ تو مولانا مرحوم کے خورد و نوش میں کوئی تکلف تھا اور نہ ہی گفتگو اور طرز کلام میں کوئی تصنع تھا۔ سادہ وضع کے پرانے بزرگ تھے۔ ہمیشہ نئے طور وطریق اور تہذیب جدید کے آداب سے دور بلکہ نفور رہے چنانچہ وضع لباس وطعام اور گفتگو میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے موافق ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی کو ہی اختیار کیا اور یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت مولانا عثمانی مرحوم جیسی شریعت وطریقت کی جامع کمالات اور نادرہ روزگار شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے مردان حق آگاہ کا کہیں قرنوں میں ظہور ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الظفر ص ۳۱)

بہر حال ایسی جامع کمالات شخصیت اور ہمہ گیر ہستی کے کمالات اور علمی و روحانی عظمتوں کا صحیح ادراک اور ان کے فضل و کمال اور مقام ومرتبہ کا مکمل عرفان ہم جیسے تہی دست ناکارہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس عظیم شخصیت کی عظمتوں کا

---

[1] تذکرۂ ادریس مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی

اعتراف خود حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے کیا ہے فرماتے ہیں: کہ

"میرے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی الحمدللہ علوم دینیہ کا سرچشمہ ہیں اور طالبان خیر کے پیشوا ہیں اور اس دور کے امام محمد ہیں"۔

(ماہنامہ الرشید ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

ممتاز تلامذہ:

الغرض حضرت عثمانی قدس سرہ کا مقام جہت بلند تھا اور بقول حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ آپ اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کے صحیح جانشین اور عین نمونہ تھے۔ آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے تلامذہ اور خلفاء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری' حضرت مولانا شمس الحق فرید پوری' حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوری' شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ اجمعین' جیسے جید علماء شامل ہیں جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ لاکھوں تلامذہ اور مریدین پوری دنیائے اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں اور دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں غرض یہ کہ ساری زندگی خدمت اسلام میں مصروف رہے اور ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی وفات سے پوری دنیائے اسلام میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی اور پورا عالم اسلام اپنے عظیم مذہبی و روحانی پیشوا سے محروم ہو گیا ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ پڑھی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ ملک کے ممتاز علماء صلحاء اور زعماء ملت نے غم کا اظہار کیا اور اپنے عظیم رہنما کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا' ممتاز عالم دین مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ "حضرت مولانا عثمانی کی وفات سے تمام علمی و دینی حلقے یتیم ہو

گئے اور پاکستان اپنے مذہبی بانی اور سرپرست سے محروم ہوگیا ہے'' محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ''مولانا عثمانی کی رحلت سے مسند علم وتحقیق' مسند تصنیف وتالیف' مسند تعلیم وتدریس اور مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں''۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ'' حضرت عثمانی کے عظیم حادثہ ارتحال نے اکابر علماء ومشائخ کی کمر ہمت توڑ دی''۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی فرماتے ہیں کہ مولانا عثمانی کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوگا۔

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ: حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ساتھ ہی موجودہ صدی کی ایک تاریخ رخصت ہوگئی ہے' اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(سیرت عثمانی'')
ماہنامہ البلاغ کراچی

قطعہ تاریخ اُردُو

از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ

زلزلہ سا عالم علمی میں کیوں آتا ہے آج
لرزہ براندام کیوں ہوتی ہے ساری کائنات

فاضلان دہر کیوں حیران و ششدر ہو گئے
لڈے کیوں آنکھوں سے دریا آج آخر کیا ہے بات

ایک تاریکی سی کیسی چھا گئی آفاق پر
کس ولی اللہ نے ماری ہے اس دنیا پہ لات

آہ مولانا ظفر احمد رئیس کارواں
علم کے کوہ بلند اور زہد کے شبلی صفات

عالم باقی و دائم کی طرف ہو کر رواں
چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہان بے ثبات

اب کہاں وہ فیض علمی اور کہاں اصلاح حال
اب کہاں وہ جامع شرع وطریقت نیک ذات

مرکزی جمعیت اسلام کے صدر جلیل
روح اسلامی سیاست مرکز اسلامیات

خانقاہ اشرفی کے مفتی عزت مآب
صاحب تصنیف و تالیف عجائب نادرات

ہندوپاکستان اور بنگال میں درس حدیث
تربیت روحی میں جاری فیض کے دجلہ فرات

خط کتابت سے زمین سے آسمان تک کا عروج
انقلاب روح کے ضامن تھے جن کے نامہ جات

سیکڑوں آوارہ گرد ملک اور اوباش قوم
بنگئے برکت سے جن کی صالحین و صالحات

رو رہا ٹنڈو اللہ یار کا دارالعلوم
آہ اے شیخ الحدیث و مفتی و شیخ نجات

علم کے گہرے سمندر جس کی موجیں ہر طرف
گوہر افشاں کشت پر درباعث سبزہ نبات

ایک اعلاء السنن اٹھارہ جلدوں کی کتاب
مذہب احناف کی جملہ احادیث و نکات

پھر ثبوت آیات کا دو منزلیں قرآن کی
یہ ہے احکام قرآن و رد جملہ واہیات

ان کتابوں کی ضرورت سکو تھی صدیوں سے تھی
کرنہ پایا کوئی لیکن اب تک ان پر التفات

پھر بہت سے ہیں رسائل اردو عربی دین کے
نظم عربی کی بلاغت رشک بغداد و ہرات

شرف پاکستان کے پرچم کشائے اولیں — صاحب فتح وظفر سلہٹ میں دے کر سکومات
زہد و بےلوثی کا یہ عالم کہ شہرت سے الگ — ممبری عہدوں وظیفوں کی نہ جاگیروں کی بات
صبر کی تلقین اب کس کس سے ہو کس کس کو ہو — ہر مسلمان کے جگر پر زخم کاری ہے وفات
شمس علم ظاہر و باطن ہوا ہے غروب — روز روشن بخت کا اب بنگیا تاریک رات
''ہادیؔ عالم ظفر احمد'' کا لاؤ تو مثیل — ''مفتخر سید'' سے ہو کیسے ''شرف کا التفات''

۱۳۹۴ھ ۵۸۰ — ۱۳۹۴ھ ۵۸۰
۵۸۰ھ — ۵۸۰ھ
۱۹۷۴ء — ۱۹۷۴ء

آہ کیا دن تھے کہ جب تھا موجزن دریائے فیض — آمد دنیا ''تفضل'' ''عید'' تھا دورِ حیات
(۱۳۱۰ — ۸۴)
فیض ظاہر فیض باطن جب ہے دونوں سے قعودؔ — ''شہر ذیقعدہ'' مہینہ بنگیا سال وفات
(۱۳۹۴ھ)

القطعة التاريخيه

ظَفَر اَحْمَدُ الشيخ شيخ الهُدىٰ — بَنَى الْمُلْكُ و الرُّشد لَمْ يَنْتَظِرُ

مولانا ظفر احمد شیخ ہدایت نے پاکستان ملک تو بنا دیا اور اس کی درستی کا انتظار نہ کیا۔

فَهَيْهَاتَ هَيْهَات سَاعِي الْبِنَا — فَلِلْا رِحِ قُلْ "بِالْمَسَاعِي ظَفَرُ"
(۲۱۴ — ۱۱۸۰)
۱۳۹۴ھ

وہ دور ہو گئے وہ پاکستان کی بنا کی کوشش کرنے والے تم تو تاریخ کے لیے کہہ دو کہ

ل یعنی اس پر لفظ مثیل لاؤ ''مثیل ہادی عالم ظفر احمد'' کہو تو دوسری تاریخ عیسوی بن جائے۔ ایسے ہی سید مفتخر پر ''شرف کا التفات کر'' شرف مفتخر سید کہو تو عیسوی تاریخ ہو جائے۔

ل بمعنی احسان یہ سال ولادت دنیا میں آنے کا سال ہے ۱۳۱۰ھ۔ اور عید (۸۴ سال) زندگی ہے۔

ل قعود بیٹھ رہنا کام بند کر دینا جو وفات سے بند ہوا۔

کوششوں میں تو کامیاب ہو گئے۔

ظفر احمد الحِبْرُ فِی کُلِّ عِلْمٍ وَ کَانَ اجْتِہَاد لَہٗ فِی الْفُہُوْمِ

مولانا ظفر احمد صاحب جوہر علم میں بڑے ماہر تھے۔ اور معانی و مطالب میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔

لَقَدْ سَافَر الْیَوْمَ عَنَ غَیْرِ مِثْلٍ فَلِلْاِرْخِ قَالُوا "غزیرا العلوم"

۱۷۷ ۱۲۱۷

۱۳۹۴ھ

آج بغیر کسی مثل کے چھوڑے سفر کر گئے' تو تاریخ کے لیے لوگوں نے کہہ دیا بہت ہی علوم والے تھے۔

کرو مولانا ظفر احمد وفاتؔ فیض ہا کو بود ازاں بیحد' نماند

سال رحلت چوں زہاتف خواستم گفت او "ہائے ظفر احمد نماند"

۱۲۵ ۵۳ ۱۲۸۰ ۱۶

۱۳۹۴ھ

ظفر احمد شیخ علم و معارف چرا رفتی و ہیچ باما نگفتی

کجا فیض ظاہر کجا فیض باطن بتاریخ گفتم "رخ از ما نہفتی"

۵۴۵ ۴۹ ۸۰۰

۱۳۹۴ھ

ے وفات کا مہینہ اس لیے سال وفات بنگیا۔

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور امتیاز بخشا ہے وہ بہت کم علمی اداروں کے حصہ میں آتا ہے دارالعلوم دیوبند نے وہ بے مثال شخصیتیں پیدا کی ہیں جن سے دنیا میں علم وعرفان کے چشمے جاری ہوئے اور جن کے فیض علمی وروحانی سے دنیائے اسلام میں اجالا پھیل گیا ہے' یہاں کا فیض یافتہ ہر شخص اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتا ہے اسی دارالعلوم کے ایک فرزند جلیل شیخ الحدیث والتفسیر استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں' جو اپنے زمانہ کے عظیم محدث جلیل القدر مفسر' بہترین محقق' مدبر اور بلند پایہ عالم دین تھے۔ آپ کی تمام زندگی خدمت اسلام اور تبلیغ واصلاح میں بسر ہوئی' آپ کی قلم وزبان نے شریعت کے اسرار آشکار کیے اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی نئی روح بخشی۔

نسب وولادت:

آپ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں' سلسلہ نسب خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ اور حضرت امام فخر الدین رازیؒ آپ کے اجداد میں سے ہیں۔ والدۂ محترمہ کی طرف سے سلسلہ نسب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ کا آبائی وطن یوپی کا مردم خیز علاقہ ''قصبہ کاندھلہ'' ضلع مظفرنگر ہے۔ آپ حضرت مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحبؒ کے چشم وچراغ تھے جو ایک ممتاز عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے' شیخ المشائخ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔ آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو شہر بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد محکمہ جنگلات کے مہتمم تھے اور عرصہ سے بھوپال ہی میں مقیم تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے اپنے والد محترم کی زیر نگرانی نو سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا پھر آپ کے والد گرامی آپ کو ابتدائی دینی تعلیم کے لیے قطب عالم حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں تھانہ بھون لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ''حضرت'' میں ادریس کو خانقاہ اشرفیہ میں داخل کرنے کے لیے لایا ہوں اور اب یہ آپ کے سپرد ہے' یہ سن کر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے برجستہ فرمایا کہ ''حافظ صاحب'' یہ نہ کہیے کہ خانقاہ اشرفیہ میں داخل کرنے کے لیے لایا ہوں۔ بلکہ یوں کہیے کہ ''مدرسہ اشرفیہ میں داخل کرنے کے لیے لایا ہوں''۔[1]

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا نور بصیرت اس حقیقت کو بھانپ گیا تھا کہ حافظ اسماعیل کا بیٹا صرف خانقاہی نظام کے لیے پیدا نہیں ہوا' اس سے تو قدرت قرآن وسنت کے علوم کی ایسی عظیم خدمت لے گی جو کہیں صدیوں میں کسی مرد مومن کا نصیبہ بنتی ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر آپ کو خانقاہ اشرفیہ کے بجائے مدرسہ اشرفیہ میں داخل کیا گیا' صرف ونحو کی پہلی کتاب حضرت حکیم الامتؒ نے خود شروع کرائی اور اس کے بعد آپ نے مدرسہ اشرفیہ میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کر دیا' مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ سے بھی علمی استفادہ کیا مدرسہ اشرفیہ میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کیا گیا اور خود حضرت حکیم الامتؒ آپ کو سہارنپور لے کر گئے اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سپرد کر

---

[1] تذکرۂ ادریس مؤلفہ محمد میاں صدیقی

دیا' حدیث' تفسیر' فقہ اور دیگر مروج علوم کی تکمیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے کی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا حافظ عبداللطیفؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ جیسے جلیل القدر علماء و اساتذہ سے علمی استفادہ کیا اور ۱۹ برس کی عمر میں سند فراغ حاصل کی پھر مکرر دورۂ حدیث کے لیے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جو بقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کہ ''اس وقت دارالعلوم دیوبند ائمہ فن علماء اولیاء اور اتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا ایک طرف نمونہ سلف قدوۃ المشائخ حضرت مولانا سید محمد انورشاہ کشمیریؒ کا حلقہ درس حافظ ابن حجرؒ اور شیخ الاسلام نوویؒ کے حلقہ درس کی مثال تھا تو دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا حلقہ درس' امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کی یاد تازہ کرتا تھا' ایک طرف مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰنؒ صاحب عثمانی کا حلقہ درس اور حلقہ فتاویٰ اور اس کے ساتھ حلقہ اصلاح و ارشاد اور سالکین طریقت کی تربیت کا بے نظیر سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف یادگار سلف عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ دیوبندی کا درس حدیث وفقہ اور نہایت مفید عام تصانیف سلسلہ تھا اور جس طرف دیکھو یہ بزرگانِ سلف کے نمونے پیکر علم وعمل ستاروں کی طرح درخشاں نظر آتے تھے جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا' کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہو جانا بلاشبہ حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر ہوتا تھا۔[1]

چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند میں انہیں اکابر کی توجہات و عنایات کا مرکز رہے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی' حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ اجمعین کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور دوبارہ دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔[2]

---

۱ ماہنامہ البلاغ کراچی' اکتوبر ۱۹۷۴ء

۲ تفصیل کے لیے دیکھئے تذکرۂ ادریس مؤلفہ محمد میاں صدیقی مطبوعہ لاہور۔

درس وتدریس:

آپؒ کی تدریسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۱ء سے ہوا اور سب سے پہلے مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس مقرر ہوئے اس وقت مدرسہ امینیہ کے روح رواں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ تھے۔ مدرسہ امینیہ میں ایک سال قیام کے بعد دارالعلوم دیوبند کی کشش آپ کو دیوبند کھینچ لائی اور قدرت نے آپ کو ایک بہت بڑا اعزاز بھی بخشا کہ جن عظیم اساتذہ کے آگے ایک برس قبل زانوئے ادب تہہ کیا تھا انہوں نے آپ کو تدریس کی دعوت دی چنانچہ آپ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی فقہی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ اجمعین جیسے جلیل القدر علماء واساتذہ کے پہلو بہ پہلو مسند درس پر فائز ہوئے، مفتی اعظم پاکستان سیدی ومرشدی حضرت قبلہ مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۷ھ میں مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی اور احقر محمد شفیع کو اساتذہ نے خدمت درس وتدریس پر مامور کیا، ہم اس وقت تینوں نوعمر بچے تھے جن کو اکابر واساتذہ ہی کی خدمت میں رہ کر تعلیمی خدمات انجام دینے کا موقع حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اور ان حضرات اکابر نے ہم تینوں میں درس وتدریس کی خدمات کے ساتھ مسائل کی تحقیق اور علمی بحث ومباحثہ اور تصنیف وتالیف کا بھی ذوق پیدا کیا اور یہ حق تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔[1] بہرحال حضرت کاندھلویؒ نو سال دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے اس کے بعد بعض وجوہ کی بنا پر آپ حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور کم وبیش نو برس ہی حیدرآباد دکن میں قیام رہا اگرچہ وہاں دارالعلوم جیسی نعمت تھی اور نہ علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانی جیسے علم وحکمت کے سرچشموں سے قرب حاصل تھا مگر اس اعتبار سے حیدرآباد دکن کا زمانہ قیام آپ کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ گردانا جا سکتا ہے کہ یہاں ''التعلیق الصبیح'' شرح مشکوٰۃ المصابیح'' جیسی شہرہ آفاق اور مایہ ناز کتاب کی تالیف

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی اکتوبر ۱۹۷۴ء

کا موقع ملا اور اس کی ابتدائی چار جلدیں وہیں کے قیام کے دوران دمشق جا کر طبع کرائیں۔ ۱۹۳۹ء میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے اصرار پر آپ پھر دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے اور تقسیم ملک کے دو برس بعد تک دار العلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے دینی و تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے اور ہزاروں علماء کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق:

قیام پاکستان کے تقریباً دو برس بعد ۱۹۴۹ء میں اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ہندوستان سے ہجرت فرما کر مستقل پاکستان میں رہائش اختیار فرمائی اور دو برس تک جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے قیام فرمایا پھر جب حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۶۶ھ کو لاہور میں جامعہ اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا تو آپ کو جامعہ کے عہدۂ شیخ الحدیث کے لیے انتخاب فرمایا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ ''مولانا میں آپ کو پراٹھا اور پلاؤ چھوڑ کر سوکھی روٹی کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ نے بلا تامل جواب دیا کہ حضرت خدمت دین کی خاطر مجھے منظور ہے۔[1] اس وقت آپ جامعہ عباسیہ بہاول پور سے وابستہ تھے اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں آپ لاہور تشریف لے آئے اور زندگی کے آخری لمحہ تک جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث والتفسیر رہے اور آخر دم تک درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا' جامعہ اشرفیہ کی جامع مسجد میں مستقل طور پر کتب کا درس ہوتا رہا جہاں بڑے بڑے علماء وصلحاء، رؤساء آپ کے درس میں شوق سے شریک ہوتے تھے غرضیکہ آپ نے نصف صدی تک درس و تدریس' تقریر' وعظ و تبلیغ اور نجی مجالس کے ذریعے امت مسلمہ کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا اور کلام الٰہی اور حدیث نبویؐ کی روشنی سے ہزاروں بندگان خدا کے دلوں کی دنیا منور اور تاباں کی خلوص وللّٰہیت میں ڈوبی ہوئی تقریروں نے لاکھوں دلوں

---

[1] تذکرۂ ادریس مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی

کی دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ آپ کے درس اور تقریر وتحریر میں علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

دینی وملی خدمات:

حضرت کاندھلوی کا ذہن خالص تعلیمی تھا اور زندگی کی تمام تر توانائیاں تعلیم و تدریس تصنیف وتالیف اور تبلیغ وارشاد کے لیے وقف تھیں گو سیاست سے عملاً ہمیشہ بے تعلق رہے مگر مسلمانوں کی اصلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان میں آپ کا موقف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور فقیہ الامت مولانا ظفر احمد عثمانی کے عین موافق تھا، نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے، آپ ایک قومی نظریے کی برملا تحریر وتقریر کے ذریعے تردید کرتے رہے اور دو قومی نظریے کی حمایت کرتے رہے اور ابتداء ہی سے تحریک پاکستان سے وابستہ رہے۔ ۱۳۴۰ھ میں جب قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا تو اس کی سرکوبی کے لیے علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے علمی جانشینوں میں سے مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو منتخب فرمایا ان تینوں حضرات نے اپنے اساتذہ کے حکم پر تحریری محاذوں پر قادیانی دجل وفریب کا وہ پردہ چاک کیا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، قادیانی فتنے کے خلاف تمام ہندوستان کا دورہ کیا، مناظرے کیے اور بہت سی کتابیں رد قادیانیت پر لکھیں یہاں تک کہ قادیانیت نے دم توڑ دیا اس کے بعد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرتے رہے، قیام پاکستان کے بعد قرارداد مقاصد اور اسلامی نظام کے نفاذ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کے دست راست رہے۔ ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں اسلامی دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لیے ہر مکتب فکر کے اکابر علماء کا جو اجتماع مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی قیام گاہ کراچی میں ہوا تھا اس میں مولانا کاندھلویؒ بھی شریک تھے۔ ۱۹۵۲ء میں خواجہ ناظم

---

۱ تذکرۂ ادریسؒ، مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی۔

الدین مرحوم کی جانب سے دستوری مسائل پر غور کرنے کے لیے جن ممتاز علماء کو دعوت دی گئی ان میں آپ بھی شامل تھے' ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور کلمہ حق ادا کرتے رہے' ۱۹۶۹ء میں سوشلزم جیسے لادینی فتنے کے تعاقب میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ اجمعین کے شانہ بشانہ ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود ملک کے اہم شہروں میں دورہ کرتے رہے اور تقریر و تحریر کے ذریعے سوشلزم کی تردید کرتے رہے الغرض آپ آخر دم تک اسلامی نظام کے لیے کوشاں رہے۔

تصنیف و تالیف:

درس و تدریس' تبلیغ و اصلاح اور دوسری دینی و ملی خدمات کے علاوہ آپ کا محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف تھا زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرا' تقریباً تمام دینی موضوعات پر قلم اٹھایا اور ایک سو سے زائد کتابیں تالیف فرمائیں جن میں ''التعلیق الصبیح' عربی' سیرت مصطفیٰ' تراجم بخاری' عقائد اسلام' اصول اسلام' خلافت راشدہ' اسلام اور نصرانیت' علم الکلام' اور تفسیر معارف القرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ جو آپ کے صحیح علمی جانشین ہیں وہ آپ کی ادھوری اور غیر مطبوعہ تالیفات پر احسن طریقے سے کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے فیض علمی کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔

اخلاق و اوصاف:

آپ کے اخلاق عالیہ بہت بلند تھے نہایت خلیق و ملنسار تھے' طبیعت میں انتہا درجہ کی سادگی تھی' اس قدر علم و فضل کے باوجود یہ کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ بھی اتنے بڑے عالم ہیں' عجز و انکساری اور مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے شاگرد بھی آتے تو ان کے لیے بھی خود اپنے ہاتھ سے کھانا لے کر آتے ہر کسی سے سادہ اور بے تکلف گفتگو فرماتے' امراء اور حکام سے زندگی بھر کنارہ کش رہے بڑے بڑے لوگوں نے آپ سے اپنی عقیدت اور وابستگی کا اظہار کیا مگر کبھی کسی سے کوئی دنیوی غرض بیان نہیں کی' اکابر کے

بے حد قدر دان تھے اور اپنے ہمعصر اکابر علماء کے محب و محبوب تھے بالخصوص حکیم الامت، تھانویؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثانی' علامہ سید سلیمان ندوی' مولانا ظفر احمد عثانی' مولانا مفتی محمد حسن امرتسری' مولانا مفتی محمد شفیع' مولانا بدر عالم میرٹھی' مولانا خیر محمد جالندھری' مولانا احتشام الحق تھانویؒ' مولانا محمد یوسف بنوری' مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ اجمعین سے خاص تعلق و عشق تھا- آپ کے ہر درس اور مجلس میں حضرت حکیم الامت تھانوی کا ذکر ضرور ہوتا تھا اور ہر علمی نکات پر ان کی روایات بیان فرماتے تھے- اپنے اساتذہ کرام میں سے علامہ انور شاہ کشمیری' علامہ شبیر احمد عثانی اور مولانا ظفر احمد عثانی رحمہم اللہ اجمعین کی بہت تعریف کیا کرتے تھے' فرمایا کرتے تھے کہ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری اسی دور کے رازی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی اس وقت کے غزالی ہیں حضرت مولانا ظفر احمد عثانی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ مولانا عثانی اس وقت علماء دیوبند میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور علماء سلف کی آخری یادگار ہیں اور مفتی صاحب اس وقت فقہ کے امام ہیں-
پاکستان کے دوران قیام میں جب بھی کسی شخص نے آپ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ مولانا ظفر احمد عثانی مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی محمد حسن صاحب رحمہم اللہ اجمعین کی طرف رجوع کے لیے فرماتے اور کہتے کہ یہ حضرات صحیح معنوں میں شیخ کامل ہیں-
حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اخلاق و اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مولانا ادریس کاندھلویؒ اہل علم کے بڑے قدر دان تھے' خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے' مزاج میں حد درجہ سادگی تھی' دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے' مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق تھے' ان کے واقعات علم و عمل اور درس و تدریس سے معمور تھے' کتابوں کے عاشق تھے' نئی مطبوعہ کوئی کتاب جس وقت اور جس قیمت سے ملتی خرید لیتے تھے' خوش مزاج تھے' مجلس لطائف و ظرائف سے مالا مال ہوتی تھی' مہمان نواز تھے' مکارم اخلاق عالمانہ تھے' لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے اپنی رائے پر پختہ تھے کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے' حق گو تھے' اور

دنیوی افکار و اشغال سے فارغ رہتے تھے۔ (ماہنامہ بینات کراچی ستمبر ۱۹۷۴ء)

مقام کاندھلویؒ:

آپ کا علمی و عرفانی مقام بہت بلند تھا اور اپنے معاصرین میں ہمیشہ ایک ممتاز حیثیت سے زندگی بسر کی اور اکابر علماء بھی آپ کی علمی مہارت کے قائل تھے آپ کی عالمانہ و عارفانہ رفعت و عظمت کا اندازہ لگانا تو بہت مشکل ہے مگر یہاں صرف چند اکابر و مشائخ اور ہم عصر علماء کی مختصر آراء درج کی جاتی ہیں تاکہ آپ کے مقام علمی و عملی کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکے۔ آپ کو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بڑی عقیدت و محبت تھی اور اکثر حصہ ان کی خدمت میں گزارتے اور ان سے سلوک و تصوف کے منازل بھی طے کرتے رہے اور ان کی دست حق پر بیعت بھی کی' اسی طرح حضرت تھانویؒ بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپ کی علمی قابلیت پر مکمل اعتماد کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے علاوہ آپ کو بھی ''احکام القرآن'' کی ایک منزل لکھنے کا حکم فرمایا اور آپ کی اکثر تصانیف پر حضرت حکیم الامت کی تقاریر موجود ہیں جن سے مولانا کاندھلوی کا مقام ظاہر ہوتا ہے۔ ''سیرت مصطفیٰ ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں کہ احقر اشرف علی تھانوی نے مقامات ذیل خود فاضل مولف یعنی جامع کمالات علمیہ و عملیہ مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی زبان سے سنے جس کے سننے کے وقت بالکل یہ منظر سامنے تھے ''**یزیدک وجهه حسنا اذا مازدته نظرا**'' جتنی میں زیادہ نظر کرتا ہوں' تیرے چہرے پر حسن کی زیادتی نظر آتی ہے۔ دیکھئے آپ کی تالیف ''سیرت مصطفیٰؐ'' کے چند اوراق سن کر حضرت کاندھلوی کو کیسے خطاب اور القاب سے نوازا ہے۔

علامہ کشمیریؒ جو آپ کے خصوصی اساتذہ میں سے ہیں اور آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ سے والہانہ لگاؤ تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ آپ سے خوش ہو کر فرمایا کہ ''آپ کتاب کو پڑھ کر اس کا جوہر اور خلاصہ نکال لیتے ہیں''۔ اسی طرح آپ کی شہرۂ

---

[1] ماخوذ تذکرۂ ادریسؒ مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی

آفاق تالیف ''التعلیق الصبیح' شرح مشکوٰۃ المصابیح'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی شرح مشکوٰۃ کی مانند کوئی شرح روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔[1]

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اپنے علمی تبحر کے اکثر اہم اور مشکل علمی مسائل میں آپ سے گفتگو فرماتے اور رائے لیتے اور بارہا یہ فرمایا کرتے تھے کہ ''مولوی محمد ادریس صاحب کی بات نہایت ہی جچی تلی ہوتی ہے اور علمی نقول نکال لانے میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کر سکتا اور کبھی کبھی بڑی ہی محبت کے انداز میں فرمایا کرتے کہ یہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ یہ تو چلتا پھرتا کتب خانہ ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق فرمایا کہ مولانا محمد ادریس صاحب اپنے زمانے کے محدث' مفسر' ادیب اور متکلم ہیں' ساتھ ہی علم اور دین کی خدمت کا خاص جذبہ رکھتے ہیں۔[2]

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں اور اپنے علم و عمل کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے۔ مولانا کاندھلویؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''مولانا مرحوم ایسے جید علمائے باعمل میں سے تھے جن پر ان کے اساتذہ کو فخر ہے: ''التعلیق الصبیح'' کے نام سے عربی میں مشکوٰۃ کی شرح لکھی جو ہمیشہ ان کا نام روشن رکھے گی''۔[3]

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی تقریر سن کر فرمایا کہ مولانا کی تقریر بڑی مکمل' مدلل اور مسلسل تھی' اسی طرح آپ فرماتے کہ جی چاہتا ہے کہ مولانا ادریس کا علم چرا لوں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص علامہ ندویؒ سے تفسیر یا حدیث کے متعلق سوال کرتا تو فرماتے کہ: مولانا ادریس صاحبؒ سے رجوع کریں۔[4]

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''مولانا کاندھلویؒ اس وقت ان چند بزرگ ہستیوں میں سے تھے جو برصغیر پاک و ہند میں انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں جو مدتوں اکابر علماء مشائخ کی نظروں میں پلے' ان کی صحبتوں سے مستفید ہو کر

---

[1] ماخوذ تذکرۂ ادریس مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی

[2،3،4] تذکرۂ ادریس

آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اب دنیا میں ان کی مثالیں کہاں اور کس طرح پیدا ہوں۔[1]

مولانا احتشام الحق تھانویؒ مدظلہ فرماتے ہیں: کہ

''مولانا کاندھلویؒ حلقہ دیوبند کے اکابر و مشائخ میں سے تھے' بلند پایہ عالم دین' وسیع النظر مفکر اور اونچے درجہ کے محدث و مفسر تھے' بہت سی عربی اور اردو کتابوں کے مصنف تھے اور حقیقت میں سلف صالحین کا نمونہ تھے' نظریہ پاکستان کے دل سے حامی تھے بڑے قابل قدر بزرگ تھے''۔[2]

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ فرماتے ہیں: کہ

''آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز علماء و فضلاء میں سے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مخصوص اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے ہیں''۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

وفات حسرت آیات:

حضرت کاندھلویؒ کی زندگی کے اس مختصر مضمون کو پڑھ کر ہر شخص یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ آپ کا مقصد حیات صرف علم اور علم کی خدمت ہے' درس و تدریس' مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے انہماک اور شغف نے ہمیشہ اپنی صحت کے خیال و توجہ سے دور رکھا یہاں تک کہ حیات مبارکہ کے آخری چند سالوں میں بھی جب نقاہت اور کمزوری زائد تھی آپ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور مسلسل ایک سال تک علیل رہے۔ بیماری کے دوران بھی ذکر و اشغال میں مصروف رہتے' آخر دم تک صبر' توکل' قناعت' استقامت اور زہد و عبادت میں ثابت قدم رہے' متبع سنت اور سچے عاشق رسولؐ تھے' متعدد بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور آخر کار اس مرد مومن نے ۸' رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸' جولائی

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی

[2] روزنامہ جنگ کراچی

۲۸؍۱۹۷۴ء بروز اتوار صبح بعد نماز فجر پانچ بج کر دس منٹ پر داعی رب کو لبیک کہتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر پورے عالم اسلام میں بجلی بن کر گری اور پوری ملت اسلامیہ اپنے اس عظیم مذہبی رہنما کے غم میں ڈوب گئی ہر طرف سے اظہار غم کیا گیا بڑے بڑے علماء دور دراز سے سفر کر کے اپنے اس محبوب رہنما کی آخری زیارت کے لیے لاہور تشریف لائے کراچی سے آپ کے محبوب ساتھی مولانا احتشام الحق تھانویؒ فوراً لاہور پہنچے، سیالکوٹ سے مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ تشریف لائے اسی طرح ملتان، سکھر، سرگودھا اور ملک کے دوسرے علاقوں سے ممتاز علماء اور عقیدت مند لاہور پہنچے، نماز جنازہ جامعہ اشرفیہ کے احاطہ میں ادا کی گئی ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی امامت کے فرائض آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ مدظلہ، نے انجام دیئے۔

ممتاز علماء اسلام اور مشاہیر وقت نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ جس سے آپ کی شخصی عظمت اور مقام ارفع کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ، آپ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ

''حضرت مولانا کاندھلوی اپنے وقت کے عظیم محدث، مفسر، محقق اور عارف تھے افسوس کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے علم و عمل ایمان و اخلاق اور حق و صداقت کا ایک روشن چراغ جس کے زہد و تقویٰ کی شعاعیں ملک کے کونے کونے میں نور خدا پھیلا رہی تھیں ہمیشہ کے لیے بجھا دیا''۔

حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ، نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ:

''مولانا کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے''۔

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ، فرماتے ہیں کہ:

''مولانا کی رحلت ایک تبحر عالم دین اور ایک بطل جلیل کی موت ہے اور یہ عظیم سانحہ علم وعمل اور زہد وتقویٰ کے ایک پورے دور اور ایک مکمل عہد کی موت کا سانحہ ہے جسے امت مسلمہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی''۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا مرحوم علم وفضل کے عظیم مینار اور زہد وتقویٰ کے مشعل تھے''۔

حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''مولانا ایک جید عالم دین' محدث' مفسر اور صاحب علم وعرفان بزرگ تھے اللہ تعالیٰ ان کے علوم وفیوض کی برکات سے قیامت تک تمام عالم اسلام کو منور رکھے۔ آمین

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ ترے در کی دربانی کرے

تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔

اکابر علماء دیوبند
مؤلفہ احقر راقم بخاری غفرلہٗ

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ کا شمار ایسے علمائے حق میں ہوتا ہے جنہوں نے پوری زندگی علوم دینیہ کی خدمت اور امت مسلمہ کی اصلاح کے لیے صرف فرمائی' وہ نہ صرف مفسر عہد مدبر عصر' عالم بے بدل' فاضل اجل' فقیہ دوراں اور محقق اعظم تھے' بلکہ راہ سلوک و تصوف کے بے مثل امام تھے اور شیخ کامل تھے' عالموں کے عالم اور اصحاب ارشاد کے صدر نشین تھے اور حقیقت میں ہمارے عظیم اسلاف کی یادگار تھے ان کی زندگی ہم سب کے لیے مشعل راہ اور نمونہ ہدایت تھی۔

ولادت و تعلیم:

آپ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے' خاندانی اعتبار سے آپ عثمانی تھے آپ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین دیوبندیؒ ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے' حضرت مفتی اعظمؒ نے ایک دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور بچپن ہی سے جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحبؒ کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی' فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں حساب و فنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحبؒ سے حاصل کی' سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے' اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے جن عظیم المرتبت علمائے امت سے حضرت مفتی اعظمؒ نے شرف تلمذ حاصل

کیا' ان میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مفتی اعظم ہند مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی' عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی' شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی' استاذ العلماء مولانا رسول خان ہزاروی اور فخر العلماء مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ اجمعین جیسے اکابرین شامل ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔

درس وافتاء:

زمانہ طالب علمی میں حضرت مفتی اعظمؒ کا شمار نہایت ذہین اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا اور امتحانات میں ہمیشہ امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے تھے' اسی لیے اساتذہ آپ سے بے حد شفقت اور محبت کا سلوک کرتے تھے ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے انہیں ابتدائی کتب کی تعلیم کے لیے استاذ مقرر فرما دیا پھر بہت جلد درجہ عالیہ کے استاذ ہو گئے' اور تقریباً ہر علم وفن کی جماعتوں کو پڑھایا ان کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا' مگر دورۂ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف اور عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا درس تو ایسا ہوتا تھا کہ مختلف ملکوں کے علماء اور اساتذہ بھی شریک ہونا سعادت سمجھتے تھے۔ دار العلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ اس ۲۷ سال کے عرصہ میں انڈونیشیا' ملائشیا' سنگاپور' برما' برصغیر' افغانستان' بخارا' سمرقند' وغیرہ کے تقریباً تیس ہزار طلباء نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا' ان میں سے ہزاروں اب بھی مختلف ملکوں میں دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

دار العلوم دیوبند میں تدریس کے دوران مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی نے فتویٰ کے سلسلہ میں آپ سے کام لینا شروع کیا وہ سوالات کے جوابات خود لکھتے اور آپ سے لکھواتے اور اصلاح وتصدیق کے بعد یہ روانہ کر دیئے جاتے ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہو گئے' ارباب دار العلوم نے مختلف صورتوں سے دار الافتاء کا کام چلایا۔ مگر ۱۳۴۹ھ میں یہ کام مستقل آپ کے سپرد کر دیا گیا' آپ کو اس عظیم کام کی اہمیت کا بہت احساس تھا کیونکہ دار العلوم میں نہ صرف برصغیر کے کونے کونے سے استفتاء موصول ہوتے تھے بلکہ دنیا بھر کے ملکوں سے مسلمان مختلف مشکل فقہی مسائل کے بارے

میں آخری فیصلوں کے لیے دارالعلوم دیوبند سے رجوع کیا کرتے تھے حضرت مفتی صاحبؒ اپنی جگہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ صدر مفتی کے منصب کا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکیں گے- تاہم حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سرپرستی امداد اور اعانت کے وعدے پر انہوں نے یہ عظیم منصب قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ صدر مفتی کے عظیم منصب کا حق پوری طرح ادا کرتے رہے اور قیام پاکستان تک اس عظیم منصب پر فائز رہے-

سلوک و تصوف:

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک و تصوف میں بھی بلند مقام پایا تھا ابتداء میں آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے ۱۹۲۰ء میں بیعت ہوئے پھر ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے جنہوں نے آپ کی علمی اور روحانی صلاحیتوں کو دیکھ کر ۱۳۴۹ھ میں آپ کو اپنا خلیفہ اور مجاز بیعت قرار دے دیا- حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء مجازین میں حضرت مفتی اعظم کو ایک خاص مقام حاصل تھا اور حضرت حکیم الامتؒ آپ پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے آپ تقریباً بیس سال تک حضرت حکیم الامتؒ کی صحبت میں رہے اور ان کی زیر نگرانی کئی عظیم تالیفات اپنے قلم سے تصنیف فرمائیں- جیسے احکام القرآن اور حیلہ ناجزہ وغیرہ بہرحال آپ پر حضرت حکیم الامت کو ایک خاص اعتماد تھا- حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کو آپ کی علمی و فقہی بصیرت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی ان سے مشورہ لیتے اور فتویٰ طلب فرماتے اور اس پر عمل فرماتے تھے-

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ

''اللہ تعالیٰ مفتی محمد شفیع کی عمر دراز کرے مجھے ان سے دو خوشیاں ہیں ایک تو یہ ان کے ذریعے علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں''-

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مدظلہ فرماتے ہیں: کہ

''کہ حضرت مفتی اعظمؒ ہمارے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے علمی اور روحانی ترجمان اور صحیح جانشین تھے، ہمارے قدیم اسلاف کی یادگار تھے۔ فقہ و تفسیر میں امامت کا مرتبہ حاصل تھا، ایک مایہ ناز مصنف، ادیب اور شاعر تھے، ایک شیخ کامل تھے اور عارف کامل تھے، الغرض آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اور اکابرین امت کو آپ کی ذات پر مکمل اعتماد تھا، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر احمد عثمانی، اور مولانا اصغر حسین دیوبندی رحمہم اللہ علیہم اجمعین جیسے مشاہیر بھی آپ سے رائے لیتے تھے اور آپ کو وقت کا محقق، مفسر، مدبر، اور فقیہ تسلیم کرتے تھے درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی آپ کا محبوب مشغلہ رہا اور آپ کے قلم فیض رقم سے تین سو سے زائد تالیفات منصۂ شہود پر آئیں جن میں اسلام کا نظام اراضی، ختم نبوت کامل اور سیرت خاتم الانبیاء، کشکول، جواہر الفقہ، مقام صحابہؓ، مجالس حکیم الامت، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ اور تفسیر معارف القرآن، علمی دنیا کا شاہکار ہیں، تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی اس دور کا زبردست کارنامہ ہے، جس کے متعلق شیخ الاسلام حضرت ظفر احمد عثمانی کی رائے ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس تفسیر کو لکھ کر تمام علماء اور مفسرین پر احسان عظیم کیا ہے''۔

سیاسی وملی خدمات:

حضرت مفتی اعظمؒ نے دینی و علمی خدمات کے علاوہ سیاسی و ملی خدمات بھی انجام دی ہیں، آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ایماء پر تحریک پاکستان میں زبردست حصہ لیا، اور کھلم کھلا مسلم لیگ کی حمایت فرماتے رہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ اور علمائے دیوبند کے شیخ و مربی تھے انہوں نے اپنے متوسلین اور خلفاء کے ذریعے زعماء مسلم لیگ خصوصاً قائد اعظم محمد علی

جناح کی اصلاح اور دینی تربیت کا فیصلہ کیا اور اپنے خلفاء وتلامذہ میں سے علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، مولانا عبدالکریم گمتھلوی، مولانا اطہر علی سلہٹی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا جلیل احمد شروانی، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہم اللہ علیہم اجمعین کو ان کی اصلاح اور تبلیغ کے لیے مقرر کیا ان حضرات نے زعمائے مسلم لیگ کی اصلاح کے لیے تبلیغ دین کا خوب حق ادا کیا جس سے قائداعظم بہت متاثر ہوئے، پھر ان علمائے حق نے باقاعدہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور ایک تنظیم ''جمعیت علمائے اسلام'' کے نام سے تشکیل دی، جس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی، اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی منتخب ہوئے اور حضرت مفتی اعظمؒ پاکستان اس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے، حضرت مفتی اعظمؒ نے ۱۹۴۵ء میں لیاقت علی خان مرحوم کے حلقہ انتخاب میں جہاں کانگریس کا زبردست اثر تھا، مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ صادر فرمایا، جس کی بدولت ہوا کا رخ بدل گیا اور لیاقت علی خان کامیاب ہوئے اور لیاقت علی خان نے کھلے الفاظ میں یہ اعتراف کیا کہ یہ کامیابی حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتویٰ کی بدولت ہوئی ہے۔ اسی طرح سرحد ریفرنڈم میں کامیابی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے دوروں کی بدولت ہوئی اور اس کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے، اس کا اعتراف خود قائداعظم نے بھی کیا ہے قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے حکم پر دیوبند سے کراچی کو ہجرت کی اور پھر یہاں آ کر ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ اور دینی تعلیم کے لیے جدوجہد کی، قرار داد مقاصد کی ترتیب وتدوین اور اس کی منظوری میں آپ کا بڑا حصہ ہے ۱۹۴۹ء میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام کے مرکزی صدر منتخب ہوئے اور آپ کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں۔ آپ دستوریہ کے تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے ایک اہم رکن رہے، بعد میں قانون کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے، ۱۹۵۳ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد تعلیمات اسلامی بورڈ کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۵۸ء تک یہ خدمت انجام دیتے رہے

۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی قیام گاہ پر ہونے والے جید علماء کے اجلاس کی صدارت فرماتے رہے' اور بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا' اس کے ساتھ دینی تعلیم کے فروغ کا بڑا احساس رہا' ۱۳۷۰ھ میں نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں ایک مدرسہ کراچی میں قائم کیا- جو صرف چند ماہ کے بعد ایک مرکزی دارالعلوم کی شکل اختیار کر گیا- جس میں دو ہزار سے زائد طلباء تحصیل علم میں مصروف ہیں اور ملک بھر میں جس کی شاخیں موجود ہیں اور آپ کا یہ دارالعلوم پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی مثال ہے دارالعلوم سے ایک دینی جریدہ ''ماہنامہ البلاغ'' نکلتا ہے جو دنیا بھر میں ایک امتیازی شان حاصل کیے ہوئے ہے آج کل دارالعلوم کراچی کے سربراہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ مدظلہ' ہیں جو حضرت مفتی اعظم کے قریبی دوست اور پیر بھائی ہیں' دارالعلوم کی نظامت حضرت مفتی اعظمؒ کے صاحبزادوں خصوصاً مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی سنبھالے ہوئے ہیں جو اپنے علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں حضرت مفتی اعظمؒ کے صحیح طور پر وارث ہیں اور بقول مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کہ مولانا محمد تقی عثمانی اس وقت حضرت مفتی اعظمؒ کے صحیح جانشین علمی ہیں' مولانا موصوف اسلامی نظریاتی کونسل میں بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں اور تمام مسودۂ قانون مولانا تقی عثمانی صاحب نے ہی ترتیب دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور ان سے زیادہ سے زیادہ دینی وعلمی خدمات لیتا رہے آمین-

رحلت:

بہر حال حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ساری زندگی خدمت اسلام اور خدمت مسلمین میں مصروف رہے اور آخری دم تک درس وتدریس' فقہ وافتاء اور تبلیغ وارشاد میں مصروف رہے' اتنے بڑے عالم اور مفتی اعظمؒ ہونے کے باوجود منکسر المزاج تھے بڑے خوش اخلاق خندہ جبیں اور لطیف الروح تھے نہایت سادہ اور صاف ستھرا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے تحریر وتقریر میں بڑی مہارت حاصل تھی- حافظہ بڑا غضب کا تھا اور عربی ادب کے شاعر تھے اور پاکستان میں تمام علماء دیوبند کے امام تھے اور سرپرست اعلیٰ تھے-۹' اور

۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۵، ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب کو آپ نے رحلت فرمائی ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی' بڑے بڑے علماء کرام نے آپ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا' دینی اور حکومتی اداروں میں تعزیتی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ تعزیتی جلسے منعقد کیے گئے اور اس معمار پاکستان دینی' روحانی پیشوا کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ ممتاز عالم دین حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ:

''آپ سے دارالعلوم دیوبند کی پوری تاریخ وابستہ تھی اور ہمارے اسلاف کی آپ آخری یادگار تھے''۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے فرمایا کہ:

''آپ کی وفات سے تمام علمائے کرام یتیم ہو گئے ہیں''۔

مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''اب ایسا جید عالم دین اور فقیہ دین مشکل ہی پیدا ہوگا''۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا کہ:

''ان کی وفات تمام عالم اسلام کا عظیم سانحہ ہے وہ بہت بڑے محقق' مدبر' مفسر اور فقیہ تھے''۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلائے آمین' علامہ اقبالؒ نے ایسی ہی عظیم شخصیت کے لیے فرمایا تھا کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اوصاف وکمالات

ان کی یادوں میں گلوں کی خوشبو

حضرتؒ کے اوصاف و کمالات کے بارے میں مولانا محمد محترم فہیم عثمانی صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

شیخ العالم فقیہ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ جیسی ہستی جو اپنی ذات میں علم و معرفت کا ایک جہان ہو' جو ایک ہی وقت میں مفسر قرآن بھی ہو اور محدث بھی' فقیہ بھی ہو اور صوفی بھی' خطیب بھی ہو اور متکلم بھی۔ جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان رہی ہو۔ جس کا قلم فقہ وتصوف کا حسین امتزاج ہو۔ جس کی تقریریں روحانی مریضوں کے لیے شفا کا پیغام ثابت ہوتی رہی ہوں اور جس کی تحریریں دقائق علمی اور وفائق ایمانی کا پیکر نظر آتی ہوں مختصر یہ کہ وہ ہستی جس کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مجمع البحرین ہو' اس کی حیات طیبہ کے بارے میں کوئی کیا لکھے اور کیسے لکھے۔ بالخصوص مجھ جیسا بے بضاعت انسان جو فی الحقیقت علم کی چاشنی تک سے بھی کما حقہ واقف نہیں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ جیسے متبحر عالم' بے مثال فقیہ' مقام ارفع و اعلیٰ پر فائز محدث و متکلم اور جامع الشریعت والطریقت فاضل اجل کی زندگی کے کسی گوشے پر بھی قلم اٹھانے کی آخر جرأت کرے تو کیونکر؟ حضرت کی حیات طیبہ کے جس پہلو کی طرف بھی نظریں اٹھتی ہیں خیرہ ہو کر لوٹ آتی ہیں۔ میری نظروں کے لیے تو یہی بات انتہائی فخر کی ہے کہ انہوں نے اس ہستی کو قریب سے دیکھا ہے' جس کے سامنے بڑے بڑے اصحاب علم وفضل زانوئے تلمذ تہ کرنا باعث فخر سمجھتے تھے' جس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ علوم وحکم سے بھرپور

مقولوں کی حیثیت کے حامل تھے اور جس کے قلم سے نکلی ہوئی تحریریں ہر مکتب فکر کے فاضلین کے درمیان سند کا درجہ رکھتی تھیں۔

متاعِ دو جہاں:

مجھے فخر ہے اور بجا طور پر فخر ہے کہ میں بھی حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے محترم خانوادے کا ایک ادنیٰ سا فرد ہوں۔ مجھے بھی یہ شرف حاصل ہے اور میں اس شرف پر نازاں ہوں کہ میرے ذہن میں بھی چند ایسی بیش بہا یادیں محفوظ ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات اقدس سے رہا ہے اور اس لحاظ سے ان یادوں کو میں اپنی زندگی کا انمول سرمایہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

یہ یادیں میرے لیے زندگی کا سرمایہ ہی نہیں متاع آخرت بھی ہیں۔ رب رحیم کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان یادوں کو ایک ایسے وثیقے کے طور پر قبول فرما لے گا جو مجھ جیسے عاصی گنہگار کے لیے دخول جنت کا ضامن ثابت ہو سکے۔ اس کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ اپنے محبوب و مقرب بندے سے وابستہ ان یادوں کو میرے اعمال نامے میں سرفرست لکھ کر مجھے جہنم سے رہائی کا پروانہ عنایت فرما دے اور میں خوشی سے پھولا نہ سماؤں۔ اپنا اعمال نامہ لوگوں کو دکھاتا پھروں اور کہوں ھَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو) کہ یہی میرا سرمایہ ہے یہی میری متاع ہے۔

آخرت میں میرے لیے فخر و مسرت کا سامان بہم پہنچانے والی ان مقدس یادوں کو میں اسی دنیا میں بھی اپنی تسکین قلب کا ذریعہ بنانا چاہتا ہوں۔ ان یادوں میں توشہ آخرت بننے کی اہلیت ہے تو یہ صرف مجھ تک ہی کیوں محدود رہیں۔ یہ یادیں میرے ذہن سے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کے ذہن میں منتقل ہو کر اس کے محضر آخرت کا سرمایہ کیوں نہ بن جائیں۔ یہ یادیں محض یادیں ہی نہیں سفر آخرت کی تاریک راہوں کو منور کرنے والی وہ قندیلیں ہیں جو ہر مسافر آخرت کے لیے نشان منزل کا کام دے سکتی ہیں۔

یہ یادیں اگرچہ تہہ در تہہ میرے ذہن میں محفوظ ہیں' مگر منتشر اور غیر مربوط صورت میں ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو مربوط بنانے کے لیے تکلف کا استعمال کرنے کے بجائے وقت اور واقعہ کی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر جو یاد بھی ذہن کے نہاں خانوں سے ابھر آئے' آپ کے سامنے پیش کرتا چلا جاؤں۔

صوتِ ہادی:

ان یادوں میں وہ یاد جس کے نقوش میرے ذہن میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں ان کا تعلق ایک ایسے واقعے سے ہے جو اپنے نتیجے کے اعتبار سے میری زندگی میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے میرے لیے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ آج سے کوئی تیئس چوبیس سال پہلے کی بات ہے۔ میری جوانی کا زمانہ تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے دینی و علمی ماحول سے مجھے جدا ہوئے تقریباً سات آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ والد محترم کا شفیق سایہ بھی میرے سر سے اٹھے تین چار سال بیت گئے تھے۔ میری دینی تعلیم کا وہ سلسلہ جو دارالعلوم سے منقطع ہونے کے بعد والد صاحب کی بلاواسطہ شاگردی میں چلتا رہا تھا' اب اس کا رخ یکسر مغربی تعلیم کی طرف مڑ چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی میری وضع قطع ایک مغرب زدہ نوجوان کے طرز و ادا کا مکمل نمونہ بن چکی تھی۔ انہی دنوں ایک روز شام کے وقت میں حسب معمول ادارۂ اسلامیات (حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے برادر محترم مولانا محمد زکی کیفی کا کتب خانہ) پہنچا تو دیکھا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ مجھے کراچی سے حضرت کی تشریف آوری کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے حاضری کے لیے کسی اہتمام کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ چہرہ تو ریش و بردت سے بے نیاز تھا ہی سر پر کوئی ٹوپی تک نہ تھی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن' چارونا چار سامنے جا کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے میری طرف ایک نظر اٹھائی۔ میرے قریب ہی میرے خالہ زاد بھائی زاہد حسن انصاری بھی آئے بیٹھے تھے۔ وہ بھی میری طرح معلوم ہوتا ہے۔ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ہم دونوں کی طرف مخاطب ہو کر بڑے حسرت آمیز لہجے میں فرمایا: ''مجھے تم دونوں

کے بارے میں کسی کے سامنے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ تم دونوں میرے بھانجے ہو"۔ پھر میری طرف دیکھ کر خصوصیت سے فرمایا "تمہارے بارے میں تو میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ یہ مولانا مسلم جیسے باعمل عالم کا بیٹا ہے"۔ حضرت کے ان الفاظ میں کیا جادو تھا؟ میں بتا نہیں سکتا' وہیں سن ہو کر رہ گیا۔ میں وہ کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہوں' جو حضرت مفتی صاحبؒ کی زبان سے نکلنے والے ان الفاظ کو سن کر مجھ پر طاری ہوئی اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت کے الفاظ میرے ہوش وحواس پر بجلی بن کر گرے۔ میرا سارا وجود جھنجھنا اٹھا۔ اظہار ندامت کے لیے بھی کوئی لفظ میرے منہ سے نہ نکل سکا۔ گم سم بیٹھا رہا' تا آنکہ حضرت مفتی صاحب اٹھ کر تشریف لے گئے۔ ان الفاظ نے میری کایا ہی پلٹ دی۔ اپنے لباس سے مجھے نفرت ہونے لگی' اپنی وضع قطع سے گھن آنے لگی۔ وہاں سے اٹھا تو اس عزم کے ساتھ کہ اب مجھے مولانا مسلم جیسے باعمل عالم کا بیٹا اور مفتی محمد شفیع جیسے فقیہ زمان کا بھانجا بن کر دکھانا ہے۔

اس واقعہ کو بتیس سال کے قریب گزر چکے ہیں۔ اسی عزم کے سہارے میں آج تک یہ پیہم اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوں۔ اس عزم کو حقیقت میں بدل سکوں گا یا نہیں؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں اب جو کچھ ہوں' اسی عزم کی بدولت ہوں' اور یہ عزم عطیہ ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ کا جو مولانا الطاف حسین حالی کی زبان میں میرے حق میں یقیناً صوت ہادی ہی ثابت ہوئے اور جنہوں نے مجھے میری روح کی گہرائیوں تک جھنجھوڑ ڈالا۔

روحانی تصرف:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کے اس جادو کی آپ خواہ کوئی بھی تعبیر کریں۔ میں اسے حضرت مفتی صاحب کے روحانی تصرف کا کرشمہ کہوں گا۔ مجھے اس سے پہلے بھی میرے بہت سے بزرگوں اور محسنوں نے اس سلسلے میں بہت سی نصیحتیں متعدد بار کی تھیں مگر کسی نصیحت کا مجھ پر وہ اثر نہ ہوا جو حضرت مفتی صاحب کی زبان سے نکلنے والے سیدھے سادے اور ان دو جملوں سے ہوا۔ یہ یقیناً حضرت مفتی صاحب کا

روحانی تصرف تھا جو کام کر گیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے الفاظ کی اس تاثیر کو روحانی تصرف قرار دینے پر میں اس لیے بھی مصر ہوں کہ اس کا تجربہ و مشاہدہ مجھے ایک اور موقعہ پر بھی ہوا۔ میری ایک بچی آٹھ نو سال کی عمر میں قضائے الٰہی سے اچانک فوت ہوگئی۔ چونکہ اس کی وفات بالکل اچانک ہوئی تھی' دو پہر دو بجے سرسام ہوا اور رات کے دو بجے سے پہلے وہ اللہ کو پیاری بھی ہوگئی اس لیے مجھے کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ ہزار ضبط کے باوجود آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ وفات کو تین چار روز گزر چکے تھے مگر کرب اور بے چینی کا وہی عالم تھا۔ اتفاق سے حضرت مفتی صاحبؒ کا لاہور آنا ہوا تو از راہ شفقت تعزیت کے لیے تشریف لائے۔ میری حالت دیکھ کر مجھے اپنے قریب بلایا اور نہایت آہستگی سے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھ کر فرمایا: ''جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی' راضی برضا رہو' صبر سے کام لو''۔ حضرت کا ہاتھ میرے سینے پر تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے میرے دل پر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو اور بھڑکتی ہوئی آگ بجھنے لگی ہو۔ سینے پر بدستور ہاتھ کا لمس تھا اور کانوں میں حضرت کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی''۔ رستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا تھا۔ لمحوں کی دیر تھی' میں صبر و سکون کی دولت سے مالا مال تھا۔

ان واقعات کو حضرت مفتی صاحبؒ کی کرامت کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مفتی صاحبؒ کی اصل کرامات تو آپ کا تقویٰ و طہارت' آپ کا تفقہ فی الدین' شرعی علوم میں آپ کی مہارت و بصیرت' بے لوث خدمت دین اور بے غرضانہ تلقین رشد و ہدایت ہیں' ان میں سے ہر کرامت پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے' مگر یہ میرے مقام سے اوپر کی چیزیں ہیں۔ میں تو صرف چند یادوں کے نقوش صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کا ارادہ لے کر چلا ہوں' چنانچہ مجھے انہی تک محدود رہنا چاہیے۔

تفقہ فی الدین:

حضرت مفتی صاحبؒ کے تفقہ فی الدین کے ذکر پر ایک اور واقعے کی یاد

میرے ذہن کی سطح پر ابھر رہی ہے- اس واقعے کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ فی الدین کا ایک نمونہ کہا جا سکتا ہے- یہ ان دنوں کی بات ہے جب یہودیوں کے ہاتھوں مسجد اقصیٰ کو آگ لگنے کا حادثہ رونما ہوا- کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا- سارا عالم اسلام مضطرب اور بے چین تھا- حضرت مفتی صاحبؒ لاہور آئے ہوئے تھے اور اپنے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا محمد زکی کیفی مرحومؒ کے یہاں مقیم تھے- بعد نماز عصر راقم الحروف ملاقات کے لیے حاضر ہوا- مجلس میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ کسی صاحب نے فلسطین پر یہودیوں کے قبضے اور پھر مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دینے کے حوالے سے سوال کر دیا کہ قرآن کے قطعی ارشادات سے تو سمجھ میں یہ آتا ہے کہ دنیا میں یہودیوں کو ہمیشہ ذلت و مسکنت کا سامنا کرنا پڑے گا- مگر اب امر واقعہ اس کے خلاف نظر آتا ہے' اس کی وجہ کیا ہے؟- حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں ایک بڑی جامع تقریر فرمائی جس سے سائل اور حاضرین مجلس سب ہی مطمئن ہو گئے- یہ ساری تقریر لفظ بہ لفظ تو ذہن میں محفوظ نہیں رہی- البتہ اس کا لب لباب مجھے آج تک یاد ہے- حضرت مفتی صاحب نے سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کی سرکشی اور اس کے نتیجے میں دشمنوں کے ہاتھوں ان کی تباہی کے دو واقعے ذکر کرنے کے بعد اس قسم کے معاملات میں اپنا ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ:

﴿وَ اِنْ عُدْتُّم عُدْنَا﴾

''یعنی تم اگر پھر نافرمانی و سرکشی کرو گے تو پھر ہم اسی طرح سزا و عذاب میں مبتلا کر دیں گے''-

یہ ضابطہ قیامت تک کے لیے ارشاد ہوا ہے اور اس کے مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں' لیکن مسلمانوں کو اس ضابطہ کی اطلاع دینے سے مقصود یہ ہے کہ تم بھی اس ضابطہ الٰہیہ سے مستثنیٰ نہیں ہو- تم اگر اللہ اور اس کے رسولﷺ کی اطاعت سے انحراف کرو گے تو تم پر بھی تمہارے دشمنوں اور کافروں کو مسلط کر دیا جائے گا اور جس طرح مجوسی اور رومی بادشاہوں کے ہاتھوں یہودیوں کے معابد بھی محفوظ نہ رہے تھے اسی طرح تمہارے

دشمنوں کے ہاتھوں تمہاری مساجد بھی محفوظ نہ رہ سکیں گی- مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے کے حالیہ واقعے سے اس قرآنی ارشاد کی تصدیق ہو رہی ہے- مسلمانوں نے خدا اور رسول کو بھلا دیا تو وہی ضابطہ الٰہیہ سامنے آیا کہ کروڑوں عرب مسلمانوں پر چند لاکھ نفوس پر مشتمل ایک ایسی قوم غالب آ گئی جو دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار سمجھی جاتی رہی ہے- ان کے ہاتھوں مسلمانوں کے جان و مال کو بھی نقصان پہنچایا اور اس عظیم المرتبت مسجد کی بھی بے حرمتی ہوئی جس کو تمام انبیاءؑ کا قبلہ رہنے کا شرف حاصل ہے- یہ واقعہ یہود کو کوئی عزت کا مقام نہیں دیتا' البتہ مسلمانوں کے لیے ان کی سرکشی کی سزا ضرور ہے- اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے یہود کی دائمی ذلت ومسکنت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سورۂ آل عمران کی مشہور آیت کے حوالے سے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ خواہ کتنے ہی مالدار اور کیسی ہی قوت واقتدار کے مالک کیوں نہ ہو جائیں ہمیشہ تمام اقوام عالم کے درمیان ذلیل وحقیر ہی سمجھیں جائیں گے- جس کا بس چلے گا ان کو اپنا تابع فرمان بنا لے گا- سوائے دو صورتوں کے کہ یا تو اللہ ہی ان میں سے بعض کو اپنے قانون میں امن دے دے' جیسے عورتیں بچے اور وہ احبار وغیرہ جو مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہوں یا دوسری صورت یہ کہ کسی دوسری قوم کی پشت پناہی میں آ کر محفوظ و مامون ہو جائیں- پھر فرمایا کہ فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہو جانے سے کسی شبہ میں پڑنے کا کوئی جواز نہیں- سب جانتے ہیں کہ یہ حکومت درحقیقت یہودیوں کی نہیں ہے' ان کے سرپرستوں کی ہے- امریکہ اور برطانیہ کا سایہ نہ ہو تو یہ حکومت ایک دن بھی قائم نہ رہ سکے- بنی اسرائیل فی الحقیقت آج بھی غلام ہیں- اگرچہ بظاہر قوت واقتدار کے مالک نظر آتے ہیں-

مہارت علمی:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تمام تقریر میں سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ درمیان میں مفتی صاحب جابجا مختلف مفسرین کے اقوال بطور حوالہ پیش فرماتے جاتے تھے حالانکہ سامنے کوئی کتاب نہ تھی- معلوم ہوتا تھا ذہن میں سب کچھ اس

ترتیب کے ساتھ محفوظ ہے کہ ذہن کے جس ورق کو چاہتے ہیں' پلٹتے ہیں اور مطلوبہ مواد نکال کر پیش کر دیتے ہیں- حاضرین میں سے بعض لوگ تعجب سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے- یہ بات تھی بھی واقعی بڑی عجیب- مگر میری نظر میں مفتی صاحب کی مہارتِ علمی کے لیے یہ بالکل معمول کی بات تھی- کیونکہ میں مفتی صاحب کی ذات سے اس سے بھی عجیب تر کا ظہور ہوتا دیکھ چکا تھا اور جس وقت مفتی صاحب تقریر فرما رہے تھے میرے ذہن میں وہی واقعہ گردش کر رہا تھا- ایک مرتبہ لاہور سے لائلپور تک کے سفر میں مجھے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت نصیب ہوئی- حضرت مفتی صاحب کسی تبلیغی جلسے میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے- درمیان راہ میں کسی جگہ کسی مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنا بھی پروگرام میں شامل تھا- اب مجھے مدرسے اور مقام کا نام یاد نہیں آ رہا- سفر میں میرے علاوہ حضرت مفتی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے برادرم محترم مولانا محمد زکی کیفی مرحوم بھی تھے- بلکہ اس سفر میں حضرت مفتی صاحب کی معیت کا شرف مجھے انہی کی سفارش پر نصیب ہوا تھا- یہ سفر بذریعہ کار طے ہو رہا تھا- بہرحال جو بات میں بتانا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ دوران سفر میں نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے بیگ میں سے کچھ کاغذات نکالے اور قلم لے کر کچھ تحریر فرمانا شروع کر دیا- سفر کا اکثر حصہ حضرت مفتی صاحب لکھنے میں مصروف رہے اور جس روانی سے لکھنا شروع کیا تھا اسی روانی سے آخر تک قلم چلتا رہا- ایک بار بھی یہ نوبت نہ آئی کہ حضرت مفتی صاحب نے قلم روک کر کچھ سوچا ہو- میں پچھلی سیٹ پر حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا- جھک کر پڑھنا تو خلاف ادب تھا' مگر میں نے اندازہ لگایا کہ حضرت مفتی صاحب اردو میں کچھ تحریر فرما رہے تھے مگر کہیں کہیں عربی عبارات بھی نظر آتی تھیں- بعد میں مولانا محمد زکی مرحوم کی زبانی معلوم ہوا کہ تفسیر معارف القرآن کا کچھ حصہ تھا جو دوران سفر بایں طور مرتب ہو رہا تھا- اللہ اللہ میری عقل دنگ رہ گئی- اتنا عظیم الشان کام اور اس قدر اعتماد کے ساتھ- اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ درمیان میں عربی عبارات یقیناً تفسیری احادیث کا متن رہی ہوں گی' یا پھر مفسرین کے اقوال جو استشہاد

کے طور پر مفتی صاحب نے پیش کیے ہوں گے۔

کشف:

لائلپور کے اس سفر میں ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔ مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائلپور میں حضرت مفتی صاحب کے قیام کا انتظام تھا۔ اس مدرسے کا نام ہم بچپن سے سنتے آئے تھے کیونکہ حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی تقریباً بائیس سال اس مدرسہ کی صدر مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ جب کبھی چھٹیوں میں ہمارے پاس دیوبند تشریف لاتے تو مختلف احباب سے گفتگو کے دوران حضرت والد صاحب کبھی کبھی اس مدرسے کے احوال بیان فرماتے تو ہمارے کانوں میں بھی پڑتے۔ اس طرح اس مدرسے کے کچھ تفصیلی حالات سے بھی ہم باخبر تھے۔ مگر آنکھوں سے اس مدرسے کو دیکھنے کا اتفاق کبھی نہ ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کا قیام یہاں ہوا تو مدرسے کی عمارت اور درسگاہیں وغیرہ دیکھنے کا خوب موقع ملا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ اسی مدرسے کے کسی کمرے میں والد صاحب کی رہائش بھی تھی مگر متعین طور پر پتہ نہ تھا کہ وہ کون سا کمرہ ہے۔ اس کمرے کو دیکھنے کا اشتیاق تھا اس لیے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی یہ خواہش زبان پر آگئی۔ مدرسے کی عمارت دیکھتے دیکھتے ہم کتب خانے میں پہنچے تو حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے بھئی معلوم ہوتا ہے کتب خانہ بننے سے پہلے یہی کمرہ مولوی مسلم صاحب کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا ہوگا کیونکہ مجھے اس کمرے میں سلسلہ نقشبندیہ کی مہک رچی بسی معلوم ہوتی ہے (حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھے) اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی، مگر صبح کو ناشتے پر جہاں مدرسے کے عمائدین اور کچھ معززین شہر بھی موجود تھے ایک نابینا حکیم صاحب نے جن کا نام پوری طرح میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہا شاید عبدالمجید نام تھا ازخود ہی مدرسہ اشاعت العلوم کے گذشتہ حالات بیان کرتے ہوئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھیڑ دیا اور اسی ذکر کے دوران وہ یہ بھی بتلا گئے کہ والد صاحب کی رہائش اسی کمرے میں رہتی تھی جہاں اب کتب خانہ ہے۔ میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میرے کانوں میں گونج

رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و مقرب بندوں کو شاید حواس خمسہ کے علاوہ بھی کچھ نامعلوم حاسے عطا فرما دیتا ہے۔

وعظ کی اثر آفرینی:

لائلپور کے سفر کا ذکر چل رہا ہے تو جی چاہتا ہے کہ اس سفر میں حضرت مفتی صاحب کی جو تقریر سننے کا مجھے موقعہ ملا اس کے بارے میں اپنے کچھ تاثرات سپرد قلم کرتا چلوں۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی مبسوط تقریر کسی جلسے میں میں نے سنی ہو۔ اس سے پہلے درس قرآن سننے کا موقعہ ضرور ملا۔ ریڈیو پاکستان سے حضرت کا جو درس نشر ہوتا تھا وہ تو پابندی سے سنتا ہی تھا۔ بعض مساجد میں بھی ایک دو بار بالمشافہ حضرت کے درس قرآن سے فیضیاب ہونے کا موقعہ نصیب ہوا' مگر وعظ و تقریر کی صورت میں حضرت کا خطاب سننے کا یہ میرا پہلا ہی موقعہ تھا۔ وعظ کیا تھا۔ اثر انگیزی کا ایک مرقع تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر بات دل سے نکل رہی ہے اور بلاواسطہ دلوں پر ہی پڑ رہی ہے۔ آپ کا طرز تخاطب اس قدر دلکش اور اتنا دل نشین تھا جیسے حضرت مفتی صاحب میرے ہی دل کی بات ارشاد فرما رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ سامعین میں سے ہر ایک کا یہی حال تھا کیونکہ ہر شخص ہمہ تن گوش نظر آ رہا تھا۔ رات گئے تک وعظ جاری رہا۔ مگر مجال ہے جو کوئی اپنی جگہ سے ہلا بھی ہو۔ حضرت کے وعظ میں جو بات خاص طور پر میں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ دین کے بارے میں جدید ذہن کے شبہات کے ازالہ کی طرف آپ خاص توجہ فرماتے تھے۔ اس روز کے وعظ کا موضوع کچھ کچھ یاد پڑتا ہے جو حقوق اللہ و حقوق العباد سے متعلق تھا۔ نفس مضمون تو کچھ بھی اب ذہن میں محفوظ نہیں۔ پندرہ سولہ سال سے بھی زیادہ ہی عرصہ ہونے کو آیا۔ تاہم مجموعی طور سے یہ تاثرات اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے کہ حضرت مفتی صاحب موضوع سے متعلق تمام شبہات و اعتراضات کو کرید کرید کر از خود سامنے لا رہے تھے اور پھر جواب میں ان کی اصل حقیقت واشگاف کرتے وقت ایسا عجیب و غریب منطقی و عقلی استدلال پیش فرما رہے تھے کہ تصدیق و تائید کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ تقاریر اور مواعظ تو اس سے پہلے بھی مختلف بزرگوں

سے سننے کا خاصا موقع ملا تھا اور بعد میں بھی بہت سننے میں آئے مگر حق یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا وعظ اپنی مثال آپ ہی تھا۔

بے مثل درس قرآن:

جن لوگوں کو ریڈیو پاکستان سے حضرت مفتی صاحبؒ کا درس قرآن سننے کا موقعہ ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا صرف وعظ ہی نہیں درس قرآن بھی اپنی مثال آپ ہی ہوتا تھا۔ قرآنی علوم وحکم کی شرح کرتے وقت ایسے ایسے اسرار ونکات مختصر مگر جامع انداز میں بیان فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ حضرت کا درس عوام وخواص اور طلباء وعلماء سب کے لیے یکساں فیض کا حامل ہوتا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے مستفیض ہو سکتا تھا' جہاں علماء کے لیے دقائق علمی کا خزانہ ہوتا تھا' وہاں ایک عام آدمی کے لیے حقائق ایمانی کا سرچشمہ بھی تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا درس قرآن کی بالمشافہ مجلس مجھے بہت کم نصیب ہوئی۔ شاید صرف دو بار مجھے یہ موقعہ ملا۔ ایک مرتبہ نیلا گنبد کے قریب مسجد علی احمد میں اور دوسری بار واپڈا کالونی مال روڈ کی جامع مسجد میں۔ مجھے یاد ہے نیلا گنبد والے درس میں مولانا کوثر نیازی بھی موجود تھے۔ اس وقت تک انہوں نے خارزار سیاست میں قدم نہیں رکھا تھا۔ ہفت روزہ شہاب نکالا کرتے تھے۔ درس کے بعد بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا ''ایسا درس اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آیا'' بالکل اسی قسم کے خیالات کا اظہار واپڈا کے بڑے بڑے افسران کی زبان سے بھی اسی وقت سنا گیا جب مولانا مشرف علی تھانوی کی درخواست پر حضرت مفتی صاحبؒ نے واپڈا کالونی کی جامع مسجد کی نماز کے بعد درس دیا تھا۔

للّٰہیت اور اخلاص:

بات دراصل صرف تقریر ووعظ یا درس قرآن ہی کی نہیں۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ بھی فرماتے تھے انتہائی دل سوزی سے فرماتے تھے۔ اللہ کے بندوں کو اطاعت الٰہیہ سے غافل دیکھ کر انہیں دلی قلق ہوتا تھا۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کسی طرح یہ غفلت دور ہو

جائے۔ چنانچہ اصلاح کی غرض سے جب کچھ ارشاد فرماتے تو الفاظ دل کی تہوں سے اٹھ اٹھ کر باہر آتے ظاہر ہے ایسی حالت میں وہ تمام تر اثر انگیزی میں ڈوبے ہوتے اور مخاطب کے سیدھے دل پر جا کر لگتے۔ اثر انگیزی کا یہ عالم حضرت مفتی صاحب کی عام گفتگو میں بھی علیحدہ محسوس ہو جاتا تھا۔ اس کا تجربہ مجھے اس زمانے میں بارہا ہوا، جس زمانے میں حضرت کی رہائش سیبلہ والے مکان میں تھی اور بعد عصر کی مجلس میں مجھے اکثر و بیشتر حضرت کی خدمت میں حاضری نصیب ہو جاتی۔ میرا ان دنوں کراچی تبادلہ ہو گیا تھا۔ تقریباً چار پانچ ماہ میں کراچی ہی مقیم رہا۔ میں اس زمانے میں سٹیٹ بنک آف انڈیا میں ملازم تھا۔ بنک سے فارغ ہو کر میکلوڈ روڈ سے سیدھا سیبلہ پہنچ جاتا۔

مجلس کا انداز:

مجلس کیا ہوتی تھی؟ سنت نبویؐ کا مکمل نمونہ ہوتی تھی۔ نہ کوئی ٹھاٹ باٹ نہ کوئی رکھ رکھاؤ۔ سادگی اور پاکیزگی کا مرقع۔ باہر لان میں صفیں یا دریاں بچھی ہوتیں۔ درمیان میں زمین پر ہی حضرت مفتی صاحبؒ تشریف فرما ہوتے، ارد گرد لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ اس ہجوم میں بڑے بڑے ارباب ثروت و دولت بھی نظر آتے، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی بیٹھے دکھائی دیتے۔ مفتی صاحب گفتگو شروع فرماتے تو ہر کوئی ہمہ تن گوش ہو جاتا۔ للٰہیت اور اخلاص میں ڈوبی ہوئی باتیں۔ چھوٹے چھوٹے جملے، مختصر مگر جامع، دقیق رموز و نکات اور عجیب اسرار و حکم بھی بیان ہو رہے ہیں تو ایسی آسان اور عام فہم زبان میں کہ ہر کوئی اپنے اپنے ظرف علمی کے مطابق ان سے فیض یاب ہو رہا ہے۔

اثر انگیزی کا عالم:

باتوں میں اثر انگیزی کا یہ عالم کہ میں نے متعدد بار بعض لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے۔ خود میرا یہ عالم ہوتا کہ حضرت کی مجلس میں پہنچ کر میرا دل دنیا اور اس کے بکھیڑوں سے متنفر ہو جاتا۔ جی چاہتا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بس اللہ ہی کا ہو رہوں۔ سنتے آئے تھے کہ اللہ والوں کی مجلس میں خدا یاد آتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت

میں پہنچ کر اس کا عملی مشاہدہ ہو جاتا۔ حضرت کی زبان سے حلال روزی کمانے اور حرام روزی سے بچنے کا ذکر سنتا، تو میرا ذہن فوراً اپنی ملازمت کی طرف منتقل ہو جاتا۔ سوچتا بنک کی ملازمت تو خالصتاً ایک سودی ادارے کی ملازمت ہے اس لحاظ سے میری کمائی میں حرام شامل ہو گیا ارادہ کرتا کہ بنک سے استعفیٰ دیدوں مگر پھر بچوں کی کفالت کا مسئلہ سامنے آ کھڑا ہوتا۔ حضرت کی مجلس میں حاضری کے بعد ہر چھبن شدید ہو جاتی۔ آخر ایک روز موقعہ پا کر حضرت مفتی صاحبؒ سے اپنے دل کی اس خلش کا اظہار کر ہی دیا۔ آپ نے سن کر فرمایا، یہ خلش تو بڑی مبارک ہے، مگر بنک کی ملازمت اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک کوئی دوسری ملازمت نہ مل جائے ورنہ تنگدستیوں اور پریشانیوں میں گھرا دیکھ کر شیطان تمہیں کسی غلط راہ پر لگانے میں کہیں کامیاب نہ ہو جائے۔ بنک کی ملازمت گناہ سمجھتے ہوئے کرتے رہو اور کوئی متبادل ملازمت بھی تلاش کرتے رہو۔ جونہی مل جائے چھوڑ دینا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ نصیحت دل کو لگی کسی متبادل ملازمت کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ مگر تین چار ماہ اسی طرح گزر گئے اور ناکامی رہی۔ ادھر بنک کی حرام کی کمائی کا خیال میری جان کا روگ بن کر رہ گیا۔ ایک روز جو مجلس میں حاضر ہوا تو اتفاق کی بات حضرت مفتی صاحبؒ دعا کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے۔ دوران گفتگو آپ نے فرمایا حرام کمائی کھانے والے کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ بس کچھ نہ پوچھئے حضرت کا یہ جملہ سنتے ہی مجھ پر کیا گزری۔ اگرچہ اس مضمون سے متعلق حدیث بارہا سنی بھی تھی اور پڑھی بھی تھی مگر اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ نے جس کیفیت اور دل سوزی کے ساتھ یہ جملہ ادا کیا، میں بتا نہیں سکتا کہ کس طرح اس نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ مجلس سے اٹھا تو میں اپنے طور پر دل میں یہ عزم بالجزم لے کر اٹھا کہ اب خواہ کچھ ہو جائے بنک میں ملازم کی حیثیت سے قدم نہ رکھوں گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل میں جانا بے کار ہے۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ اگلے ہی روز سے میں نے بنک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا اور ایک پرچون کی دکان کھول کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ وہ زیادہ دیر نہ چل سکی مگر اللہ

نے کچھ عرصہ بعد ہی پہلے ایک پرائیویٹ فرم میں ایک معقول ملازمت دلوا دی پھر وہاں سے بھی میں واپڈا کی ملازمت میں آ گیا۔

خانگی زندگی کی جھلک:

بہرحال مجھے بتلانا یہ تھا کہ بنک کی حرام کمائی سے یہ نجات مجھے محض حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلسوں میں حاضری کی بدولت نصیب ہوئی۔ للہیت اور اخلاص میں ڈوبی ہوئی، حضرت کی باتیں آخر رنگ لائیں۔ کراچی میں میرے قیام کا یہ زمانہ اگرچہ میرے لیے بہت ہی پریشانیوں کا موجب بھی رہا۔ مگر اس لحاظ سے بہت مبارک بھی تھا کہ اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضری کا موقعہ خوب ملتا رہا۔ مجلس کے بعد اکثر تو میں باہر سے باہر ہی واپس آ جاتا مگر کبھی کبھی محترمہ ممانی صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے اندر گھر میں بھی جانا ہو جاتا، کبھی ازراہ شفقت حضرت مفتی صاحب خود بھی اندر چلنے کا اشارہ فرما دیتے۔ اندر جاتا تو چائے کی پیالی یا کم از کم پان سے ضرور نوازا جاتا۔ اپنے اہل خانہ کے ساتھ حضرتؒ کا طرز عمل بالکل **خیر کم خیر کم لاھلہ** کا مصداق نظر آیا۔ نہ تصنع نہ بناوٹ، نہ بلا ضرورت رکھ رکھاؤ نہ بے جا رعب جمانے کا انداز، نہ خواہ مخواہ کے وقار کی فکر۔ بعض مرتبہ میں نے دیکھا کہ ممانی صاحبہ گھر کے کسی ضروری کام میں مصروف ہیں اور مفتی صاحب کو پان کی ضرورت ہوئی ہے تو خود ہی پان لگانا شروع کر دیا ہے۔ یہاں کراچی میں تو خیر اتنا زیادہ مجھے حضرت کی خانگی زندگی کے مشاہدے کا اتفاق نہیں ہوا مگر بچپن میں مجھے یاد ہے، دیوبند میں ہم اکثر حضرت کے گھر چلے جاتے۔ اور بعض اوقات گھنٹوں بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیلتے رہتے تھے۔ اس وقت کی حضرت کی زندگی کا انداز بھی نظروں میں ہے۔ فی الواقع **خیر کم خیر کم لاھلہ** کا زندہ نمونہ تھی۔ اسی طرح دوسری جانب حضرت کی تمام اولاد اور دیگر اہل خانہ کا حضرت مفتی صاحب کے ساتھ جو سلوک تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت مفتی صاحب محض گھر کے ایک سرپرست ہی نہیں بلکہ ان سب کے مربی و معلم اور ہادی و رہنما بھی ہیں و الثیر کا وہ مشہور فقرہ حضرت مفتی صاحبؒ کے حق میں اپنی معنویت سے

محروم نظر آتا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں No man is a hero to his valet (کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہوسکتا) کوئی ہو یا نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اپنے گھر کے بھی ہیرو تھے اور یہ بات حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کی دلیل ہے۔

فروتنی وانکساری:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عظمت اس وقت اپنی انتہائی بلندیوں کو چھوتی ہوئی نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قدر عظیم انسان ہونے کے باوجود آپ فروتنی اور انکساری کا پیکر تھے۔ حضرت کی فروتنی اور انکساری کا بھی ایک روح پرور منظر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

حضرت مفتی صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ لاہور میں جب تک قیام رہتا شام کے وقت ادارہ اسلامیات ضرور تشریف لاتے۔ مشتاقان زیارت کا بھی شام کے وقت وہیں ہجوم رہتا۔ ایک روز ایسی ہی ایک شام راقم الحروف بھی زیارت کے لیے پہنچا تو دیکھا حضرت مفتی صاحبؒ کسی کا فون نمبر ملا رہے ہیں۔ کال ملی تو اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا داؤد غزنوی سے گفتگو مقصود ہے۔ رابطہ قائم ہوا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے گفتگو شروع کی تو سننے اور دیکھنے والے حیرانی سے تک رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے طرز تخاطب سے ایسا انداز ہوتا تھا جیسے کوئی بہت معمولی آدمی کسی بڑی ہستی سے مصروف گفتگو ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ فرما رہے تھے۔ ''اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو زیارت کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں''۔ دوسری طرف سے بھی معلوم ہوتا ہے جواب میں اسی خواہش کا اظہار ہو رہا تھا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں میں خود حاضر ہوتا ہوں۔ اب مفتی صاحب کی طرف سے بار بار یہ اصرار ہے کہ میں خود حاضر ہو رہا ہوں، ادھر دوسری طرف مولانا داؤد غزنوی کو کسی طرح یہ گوارا نہیں کہ حضرت تکلیف فرمائیں۔ وہ اس پر بضد ہیں کہ آپ چند منٹ توقف فرمائیں، مجھے اپنی خدمت میں پہنچا ہی سمجھئے۔ بالآخر مولانا داؤد غزنویؒ نے اپنی ضد پر اصرار کرتے ہوئے مفتی صاحب کے جواب کا انتظار کیے بغیر فون بند کر دیا اور تھوڑی دیر بعد ادارۂ اسلامیات میں

کھڑے نظر آئے- اب دونوں کی ملاقات کا منظر دیدنی تھا- ایک دوسرے کے آگے بچھے جارہے تھے- معانقے کے بعد کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے تو دونوں ہی اسی طرح مؤدب کہ دیکھنے والا حیران- شاید کوئی شاگرد بھی اپنے استاد کے سامنے اس طرح نہ بیٹھتا ہوگا بات چیت شروع ہوئی تو معلوم ہوا حضرت مفتی صاحب نے مولانا داؤد غزنوی کے بارے میں کوئی خواب دیکھا وہ سنانا مقصود تھا- پورا خواب تو اب میرے ذہن سے نکل گیا- اتنا یاد ہے کہ اس میں حضرت مولانا داؤد غزنوئؒ کے بارے میں روضہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری اور سلام پیش کرنے کا ذکر تھا- حضرت مفتی صاحبؒ خواب سناتے جارہے تھے اور مولانا داؤد غزنوی کی آنکھوں سے فرط جذبات سے آنسو بہہ رہے تھے- بیان کرتے کرتے مفتی صاحب کی آواز بھرا گئی- ان دونوں حضرات کی یہ کیفیت دیکھ کر اردگرد بیٹھے ہوئے تقریباً ہر شخص پر رقت کا عالم طاری تھا اور ہر کوئی معلوم ہوتا تھا انتہائی ضبط سے کام لے رہا تھا- یہ منظر کیسا روح پرور تھا بیان نہیں ہوسکتا-

حب نبوی کی عظمت کا احساس:

روضہ اطہر سے متعلق حضرت مفتی صاحب کی زبان سے سنا ہوا ایک اور واقعہ یاد آ گیا- مگر اب یہ یاد نہیں آ رہا کہ میں نے یہ واقعہ حضرت مفتی صاحب سے کب اور کہاں سنا تھا' تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ یہ واقعہ حضرت مفتی صاحبؒ نے کسی ایک سفر حج سے واپسی کے بعد سنایا تھا- فرمایا ''روضہ اطہر پر حاضری کے وقت یوں تو ہمیشہ ہی میری عجیب کیفیت ہوتی ہے مگر اس بار ایک روز جو میں روضہ اقدس پر سلام کے لیے حاضر ہوا تو عجیب ہی معاملہ پیش آیا' دل ایسا قابو سے باہر ہوا لگتا تھا کہ ابھی باہر آ گرے گا- اسی عالم میں ذہن نے کہا کہ تیری یہ حالت اس محبت کی بناء پر ہے جو صاحب روضہ سرکار دو عالم ﷺ کے لیے تیرے دل میں موجزن ہے- آنے کو تو یہ خیال ذہن میں آ گیا مگر مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں معاً مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ تو بہت بڑا دعویٰ ہے- اس دعوے کی برداشت کی صلاحیت کہاں سے آئے گی''- پھر فرماتے

ہیں ''اس کے فوراً بعد مجھے محسوس ہوا جیسے میرا بدن کانپ رہا ہے- روضہ اطہر سے لوٹ آیا جائے- قیام تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ لرزہ شدید ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بدن بخار سے تپنے لگا- تھوڑی دیر بعد مجھے کوئی ہوش نہ تھا' میں کہاں ہوں- مسلسل چوبیس گھنٹے کے بعد ہوش آیا تو گرتا پڑتا روضۂ اطہر پر پہنچا اور اپنی گستاخی کی معافی مانگی کہ یہ عاصی اور محبت کا دعویٰ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تعبیر خواب:

رحمت دو عالم ﷺ کے ذکر مبارک پر مجھے اپنا ایک خواب یاد آ گیا' جو ابتداء میں میرے لیے بڑی الجھن کا سبب بنا رہا- مگر میرے استفسار پر جب حضرت مفتی صاحب نے اس کی تعبیر بتلائی تو معلوم ہوا الجھن کی کوئی وجہ سرے سے تھی ہی نہیں- یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی نور اللہ مرقدہ کی وفات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا- میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں کسی دریا کے پل پر دریا کی طرف منہ کیے کھڑا ہوں- اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں میں سے کچھ انسانوں کے سر ابھرنے شروع ہوئے اور پل کے قریب آتے آتے وہ پورے جسم کے ساتھ پانی پر گویا چلتے ہوئے میری طرف بڑھنے لگے اور ذرا قریب ہوئے تو دیکھا کہ سب سے آگے آگے نبی کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں- آپؐ نے اپنے کاندھوں پر میرے والد مرحوم کو اٹھایا ہوا ہے اور پیچھے پیچھے بہت سے لوگ سر جھکائے چلے آ رہے ہیں یہیں تک دیکھ پایا تھا کہ آنکھ کھل گئی- طبیعت بہت پریشان ہوئی- نبی کریم ﷺ کے شانہ مبارک اور والد مرحوم کوئی ربط سمجھ میں نہ آتا تھا- نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی طرف ذہن منتقل ہوتا تھا تو تصور ہی سے دل لرز اٹھتا تھا- بڑی الجھن تھی' کسی کے سامنے یہ خواب سنانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی- میری خوش قسمتی' ایک روز مفتی صاحب والدہ محترمہ سے ملنے گھر پر ہی تشریف لے آئے- میں نے موقعہ غنیمت جانا اور اپنا خواب من و عن سنا کر اپنی الجھن کا اظہار بھی کر دیا- مفتی صاحبؒ

نے سنتے ہی فرمایا' اس میں پریشانی کی کیا بات ہے- تم نے کبھی کسی باپ کو اپنے کاندھوں پر اپنے بچے کو از راہ محبت اٹھاتے نہیں دیکھا- پوری تعبیر تو حضرت مفتی صاحبؒ کی زبان مبارک سے بعد میں سنی- اس ایک فقرے نے ہی میری ساری الجھن چشم زدن میں دور کر کے رکھ دی- اپنی کم عقلی پر بہت افسوس ہوا- پھر حضرت مفتی صاحبؒ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا یہ خواب بڑا مبارک ہے- اتباع سنت اور بے لوث خدمت دین کے صلے میں تمہارے والد کو نبی کریم ﷺ کے دربار میں محبوبیت کے مقام سے نوازا گیا ہے اور پیچھے پیچھے آنے والے وہ لوگ ہیں' جو تمہارے والد کی زندگی میں ان کی تعلیم و تربیت اور ان کی تحریر و تقریر سے مختلف طریقوں سے فیض یاب ہوتے رہے اور اب اتباع سنت کی راہ پر گامزن ہو کر تمہارے والد کے لیے صدقہ جاریہ کا سبب بن رہے ہیں- حضرت مفتی صاحب کی تعبیر بتلانے سے پہلے یہ خواب جتنا عجیب تھا' تعبیر بتلانے کے بعد اتنا ہی مبارک نظر آیا-

عنایت خاص:

اس مبارک خواب کی مبارک تعبیر کے ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کی ذات اقدس سے وابستہ میرے ذہن میں محفوظ یادوں کا سلسلہ بھی ختم ہونے کو ہے- یہ منتشر یادیں اگر آپ کو بے ربط نظر آئیں تو اس میں میری کوتاہی کا دخل ہے اور اگر خوش قسمتی سے یہ تمام یادیں بغیر کسی کوشش کے از خود ہی آپس میں مربوط ہو گئی ہیں تو یقین رکھئے کہ یہ سب کچھ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کی برکت ہے- ان بابرکت یادوں کا تذکرہ ختم کرنے سے پہلے میں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی ایک ایسی عنایت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت مفتی صاحبؒ نے محض از راہ کرم گستری بغیر میرے کسی استحقاق کے مجھ پر فرمائی- یہ حضرت کے وصال سے تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے برادر محترم حضرت مولانا محمد زکی کیفی مرحوم ایک بار کراچی میں ہفتہ عشرہ قیام فرمانے کے بعد واپس آئے تو آتے ہی مجھے خوشخبری سنائی کہ میں اس مرتبہ والد صاحبؒ

(حضرت مفتی صاحب) کی جانب سے تمہارے لیے ایک ہدیہ لے کر آیا ہوں- ہدیہ! مجھ جیسے لاشئی محض کے لیے اور حضرت مفتی صاحب کی جانب سے! میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی- تھوڑی دیر کے بعد ایک بنڈل مولانا زکی کیفی مرحوم نے میرے ہاتھ میں تھما دیا- کھول کر دیکھا تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم تصنیف تفسیر معارف القرآن کی دوسری جلد تھی- خوشی سے میرے ہاتھ کانپنے لگے- سرورق پر حضرت مفتی صاحب نے اپنے دستخطوں سے لکھا ہوا تھا- ہدیہ برائے برخوردار عزیز محمد محترم سلمہٗ میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ حضرت مجھ ناچیز کی اس طرح عزت افزائی فرمائیں گے- یوں محسوس ہوتا تھا حضرت نے مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر لے جا کر کھڑا کیا ہے- میں مولانا محمد زکی کیفی مرحوم کو جو اس عظیم تحفے کو مجھ تک پہنچانے کا سبب بنے تھے تشکر اور احسان مندی کی نظروں سے دیکھتا ہی رہ گیا-

حوصلہ افزائی:

میں سمجھتا ہوں اس میں حضرت مفتی صاحب کے پیش نظر میری حوصلہ افزائی تھی- میری بدلتی ہوئی حالت اور دین کی طرف میری رغبت کو دیکھ کر حضرت اس سے پہلے مختلف طریقوں سے میری حوصلہ افزائی کر چکے تھے- مولانا محمد زکی کیفی مرحوم ہی کی زبانی مجھ تک یہ بات بھی پہنچی تھی کہ حضرت میرے حالات سنتے ہیں تو اپنی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں- یہ اظہار مسرت بھی ظاہر ہے اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کے لیے ہی تھا- جن دنوں میں حضرت مفتی صاحبؒ کی کتاب ''احکام حج'' کا انگریزی میں ترجمہ کر رہا تھا تو معلوم ہوا کسی مجلس میں حضرت مفتی صاحبؒ نے میرے لیے بڑی تحسین و تعریف کے کلمات استعمال فرمائے ہیں- جو کام خود میرے لیے انتہائی شرف کا باعث ہو اور جس کا میرے سپرد کیا جانا ہی خود میری احسان مندی کا باعث ہو اس کام میں میرے لیے تحسین و تعریف کی گنجائش کہاں مگر حضرت مفتی صاحبؒ کی عظمت تھی کہ مجھ جیسے ناکارہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کا بھی کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے-

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس عاجز کی یوں حوصلہ افزائی

میں زیادہ تر دخل حضرت مولانا محمد زکی کیفی مرحوم کی ذات کو بھی تھا۔ مجھے معلوم ہے مولانا زکی کیفی مرحوم کو میرے ساتھ ایک قلبی تعلق تھا اور میرے ذرا سے کام کو بہت خوش ہو ہو کر حضرت مفتی صاحبؒ کے سامنے نمایاں کر کے پیش کرتے تھے۔ مجھے یقین ہے تفسیر معارف القرآن بطور ہدیہ دلانے میں انہوں نے ضرور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے میری سفارش کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائے۔ وہ حضرت مفتی صاحب کے دست مبارک سے تفسیر معارف القرآن کا ہدیہ دلا کر میرے لیے اس دنیا میں ہی جنت کی خوشی مہیا کر گئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس بیش بہا ہدیہ کے ذکر کے ساتھ ہی یادوں کا یہ سلسلہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ آخر میں ان یادوں کے وسیلے سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے دست بدعا ہوں کہ وہ ان متبرک یادوں کے فیوض و برکات سے بھی مجھے پوری طرح بہرہ مند فرمائے۔ اس طرح کہ حضرت مفتی صاحب کی ذات اقدس سے وابستہ ان یادوں کے نقوش میرے سفر آخرت کا نشان منزل بن جائیں۔

آمین یا رب العلمین۔

(تفصیل کے لیے البلاغ کا مفتی اعظمؒ نمبر ملاحظہ فرمایئے)

حضرت مفتی اعظمؒ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کیا بتائیں آپ کا کیا ہے مقام　　آپ کا فردوس میں ہے اب قیام
ذکر لب پر آپ کا ہے صبح و شام　　آپ شمع محفل خیر الانام

جی رہے ہیں لے کے ہم نام آپ کا
ہے ہمارے ہاتھ میں جام آپ کا

جو نہ تھا کچھ آپ سے ذی شان بنا　　جو نہ تھا انسان وہ انسان بنا
دشمن دیں صاحب ایمان بنا　　آدمی آئینہ قرآن بنا

آپ ہی کے فیض سے عظمت ملی
زندگی کو رفعت و شوکت ملی

آپ سے روشن روایت قدیم　　آپ کا کوچہ صراط مستقیم
آپ کی محفل کا ہر انسان فہیم　　آپ کو حق سے ملا رتبہ عظیم

دین کا روشن ستارہ آپ تھے
وحدت حق کا نظارہ آپ تھے

تھے ہزاروں آپ کے حلقہ بگوش　　آپ کے خادم ہوئے جنت بدوش
سن رہے تھے آپ آواز سروش　　جز خیال مصطفیٰ کچھ تھا نہ ہوش

ہاتھ میں توحید کا پیمانہ تھا
دل رسول پاک کا کاشانہ تھا

آپ کا دل مرکز نور یقین　　صدق کی تنویر سے روشن جبین

ہر ادا تھی شرح آیات مبین　　　بدر کامل آپ کے سب ہم نشین

آپ سے جو بھی ملا کامل ہوا
حاصل تقدیس آدم دل ہوا

قدر کے قابل تھے سارے اتقیا　　　دین کا تھا آپ سے روشن دیا
آپ بھی تھے شمع بزم مصطفا　　　تھا بزرگان سلف سے سلسلہ

اب کہاں پائیں گے ہم شان وقیع
خلد میں ہیں حضرت مفتی شفیع

اپنی قسمت پر نہ کیوں ہو اس کو ناز　　　دولت دیں سے نہ کیوں ہو سرفراز
کیوں نہ دل اس کا بنے وحدت کا ساز　　　منکشف اس پر نہ کیوں ہوں دیں کے راز

کیوں نہ تابندہ ہو اس کی زندگی
آپ کے در کا گدا ہے یہ ذکی

از حکیم امداد اللہ احمد ذکی عفی عنہ

مخدوم العلماء

حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء والصلحاء حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے تھے جن کا علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور خلوص وللہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ مشرقی پاکستان میں دیوبندی مسلک کا سب سے پہلا نمونہ تھے آپ نے نصف صدی سے زائد بے غرضی اور لگن کے ساتھ احیاء دین وشریعت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے بڑا کام کیا' آپ کی زندگی جذبہ خدمت دین اور شوق حریت کا ایک حسین امتزاج تھی۔

ولادت وتعلیم:

آپ ضلع سلہٹ مشرقی پاکستان کے ایک شریف' معزز اور دیندار گھرانے میں ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے' بچپن ہی سے بڑے ذہین ومتین تھے' قرآن مجید اپنے والد محترم سے پڑھا اور ابتدائی تعلیم مدرسہ بڑدیس تھانہ نیانی بازار میں حاصل کی وہاں کے اساتذہ میں مولانا عرفان علیؒ اور مولانا شفیق اسحاق بہادر پوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ثانوی تعلیم مدرسہ قاسمیہ مراد آباد اور مدرسہ عالیہ رامپور میں حاصل کی پھر حدیث وتفسیر کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند گئے اور امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خاں ہزارویؒ سے تمام علوم کی تکمیل کی' تعلیم کے دوران اکابر کی خصوصی توجہات کا مرکز بنے رہے۔

درس وتدریس:

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ عالیہ جھگاباڑی میں مدرس ہوئے' کچھ عرصہ ضلع کمیلا کے مدرسہ قاسم العلوم میں صدر مدرس رہے' بحیثیت استاذ آپ کی کامیابی اور مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلہٹ میں یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی کہ جو شخص آپ کے درس میں بیٹھے اور پھر بھی کتاب نہ سمجھے اس کو پڑھنا ہی ترک کر دینا چاہیے' درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغی اور اصلاحی سلسلہ بھی جاری فرمایا اور بولائی ضلع کشور گنج کے ایک رئیس کی درخواست پر کشور گنج میں کئی سال تک تبلیغی واصلاحی کاموں میں مصروف رہے مگر اعزہ واقرباء کی وجہ سے وطن واپس آ گئے' کچھ عرصہ کے بعد پھر ایک صاحب کی درخواست پر دوبارہ کشور گنج تشریف لے گئے تبلیغی واصلاحی خدمات کی وجہ سے جلد ہی مرجع عوام وخواص بن گئے' بعد میں کچھ دینی مصلحت کی وجہ سے ہیبت نگر چھوڑ کر پورن تھانہ میں مقیم ہو گئے جہاں ایک چھوٹی سے مسجد کی بنیاد رکھی- آپ کی کوششوں اور مساعی جمیلہ کی بدولت آج اس مسجد کا شمار مشرقی پاکستان کی عظیم مساجد میں ہوتا ہے اور اس مسجد کا پانچ منزلہ مینارہ دہلی کے قطب مینار کی یاد دلاتا ہے-

جامعہ امدادیہ کا قیام:

اس شہیدی مسجد میں قیام پذیر ہونے کے بعد حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے یہاں رہنے کے متعلق مشورہ کیا تو ان کا حکم ہوا کہ تم کشور گنج ہی میں رہ کر تبلیغی واصلاحی کام جاری رکھو چنانچہ حضرت حکیم الامت کے اس ارشاد کی تعمیل میں دل وجان سے مصروف ہو گئے' ایک جانب اس مسجد کو مزید وسیع کرنے کا کام جاری رکھا اور دوسری طرف مریدوں اور عقیدت مندوں کے اخلاقی و اصلاحی کاموں پر توجہ رہی' حضرت حکیم الامت کی تحریر کردہ تنظیم المسلمین اور تعلیم المسلمین کی اشاعت کے بعد دعوت وتبلیغ کا سلسلہ اور بھی تیز کر دیا' اسی دوران ۱۹۴۵ء میں مدرسہ امداد العلوم قائم کیا جو کچھ عرصہ بعد ایک عظیم الشان دینی ادارہ ''جامعہ امدادیہ کشور گنج'' کی شکل اختیار کر گیا' جس میں اب تک ہزاروں طلباء دینی تعلیم حاصل کر چکے ہیں

اور آپ کے ہزاروں شاگرد اور فیض یافتہ ملک و بیرون ملک دینی و ملی خدمات میں مصروف ہیں۔

بیعت وخلافت:

آپ ہمیشہ ملت اسلامیہ کی ظاہری و باطنی اصلاح میں مصروف رہے، تعلیم سے فراغت کے بعد فوراً حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست مبارک پر بیعت کی پھر اپنے شیخ کی ہدایات و احکامات پر عامل رہ کر مسلسل سلوک وتصوف کے مدارج طے کرتے رہے اور تین سال کے مختصر عرصہ کے بعد ۱۳۳۸ھ میں خلافت واجازت کے شرف سے مشرف ہوئے، آپ ہر کام اپنے شیخ کی ہدایت اور حکم سے کرتے تھے، آپ نے اپنے آپ کو سلوک کے اس اصول کے تحت کہ مرید اپنے آپ کو شیخ کے حوالے اس طرح کر دے جیسے میت کو غسال کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، آپ نے واقعی اپنے آپ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے تابع کر رکھا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جتنا بھی میں نے علم حاصل کیا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا وہ محض زبانی تھا حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق کے بعد علم کی حقیقت سمجھ میں آئی اور ان پر حقیقی معنوں میں عمل کرنے کی توفیق ہوئی''۔

(بزم اشرف کے چراغ)

دینی وسیاسی خدمات:

علمی، دینی، تدریسی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ قدس سرہ کے حکم پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، فقیہ الامت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے شانہ بشانہ قیام پاکستان اور اس کے بعد پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں بھر پور حصہ لیا اور وہ خدماتِ جلیلہ انجام دیں جنہیں تاریخ پاکستان کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آپ کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ آغاز سلہٹ سے ہوا جہاں سرحد کی طرح سے مسلم لیگ ریفرنڈم کرا رہی

تھی اور آسام کے ساتھ یہ علاقہ کانگریس کا مضبوط اڈہ تھا لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹیؒ کی دن رات کوشش اور جدوجہد سے سلہٹ کا علاقہ پاکستان کی سرحد میں شامل ہوا۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے دست راست کی حیثیت سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں دورہ فرماتے رہے اور اپنے سحر انگیز خطابات سے قیام پاکستان کے لیے راہ ہموار کرتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے علامہ شبیر احمد عثمانی' علامہ سید سلیمانؒ ندوی' مولانا مفتی محمد حسنؒ امرتسری' مولانا ظفر احمدؒ عثمانی' مولانا خیر محمد جالندھری' مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے ساتھ بھرپور حصہ لیا اور قرارداد مقاصد پاس کرانے میں پیش پیش رہے پھر ۱۹۵۱ء کے ہر مکتب فکر کے جید علماء کے اجلاس میں جو مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ پر منعقد ہوا کراچی تشریف لائے اور ۲۲ نکات کی ترتیب و تدوین میں علماء کا ہاتھ بٹایا اور پھر ۱۹۵۳ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے دستوری تجاویز میں ضروری ترامیم کے سلسلے میں جن جن علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی ان میں مشرقی پاکستان کی نمائندگی حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ نے کی تھی۔

آپ کی دینی و علمی اور سیاسی خدمات کے علاوہ ایک اور عظیم خدمت اردو زبان کی بھی ہے جسے سرکاری زبان بنانے کے لیے آپ نے ارباب اقتدار سے بڑی جدوجہد کی تھی قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں مرکزی جمعیت علماء اسلام مشرقی پاکستان کے نائب صدر کی حیثیت سے صدر جمعیت حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے ہمراہ علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد میں کراچی تشریف لائے اور اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے لیے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں اعلان فرمایا تھا۔ غرض یہ کہ آپ نے متعدد جلسوں' کانفرنسوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کا پورا

پورا حق ادا کیا اور ہمیشہ ہر جابر و ظالم کے سامنے کلمہ حق ادا کیا- آپ مشرقی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہے اور آخر دم تک اسلام کی خدمت کرتے رہے ہمیشہ اسلامی نظام کے نفاذ پر زور دیتے رہے مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کی عظیم الشان کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کہ

''پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے یہاں کوئی ایسا قانون اور دستور نافذ نہیں ہو سکتا جو قرآن و سنت کے خلاف ہو یہاں نظام اسلام کے سوا ہر قانون اور ہر ازم کو ٹھکرا دیا جائے گا''- (ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

اخلاق و عادات:

آپ کے اخلاق و عادات سنت نبویؐ کے عین مطابق تھے- قدرت نے آپ کو خوبیوں کے ان گنت نوادرات سے مالا مال کیا تھا' نہایت متواضع' منکسر المزاج' ملنسار' نرم خو' خوش اخلاق اور مہمان نواز انسان تھے' اتباع سنت اور حق وصداقت کے پیکر تھے- مشرقی پاکستان میں آپ کا وجود مسعود ہدایت کا سرچشمہ تھا اور آپ مشرقی پاکستان میں حقانیت دین کا عظیم چراغ تھے- مولانا محمد متین خطیب صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ نے نہ صرف دینی علوم تفسیر قرآن' حدیث وفقہ میں باضابطہ اسناد حاصل کیں بلکہ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں ایک طویل عرصہ ریاضت و مجاہدہ فرمایا کرتے تھے اور جس کے لیے زیادہ عرصہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام کرتے اور اپنے شیخ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہٗ سے فیوض و برکات حاصل کیے میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم باوجود علمی اور سیاسی مشاغل کے بلاناغہ اذکار الہیہ فرماتے تھے اور ذکر کے ساتھ ان کے قلب سے بھی ذکر الہٰی جاری ہونے کی آواز آتی تھی جس کا اثر لوگوں کے کانوں کے ذریعے سے ان کے دل و دماغ تک پہنچتا تھا اور لوگوں میں زیادہ تر ایسی چیزوں کی وجہ سے حضرت مولانا کی مقبولیت اور پذیرائی میں اضافہ ہوتا رہتا تھا حضرت مولانا کے دل و دماغ میں قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کو زندگی بسر کرانے کے لیے اس قدر عزم و

استقلال کی پختگی موجزن تھی کہ ہر وقت اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بے چین رہتے تھے۔(ماہنامہ البلاغ کراچی)

وفات:

آپ نے ساری زندگی خدمت اسلام اور خدمت مسلمین میں گزاری اور ہمیشہ ہر باطل کا مقابلہ کرتے رہے اسلام اور ملک وملت کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ بارہا مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر اپنے مقدس مشن سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے آخر میں کلمہ حق کہنے کی پاداش میں شیخ مجیب کی حکومت نے آپ کو قید میں بھیج دیا جہاں ایک عرصہ تک قید رہے اس کے بعد جب اس ظالم و جابر حکومت کا خاتمہ ہوا تو نئی حکومت نے رہائی کا اعلان کیا مگر قید خانہ میں پہلے ہی آپ کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے تھے رہائی کے کچھ ہی دنوں بعد آپ پر فالج کا زبردست حملہ ہوا اور ۵' اکتوبر ۱۹۷۶ء مطابق ۹ شوال ۱۳۹۶ھ کو رات ۱۰ بجے میمن سنگھ ہسپتال میں اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر دی۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

۶' اکتوبر کو عید گاہ میدان میں نماز جنازہ ہوئی اور جامعہ امدادیہ کشور گنج ضلع میمن سنگھ میں تدفین ہوئی۔ یہ عظیم الشان درسگاہ آپ کی ایک عظیم یادگار ہے جس کی بنیاد پر آپ نے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے اس میں ایک عالی شان مسجد شہداء بھی ہے جس کے منبر و محراب سے آج بھی حضرت مرحوم کے مواعظ حسنہ اور ذکر اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی۔ آپ کی وفات پر تمام دینی وعلمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی' بہت سے اخبارات ومجلات نے تعزیتی اداریئے لکھے اور آپ کی وفات کو ملک وملت کا ایک عظیم نقصان قرار دیا۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی مرحومؒ نے ''تواریخ وصال حضرت مولانا اطہر علیؒ صاحب'' کے عنوان سے متعدد عربی میں تاریخیں نکالیں جو ماہنامہ البلاغ کراچی بابت ماہ جنوری ۱۹۷۷ء' ماہنامہ الرشید لاہور بابت ماہ نومبر ۱۹۷۶ء اور ماہنامہ بینات کراچی میں شائع ہوئیں۔ جناب ناصر بخاری صاحب نے آپ کی تعریف کچھ اس طرح

کی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ الرشید بابت ماہ نومبر ۱۹۷۶ء)

شیخ عالم، قطب ملت حضرت اطہر علیؒ — وارث علم نبوت حضرت اطہر علیؒ
جانشین تھانویؒ مرد حق روشن ضمیر — ہادی راہ ہدیٰ حق کی رحمت حضرت اطہر علیؒ

۱۳۹۶ھ — ۱۹۷۶ء

اعتراف عظمت:

آپ کی شخصیت علمی، دینی اور سیاسی حلقوں میں بہت ممتاز تھی اس لیے آپ کی وفات پر ملک کے ممتاز علماء نے گہرے رنج والم کا اظہار فرمایا تھا ذیل میں چند حضرات کے مختصر تاثرات درج کیے جاتے ہیں:

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے تعزیتی اداریے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنگلہ دیش سابق مشرقی پاکستان کے ممتاز ترین عالم تھے، علمی وسیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے۔ جامعہ امدادیہ کے نام سے کشور گنج میں ایک عظیم درسگاہ کے بانی تھے یہ مدرسہ جو اپنی تعمیری خصوصیات میں سب سے ممتاز تھا کچھ عرصہ راقم الحروف بنوری بھی اس کی مجلس شوریٰ کا رکن رہا بلکہ علمی مشیر بھی۔ حضرت مولانا مرحوم بنگلہ دیش کے علماء وفضلاء میں جامع شخصیت تھے وہ عالم بھی تھے، صوفی بھی، دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے تھانہ بھون کے بھی فیض یافتہ تھے اور حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ تھے''۔ (ماہنامہ بینات کراچی نومبر ۱۹۷۶ء)

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ کی شخصیت اس دور میں چراغ راہ کی حیثیت رکھتی تھی ان کی زندگی سلف صالحین کا نمونہ تھی، انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی قدس سرہ جیسے عظیم رہنما اور قطب زماں کے زیر اثر تربیت حاصل کی تھی اور اسی روحانی تربیت کا اثر تھا کہ وہ اپنے علم وفضل،

زہد وتقویٰ اور بے لوث خدمت دین کی وجہ سے عوام وخواص میں بے حد مقبول تھے اور اسی لیے ان کی وفات سے سب کو صدمہ پہنچا ہے اور ان کی وفات سے علمی و دینی حلقوں کو سخت نقصان ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین''- (روزنامہ وفاق لاہور)

حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب مدظلہ اپنے تاثرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اور قدوۃ العلماء حضرت مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کی وفات سے پوری قوم یتیم ہوگئی اور علماء کی روشن شمع بجھ گئی ہے''-

(ماہنامہ البلاغ کراچی نومبر و دسمبر ۱۹۷۶ء)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے تعزیتی نوٹ میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ قدرت کا عجیب وغریب نظام ہے کہ جس رات حضرت والد ماجد مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا اسی رات چند گھنٹے پہلے ان کے عظیم رفیق حضرت مولانا اطہر علی صاحب میمن سنگھ میں واصل بحق ہوئے- انا للہ وانا الیہ راجعون- حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہ بھی کسی ایک ملک یا خاندان کی نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کی گرانقدر متاع تھے اور ان کی وفات کے صدمے نے امت مسلمہ کے لیے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حادثہ وفات کا صدمہ دو چند کر دیا ہے ہمارے پاس اس حادثے پر بھی اظہار غم کے لیے الفاظ نہیں ہیں، حکیم الامت کے دو عظیم خلفاء کا بیک وقت دنیا سے اٹھ جانا ایک سانحہ عظیم ہے''- (ماہنامہ البلاغ کراچی نومبر و دسمبر ۱۹۷۶ء)

حضرت مولانا قاضی عبید اللہ صاحب نقشبندی مدظلہ اپنے تعزیتی بیان میں فرماتے ہیں: کہ

''مخدوم العلماء حضرت مولانا اطہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے علم وعرفان کی ایک شمع تابندہ خاموش ہوگئی، مولانا نے مشرقی پاکستان میں درس قرآن وحدیث کی جو شمع روشن کی تھی اس کی ضیاء پاشی عالمگیر ہو چکی تھی

مگر افسوس آج مسلمانانِ عالم اس مینارہ روشنی سے محروم ہو گئے''۔

(روزنامہ آفتاب ملتان)

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ' مدیر الحق' اپنے تعزیتی تاثرات میں تحریر فرماتے ہیں: کہ

''یہ عجیب سوء اتفاق ہے کہ مغرب میں آفتاب علم مفتی محمد شفیع صاحب کی شکل میں غروب ہوا تو اسی رات پاکستان کا وہ مرحوم حصہ جو کبھی مشرقی کہلاتا تھا اپنے ہاں کے ایک آفتاب رشد و ہدایت مولانا اطہر علی صاحبؒ بانی جامعہ امدادیہ کشور گنج کے اجالوں سے محروم ہو گیا۔ جانے والوں کی مسندیں خالی ہوتی جا رہی ہیں اور امت کی اکثریت محو نالہ جرس کاروان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے''۔ (ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک' اکتوبر ۱۹۷۶ء)

جناب میر خلیل الرحمٰن صاحب ایڈیٹر روزنامہ جنگ' اپنے تعزیتی اداریئے میں لکھتے ہیں کہ:

''ڈھاکہ سے خبر آئی ہے کہ میمن سنگھ میں نظام اسلام پارٹی کے بانی سربراہ اور تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنما ممتاز عالم دین حضرت مولانا اطہر علیؒ صاحبؒ ۵' اکتوبر کی شب انتقال فرما گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مولانا اطہر علی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا انتقال ایک ہی دن ہوا اور دونوں کو میمن سنگھ اور کراچی میں ایک ہی دن سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا اطہر علی مرحومؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلفاء میں شامل تھے اور انہوں نے بھی تحریک پاکستان کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ قیام پاکستان کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے کشور گنج میں جامعہ امدادیہ کے نام سے ایک بڑی دینی درسگاہ قائم کی جہاں سے اب تک ہزاروں طلباء علوم دینی میں فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔ ان کے شاگرد اس وقت دنیا کے متعدد ممالک میں گرانقدر دینی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں''۔ (ماخوذ ماہنامہ البلاغ کراچی)

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا وطن ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا مشہور قصبہ گمتھلا گڈھو تھا اسی وجہ سے آپ اپنے نام کے ساتھ گمتھلوی لکھا کرتے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵، محرم الحرام ۱۳۱۵ھ میں آپ کے ننھیال موضع کنگیڑی ضلع کرنال میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حکیم محمد غوث صاحب دہلی کے تعلیم یافتہ علاقہ کے مشہور ترین حکیم تھے۔ فارسی میں بہت ذوق رکھتے تھے اور دہلی کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے آپ نے قرآن شریف کی تعلیم اپنے قصبہ کے پیر جی محمد اسحاق صاحبؒ سے حاصل کی پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری قدس سرہٗ کے ظل عاطفت میں علوم دینیہ کی باقاعدہ تعلیم شروع کردی۔

اسی اثناء میں درس نظامی کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زیر سایہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں کئی حضرات مدرسین مولانا انوار الحق صاحب امروہیؒ اور مولانا سید احمد حسن صاحب سنبھلیؒ سے پڑھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اور گاہ بہ گاہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے استفادہ فرماتے رہتے، خانقاہ امدادیہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص اہتمام تھا اس لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت روحانی بھی حاصل کرتے رہے پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے ۱۳۳۷ھ میں دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کے دست مبارک سے سند عطا ہوئی۔ پھر حضرت اقدس مولانا سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے حکم پر ہی موضع ایہرادڑ ضلع میرٹھ کے مدرسہ میں مدرس ہو کر تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ اپنے فیض علمی سے طلباء اور دوسرے مسلمانوں کو مستفیض

فرماتے رہے' اس کے بعد مختلف مدارس عربیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور پھر مستقل طور پر خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے زیرسرپرستی تدریسی' تالیفی اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دینے لگے۔ حضرت حکیم الامتؒ تھانوی قدس سرہٗ کو چونکہ آپ پر حد درجہ اعتماد اور اطمینان تھا اس لیے بڑے بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور کیا جاتا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مفتیؒ صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ جس طرح اپنے مرشد کے زیرسایہ گزرا ہے اسی طرح آپ کے سوانح اور دینی خدمات کے تذکرہ کا بھی زیادہ حصہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے سوانح کے ساتھ منضبط ہو کر شائع اور محفوظ ہو گیا ہے۔ ''اشرف السوانح'' کی تالیف کے وقت آپ نے اپنی دینی خدمات کا تذکرہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر دیا تھا وہ ''مکارم عشرہ'' کے عنوان سے ''اشرف السوانح'' میں شامل ہے ان میں سے بعض اہم خدمات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ تھانوی قدس سرہٗ کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت کے خلاف ہے۔ مثلاً بہن اور بیٹی کو حصہ نہیں دیا جاتا' حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانا ضروری ہے حضرت مفتی صاحبؒ نے عرض کیا کہ علماء کرام اگر خاص سعی فرمائیں تو ممکن ہے کہ لوگ سمجھ جائیں۔

ارشاد فرمایا: کہ

''جس قدر کوشش ہو سکے اس میں دریغ نہیں کرنا چاہیے نفع کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے''۔

حضرت حکیم الامتؒ کے اس ارشاد پر حضرت مفتی صاحبؒ نے ہمت فرمائی۔ اور پنجاب بھر میں بہنوں اور بیٹیوں کو میراث دلانے کی تحریک شروع کر دی۔ اور عام جلسوں اور اجتماعات میں حضرت مفتی صاحبؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی اور لاہور و امرتسر کے علاقوں میں سفر بھی کیے پھر اس مقصد کے لیے تحریری طور پر ایک فتویٰ ''ظلم

پنجاب کے متعلق خدائی وصیت'' کے عنوان سے چھپوایا - جس کو عام تقسیم کیا گیا پھر ایک رسالہ ''غصب المیراث'' شائع کرا کے تقسیم کیا - جس کے تمام مصارف کا اہتمام حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا اس کے ساتھ ساتھ جب اطراف آگرہ سے فتنہ ارتداد کی افسوسناک خبر ملی تو حضرت حکیم الامتؒ کے حکم کے مطابق آگرہ اور اس کے نواح میں تبلیغ کا کام بھی جاری فرمایا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرانوی کو ساتھ ملا کر پورے دو سال تک فتنہ ارتداد کے خلاف تحریک چلائی اور نہایت اہتمام کے ساتھ یہ دونوں حضرات تبلیغ دین فرماتے رہے اور عرصہ بعد آپ کے جلسوں اور تحریروں کا نتیجہ سامنے آ گیا اور یہ ظالم قانون تبدیل کر دیا گیا - اور پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب یہ قانون وراثت شرعی ضابطوں کے مطابق پنجاب میں نافذ ہوا تو آپ خوش ہو کر فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی سعی اور کوششوں کا کسی قدر نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے -

ان تحریکات اور اہتمام تبلیغ کے علاوہ آپ نے تقریباً ایک سو مکاتب و مدارس قائم کیے جن کی مالی امداد حضرت حکیم الامتؒ خود فرماتے تھے - بہر حال فتنہ ارتداد اور دوسرے لادینی فتنوں کا آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تحریری و تقریری جہاد فرماتے رہے اور کامیاب رہے، پنجاب کے سفر سے واپسی کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے حکم سے حضرت مفتی صاحبؒ پھر خانقاہ تھانہ بھون میں مقیم ہو گئے - اور تقریباً پورے پچیس سال خانقاہ سے باقاعدہ تعلق رہا اس ۲۵ سال کے عرصہ میں حیدر آباد سندھ میں تقریباً ایک سال تک تعلیمی و تدریسی اور تبلیغی خدمات انجام دیں اور کچھ مہینے ریواڑی میں دینی و تدریسی خدمات میں مصروف رہے، مرزائیت وغیرہ کے خلاف بھی کافی تحریک چلائی اور کئی مناظرے اور مباحثے کیے اسی طرح ہندوستان کے اندر شرعی قاضی مقرر نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا - حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہٗ نے اس طرف توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو ساتھ ملا کر ایک کتاب ''الحیلۃ

الناجزۃ'' کے نام سے تالیف فرمائی' جس میں ان مشکلات کا حل تجویز فرمایا- جس سے عورتوں کے مصائب میں بہت کمی ہوگئی-

الغرض آپ کی زندگی کا اکثر حصہ حضرت حکیم الامتؒ کے زیر سایہ گزارا اور اس دوران خدمت درس و تدریس اور افتاء کے علاوہ بہت سے فتنوں کے خلاف تحریکات بھی چلاتے رہے اور علمی و فقہی اور گرانقدر تصنیفی خدمات بھی انجام دیں- بہشتی گوہر جو بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ ہے اس پر آپ نے حضرت حکیم الامتؒ کے حکم سے اصلاح فرمائی گویا اس کو دوبارہ لکھا گیا اور تفسیر ''بیان القرآن'' پر نظر ثانی بھی فرمائی ان کے علاوہ کئی اور تصانیف بھی تالیف فرمائیں جن میں ''حیلہ ناجزہ'' رسالہ- جبریہ تعلیم' قانون اوقاف' المختارات' تجدد اللمعہ فی تعدد الجمعہ' القول الرفیع فی الذب عن الشفیع' وفاق المجتہدین عن دفاق المجتہدین' اور افادۃ العوام ترجمہ نصوص خطبات الاحکام'' وغیرہ علمی شاہکار ہیں-

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ طبعی ذہانت و فطانت کے علاوہ چونکہ طویل زمانہ تک حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے زیر تربیت رہے اور تعلیمی و تصنیفی خدمات انجام دیتے رہے تھے- اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علمی ذوق سے ان کو حصہ عطا فرمایا تھا جو ہر کسی کو صرف کتب بینی سے حاصل نہیں ہوسکتا- آپ اخلاق و عادات میں قرون اولیٰ کا نمونہ تھے- متبع سنت اور ایک سچے عاشق رسولؐ تھے- متعدد بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی- آپ نے پہلی مرتبہ غالباً ۱۳۲۵ھ میں حرمین شریف کا سفر کیا اور تقریباً آٹھ ماہ قیام کیا تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کی پھر دوسرے حج میں معہ اہل و عیال تشریف لے گئے- اور ایک سال حجاز میں قیام کے بعد دوسرا حج کر کے واپسی ہوئی- دوسرے سفر حج میں مسلسل آٹھ ماہ مدینہ منورہ میں قیام کا شرف حاصل ہوا اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ میں حدیث و فقہ کی بڑی کتابیں مسلم شریف اور مؤطا امام مالک ہدایہ وغیرہ کے درس دینے کا موقعہ اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا' حرم محترم نبوی ﷺ کے بعض اساتذہ بھی درس حدیث میں شریک ہوا کرتے تھے ایک مدرس حرم سے ایک مرتبہ آپ نے دریافت کیا کہ آپ تو صاحب مذہب ہیں' موطا امام مالک آپ کے امام کی کتاب ہے اس کو تو آپ

حنفیوں سے زیادہ سمجھتے ہوں گے- پھر آپ اس کے سبق میں کیوں شریک ہوئے ہیں"-
تو اس عالم نے فرمایا کہ:

"اپنے مذہب کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کا جواب تو ہم خود دے دیتے ہیں مگر احادیث میں جو تطبیق آپ دیتے ہیں ان کو سننے کے لیے میں آتا ہوں پھر اس کو جا کر حرم نبویؐ میں طلباء کو سناتا ہوں' یہ فن تطبیق جیسا کہ آپ حضرات کو آتا ہے ہمیں نہیں آتا"-

بہر حال آپ اپنے وقت کے جید ترین عالم دین' عظیم الشان فقیہ اور عارف کامل تھے ساری عمر اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مسلک و مشرب پر سختی سے قائم رہے اور ان کے مجاز صحبت قرار پائے- حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے: کہ

"واللہ میں مفتی عبدالکریم کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں"-

۱۹۴۸ء آپ اپنے خاندان والوں کے ہمراہ ہجرت فرما کر قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے اور تقریباً سوا سال اسی قصبہ میں رہ کر بعارضہ بخار و اسہال بتاریخ ۹' رجب ۱۳۶۸ھ مطابق ۸' مئی ۱۹۴۸ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے-

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

آپ کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے صحیح علمی و روحانی جانشین بنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں آپ کا عین نمونہ ہیں- اور قابل قدر عالم دین ہیں-

(تفصیلی حالات "بزم اشرف کے چراغ" میں دیکھئے)

حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور دو علمی اور روحانی یونیورسٹیاں ہیں' جہاں سے بڑے بڑے علماء وفضلا تربیت پاکر پوری دنیائے اسلام میں دینی'علمی روحانی اور سیاسی وملی خدمات میں مصروف ہیں۔

مناظر اسلام عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ان باکمال صاحب علم وزہد وورع اور مجسمہ صلاح وفلاح فرزندوں میں سے ایک ہیں' جن سے نہ صرف مظاہر العلوم کی نیک نامی اور وقار میں اضافہ ہوا' بلکہ آسمان علم وفضل پر ایک درخشندہ ستارہ کا ظہور ہوا۔ آپ نہ صرف اپنے وقت کے جید ترین عالم' محدث' مفسر' محقق' مناظر اور متکلم تھے' بلکہ اپنے دور کے عارف کامل اور شیخ کامل بھی تھے۔ اس وقت پورے برصغیر پاک وہند میں گنی چنی شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اور بڑے قابل فخر بزرگ' اسلاف واکابر کا عین نمونہ تھے۔

ولادت اور تعلیم:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کو قصبہ رام پور ضلع سہارنپور میں ہوئی' آپ کا تاریخی نام مرغوب اللہ اور اصل نام اسعد اللہ رکھا گیا' آپ کے والد ماجد مولوی رشید اللہ بن مفتی بشارت اللہ صاحبؒ ایک اچھے عالم دین اور متقی بزرگ تھے' قرآن شریف کی تعلیم آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی' پھر عربی کی ابتدائی تعلیم رام پور ہی میں حاصل کر کے ایک سرکاری اسکول میں کچھ عرصہ انگریزی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے' اس کے بعد ۱۳۲۹ھ کے آخر میں اپنے چچا مولانا حکیم محمد فضل اللہ صاحبؒ کے ساتھ رام پور سے تھانہ بھون چلے آئے۔ اور وہاں پہنچ کر حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ سے عربی کی ابتدائی کتب سے لے کر توسطات تک کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے علاوہ

مشکوۃ شریف کے بھی کچھ اسباق ان ہی سے پڑھے- نیز اسی زمانے میں کچھ اسباق ترجمہ قرآن پاک اور مشکوۃ شریف کے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ سے پڑھے- اس کے بعد ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ ''مظاہر العلوم'' سہارن پور میں داخل ہوئے اور یہاں مشکوۃ شریف' ہدایہ اولین' مختصر المعانی وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا اور ۱۳۳۴ھ میں سند فراغت تعلیم حاصل کی- حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالوحید صاحبؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ شامل ہیں دستارِ فضیلت حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کے دست مبارک سے عطا ہوئی جو آپ کے بڑے استاذ تھے-

درس و تدریس:

تعلیم کی فراغت کے بعد آپ نے ایک سال کتب فنون پڑھیں' اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں قائم شدہ انجمن ہدایت الرشید کے ناظم مقرر ہوئے- پھر ۱۳۳۷ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں اپنے اساتذہ کی زیرنگرانی معین مدرس اور شوال ۱۳۳۸ھ میں باقاعدہ مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا اور درس نظامی کی ہر کتاب کو پڑھایا اور پھر مستقل مشغلہ زندگی وعظ و تبلیغ' مناظرہ اور درس و تدریس نیز ابتدائے ایام میں کچھ دنوں اردو' فارسی میں شعر گوئی بھی مشغلہ رہا اور ہمیشہ آخر دم تک درس حدیث پڑھاتے رہے-
۱۳۳۶ھ تا ۱۳۳۷ھ رنگون بحیثیت ناظم مدرسہ راندیر میں قیام رہا- یکم صفر ۱۳۶۵ھ سے مظاہر العلوم میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ نائب ناظم مقرر ہوئے اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد یکم محرم الحرام ۱۳۷۴ھ سے مظاہر العلوم کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے اور آخر وقت تک مدرسہ آپ ہی کی نظامت میں چلتا رہا ہے-
اس زمانے میں مظاہر العلوم نے ہر لحاظ سے ترقی کی ہے اور دارالعلوم دیوبند کے بعد

ہندوستان میں واحد عظیم دینی درسگاہ ہے جس نے عالمی شہرت حاصل کی ہے۔ غرض یہ کہ حضرت مولانا مرحوم نے ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں گزاری اور ہزاروں تلامذہ ایسے ہیں جو اپنے وقت کے خود بھی بڑے محدث، مفسر، فقیہ، محقق، مصنف اور متکلم ہوئے ہیں۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی مدظلہ، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری، حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ رجڑاروی، حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلویؒ اور حضرت مولانا نجم الحسنؒ تھانوی شامل ہیں۔

بیعت وخلافت:

آپ کا روحانی سلسلہ وقت کے مجدد اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ سے منسلک تھا اور زمانہ طالب علمی ہی میں آپ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے تھے اور حضرت کی طرف سے بہت جلد چاروں سلسلوں میں خلافت و اجازت سے بھی نواز دیئے گئے تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تعلق کے بارے میں آپ خود فرمایا کرتے تھے: کہ

> ''حضرت حکیم الامتؒ سے اس طرح تعلق پیدا ہوا کہ مولانا فضل اللہ صاحبؒ جو کہ میرے چچا اور خسر بھی تھے، انہوں نے حضرت سے ملاقات کروائی، ان کا قیام اکثر تھانہ بھون ہی میں رہتا تھا۔ میں جس وقت خانقاہ امدادیہ کے مدرسہ میں پڑھتا تھا اور طالب علمی کے زمانہ ہی میں تھا کہ میرے چچا کی درخواست پر حضرتؒ نے مجھے بیعت کر لیا، حالانکہ حضرت طلباء کو بیعت نہیں فرماتے تھے مگر بندے کو بیعت فرما لیا تھا۔ پھر خاص توجہ فرمانے لگے۔ اور حضرتؒ سے تعلق بڑھتا گیا اور گناہوں میں کمی ہونے لگی، حضرتؒ کے تعلق نے بڑا کام کیا'' [1]

---

[1] دیکھئے بزم اشرف کے چراغ مؤلفہ پروفیسر احمد سعید تھانوی ایم۔اے

الغرض حضرت حکیم الامت کے تعلق کے بعد آپ کی دنیا ہی بدل گئی، حضرت حکیم الامتؒ نے بہت جلد خلافت سے نوازنے کے بعد آپ کو رشد وہدایت کے کام پر لگا دیا تھا- آپ نے بھی پھر بہت سارے علماء اہل علم اور دوسرے حضرات کو بیعت کیا اور بہت سے خلعت خلافت سے نوازے گئے جن میں پاکستان میں مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اجل خلفاء میں سے ہیں جو اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور خلوص وللّٰہیت میں اپنی مثال آپ ہیں اور فقہ وحدیث میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، اس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مفتی ہیں اور پورے برصغیر میں اسلاف کی عظیم یادگار ہیں، حق تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کا سایہ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے- آمین

تصنیف وتالیف:

درس وتدریس اور مدرسہ کے انتظام واہتمام کی مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں- جن میں سے چند تالیفات یہ ہیں:

☆ اسعاد النحو شرح نحو میر اردو- کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے-

☆ التحفة الحقيرة فی نسبة سبع العشيرة - اس کتاب میں ہیئت کے ایک مشہور مبحث ''نسبۃ ارتفاع اعظم الجبال الی قطر الارض'' کا بڑے عمدہ پیرائے میں حل ہے-

☆ القطائف من اللطائف، اس رسالے میں لطائف ستہ کے متعلق مفید بحث ہے-

☆ ایک فیصلہ، حکیم الامت تھانویؒ کے ایک ملفوظ کی شرح ہے جو بوادر النوادر میں طبع ہو چکا ہے-

☆ رسالة المثالمة فی شرح المكالمة - یہ امکان کذب کے متعلق ایک بحث ہے جو بوادر میں طبع ہوئی ہے-

☆ صرف پر کچھ آئندہ مفید اسباق-

☆ ہفت اختر - حضرت تھانویؒ کے چھ مواعظ اور ملفوظات جو بچپن کے لکھے ہوئے ہیں،

اس میں حضرت تھانویؒ کی اصلاحات بھی ہیں۔

☆ تکمیل الایمان فی شرح حفظ الایمان
☆ شرح التقصیر فی التفسیر
☆ تقریر طحاوی
☆ حاشیہ بر طحاوی
☆ اشکالات طحاوی کے جوابات
☆ شرح حماسہ
☆ عروض با قافیہ' یہ مفتی اسعد اللہ صاحب کے رسالہ کی شرح ہے۔
☆ فتنہ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض' یہ رسالہ شدھی تحریک کے زمانہ میں بار ہا طبع ہوا ہے۔
☆ صحائف اسعد۔ یہ حضرت تسکین کے نام مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مکاتیب جگر کے ساتھ طبع ہوا ہے۔
☆ کلام اسعد' حصہ اول و دوم' یہ آپ کا مجموعہ کلام منظوم وغیرہ ہے......ان کے علاوہ بہت سے مضامین مختلف موضوعات پر پاک و ہند کے مختلف رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے تھے جو نہایت مفید ہوتے تھے۔ آپ کا نعتیہ کلام بھی مختلف رسائل میں اکثر شائع ہوتا رہتا تھا' کیونکہ ادب اور شعر و شاعری سے آپ کو بڑی مناسبت تھی اور اردو' فارسی اور عربی کے بہت اچھے اشعار اور نعتیں وغیرہ لکھتے تھے' ایک سچے عاشق رسولؐ اور صاحب نسبت بزرگ تھے' کئی بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔

اخلاق و عادات:

آپ اخلاق و عادات میں اپنے اسلاف کا عین نمونہ تھے' اور ساری عمر اپنے اکابر کے مسلک و مشرب پر قائم رہے۔ آپ جوانی میں مناظرہ اور تقریر میں بہت مشہور تھے اور اپنے وقت کے ممتاز محدث' مفسر' فقیہ اور عارف تھے۔ نہایت متواضع' منکسر المزاج اور خندہ جبیں تھے جو بھی آپ سے ملتا اس کے حق میں دعائیں کرتے۔ ملنے والا

ان سے مل کر بہت خوش ہوتا تھا- اپنے اوراد و وظائف و نماز کے پورے طور پر پابند تھے' آپ کی زبان نہایت سلیس و شگفتہ تھی- فقہ و ادب کی اونچی کتابوں کے مدرس اور مصنف تھے- حدیث کا ذوق بھی بڑا عمدہ تھا- بڑے صاحب حال بزرگ تھے-

وفات حسرت آیات:

درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کے علاوہ مدرسہ کے اہتمام کی مصروفیات سے آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور چند ماہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے اور عموماً غفلت سی طاری رہتی تھی' آخر میں تو سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے- مگر تعلق مع اللہ کا یہ عالم تھا کہ خادم آپ کو اٹھا کر لاتا اور جماعت کی صف میں کھڑا کر دیتا' حضرت مرحوم پوری نماز قیام وقعود اور رکوع و سجود کے ساتھ ادا فرماتے' اور سلام پھیرتے ہی پھر دوسرے کے اٹھانے کے محتاج ہو جاتے تھے- بہر حال کئی سال صاحب فراش رہنے کے بعد ۱۴' ۱۵' رجب المرجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰' ۱۱' جون ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے..... انا للہ وانا الیہ راجعون- دوسرے دن ۱/۲ ۱۱ بجے دار الطلبہ جدید میں نماز جنازہ ہوئی جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی- حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شروانی خلیفہ حکیم الامت تھانویؒ، مرکز تبلیغ یعنی نظام الدین کے حضرات کے علاوہ' دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم اور اکابر مدرسین شریک جنازہ ہوئے اور حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ سابق ناظم مظاہر العلوم سہارنپور کے قریب تدفین عمل میں آئی-

آپ کی اولاد صالحہ میں مولانا احمد اللہ صاحب' مولانا محمد اللہ صاحب' ارشد اللہ صاحب' اجود اللہ صاحب اور امجد اللہ صاحب شامل ہیں- ان میں اول الذکر دو حضرات ممتاز علماء دین میں شمار ہوتے ہیں اور اپنے بزرگوں کی روایات کے مطابق درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں مصروف ہیں- اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے فیض کو تا قیامت جاری رکھے- آمین

علمائے عصر کی نظر میں:

آپ کی شخصیت علمی و دینی حلقوں میں بہت ممتاز تھی اور برصغیر کے ہزاروں

علماء کے آپ استاذ تھے اسی لیے آپ کی رحلت تمام اہل دین اور اہل قلوب کے لیے ایک عظیم سانحہ تھی اور خصوصاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تو بڑا صدمہ ہے کیونکہ حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ الحدیث رحمہم اللہ کے دست راست اور معتمد علیہ ساتھیوں میں سے تھے۔ ذیل میں چند ممتاز علماء کے مختصر تاثرات درج کیے جاتے ہیں تاکہ آپ کی علمی فضیلت وقابلیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکے:

☆ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا کی رحلت سے ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ وہ ہمارے مشفق استاذ اور شیخ ومربی تھے اور اسلاف کی یادگار تھے''۔

☆ حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا اسعد اللہ مرحوم اپنے وقت کے عظیم محدث' مفسر' فقیہ اور محقق تھے۔ تحریر وتقریر اور مناظرے میں یدطولیٰ رکھتے تھے''۔

☆ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ مدیر ''بینات'' لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مرحوم کے ساتھ مظاہر العلوم کی نصف صدی سے زیادہ کی تاریخ وابستہ ہے۔ موصوف کو فرق باطلہ کے رد اور مباحثہ ومناظرہ کا بھی خاص ذوق تھا۔ انہوں نے آریوں قادیانیوں اور دیگر گمراہوں کے ساتھ بڑے کامیاب مناظرے کیے اور اپنے حریفوں کو ہمیشہ شکست دی۔ شعر وسخن اور ادب وانشاء سے بھی مولانا کو خصوصی شغف تھا۔ اردو' فارسی' عربی تینوں زبانوں میں وہ برجستہ اور فی البدیہہ شعر کہا کرتے تھے۔ مزاج میں مزاح وانبساط بھی خوب تھا۔ وہ طلبہ کو لطیفے اور چٹکلے بھی خوب سناتے تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے اور ان کی خدمت میں حاضری کے بعد آپ کی کایا پلٹ گئی اور صوفی صافی' عارف ومرشد بن گئے۔ حق تعالیٰ شانہ حضرت مرحوم کو اپنے قرب ورضا اور درجاتِ عالیہ سے نوازے۔ آمین''۔

(ماخوذ اکابر علماء دیوبند)

جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ایک باصلاحیت منتظم، مدبر، حدیث کے بلند پایہ استاذ، ایک عظیم شیخ طریقت، ولی کامل اور متبحر عالم دین تھے، مولانا مرحوم نے عمر بھر دین اور طلبہ دین کی خدمت کی، آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کاندھلوی کے دیرینہ رفیق اور معتمد ساتھی تھے، اپنی زندگی میں ہزاروں طالبان علم کو فیض پہنچایا اور ہزاروں کو مرید بنا کر اصلاح و فلاح کا ذریعہ بنے۔ حق تعالیٰ ان کے فیوضات و برکات کو جاری و ساری رکھے، آمین''۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

(ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک)

عارفِ باللہ شیخ کامل

حضرت حاجی محمد شریف ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ

عارف کامل حضرت اقدس مولانا الحاج محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اولیائے کاملین میں سے تھے۔ ان کے بارے میں ایک مفصل مضمون حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ' کا لکھا ہوا پیش خدمت ہے جو حضرت کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے' چنانچہ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب فرماتے ہیں کہ:

عارف باللہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے چند دن بعد عزیزم مولوی محمود اشرف صاحب سلمہ' خلیفہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار فرمایا کہ احقر کا چونکہ طویل عرصہ حضرت والا سے تعلق رہا ہے اس لیے حضرت والا کے کچھ حالات قلمبند کر دو میں ان کی طباعت کا انتظام کروں گا۔ احقر نے کچھ غور بھی کیا لیکن عزیز موصوف کے اصرار کو دیکھتے ہوئے اور کچھ ادائے حق کا خیال کرتے ہوئے اور سب سے زیادہ مولائے کریم سے بخشش اور ثواب کی امید رکھ کر کہ شاید یہ مختصر سے چند کلمات مولائے کریم محض اپنی رحمت سے بلا استحقاق قبول فرمالیں اور یہی احقر کی بخشش کا ذریعہ بن جائے مختصراً کچھ لکھنے کا ارادہ کرلیا۔ یا اللہ قبول فرما' یا اللہ قبول فرما' یا اللہ قبول فرما۔

آمین یٰ رب العالمین بحرمۃ سید المرسلین و علیٰ الہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین.

اس مضمون میں احقر زیادہ کوشش یہی کر رہا ہے کہ مضامین احقر کے خودشنیدہ ہوں اور خود

دیدہ ہوں یا حضرت والا کے خودنوشتہ ہوں تا کہ واقعات والفاظ کے ذکر میں افراط یا تفریط نہ ہو جائے کیونکہ حضرت والا کو اعتدال کا بہت فکر تھا- حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں بلکہ شریعت مطہرہ میں اعتدال انتہائی اہم اور پورے دین کا بنیادی ستون ہے- پل صراط بھی اسی اعتدال کی صورت مثالیہ ہے- جو دنیا میں شریعت کے اعتدال پر چلے گا وہ بے تکلف پل صراط پر سے گزر جائے گا- یا اللہ ہمارا اور ہمارے متعلقین واحباب کا پل صراط پر سے گزرنا اور آج سے لے کر دخول جنت تک کی تمام گھاٹیوں سے گزرنا محض اپنے فضل وکرم سے آسان فرما دے- آمین یارب العالمین-

وَ مَا توفیقی الَّا باللّٰہِ علیه توکلت و الیه انیب.

اس مضمون کو پڑھنے سے شاید کسی صاحب کو یہ شبہ ہو کہ احقر زیادہ تر اپنے واقعات' اور حضرت والا سے اپنا تعلق بار بار بیان کر رہا ہے شاید اس سے مقصود احقر کا خودنمائی ہو اور اپنے منہ سے خود میاں مٹھو بننا ہو- گذارش ہے کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ احقر کا مقصد خودنمائی ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ تو وہی ہے جو اوپر عرض کی ہے کہ ایسے واقعات ہی ذکر کیے جائیں جو خود دیدہ اور خود شنیدہ ہوں' دوسرے اس طرز سے یہ مضمون انشاء اللہ تعالیٰ زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا اور تیسرے یہ کہ اشرف السوانح' اور مکتوبات اشرفیہ کے طرز کی تھوڑی سی احقر نے کوشش کی ہے- اشرف السوانح کے متعلق ایک صاحب نے کہا تھا کہ یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی سوانح ہے' اور حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کی بھی سوانح ہے۔

نقل ارشادات مرشد مے کنم
آنچہ مردم مے کنند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب
نقل سے بھی ہو وہی فیض اتم

پیدائش اور خاندانی حالات:

یہ مضمون حضرت والا کے اپنے قلم مبارک سے ہی مکتوبات اشرفیہ کے چوتھے

ایڈیشن سے نقل کیا جاتا ہے۔ وھوھذا۔

''میرے والد گرامی کا نام نامی جناب منشی نظام الدین صاحب (مرحوم و مغفور) تھا' ان کا پیشہ پٹوار تھا۔ علاقہ میں اپنے اوصاف جمیلہ اور اخلاق عالیہ کی بدولت شریف پٹواری مشہور تھے۔ ۱۹۲۴ء میں رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے' اور ان کو اپنے قرب خاص سے نوازے۔ میری تاریخ پیدائش کاغذات سے تو ۱۰ دسمبر ۱۹۰۴ء معلوم ہوتا ہے تاہم میرے بڑے بھائی صاحب (مرحوم) فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت میری تاریخ پیدائش یکم ستمبر (۱۹۰۱ء) ہے۔ ہندوستان کے ایک گاؤں مہندی پور ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوا پرائمری کی ابتدائی تعلیم تو میں نے ضلع فضل آباد میں حاصل کی۔ ازاں بعد مہندی پور سے چار میل کے فاصلہ پر واقع قصبہ مکیریاں میں سلسلہ تعلیم شروع ہوا۔ اس قصبہ میں اینگلو سنسکرت مشہور ہائی اسکول تھا۔ آٹھویں جماعت میں نے اسی آریہ سکول سے پاس کی۔ یہاں کے غیر مسلم آریہ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح مجھے اپنا ہم مذہب بنالیں اور اسلام سے دور کرنے کے بہت جتن کیے۔ گو میری شکل وصورت' کھانا' لباس' پگڑی کی بندش اور ظاہری بود و باش ہندوانہ تھی۔ لیکن دل قادر مطلق کے قبضہ میں ہے' اس نے دستگیری کی اور کفر کی تاریکیوں میں ایمان کی چنگاری دل میں ایمان کو حرارت بخشتی رہی۔ اس طرح دل کے اندر ایمان کو اللہ تعالیٰ نے بچائے رکھا اور اس کی ظاہری علامت یہ بھی تھی کہ اسلام پر آریہ لوگ معترض ہوتے تو دل ہی دل میں ان پر از حد غصہ آتا۔ بہر حال ہندوستان کے مجموعی حالات تھے۔ مجھے تعلیم بھی حاصل کرنا تھی۔ اور میرے لیے تعلیم جاری رکھنا اسی صورت میں ممکن تھا کہ اس سکول میں پڑھتا رہوں۔ یہاں آٹھ جماعت پاس کرنے کے بعد میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول جالندھر سے ۱۹۲۱ء میں پاس کیا۔ جالندھر ہائی سکول میں میرا شمار ہونہار اور مستعد طلبہ میں ہوتا تھا اس کے ساتھ ساتھ فٹ

بال فرسٹ الیون کا کھلاڑی بھی تھا- میرے دسویں جماعت پاس کرنے کے دوران ہی والد محترم ملازمت سے ریٹائرڈ ہو چکے تھے- بھائی بھی کچھ کشادہ دست واقع نہ ہوئے اس لیے انہوں نے مجھے آئندہ تعلیم دلوانے سے عذر فرما دیا اور میں چاروناچار مکیریاں اینگلو سنسکرت ہائی سکول میں ملازم ہو گیا- یہاں پھر سابقہ احوال کا سامنا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت بھرپور طریقہ سے شامل حال رہی اور میں اپنے ایمان کو بچانے میں کامیاب رہا- دو سال کا عرصہ یہاں ریاضی کا ٹیچر رہا- حصول علم کا شوق ابھی پورا نہ ہوا تھا- یہاں کچھ حالات سدھرے تو میں نے جے-اے-وی کلاس (اسلامیہ کالج لاہور) میں داخلہ لے لیا- قدرت نے دستگیری فرمائی اور جے-اے-وی' کلاس میں اول آیا اور نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول امبوٹہ ضلع ہوشیارپور میں بطور انگریزی ٹیچر تعینات ہو گیا''- (انتہی بلفظہ)

حضرت والا کی شان فکر آخرت:

اس شان کو ظاہر کرنے کے لیے بھی احقر حضرت والا کے الفاظ مبارکہ پیش کرتا ہے جو بطور نصیحت کے حضرت والا نے پشاور کے ایک صاحب کے خط کے جواب میں تحریر فرمائے اور زندگی میں بلا نام اشاعت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی- احقر کے ذوق میں وفات کے بعد حضرت والا کے نام سے بھی اشاعت کی گنجائش ہے- مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان پشاور کے چارٹ سے بشکریہ نقل کر رہا ہوں- دھوھذا

''زندگی گزارنے کا طریقہ کتاب (قرآن) اور سنتؐ کا اتباع ہے- اللہ تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہنا چاہیے- ان ہی کی دھن' ان ہی کا دھیان' بس یہی دین ہے- کسب دنیا ناجائز نہیں' مگر دل ادھر ہی لگا رہنا چاہیے- ہر سانس ایک بیش قیمت جواہر اور گویا بھرپور خزانہ ہے- جس سے ابدی سعادت حاصل ہو سکتی ہے اور جب عمر پوری ہو گی تو آخرت کی تجارت ختم ہو گی- وقت کو خدا کی نعمت سمجھ کر اس کی قدر کرنا چاہیے آنکھ بند ہوتے ہی وقت ضائع کرنے کا پتہ

چل جائے گا- پھر حسرت ہوگی- مگر یہ حسرت کام نہ آئے گی- پھر دارالحساب ہوگا- وہاں عمل نہیں- اب ہم دارالعمل میں ہیں- اس حساب کی تیاری کر لینا چاہیے- تمام تحقیقات' تدقیقات دھری رہ جائیں گی- جس نے سب غموں کو ایک غم بنالیا اور وہ ہے غم آخرت تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی غموں کے لیے بھی کافی ہو جاتے ہیں اور جس نے سب غموں کو اپنے اوپر سوار کرلیا- حق تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے"- (انتہیٰ بلفظہ)

احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مولائے کریم تو بہت رحیم و کریم ہیں' ان سے رحمت کی بہت امیدیں ہیں- اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے قیامت میں یوں پوچھ لیا کہ میرے طریقہ پر کیوں عمل نہ کیا تو میرا کوئی ٹھکانہ نہیں-

حضرت والا کا ایک ارشاد عزیزم مولوی محمود اشرف سلمہ' کے ذریعہ بھی احقر تک پہنچا' اور بلاواسطہ بھی اسی کے قریب قریب یاد پڑتا ہے- کہ فرمایا کہ میں تو یوں دعا مانگتا ہوں کہ یا اللہ مجھ سے اگر آخرت میں سوال کرنا ہے تو میں ابھی جواب پیش کرتا ہوں کہ میرے پاس کوئی جواب نہیں- مجھے تو بلا حساب ہی بخش دیجئے- احقر عرض کرتا ہے کہ اسی کے قریب قریب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا بھی منقول ہے کہ یا اللہ بڑے بڑے درجات تو بزرگوں کو ملیں گے' مجھے تو اہل جنت کے جوتوں میں ہی جگہ عنایت فرما دیں وہ بھی اس لیے نہیں کہ اس کا مستحق ہوں بلکہ اس لیے کہ عذاب کی برداشت نہیں- وصال کے بعد حضرت مولانا مسیح اللہ خاںؒ صاحب نے خواب میں پوچھا کیا معاملہ ہوا- حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت پڑھ دی:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾

جس کے معنی ظاہر ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنا قرب خاص عنایت فرمایا- ان واقعات سے حضرت والا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان فکر آخرت کتنی نمایاں ہے- یا اللہ ہم سب کو کامل فکر آخرت نصیب فرما- آمین

بحرمة سيد المرسلين و على اله و اصحابه و اتباعه اجمعين.

حضرت والا کی شان محبوبیت:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رکھنے والے حضرات خصوصاً مجازین حضرات میں عبدیت و تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی' چنانچہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بھی بہت اونچے درجہ کی تواضع اور فنا کی شان تھی-

اس تواضع اور عبدیت کی ایک مثال یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ حضرت والا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت تھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے فوراً بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ سے' حضرت والا نے اپنی تعلیم کی درخواست فرمائی:

''حضرت خواجہ صاحب' یہ ناکارہ آئندہ اپنے آپ کو تعلیم کے لیے آپ کے سپرد کرتا ہے، اللہ منظور فرمالیں''-

جواب حضرت خواجہ صاحب اس ضابطہ کی کیا حاجت ہے- میں تو یوں بھی گویا مان نہ مان میں تیرا میزبان ہوں- پوچھنے پر بلکہ بے پوچھے بھی جو الٹا سیدھا سمجھ میں آتا ہے عرض کرتا ہی رہتا ہوں اور کرتا ہی رہوں گا۔

نقل ارشادات مرشد مے کنم
آنچہ مردم مے کنند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب
نقل سے بھی ہو وہی فیض اتم

(مکتوبات اشرفیہ چوتھا ایڈیشن ص ۱۹۸)

اور پھر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان الفاظ کے ساتھ حضرت والا نے اپنے آپ کو حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مزید ترقی کے لیے پیش فرمایا:

''حضرت اقدس تعلیم اور اصلاح کے سلسلہ میں مجھے مکاتبت کی اجازت فرما دیں میرا مقصود اس تعلیم سے محض رضائے مولا ہے''۔

جواب حضرت مفتی صاحب!

''بسر وچشم اجازت ہے۔ حق تعالیٰ اسی تعلق کو اپنے تعلق کا ذریعہ بنائے اور طرفین کے لیے موجب قرب ورضا ہو''۔ (مکتوبات اشرفیہ چوتھا ایڈیشن ص ۲۰۱)

پھر حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٰ صاحب مدظلہم العالی سے تعلیم کا تعلق قائم فرمایا۔ ان دونوں کا ذکر حضرت والا کے اس مکتوب میں ہے جو حضرت والا نے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہم العالی کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ وھو ھذا

''حضرت مرشد تھانوی کے بعد میں نے تجدید بیعت کسی سے نہیں کی البتہ تعلیم واصلاح کے لیے اپنے آپ کو اول حضرت خواجہ صاحبؒ ان کے بعد حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے سپرد کر دیا (کچھ الفاظ کے بعد) اب مولانا خیر محمد صاحبؒ کے بعد میں تعلیم اور مشورہ آپ سے لینا چاہتا ہوں۔ آپ کی محبت سے میرا دل لبریز ہے۔ للہ میری درخواست قبول فرمائیں''۔ (مکتوبات اشرفیہ چوتھا ایڈیشن ص ۲۲۵)

اور حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف مدظلہم کی حیات طیبہ ہی میں حضرت والا اپنے خالق حقیقی سے واصل ہوئے۔ گویا آخری سانس تک باوجود کامل ومکمل ہونے کے باوجود کثیر مریدین کے باوجود متعدد خلفاء کے اپنے آپ کو مرید ہی بنائے رکھا۔ یہ فنا کا بہت اونچا مقام ہے ۔

تو دردِ گم شو وصال این است و بس
گم شدن گم کن کمال این است و بس

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پہلا قدم بھی تواضع ہے اور آخری مقام بھی تواضع ہے۔ تکبر نے ابلیس کو ملعون بنایا۔ اکثر کفار کے لیے ایمان سے مانع تکبر ہے اور اکثر اہل

ایمان کو اصلاح باطن اور دینی ترقی سے مانع اور اپنے زمانہ کے مشائخ کی طرف رجوع کرنے سے مانع یہی تکبر ہے- اس تکبر کو حضرت والا نے اپنے قول اور عمل سے پاش پاش کر کے رکھ دیا-

جب تک ڈاکٹروں نے منع نہیں کیا حضرت والا ملتان شہر میں ہمیشہ سائیکل پر آتے جاتے تھے- اور کمال تواضع کی وجہ سے سائیکل سے اتر کر اپنا سائیکل خود پکڑ کر جہاں کھڑا کرنا ہوتا تھا' کھڑا کرتے تھے' کسی دوسرے کا پکڑنا پسند نہ کرتے تھے-

خیر المدارس کے جلسوں میں اور فجر کے بعد درسوں میں بہت کثرت سے شرکت فرماتے تھے لیکن ہمیشہ عام آدمیوں کے ساتھ مل جل کر جلسہ سنتے تھے- علماء کے پاس سٹیج پر احقر نے کبھی بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا- حتی کہ وصال سے تقریباً ایک سال پہلے جب کہ صیانۃ المسلمین کے اجلاس میں سب سے اہم مہمان حضرت والا ہی تھے ختم بخاری کے موقع پر عام سامعین کے ساتھ گھل مل کر تشریف فرما ہو گئے' برادرم مولانا عبدالرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ نے کوشش کر کے آگے بٹھایا-

ایک دفعہ ملتان میں حضرت کے دولت کدہ کی چھت پر احقر نے بھی سونا تھا اور حضرت والا نے بھی وہیں سونا تھا تو ایک چار پائی بڑی تھی دوسری چھوٹی تھی احقر نے بہت کوشش کی کہ چھوٹی پر سوئے مگر کمال عبدیت کی وجہ سے فرمایا کہ چھوٹی چار پائی پر سونے کی اجازت نہیں ہے- یا اللہ اپنے اس عبد کامل کو درجات عالیہ سے نواز- آپ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ.

حب شیخ:

حضرت والا میں حب شیخ کی شان بہت نمایاں تھی- سالک کی ترقی کے لیے حب شیخ بنیادی حیثیت رکھتی ہے- بعض زاہدان خشک یہ وہم کر لیتے ہیں کہ یہ توحید اور تعلق مع اللہ کے خلاف ہے- ان کا یہ خیال کم علمی پر مبنی ہے- کیا یہ حدیث پاک میں نہیں ہے کہ تم اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک مجھ سے محبت اپنے ماں باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو- تو کیا حب رسول بھی حب اللہ کے خلاف ہے- حقیقت یہ

ہے کہ جو محبت اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے وہ حب حق ہی کا شعبہ ہے اور حب حق ہی کا زینہ ہے- حتی کہ حدود کے اندر بیوی کی محبت کو بھی تقویٰ کی علامت قرار دیا گیا ہے- یہی مطلب اس شعر کا ہے۔

گر جدا بینی زحق ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن وہم دیباجہ را

یہ معنی نعوذ باللہ نہیں کہ شیخ اور اللہ تعالیٰ ایک ہیں' یہ تو کفریہ عقیدہ ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ شیخ کامل محقق کی محبت اور اطاعت بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور محبت ہے- مَن یُّطِعِ الرَّسول فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ حق تعالیٰ فرما رہے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی-

حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ خالی پان کا پتہ منہ میں ڈال کر جلد ہی پھینک دیا- حضرت والا نے فرمایا کہ آنکھ بچا کر میں نے وہ پتہ اٹھالیا اور مزے لے لے کر کھایا- ہائے' کیسی حب شیخ تھی-

حضرت والا نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک خط کے جواب میں خطرہ تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہو جائیں گے تو سکول میں پڑھانے کے لیے کھڑا ہوتا غم سے گرنے لگتا تو تھوڑی دیر دوسرے کمرے میں جا کر آرام کرتا پھر آتا پھر گرنے لگتا- پھر چلا جاتا کچھ آرام کر کے آتا- یہ عشق کے آثار میں سے ہے کہ محبوب کی ناراضگی کا احتمال بھی ناقابل برداشت ہوتا ہے- تو جس کو اللہ تعالیٰ سے سچی محبت ہو وہ گناہ کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

تعصی الالہ و انت تظھر حبه
ھذا لعمری فی الفعال بدیع
ان کان حبك صادقاً لا طعته
ان المحب لمن یحب مطیع

حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ رخصتی کے مصافحہ

کے وقت وجد میں فرمایا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو دونوں حضرات کے شیخ تھے کہ حضرت بھی عجیب تھے- عجیب وغریب تھے' حضرت کی ہرادا عجیب تھی- حضرت والا نے فرمایا کہ ان الفاظ کا مجھ پر ایسا اثر تھا کہ لاہور سے فیصل آباد تک گاڑی چل رہی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گاڑی کے پہیوں سے اللہ اللہ کی آواز آ رہی ہے- اس واقعہ سے دونوں حضرات کا اپنے شیخ سے حب کامل کا تعلق اظہر من الشمس ہے-

تھانہ بھون کے ایک درزی کا واقعہ حضرت والا نے بیان فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ناراض ہو کر اصلاح کا تعلق ختم کر دیا تھا- زیارت کے لیے وطن چھوڑ کر حضرت کی گزرگاہ پر دکان بنالی کہ روزانہ ایک نظر زیارت ہو جایا کرے گی- یہ واقعہ حضرت والا نے کئی دفعہ ایسے طرز سے بیان فرمایا کہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت والا میں حب شیخ کمال درجہ کی تھی-

تعدیل حقوق والدین وزوجین کی تعلیم:

ساس بہو کے جھگڑوں میں کثرت سے حضرت والا کی زبان مبارک سے احقر نے سنا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور میں ازالۃ الرین فی حقوق الوالدین لکھ کر بہت سے خاندانوں کو تباہی سے بچالیا- فرماتے تھے کہ ایسے موقعوں میں میں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ بہشتی زیور سے یہ مضمون پڑھو' اور اس پر عمل کرو- ماں باپ کو خوش کرنے کے لیے بیوی پر ظلم کرنا اور اس کی حق تلفی کرنا ہرگز جائز نہیں- ایسے موقعوں میں ضروری ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے الگ مکان میں رکھے- ماں باپ سے بھی ملتا رہے' اور بیوی کے حقوق بھی ادا کرتا رہے-

تعدیل حقوق کے سلسلہ میں حضرت والا بارہا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعض حضرات تبلیغ کے سلسلہ میں حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں- بیوی بچوں کا پورا انتظام کیے بغیر کئی کئی سال تبلیغ کے لیے چلے جاتے ہیں' بیوی بچوں کو بہت سی ناقابل برداشت تکلیفیں پیش آتی ہیں- یہ حدود سے نکلنا ہے ہرگز مناسب نہیں-

آخری ڈیڑھ دو سال کے سوا حضرت والا نے اپنے کسی صاحبزادے کو بھی

خدمت کے لیے اپنے پاس رہنے کی اجازت نہیں دی- بڑے صاحبزادے چودھری نظیف صاحب نے بار بار عرض کیا کہ آپ کی اور بی جی (والدہ صاحبہ) کی طبیعت اب کمزور ہے' میں اپنا تبادلہ لاہور سے ملتان کرالیتا ہوں' ہمیں خدمت کا موقع دیں' لیکن ہر دفعہ یہی فرماتے رہے کہ نہیں ہم نے اپنی راحت کے انتظامات کر لیے ہیں- فرج بھی لے لی ہے- ایک دفعہ سالن پکا کر کئی دن کھایا جا سکتا ہے تم ملتان تبادلہ نہ کراؤ- احقر سے حضرت والا نے فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ میرا کوئی بیٹا اور بہو ہمارے ساتھ رہے- عام طور پر ساس بہو میں کچھ نہ کچھ کشیدگی ہو جاتی ہے جس سے بدمزگی ہوتی ہے- بہو اور ساس کا اکٹھا رہنا عام حالات میں مناسب نہیں- البتہ آخری ڈیڑھ دو سال چھوٹے صاحبزادے ظریف صاحب کو اور ان کی اہلیہ کو اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی اور دونوں سے بہت خوش رہے کہ ان دونوں نے ہماری بہت خدمت کی ہے- حضرت والا کا یہ اجازت مرحمت فرمانا نہایت مجبوری کی وجہ سے تھا- بہو کی طبیعت کا بھی اندازہ فرمالیا تھا کہ نہایت ہونہار اور خدمت گزار ہے' اور ساتھ رہنے میں دل و جان سے خوش ہے اور ساتھ رکھنے میں اس کی ہرگز ناخوشی نہیں ہے-

دوسروں کی راحت کا اہتمام:

حضرت والا کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ظریف صاحب جن کو آخری ڈیڑھ دو سال حضرت والا کی خدمت کرنے کا بہت موقع ملا' وہ فرماتے تھے کہ بیماری اور کمزوری کی وجہ سے میں حضرت والا کی چارپائی کے ساتھ اپنی چارپائی بچھا کر سوتا رہا ہوں کہ زیادہ کمزوری کی وجہ سے کوئی ضرورت ہو تو خدمت کرسکوں لیکن ایک دفعہ کے سوا کبھی بھی مجھے سوتے ہوئے کو نہیں جگایا- اتفاقاً مجھے خود یاد آ جائے تو بول و براز کے لیے سہارا وغیرہ دیتا رہا ہوں ورنہ کافی مشقت کے باوجود اپنے کام حضرت والا خود ہی مشقت سے انجام دے لیتے تھے میری نیند خراب کرنا پسند نہ فرماتے تھے- البتہ صرف ایک دفعہ جب دل کا شدید دورہ پڑا تو مجھے آواز دی اور میں نے اٹھ کر ضروری انتظامات کیے- اس سے زیادہ دوسروں کی راحت کا اہتمام کون کرسکتا ہے-

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ علاج کے لیے ایبٹ آباد تشریف لے گئے تھے- حضرت والا نے فرمایا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ بیمار کی بیمار پرسی کے لیے دوسرے شہر میں جایا جائے کیونکہ اس سے تیمار داروں کو دوہرا انتظام کرنا پڑتا ہے- ایک بیمار کا دوسرے مہمانوں کا- دوسروں کی راحت کا اتنا احساس-

احقر کے سامنے کا واقعہ ہے کہ خیر المدارس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت علیل تھی، احقر بھی پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت والا تشریف لائے- تین چار منٹ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت مبارک کا حال پوچھا اور واپس روانہ ہو گئے حالانکہ اس وقت بھی حضرت والا سفید ریش ہی تھے- احقر نے بفضلہٖ تعالیٰ چھتیس سال حضرت والا کی زیارت کی اور یہ سارا زمانہ احقر نے حضرت والا کا سفید ریش ہونے ہی کی حالت کا پایا، اور نو اں شہر جہاں حضرت والا کا دولت کدہ ہے وہ خیر المدارس سے تقریباً تین میل (ساڑھے چار کلومیٹر) دور ہے اور سائیکل پر تشریف لائے اور سائیکل پر ہی واپسی ہوئی- حضرت والا کے واپس تشریف لے جانے کے فوراً بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ہے اخلاص-

دوسرے کی راحت کے اہتمام کی ایک صورت یہ بھی ہے- کہ ایسی بات کہہ دے جس سے دوسرے کا دل خوش ہو جائے اس کا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ جب حضرت والا اور خالہ جان مدظلہا (اہلیہ محترمہ) ہمارے ہاں فیصل آباد اپنے بڑے صاحبزادے چودھری نظیف صاحب کے لیے احقر کی ہمشیرہ سے نسبت قائم کرنے کے لیے ابتدائی پیغام پیش کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور پیغام پیش کر دیا اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی ہاں تو نہیں کی تھی لیکن امید افزا جواب دیا تھا اس کے بعد ہمارے ہاں ہی رات گزارنے کے بعد صبح سویرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خطاب فرما کر فرمایا چودھری صاحب مجھے تو اس رشتہ کی امید کی خوشی میں رات بھر نیند ہی نہیں آئی- احقر بھی وہاں موجود تھا، ہم سب کا دل اس سے باغ باغ ہو گیا کہ کتنی زیادہ محبت کا اظہار فرما رہے ہیں-

جمع بین الضدین کی شان:

حضرت والا نے خود احقر سے بیان فرمایا کہ سفر حج میں ڈاکٹر احسان (مرحوم جو حضرت والا کے داماد تھے انہوں) نے مجھے اس کاغذ کے بارے میں کچھ ہدایات دیں جو بیت الخلاء میں ڈھیلے کی جگہ استعمال ہوتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے خیال میں یہ موٹی موٹی باتیں مجھے معلوم نہیں ہیں شیخ کے بارے میں یہ خیال مناسب نہیں ہے حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے ان کا یہ ہدایات دینا بہت ناگوار ہوا' فرمایا کہ اس وقت تو میں خاموش رہا بعد میں مناسب موقع میں میں نے تنبیہ کی تو انہوں نے لجاجت سے معافی طلب کی' میں نے معاف کر دیا دل صاف ہو گیا- اس واقعہ میں جمع بین الضدین کی شان کتنی نمایاں ہے کہ فوری طور پر کچھ نہ فرمایا مبادا غصہ میں زیادہ سخت تنبیہ ہو جائے جو داماد ہونے کے تعلق کے خلاف ہو' پھر بعد میں مناسب وقت پر نرم عنوان سے تنبیہ فرمائی تا کہ مرید ہونے کا حق ادا ہو- یہ شیخ کی خیانت ہے کہ تنبیہ کے موقع پر تنبیہ نہ کرے' اور یہ ڈاکٹر احسان صاحب مرحوم کا بھی کمال تھا کہ حضرت والا جب بھی تنبیہ فرماتے بغیر کسی تاویل کے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف فرما لیتے- حضرت والا اس سے بہت خوش ہوتے تھے اور متعدد بار اس خوشی کا اظہار احقر سے فرمایا- حضرت والا ڈاکٹر احسان صاحب مرحوم سے بہت خوش تھے- ڈاکٹر صاحب مرحوم بھی حضرت پر جاں نثار تھے- خود حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ میری بیٹی حمیدہ (ڈاکٹر احسان صاحب مرحوم کی اہلیہ) نے مجھے بتلایا کہ شب براءت میں ڈاکٹر صاحب یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ میری عمر میرے ابا جی (حضرت والا) کو دے دے- حمیدہ نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ آپ کیا دعا مانگ رہے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب (مرحوم) نے کہا ابا جی کی زندگی کی بہت ضرورت ہے- میرا کیا ہے- حضرت والا کے وصال سے تقریباً سوا پانچ سال پہلے ڈاکٹر صاحب مرحوم انتقال فرما گئے' شاید یہ وہی دعا قبول ہوئی- واللہ تعالیٰ اعلم بحکمہ.

جمع بین الضدین کا ایک واقعہ احقر اپنا عرض کرتا ہے کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد احقر نے اپنی اصلاح کا تعلق حضرت والا سے قائم کیا اس سے پہلے ۱۹۴۹ء ہی سے جب سے احقر نے خیر المدارس ملتان میں عربی تعلیم حاصل کرنی

شروع کی تھی باپ بیٹے کی طرح حضرت والا کا احقر سے تعلق تھا اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد جب کہ احقر کبیر والا ضلع ملتان میں پڑھاتا تھا ایک دفعہ کسی نے غلط شکایت کردی کہ فلاں گھر میں‘ جو باپ بیٹے کے درمیان ناچاقی ہوئی ہے اس میں سرور کا ہی سارا دخل ہے- ظاہر ہے کہ حضرت والا پر اس کا بہت اثر تھا- ان ہی دنوں میں احقر چند گھنٹے کے لیے کبیر والا سے حاضر خدمت ہوا تو حضرت والا نے کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے خندہ پیشانی سے ملاقات فرمائی‘ جب احقر چلنے لگا تو ایک بند لفافہ عنایت فرمایا کہ مجھ سے رخصت ہو جانے کے بعد باہر جا کر یہ لفافہ کھولنا- چنانچہ جب احقر دولت کدہ سے رخصت ہو کر کافی دور چلا گیا تو احقر نے بند لفافہ کھولا- اس میں تحریر فرمایا ہوا تھا کہ مجھے تمہاری اس قسم کی شکایت پہنچی ہے اس کا طبیعت پر اثر ہے- جب تک یہ اثر دور نہیں ہو جاتا مخاطبت اور مکاتبت بند- جب طبیعت صاف ہو گی تو میں خود اطلاع دوں گا- اس کے بعد حضرت والا نے باوجود کافی ضعف کے ملتان سے فیصل آباد کا سفر فرمایا اور پورے واقعہ کی مکمل تحقیق فرمائی اور ملتان واپس پہنچتے ہی احقر کو کبیر والا کے پتہ پر بشارت نامہ ارسال فرمایا کہ تمہارا قصور ثابت نہیں ہوا- اب تم سے کوئی ناراضگی نہیں ہے‘ اور مخاطبت و مکاتبت کی اجازت ہے- احقر فوراً شکریہ ادا کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا کیونکہ اس بشارت نامہ کی وجہ سے احقر کے سر سے غم کا ایک پہاڑ اترا تھا- حاضر ہونے پر فرمایا کہ مجھے یہی امید تھی کہ خط ملتے ہی تم ضرور جلدی آ ؤ گے‘ اور پہلے سے بھی زیادہ شفقت و عنایت کا معاملہ فرمایا- اس واقعہ میں بھی جمع بین الضدین بالکل واضح ہے جو کاملین ہی کا کام ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

احقر حضرت والا کی بہو کا بھائی بھی ہے اور اس وقت دوسرے شہر سے آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح مہمان بھی تھا اس کا حق بھی ادا فرمایا کہ بالمشافہ کچھ نہیں فرمایا بلکہ کمال ضبط کی وجہ سے ناراضگی ظاہر نہ ہونے دی لیکن احقر چونکہ مرید بھی تھا زیر تربیت تھا اس لیے

بند لفافہ میں تنبیہ بھی فرمائی - یہ اجتماع ضدین نہیں تو کیا ہے- ایک اور لحاظ سے بھی جمع بین الضدین ہے کہ غلطی کے شبہ کی وجہ سے تنبیہ بھی فرمائی اور جب غلطی ثابت نہ ہوئی تو خود ہی بشارت نامہ اور انتہائی شفقت نامہ ارسال فرمایا- یہ شدید تنبیہ اور انتہائی شفقت ضدین ہی تو ہیں-

اخیر سانس تک کسی نہ کسی بزرگ کو اپنا شیخ بنائے رکھا اور ان کے پاس مریدین کی طرح کثرت سے آنا جانا رکھا اور خط و کتابت رکھنے کا اہتمام فرمایا اور ساتھ ہی اپنے مریدین و مسترشدین کی تربیت و تلقین اور خطوط کے جوابات بہت ہمت اور کوشش سے لکھنے کا اہتمام رکھا کہ حتی الامکان روز کی ڈاک روز ہی نمٹاتے تھے- مرید مخلص بھی ہیں، شیخ کامل بھی ہیں یہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کا جمع بین الضدین ہے-

خود احقر کے ساتھ ایک بار نہیں متعدد بار کھانے پینے کی خاطر تواضع بھی فرما رہے ہیں ساتھ ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کی خاطر تواضع بھی فرما رہے ہیں ؎

اولٰئِكَ ابائی فَجِئنی بِمِثْلِهِمْ
اذا جَمَعْتَنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِع

تعلق بین الزوجین:

شریعت مطہرہ کے اصول کے عین مطابق حضرت والا کو اپنی اہلیہ محترمہ مدظلہا جن کو احقر خالہ جان مدظلہا ہی کے لقب سے ذکر کرتا رہا ہے اور حضرت والا بھی احقر کے لیے اسی لفظ کو پسند فرماتے تھے اس لیے اس مضمون میں احقر زیادہ تر یہی لفظ ذکر کرنا چاہتا ہے- بہر حال حضرت والا کا خالہ جان مدظلہا سے بہت زیادہ قلبی تعلق تھا- آج کل کے بناوٹی پیروں کی طرح نہیں کہ طویل عرصہ بیوی بچوں سے الگ رہنے کو کمال سمجھتے ہیں، جو شرعاً حرام ہے- حقوق العباد ادا کیے بغیر کوئی بھی واصل باللہ نہیں ہو سکتا- مالی اور جانی اور عرضی حقوق ضائع کرنے والے کے قلب میں کبھی ذکر کا نور پیدا نہیں ہو سکتا چاہے وہ ایک دن میں چوبیس ہزار دفعہ ذکر کرتا ہو- گویا جب بھی ذکر سے نور کی چنگاری اٹھتی ہے حق تلفی کی ظلمت اسے بجھا دیتی ہے-

حضرت والا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ بعض دفعہ اہلیہ روٹیاں پکا کر میرے سامنے رکھتی ہے تو میں اوپر کی ایک دو روٹیاں چھوڑ کر نیچے سے نرم اور پتلی روٹی نکال کر کھا لیتا ہوں- یہ ناشکری میں داخل تو نہیں کہ اوپر کی روٹیاں کیوں چھوڑی گئیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت تھیں' جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ روٹی پتلی لینے میں کچھ حرج نہیں- خصوصاً جب کہ آپ کی پتلی کی پکی ہوئی ہوں- حضرت والا اس جواب کو بڑے مزے لے لے کر ارشاد فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم تھا کہ مجھے اپنی اہلیہ سے بہت زیادہ قلبی تعلق ہے- پتلی کا لفظ محبوب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور پھر پتلی اور پتلی کا قافیہ بھی عجیب ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو قافیہ کے امام تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ قافیہ بنانے میں میرا قافیہ تنگ نہیں ہوتا- حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قافیہ کی ایک عجیب مثال ذکر فرمائی کہ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خادم نیاز کے بیٹے کا نام ایاز تجویز فرمایا تو فرمایا نیاز دیکھو اب اگر حرکت کی تو قافیہ ختم ہے پیاز ہی نام رکھنا پڑے گا-

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو اپنی اہلیہ سے اتنا تعلق ہے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ مجھے تو جنت میں یہی اہلیہ مل جائیں مجھے یہی کافی ہیں مجھے حوروں کی ضرورت نہیں ہے-

حضرت والا کثرت سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے نیکی کی توفیق اور حضرت سے اصلاح کا تعلق قائم ہونے میں اہلیہ کا بہت زیادہ دخل ہے- حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کرنے میں داڑھی کا رکھنا ضروری تھا- نیا نیا نکاح ہوا تھا میری عمر بھی اہلیہ کی عمر سے کچھ زائد تھی- میں نے اس سے ذکر کیا کہ اجازت دو تو داڑھی رکھ لوں' کہنے لگی یہ تو بتائیں کہ داڑھی رکھنا ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ میں نے کہا ثواب کا کام ہے تو کہنے لگی مجھے داڑھی منڈے اچھے نہیں لگتے آپ ضرور داڑھی رکھیں- اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی' اور اصلاحی تعلق کا راستہ کھل گیا- سبحان اللہ خالہ جان مدظلہا کا بچپن ہی سے نیکی کی طرف کتنا

میلان تھا- پیدائشی ولی ہیں- خوش طبعی کا اور تعلق بین الزوجین کا ایک عجیب واقعہ احقر کے مشاہدہ میں آیا کہ ایک دفعہ احقر حضرت والا کا مہمان تھا اخیر رات حضرت والا چھت پر بیت الخلاء میں تشریف لے گئے- اس کے بعد معمول کے مطابق پردہ کا انتظام کر کے احقر چھت پر ہی دوسری بیت الخلاء میں چلا گیا- اس زمانہ میں ابھی نیچے پہلی منزل میں بیت الخلاء نہیں بنی تھی- دونوں قضاء حاجت کی جگہیں چھت پر ہی تھیں- حضرت والا احقر سے پہلے فارغ ہو کر نکلے تو احقر والی بیت الخلاء کا دروازہ کھٹکھٹایا احقر اندر سے کھانسا- حضرت والا نے احقر کی آواز پہچان لی اور جلدی سے نیچے واپس تشریف لے آئے اور جب احقر نیچے آیا تو احقر کے سامنے بہت زیادہ ہنسی فرمائی اور فرمایا کہ میں یہ سمجھا تھا کہ میری اہلیہ بیت الخلاء میں ہیں اور ہم ایک دوسرے سے ایسی خوش طبعی کر لیا کرتے ہیں کہ ایک بیت الخلاء میں ہو تو دوسرا خوش طبعی سے دروازہ کھٹکھٹا دیتا ہے- جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ ہیں تو مجھے بہت ندامت ہوئی کہ سرور کیا کہے گا کہ ایک دوسرے کو پاخانہ کرتے ہوئے بھی دیکھتے ہیں، ایسا نہیں ہے- ہم صرف خوش طبعی کے طور پر دروازہ ہی کھٹکھٹاتے ہیں- افسوس آج کل عام طرز اس کے برعکس ہے بیوی کے پاس منہ بنائے بیٹھے رہتے ہیں اور دوستوں سے فحش مذاق کرتے ہیں-

فرمایا کہ میری اہلیہ ایسی ہیں کہ جب کبھی مجھے دیکھتی ہیں کہ ذکر سے کچھ غفلت ہے تو ذکر کرتے ہوئے میرے پاس سے گزرتی ہیں اور اپنی تسبیح میرے چہرے کے سامنے یا کندھا وغیرہ سے لگا کر اشارہ کرتی ہیں کہ ذکر کرو- سبحان اللہ میاں بیوی کیسے ولی کامل تھے-

ذکر کی توجہ کرانے کا ایک اور واقعہ بیان فرمایا گو وہ خالہ جان مدظلہا سے متعلق نہیں ہے وہ یہ کہ فرمایا کہ سفر حج میں مسجد نبویؐ کے اندر بیٹھا ہوا تھا کچھ لوگوں کے لباس کی طرف بہت توجہ اور حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میرے پاس سے ایک بزرگ صورت صاحب ہاتھ میں تسبیح لیے گزرے اور میری طرف توجہ کر کے زور سے کہا توجہ الی اللہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرو- احقر راقم الحروف کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ وہ فرشتہ تھا جو

خصوصی رہنمائی کے لیے بھیجا گیا تھا کہ ہمارے محبوبؒ کی مسجد میں توجہ یا تو ہماری طرف ہو یا ہمارے محبوبؒ کی طرف ہو۔ کہ وہ بھی جب حدود کے اندر ہو تو ہماری طرف ہی توجہ ہوتی ہے۔ بس اور کسی کی طرف بلا اضطرار توجہ نہ ہونی چاہیے۔

حضرت والا بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اہلیہ کے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاح کا تعلق قائم کرنے کی وجہ سے مجھے بہت ہی راحت اور آسانی کی زندگی نصیب ہوئی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلیہ کو ایک خط کے جواب میں یہ تحریر فرما دیا:

"خواہ غلطی سمجھو یا نہ سمجھو۔ اقرار کر کے شوہر سے پوچھ لیا کرو کہ غلطی ہے یا نہیں۔ اگر وہ غلطی بتلا دیں تو عذر کر لیا کرو"۔

خوش طبعی سے حضرت والا فرماتے تھے کہ میرے ہاتھ میں تو چھومنتر آ گیا۔ جب کبھی اہلیہ کو تنبیہ کرنی ہوتی ناراض ہو کر بیٹھ جاتا کہ حضرت کا ارشاد یاد کرو غلطی کا اقرار کرو اور معذرت کرو، وہ فوراً ایسا ہی کر لیتی ہیں، میں معاف کر دیتا ہوں اور صلح صفائی ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ ایسی ہی پاکیزہ زندگی کا نام حیوۃ طیبہ ہے۔

حضرت والا کا جو حضرت خالہ جان مدظلہا سے بہت زیادہ قلبی تعلق تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت خالہ جان مدظلہا نے اپنی دو سوتیلی بیٹیوں کو جن کی والدہ حضرت والا کی پہلی اہلیہ محترمہ بچیوں کو بہت چھوٹی عمر میں چھوڑ کر وصال فرما گئی تھیں، اور دونوں بچیوں کو خالہ جان مدظلہا نے ایسی شفقت اور عنایت سے پالا کہ بہت بڑا ہو جانے تک بچیوں کو قطعاً علم نہ ہوا کہ یہ ہماری حقیقی والدہ نہیں ہیں، سوتیلی والدہ ہیں۔ حضرت والا فرماتے تھے بڑی عمر ہو جانے کے بعد ایک بچی کو باہر کسی نے کہہ دیا کہ یہ تو تمہاری سوتیلی والدہ ہیں۔ تمہاری حقیقی والدہ تو فوت ہو چکی ہیں۔ وہ بچی روتی ہوئی گھر آئی کہ فلاں نے یوں کہہ دیا۔ خالہ جان مدظلہا نے بہت تسلی دی۔ میں ہی تمہاری والدہ ہوں۔ لوگوں کے کہنے کا کیا ہے۔ سبحان اللہ کروڑ سوتیلی ماؤں میں بھی شاید ہی ایک سوتیلی والدہ ایسی ہو۔ حق تعالیٰ سبحانہٗ حضرت خالہ جان مدظلہا کی عمر دراز فرمائیں اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھیں۔ آمین یا رب العالمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ

علیہ و علی الہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین۔

مہمان نوازی کی شان:

حضرت والا کے حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں۔ اور ہم سب متعلقین و مسترشدین کو حضرت کی برکت سے اچھے ٹھکانے لگائیں اور عذاب سے بچائیں کہ برداشت نہیں ہے برداشت نہیں ہے۔ حضرت والا کی مہمان نوازی کی شان بھی بہت بلند تھی۔ خالہ جان (اہلیہ محترمہ حضرت والا) مدظلہا جب تک صحت اچھی رہی اپنے دست مبارک سے عمدہ عمدہ کھانے پکا کر بھیجتی رہیں اور حضرت والا اکثر اپنے دست مبارک سے بیٹھک میں لاتے رہے اور اصرار کے ساتھ بہت کچھ کھلاتے پلاتے رہے۔ پہلا یا دوسرا موقع تھا حضرت والا کے در دولت پر احقر کی حاضری کا۔ احقر اس زمانہ میں خیر المدارس میں پڑھتا تھا۔ حضرت والا نے اصرار فرما کر احقر کو کھانا کھانے کے لیے فرمایا' احقر نے مان لیا۔ حضرت والا نے کافی مقدار میں سالن پیش فرمایا احقر نے کچھ برکت حاصل کرنے کے لیے کچھ پیٹو ہونے کی وجہ سے کچھ سالن کے لذیذ ہونے کی وجہ سے وہ سارا سالن ہی کھا گیا تو جلدی سے حضرت دیسی شکر غالباً گھی میں ملی ہوئی جو ہمارے علاقوں میں سالن کے طور پر استعمال ہوتی ہے لے آئے' اس وقت احقر سمجھا کہ احقر نے سارا سالن ہی ختم کر دیا شاید ابھی گھر میں کسی نے کھانا کھانا ہو۔ بہر حال حضرت والا کی عجیب مہمان نوازی ظاہر ہوئی' گھر کا پکا ہوا سارا سالن احقر کو کھلا دیا۔

احقر کے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد اختر صاحب زید مجدہم جو حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی ہیں ایک دفعہ کراچی سے بذریعہ کار فیصل آباد آ رہے تھے کہ راستہ میں آدھی رات کے قریب ملتان پہنچے اور چند گھنٹے حضرت والا کے ہاں آرام کرنے کا ارادہ فرمایا' ان دنوں حضرت والا کی اور حضرت خالہ جان (اہلیہ محترمہ حضرت والا) مدظلہا کی صحت مبارک بہت اچھی تھی یہ وفات سے تقریباً بیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ بھائی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ میں صرف تھوڑی دیر سونے کے لیے حاضر ہوا ہوں کھانا کسی نہ کسی ہوٹل سے جا کر کھا لوں گا صرف بستر کا انتظام فرما دیں۔ میں ابھی کھانا کھا

کر آ جاؤں گا' لیکن بالکل اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ اس وقت سالن تو نہیں ہے دودھ موجود ہے- اہلیہ پراٹھے پکائے گی اور آپ کو چائے کے ساتھ کھلائیں گے- ہم ہوٹل پر ہرگز جانے نہیں دیں گے- عجیب شفقت اور مہمان نوازی تھی-

آخری زیارت کے موقع پر وصال سے تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے جب احقر حاضر ہوا گاڑی عین دوپہر کے وقت پہنچی تھی احقر نے قصداً کھانا گاڑی میں کھالیا تاکہ حضرت والا کو کھانے کے انتظام کی تکلیف نہ ہو اور دولت کدہ پر سب سے پہلے حضرت والا ہی کی زیارت نصیب ہوئی- ابتدائی گفتگو کے بعد احقر نے عرض کر دیا کہ حضرت احقر نے دوپہر کا کھانا گاڑی میں کھالیا ہے تو نہایت شفقت کے لہجے میں فرمایا کہ جب گھر آ تا تھا تو راستہ میں کھانا کیوں کھالیا- پھر تھوڑی دیر کے بعد جب احقر نے عرض کیا کہ احقر اجازت چاہتا ہے کہ احقر رات کا کھانا بازار سے کھالے اور پھر رات خیر المدارس میں اپنے بعض دوستوں کے پاس رات گزار رہے گا اور پھر صبح حاضر ہو جائے گا- حضرت والا اور خالہ جان مدظلہا دونوں حضرات کی طبیعت بہت کمزور ہے- احقر کے یہاں رات کو رہنے سے تکلیف ہوگی- فرمایا: سرور مجھے تو تمہارے آنے سے بے انتہا خوشی ہوئی ہے- ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے- ظریف کی بیوی حمیرا ہماری بہت خدمت کرتی ہے' ہر چیز ہمیں بروقت مل جاتی ہے- وہ بہت خدمت گزار بچی ہے- احقر نے پھر کچھ عرض کرنا مناسب نہیں سمجھا- یہ الفاظ کہ سرور مجھے تو تمہارے آنے سے بے انتہا خوشی ہوئی ہے- یہ الفاظ ایسی شفقت اور عنایت سے بھرے ہوئے لہجہ میں ارشاد فرمائے کہ اب تک احقر کے کانوں میں گونج رہے ہیں اور سینے میں چمک رہے ہیں- مہمان کو ایسے الفاظ کہنا کہ جس سے اسے احساس ہو کہ میرے آنے سے خوشی ہوئی ہے گرانی نہیں ہوئی- یہ بھی ایک بہت بڑی مہمانی ہے- نبی کریم ﷺ نے فداہ ابی وامی وروحی ایک دفعہ ایک مہمان سے فرمایا تھا کہ ہم خاص تمہاری وجہ سے بکری ذبح نہیں کر رہے ہماری عادت ہے کہ ہماری ایک سو بکریاں ہیں' جب کوئی نئی بکری پیدا ہوتی ہے تو ہم بڑی بکریوں میں سے ایک ذبح کر لیتے ہیں- مقصد یہ تھا کہ آج بھی ایسا ہی ہوا ہے- تمہاری وجہ سے ہم نے کوئی مشقت

نہیں اٹھائی- سبحان اللہ- سنت کا کیسا اتباع تھا- ظریف صاحب نے ذکر فرمایا (جو حضرت والا کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں) کہ وفات سے چند گھنٹے پہلے جب ایکسرے کرانے کے لیے میں ابا جی کو لے جانے لگا تو کرتہ بدلنے کی ضرورت تھی کمزوری اور غنودگی کی وجہ سے ابا جی اکیلے کرتہ تبدیل نہ کر سکتے تھے پہلا کرتہ اتار کر جب دوسرا کرتہ میں پہنانے لگا تو غلطی سے میں پہلے بائیں بازو میں آستین ڈالنے لگا اباجی کو بولنے میں تو کافی مشقت تھی دایاں بازو کھڑا کر دیا یعنی یہ اشارہ فرمایا کہ پہلے دائیں آستین پہناؤ- سبحان اللہ! انتہائی کمزوری اور غنودگی میں بھی سنت غیر موکدہ چھوڑنا بھی گوارا نہ فرمایا- سبحان اللہ جس قدر اتباع سنت زیادہ ہوتا ہے قرب حق تعالیٰ زیادہ ہوتا ہے-

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنا کہ ایک بزرگ سفر حج پیدل کر رہے تھے اور ہر دس قدم پر دو رکعت پڑھتے ہیں- زیارت کے لیے ایک جگہ پہنچے تو بتلایا گیا کہ کچھ وقت پہلے یہاں نماز پڑھی تھی اب کافی آگے جا چکے ہیں- زمین پر سجدہ کے نشان موجود تھے- غور سے نشان دیکھ کر فرمایا- یہ شخص اللہ کا ولی نہیں ہے- سجدہ میں اس کے ہاتھ کانوں کے برابر نہیں ہیں- سنت کے خلاف سجدہ کرنے والا ولی کیسے ہو سکتا ہے- چنانچہ جلدی ہی پتہ چل گیا کہ وہ جرمنی کا جاسوس تھا- سبحان اللہ حضرت والا میں مہمان نوازی اور اتباع سنت بہت نمایاں تھے-

شفقت علی الطالبین کی شان:

حضرت والا کے وصال سے تقریباً ۲۵ سال پہلے جب احقر کے شیخ اول حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو احقر پر صدمہ کا گویا ایک بہت بڑا پہاڑ گرا خود شیخ کی وفات بہت بڑا حادثہ ہے پھر احقر کو اطلاع بھی تقریباً ایک ہفتہ بعد ہوئی جیسے حضرت والا کے جنازہ کی اطلاع بھی احقر کو جنازہ کے تقریباً بارہ گھنٹے بعد ہوئی شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ احقر اپنی کمزوری کی وجہ سے زیارت بعد الوفات کی تاب نہ لا سکتا یا احقر کی شامت اعمال استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ کہ نہ شیخ اول کا

جنازہ نصیب ہوا نہ شیخ ثانی کا- یا اللہ مجھے معاف فرما- حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ہمارے خاندان میں بھی ایک بہت بڑا حادثہ پیش آ چکا تھا اس کا بھی احقر کے دل پر شدید صدمہ تھا- ان صدموں کی شدت سے احقر کو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا- ایسی حالت میں احقر نے درد بھرا خط حضرت والا کی خدمت میں لکھا اور اپنے دکھ کی کہانی بیان کی اور نہایت عاجزی سے تعلیم و تربیت کی درخواست پیش کی-

حضرت والا نے نہایت شفقت وعنایت اور ذرہ نوازی سے قبول فرمالیا اور ان صدموں میں صبر حاصل ہونے کے لیے نہایت تسلی وتشفی کی تقریریں فرماتے رہے اور احقر بھی کبیر والا سے ملتان بہت جلدی جلدی حاضر ہوتا رہا حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت والا کی برکت سے اور مصلحانہ سعی سے احقر کی طبیعت اعتدال پر آ گئی- اصلاحی تعلق قائم کرنے کے بعد مولائے کریم نے پچیس سال احقر کو حضرت والا سے استفادہ کا بے بہا موقع عطا فرمایا- ہر ہر قدم پر کامل رہنمائی نصیب ہوئی- بارہا آزمایا جب کوئی پریشانی، مصیبت، حادثہ پیش آیا- انتہائی شفقت و دلسوزی سے زبانی یا بذریعہ خط ایسے ایسے ارشادات فرمائے کہ زخموں پر شفقت کا پھاہا رکھ دیا- ایک دفعہ ایک حادثہ میں احقر کا کچھ نقصان ہو گیا تو خط کے جواب میں یہ شعر تحریر فرمایا ؎

خدا گر بحکمت ببندد درے
بفضلش کشاید درے دیگرے

یہ شعر احقر کے سینے میں ایسا گڑ گیا کہ ہر مصیبت اور تکلیف میں فوراً یہ شعر یاد آ جاتا ہے اور انتہائی سکون نصیب ہو جاتا ہے- مصائب میں کثرت سے حضرت والا سے سنا کہ حق تعالیٰ کے حاکم اور حکیم ہونے کے مراقبہ سے عقلی غم دور ہو جاتا ہے اور طبعی غم کے دور ہونے کی کوئی تدبیر نہیں، وقت گزرنے سے آہستہ آہستہ دور ہو جاتا ہے-

ایک معاملہ میں احقر کے شفیق استاد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ احقر سے شدید ناراض ہو گئے اسی سلسلہ میں احقر کو خیر المدارس میں پڑھانے کی خدمت چھوڑ

کر دار العلوم کبیر والا حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں آنا پڑا حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ملتان ہی میں قاسم العلوم میں شیخ الحدیث تھے انہوں نے کبیر والا تشریف لا کر فرمایا بھی تھا حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خطاب فرماتے ہوئے کہ سرور کو آپ ملتان سے یہاں کبیر والا لے آئے ہیں ہم خیر المدارس کے پڑوسی ہیں۔ہمیں حق شفعہ حاصل ہے۔غرض حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے احقر نے راضی کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ حضرت والا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی انتھک کوششیں تھیں اور بار بار سفارشیں تھیں کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ دل سے معاف فرما دیا بلکہ دوبارہ خیر المدارس احقر کو لانے کے لیے بہت اصرار فرمایا۔ لیکن حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ مانے۔ معاف فرمانے کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ متعدد بار کبیر والا میں ہمارے ہاں تشریف لائے بلکہ ایک دفعہ احقر گھر پر بھی نہ تھا پھر بھی گھر پر تشریف فرما رہے اور احقر کی بیوی کو اپنی بیٹی ہی بنا لیا۔ حضرت والا کی اتنی کوششوں اور شفقتوں پر اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت ظرف پر دل و جان سے قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ یا اللہ ان حضرات کے درجات بلند فرما اور ان کے طفیل احقر جیسے ناکارہ کی بھی بخشش فرما کہ عذاب کا تحمل نہیں، عذاب کا تحمل نہیں، عذاب کا تحمل نہیں۔

وَ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ.

احقر کو جب بھی کوئی مشقت، تنگلک، پریشانی پیش آئی حضرت والا نے پوری کوشش اور محنت سے احقر کو اس آزمائش میں کامیابی و کامرانی سے بفضلہ تعالیٰ ہمکنار فرمایا اور احقر یہ سمجھتا ہے کہ سب مریدین کے ساتھ حضرت والا کا معاملہ ایسا ہی تھا۔ سبحان اللہ شیخ ہو تو ایسا ہو۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد خیر المدارس کے انتظامی معاملات میں جو طویل انتشار رہا اور قدم قدم پر شدید مشکلات پیش آتی رہیں ان کے

سلجھانے میں بھی حضرت والا نے بے انتہاء کوششیں فرمائیں۔

ایک دفعہ احقر اور اہلیہ میں کچھ چپقلش ہوگئی۔ اہلیہ بھی حضرت والا کی مریدنی ہے حضرت والا نے دونوں سے تفصیل سن کر ہر ایک کو مناسب تنبیہ فرما کر صلح صفائی ایسی کرائی کہ پھر آج تک ایسی نوبت نہیں آئی۔

جامعہ اشرفیہ میں احقر کی ایک مدرس صاحب سے کچھ رنجش ہوگئی تو جامعہ اشرفیہ لاہور میں تشریف لا کر تین دفعہ اپنے سامنے معانقہ کرایا اور صلح کرادی اور جس کی غلطی تھی اس کو تنبیہ فرمادی۔

حضرت والا کی شفقت کی انتہا یہاں تک پہنچی کہ ایک نوازش نامہ میں احقر کے خط کے جواب میں احقر کو "جان سے زیادہ عزیز" کا لفظ تحریر فرمادیا اس شفقت کے اظہار کے لیے احقر کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ احقر ان الفاظ کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اس لیے احقر نے وصیت لکھ دی ہے کہ اس خط کو جلا کر احقر کے ساتھ دفن کردیا جائے حضرت والا کو دکھا کر سفارش کراؤں گا انشاء اللہ تعالیٰ اور یہ سفارش کا طریقہ بھی حضرت والا ہی سے سیکھا ہے حضرت والا نے فرمایا کہ ایک خط کے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا تھا کہ آج معافی کی جگہ کوئی فرمائش کی ہوتی۔ حضرت والا نے وصیت فرمائی کہ اس خط کو جلا کر میرے ساتھ دفن کردیا جائے قیامت کے دن بخشش کروانے کی اور سفارش کی فرمائش کروں گا۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل بھی ہو چکا ہے اس خط کو جلا کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیئے ہوئے رومال میں لپیٹ کر حضرت والا کی گردن مبارک کے نیچے رکھ دیا گیا۔

حضرت والا کی احقر پر شفقت اور احقر کی بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے ساتھ مناسبت جو مرید اور شیخ کے درمیان ضروری ہے اس کا ظہور ایک عجیب غیر اختیاری طور پر ہوا اور اس آیت کے معنی بھی ذہن نشین ہوئے۔

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ...... الخ﴾

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائیں گے کہ ہم نے تمہیں نصیحت پکڑنے کے لیے عمر

بھی دی اور ڈرانے والا بھی آیا- اس ڈرانے والے کا اصل مصداق تو نبی ہوتا ہے بعض مفسرین نے پوتے کو بھی ایک درجہ میں نذیر کا مصداق قرار دیا ہے کہ پوتا بھی ڈراتا ہے کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں آپ کی جگہ لینے کے لیے میں آ گیا ہوں- حضرت والا کا وصال بھی حضرت والا کے پوتے ظریف صاحب کے لڑکے طلحہ کی پیدائش کے صرف ۱۳ دن بعد ہوا اور احقر کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بھی احقر کے بیٹے محمد عتیق الرحمٰن کی پیدائش کے ۱۸ دن بعد ہوا اور پھر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر بھی احقر کو حضرت والا نے دی اور اس اطلاع دینے میں بھی انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا- جمعہ کا دن تھا احقر کبیر والا سے ملتان حاضر ہوا- حضرت والا کی عجیب تواضع وعبدیت تھی کہ جب بھی احقر حاضر خدمت ہوتا ہر نماز میں احقر کو امام بناتے اور جمعہ کا وقت ہوتا تو احقر سے تقریر کرواتے اور خود سنتے- احقر عذر بھی کرتا لیکن حضرت والا کمال عبدیت کی وجہ سے عذر قبول نہ فرماتے اس دفعہ احقر نے ارادہ کیا کہ کسی طرح چھپ کر بیٹھنا ہے اور حضرت والا کا بیان جمعہ کے موقعہ پر سننا ہے- چنانچہ احقر دولت کدہ پر حاضر نہ ہوا- سیدھا مسجد میں چلا گیا اور سر پر ایسے طریقہ سے رومال ڈالا کہ پیچھے سے کسی کو چہرہ نظر نہ آئے اور پہلی صف میں بائیں طرف اخیر میں گردن جھکا کر بیٹھ گیا اور احقر کے خیال میں کسی واقف نمازی نے احقر کو بیٹھنے سے پہلے نہیں دیکھا احقر خوش تھا کہ آج ضرور حضرت والا کی تقریر مبارک سننے کا موقعہ مل جائے گا- تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازہ کی طرف سے آواز آئی سرور احقر نے مڑ کر دیکھا تو حضرت والا احقر کی طرف نہایت غم واندوہ کے ساتھ دیکھ رہے تھے لیکن احقر کو فوری طور پر والد صاحب کی وفات کی اطلاع نہ فرمائی عجیب شفقت تھی اپنے مریدین پر متعلقین پر- دو تین جملے پہلے ایسے فرمائے جن سے آہستہ آہستہ غم شروع ہوا ایسا نہ ہو کہ اچانک خبر سے دل پر زیادہ اثر ہو جائے- دیکھو ایک حادثہ پیش آ گیا- چودھری محمد رمضان صاحب کے ساتھ ایک حادثہ پیش آ گیا- ان کا انتقال ہو گیا- عجیب شفقت تھی- اگر شیخ کی مریدین پر شفقت نہ ہو تو ان کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی- سختی کے موقع میں سختی بھی ضروری ہے- عام حالات میں شفقت

نہایت ضروری ہے- یہی حال مولائے کریم کا بندوں کے ساتھ ہے اصل شفقت ہے لیکن سزا کے موقعہ میں سزا بھی دی جاتی ہے- انبیاء علیہم السلام اور مشائخ مظاہر حق تعالیٰ ہوتے ہیں- اور اسی طرز سے واصل حق تعالیٰ کرتے ہیں- اور عادت اللہ جاری ہے کہ بلا شیخ وصول الی اللہ نہیں ہوتا-

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

ہر ہر کمال میں حضرت والا کی عجیب شان تھی- حضرت والا عجیب تھے- عجیب و غریب تھے- حضرت والا کی ہر ادا عجیب تھی۔

بسیار خوباں دیدہ ام
مہر بتاں ورزیدہ ام
لیکن تو چیزے دیگری

بڑے بڑے مشائخ ہیں لیکن کسی پر نگاہ نہیں جمتی۔

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بد بیں نکند بکس نگاہے

اور اصلاح باطن کا اصول بھی یہی ہے کہ پہلے خوب جستجو سے شیخ تلاش کرے- جب شیخ حق اور محقق مل جائے تو پھر سب طرف سے آنکھیں بند کر لے ورنہ فیض نہ ہوگا اس کو وحدت مطلب کہتے ہیں- یک راگیر و محکم گیر- جو کئی طرف بھاگے پھرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

دلا را ے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ایک دفعہ حضرت والا نے بواسطہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کے بعد عام علماء و مشائخ کی مجلس میں کبھی جانا ہوتا بھی ہے تو دل سے یہ آواز بے اختیار آتی ہے

کہ یہاں رکھا ہی کیا ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زیادہ خوشی و مبارک باد کا اظہار فرمایا اور اسے آثار عشق میں سے شمار فرمایا۔

وفات حسرت آیات کا ذکر:

حضرت والا کی حیات طیبہ کا آخری پندرہ سال کا عرصہ احقر کے اندازے میں زیادہ تر بیماری اور کمزوری ہی میں گزرا۔ معدہ کا دو دفعہ آپریشن ہوا۔ ایک گھٹنے میں بہت درد رہا۔ دل کے دورے بھی پڑتے رہے۔ اسہال کی تکلیف بھی متعدد بار رہی حضرت والا نے نہایت صبر و استقلال سے بلکہ خندہ پیشانی سے ان منازل کو طے فرمایا اور باوجود نہایت کمزوری و بیماری کے احباب سے ہشاش بشاش ہی ملتے رہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں اپنے آپ کو موت کے لیے بالکل تیار پاتا ہوں۔ آخری تین ماہ کے قریب حضرت والا کو معدہ کی بہت تکلیف رہی حتیٰ کہ وفات سے تقریباً اڑھائی ماہ پہلے حالت انتہائی نازک درجہ تک پہنچ گئی لیکن حق تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوا کہ طبیعت سنبھلنی شروع ہو گئی۔ اس سے پہلے بھی کم از کم دو دفعہ ایسی حالت ہوئی کہ امید بہت کم رہ گئی لیکن حق تعالیٰ فضل فرماتے رہے اور طبیعت سنبھل جاتی رہی۔ ۱۱ اپریل ۱۹۸۵ء بروز جمعرات ڈاکٹر حضرات کے مشورہ سے حضرت والا کو ایکسرے کے لیے کار میں لے جایا گیا کیونکہ گذشتہ تین چار دن سے سینہ مبارک میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ اور خون ٹیسٹ کرنے سے اندازہ لگایا گیا تھا کہ پھیپھڑوں نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ ہمت کا یہ حال تھا کہ اس حالت میں بھی بستر سے کار تک پیدل جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا حضرت والا کے چھوٹے صاحبزادہ ظریف صاحب نے نہایت کمزوری دیکھتے ہوئے اٹھا لیا اور کار میں بٹھا دیا۔

ایکسرے کرا کے واپس بستر پر پہنچا دیا گیا اور بعد دوپہر ظریف صاحب ساڑھے تین بجے اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔ اہلیہ محترمہ مدظلہا فرماتی ہیں کہ جب ظریف صاحب بھی چلے گئے اور قاری اسحاق صاحب جو حضرت والا کے آخری ایام میں بہت خدمت گزار رہے ہیں اور حضرت والا کے مجاز بیعت بھی ہیں وہ بھی چلے گئے تو فرماتی ہیں کہ میں حضرت والا کے پاس آ گئی غنودگی کی سی کیفیت تھی اور پہلے بھی چند دنوں سے

غنودگی کثرت سے رہتی تھی حضرت خالہ جان (اہلیہ محترمہ) مدظلہا فرماتی ہیں کہ میں نے بچی عبیدہ کو آواز دی کہ آب زمزم لاؤ چمچی سے منہ میں ڈالو اللہ تعالیٰ آب زمزم کی برکت سے شفا دیں چنانچہ چند چمچ آب زمزم کے ڈالے گئے فرماتی ہیں کہ میں نے ایک ہاتھ سر مبارک پر اور دوسرا داڑھی مبارک پر رکھا۔ حضرت والا نے ایک لمبا سانس لیا اور میں نے غور سے آنکھوں کو دیکھا تو وہ کھلی ہوئی ہیں اور پتھرائی ہوئی ہیں میں سمجھ گئی کہ حضرت والا دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

اِنَّا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

ظریف صاحب ساڑھے تین بجے دفتر پہنچے تو دس منٹ کے بعد اطلاع آئی کہ فوراً گھر پہنچیں حضرت والا کی طبیعت زیادہ ناساز ہے۔ ظریف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ڈاکٹر عبدالغفور صاحب کو ساتھ لیا۔ ڈاکٹر عبدالغفور صاحب نے بھی آخری ایام میں حضرت والا کی بہت خدمت کی ہے علاج معالجہ کے انتظامات میں بہت زیادہ دوڑ بھاگ کی ہے حق تعالیٰ انہیں جزائے خیر دیں تو ظریف صاحب فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالغفور صاحب کو ساتھ لے کر جب میں گھر پہنچا تو حضرت والا اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

چونکہ حضرت والا کی وصیت تھی کہ وفات کے بعد تجہیز و تکفین میں بہت جلدی کی جائے اس لیے ملتان سے باہر سے بہت کم حضرات جنازہ میں شریک ہو سکے گیارہ بجے کے قریب جنازہ کی نماز حضرت والا کے مجاز صحبت قاری اسحٰق صاحب نے پڑھائی اور رات پونے بارہ کے قریب دفن سے فراغت ہوئی۔ آخری سانس حضرت والا نے تقریباً پونے چار بجے شام لیا جمعرات کا دن تھا ۱۱ اپریل ۱۹۸۵ء کی تاریخ تھی۔

پس ماندگان:

وفات کے وقت حضرت کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اور اہلیہ محترمہ مدظلہا بقید حیات ہیں۔ بڑے صاحبزادے چودھری نظیف صاحب لاہور میں

سال انڈسٹری میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں ان سے چھوٹے صاحبزادے چودھری عفیف صاحب کینیڈا میں انجینئرنگ میں بڑے عہدہ پر ہیں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیزم ظریف صاحب ملتان ہی میں پی آئی اے میں دفتری کام میں بڑے اچھے عہدہ پر ہیں۔

مجازین بیعت:

۱۔ مستری محمد ابراہیم صاحب مکان نمبر ۳۲۴ بوہڑ والی گلی نواں شہر ملتان۔
۲۔ حاجی محمد فاروق صاحب بیت الاشرف باغ حیات سکھر۔
۳۔ ڈاکٹر احسان الحق صاحب قریشی ایم' ایس' سی' ایم' بی' بی' ایس نمبرا گان روڈ لاہور۔
۴۔ سید نادر شاہ صاحب' بستی دائرہ' ملتان'
۵۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال جاوید صاحب گورنمنٹ کالج ہٹارو۔ براستہ کوٹری' سندھ'
۶۔ ڈاکٹر محمد عبدالواحد السید المحترم ص' ب' ۸۴۴' مکۃ المکرمہ سعودی عرب'
۷۔ حاجی عبدالرزاق صاحب' جامعہ اشرفیہ' نیلا گنبد' لاہور
۸۔ مولوی محمود اشرف صاحب عثمانی ادارہ اسلامیات ۱۹۰' انارکلی' لاہور
۹۔ ماسٹر عبدالرب صاحب ۱۲۵۔ ملا سٹریٹ پر نام نٹ' ۶۳۵۸۱۰ نارتھ ارکوٹ ڈسٹرکٹ تمیل ناڈو۔ ساؤتھ انڈیا۔
۱۰۔ ماسٹر اقبال صاحب قریشی ادارہ تالیفات اشرفیہ' متصل ڈاک خانہ ہارون آباد ضلع بہاول نگر'
۱۱۔ حافظ محمد اسحق صاحب ادارہ تالیفات اشرفیہ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۰ ریلوے روڈ ملتان شہر۔
۱۲۔ مولانا محمد محترم فہیم عثمانی مدظلہ لاہور۔ باقی حضرات کے نام معلوم نہیں البتہ مکتوبات اشرفیہ طبع دوم میں مکمل فہرست درج ہے۔ جو زیر طبع ہے۔

مجازین صحبت:

۱۔ ماسٹر محمد گلزار صاحب بیت الاشرف، باغ حیات، سکھر۔

لفظ آخر:

احقر اپنی استطاعت سے اچھی طرح واقف ہے اور ہرگز اس مشکل مضمون کے لکھنے کی ہمت و جرأت نہ تھی لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ عزیزم مولوی محمود اشرف سلمہٗ خلیفہ حضرت والا نے کس درد بھرے انداز میں احقر سے کہا کہ اگر آپ حضرت والا کے حالات نہ لکھیں گے تو کون لکھے گا احقر ایک دفعہ انکار اور اعتراض کر چکا تھا اب ان الفاظ کے بعد کانپ گیا اور سوچا کہ حضرت والا کا حق ہے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کچھ تو لکھ دوں۔ کیا عجب کہ احقر کی بخشش اسی سے ہو جائے اور چند دن مولائے کریم نے فرصت کے کچھ اسباب بھی محض اپنے فضل سے بنا دیئے تو مختصر سا مضمون حضرت والا کے چند حالات سے متعلق لکھنے کی توفیق ہوگئی۔ یہ مشتے از خروارے ہے۔

کوئی صاحب ہمت اور صاحب قلم اگر ہمت کر کے مزید تفصیل لکھ سکیں تو خود ان صاحب کے لیے بھی اور ہم سب طالبین کے لیے بھی دنیا و آخرت کی راحت و ترقی کا سامان ہوگا۔

(البلاغ کراچی)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا غلام صدیق حاجی پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ قصبہ حاجی پور ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے' آپ نے ابتدائی تعلیم اور ثانوی تعلیم مختلف دینی مدارس میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

فراغت کے بعد عرصہ تک دارالعلوم دیوبند ہی میں تدریسی خدمات انجام دیں بعد ازاں باطنی اصلاح کے لیے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوئے اور حضرت سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم کیا اور سلوک و تصوف کی منازل طے کر کے بیعت و خلافت حاصل کی' اسی دوران کچھ عرصہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دین پور شریف رہے اور اصلاح و تربیت کا سلسلہ قائم رہا۔ اس کے بعد وطن آ کر تبلیغ و اصلاح میں مصروف ہو گئے' علاقے میں رسوم و بدعات کا خاتمہ کیا اور دیہاتی لوگوں کو جہالت و تاریکی سے نکال کر راہِ ہدایت پر لگایا۔

حاجی پور میں ایک مسجد گوندل والی میں باقاعدہ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا' سینکڑوں طالبان علم وفضل نے کسب فیض کیا جن میں حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانی، مولانا غلام محمد ڈیرویؒ اور مولانا عبدالحئیؒ جانپوری بھی شامل ہیں- آپ نے ڈیرہ غازی خان میں مدرسہ قاسم العلوم قائم کیا جسے بعد میں مولانا غلام محمد صاحبؒ کے حوالے کر کے آپ دین پور شریف چلے گئے جہاں سلسلہ تدریس جاری رکھا- اس دوران آپ علیل ہوئے' کئی روز بستر علالت پر رہے' صحت یاب ہونے پر مہتمم مدرسہ نے آپ کی تنخواہ مکمل ایک ماہ کی دینا چاہی تو آپ نے علالت کے دوران جتنے دن اسباق کا ناغہ ہوا تھا اتنے ہی روز کی تنخواہ نکال کر مہتمم صاحب سے بقایا دنوں کی تنخواہ وصول کی اور علالت والے دنوں کی تنخواہ لینے سے صاف انکار کر دیا- یہ آپ کے زہد وتقویٰ کی ایک مثال ہے ورنہ آپ تو صدق وصفا اور تقویٰ وطہارت کے پیکر تھے- اور حضرت حکیم الامتؒ کی تعلیمات نے آپ کو ایک عظیم انسان بنا دیا تھا یہاں آپ کے حالات و کمالات کے بارے میں محترم ومکرم حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب احمدانی (تلمیذ خاص حضرت درخواستی) آف جام پور کا تفصیلی مضمون پیش کرتے ہیں' ملاحظہ فرمایئے' فرماتے ہیں کہ:

آپ حاجی پور شریف کے جنوبی حصہ میں واقع مسجد گوندل والی میں رہتے تھے- قوم آپ کی گونڈل تھی- لاولد تھے رنگ گورا اور کشادہ سینہ رکھتے تھے چہرہ پر اکثر نقاب ڈالے رہتے بڑے بڑے علماء کے استاد تھے مگر طبع سادہ پائی تھی اسی مسجد کے سامنے حضرت کا حجرہ چند ایک دوسرے شکستہ مکانات کے ساتھ آج بھی دیکھا جا سکتا ہے حضرت یہیں فوت ہوئے بعد از وصال انہیں اس کمرے سے باہر نکالا گیا اور حاجی پور شریف میں ہی دفن کیا گیا-

حضرت شیخ الحدیث کا مستقل تعلق دارالعلوم دیوبند سے ذیقعدہ کے مہینہ سے قائم ہوا- محقق مولانا میاں محمد مسعود صاحب مدظلہ العالی دین پوری' حضرت شیخ الحدیث

غلام صدیق صاحبؒ جب دارالعلوم دیوبند پہنچے تو چند اسباق ترمذی حضرت شیخ الہند سے پڑھے پھر آپ حجاز چلے گئے- تو مستقل طور پر حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے علوم عالیہ حاصل کیے بعد میں حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھ کر سند حاصل کی- (سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ نے ۱۹۲۷ء میں مستقل مسند تدریس دارالعلوم دیوبند سنبھالی)

حضرت چہرہ پر عموماً نقاب ڈالے رکھتے فرماتے تھے کہ عورتیں بے پردہ سامنے آ جاتی ہیں اس لیے حجاب کرتا ہوں- چلتے وقت تو نقاب لازمی ہوتا حتیٰ کہ خدشہ ہوتا کہ کہیں ٹکر نہ لگ جائے- لوگ کہتے کہ حضرت! حاجی پور کی گلیاں بے ڈھنگی ہیں- باہر کی زمین بارش اور سیلاب نے بوسیدہ کر رکھی ہے' کہیں آپ کو نقاب کی وجہ سے ٹھوکر نہ لگ جائے یا آپ کنویں میں گر پڑیں- جواباً فرماتے میں اندھا تو نہیں ہوں- بقول مرشدی حضرت امام الاولیاء شیخ التفسیر مولانا محمد علی لاہوریؒ:

''اللہ والوں کے جوتوں سے جو غبار اڑتا ہے اس سے وہ موتی ملتے ہیں کہ جو بادشاہوں کے خزانوں میں بھی نہیں ملتے- ان موتیوں میں سے ایک یہ بھی ہے''- (یعنی نور قلب جسے نور بصیرت کہا جاتا ہے)

- دل کے تین جوف ہوتے ہیں ایک کا نام قاعدۃ القلب ہے' یہی شیطان کا مسکن ہوتا ہے- اس جگہ چربی بہت ہوتی ہے جب اللہ والے اسم ذات کی ضربیں دل پر لگاتے ہیں اور لا الہ الا اللہ کی صدائیں اور ضربیں جاری کرتے ہیں ان کی گرمی سے چربی پگھلتی ہے قلعہ شیطانی مسمار ہو جاتا ہے' شیطان کوچ کر جاتا ہے' اور آنکھ منور ہو جاتی ہے' اس کے محسوسات بھی ہیں- باقی دو جوف اذنان القلب کہلاتے ہیں- ایک ان میں سے وسط قلب میں ہوتا ہے- یہاں یہی ایک آنکھ ہوتی ہے- اس کے محسوسات قاعدۃ القلب والی آنکھ کے علاوہ ہوتے ہیں-

تیسرا جوف اسفل قلب میں ہوتا ہے- تیسری آنکھ اسی جگہ ہوتی ہے' اور اس کے محسوسات ان دو آنکھوں کے محسوسات کے علاوہ ہوتے ہیں- اور ان محسوسات کو

بصیرۃ کہتے ہیں- جیسا کہ مفردات القرآن میں علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے قرآن مجید کی سورۃ یوسف کی آیت:

﴿قل هٰذِهٖ سَبِیلی اَدْعُوا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیرَة﴾

میں اسی بصیرۃ کا ذکر ہے-مگر سوچنے کی بات اگلی ہے-

اَنَا وَمَنِ التَّبَعَنِیْ.

یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ بھائی میں اندھا تو نہیں کہ کہیں ٹکرا جاؤں گا- یا گر جاوں گا-

یہی بصیرۃ تو مدارِ دین ہے- جسے ابن عباس رضی اللہ عنہما (کما رواہ الترمذی) نے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (کما رواہ امامنا ابوحنیفہؒ) نے بیان فرمایا ہے:

اِتَّقُوا فراسة المومن انه ینظر بنور الله.

جو کہ حدیث مرفوع ہے:

حجاب کے متعلق عرض ہے کہ اسلام میں چھ تحفظات ہیں:

پہلا تحفظ: تحفظ النسل ہے- اس کی حفاظت کے لیے حد زنا مقرر کی گئی- اور قانون حجاب بھی مقرر کیا گیا-

دوسری حفاظت: جان حد قصاص

تیسرا تحفظ: مال کے لیے حد سرقہ

چوتھا تحفظ: عقل کے لیے مسکرات کی حرمت

پانچواں تحفظ: عزت و ابرو کے لیے حد قذف

چھٹا تحفظ: اسلام و مسلمین' جہاد

اس لیے حجاب کے متعلق نص قرآنی میں جہاں:

﴿قل للمومنات یَغْضُضْنَ من ابصارهن و یحفظن فروجهن﴾

کی آیت موجود ہے وہاں:

﴿قل للمومنین یَغُضُّوا من ابصارهم و یحفظوا فروجهم﴾

کے الفاظ لا کر حجاب دونوں اصناف کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے- اللہ والوں کی محبت سے دین حاصل ہوتا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم:

انگریزوں کے دور میں ایک قانون جبری تعلیم کا جاری ہوا تھا- اس میں معمولی خواندہ کو بھی مدرس لگا دیتے تھے- یہی معاملہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ساتھ بھی پیش آیا- اور آپ مدرس بن گئے- اس معمولی تعلیم کا تو حال معلوم نہ ہو سکا بہر حال مولانا عبدالغفور صاحب جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردوں میں سے تھے آپ نے رجبی کے موقعے پر رات کو تقریر فرمائی جو بہت دیر تک چلتی رہی- بعد از فراغت مولانا سو گئے- نیند نہ آتی تھی آپ پہلو بدلتے رہے ایک آدمی نے آ کر مٹھیاں بھرنا شروع کر دیں آپ نے فرمایا کون ہو- تو اس آدمی نے کہا میں مدرس ہوں- مولانا عبدالغفور صاحب نے فرمایا تم مٹھیاں نہ بھرو- مدرس نے عرض کیا حضرت آپ اپنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام مخلوق تک پہنچاتے رہے- آخر تھک گئے' میرا حق ہے کہ میں آپ کو مٹھیاں بھروں- حضرت نے فرمایا کہ ایک شرط پر کہ تم میرے پاس پڑھنا شروع کر دو- تو مٹھیاں بھرو عرض کیا یہ سب تسلیم ہے- یہ رات کا تقریباً تیسرا پہر تھا مدرس نے عرض کیا میرے والدین بوڑھے ہیں اور زندہ ہیں اور گھر والی بھی ہے- مدرس بن کر ان کا پیٹ پالتا ہوں- اگر میں آپ کے پاس پڑھنا شروع کر دوں تو ان کا کیا بنے گا- آپ نے فرمایا بھئی تم پڑھنا شروع کر دو ان کا ذمہ دار اللہ (عزوجل) ہے- میں ان کا خرچ بھیج دیا کروں گا-

ابتدائی کتب فارسی حضرت کے پاس پڑھیں- اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب تم باہر پڑھنے کے لیے چلے جاؤ- تین چار سال دیہی علاقہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور رات کو چوروں کی طرح اپنے مشفق اور محسن استاذ کو ملنے آتے بعد میں دیوبند

چلے گئے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات:

حضرت امیر شریعتؒ حاجی پور تشریف لائے۔ تو شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ان کو اپنے گھر لے گئے۔ امیر شریعتؒ نے مکان کے چاروں طرف کونوں اور چھتوں پر نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ عاشقوں کی جگہیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ بالکل چھوٹا مکان' معمولی صحن سادہ طرز' یہی اللہ والوں کا مسکن ہے۔

بیعت وخلافت:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الملت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور دیوبند میں رہتے ہوئے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ اور خلافت سے نوازے گئے۔

دین پور شریف میں آمد:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بعض خلفاء کے ساتھ یہ معمول تھا کہ ان کو آپ دین پور شریف بھیج دیتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے کہ جس طرح حضرت خلیفہ غلام محمد صاحبؒ حکم فرمائیں عمل کرو تمہارے سلوک کی تکمیل تب ہوگی۔ مولانا غلام کبریا رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قبل ازیں دین پور شریف بھیجا تھا۔

غلام کبریا صاحب نہایت جوشیلے اور جلالی بزرگ تھے۔ انہوں نے دین پور شریف میں رہ کر ایک کتاب منظوم بنام ظہیر الانس تحریر فرمائی۔ جس میں حضرت خلیفہ کے حالات اور احوال اولاد اور سلسلہ قادریہ مبسوط ومختصر لکھا۔ دین پور شریف کے مطبوعہ شجرہ میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت داؤد طائی ان کے بعد حضرت حبیب عجمی کا نام ان سے غلط تحریر ہوگیا۔ حضرت میاں مسعود صاحب نے حال ہی میں تحقیق کر کے تصحیح فرمائی ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مرشد کامل' مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے تکمیل سلوک کی غرض سے حضرت خلیفہ صاحبؒ کے پاس دین پور بھیجا۔

قرن اول پر نظر ڈالیے مسجد نبویؐ کے ساتھ ساتھ مدرسہ بھی تھا۔ جسے صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی مسجد نبویؐ و یزکیھم کا جہاں فریضہ ادا کرتی تھی۔ وہاں مدرسہ بھی تھا۔ جس کے دو اہم فرائض تعلیم یعنی و یتلوا علیھم ایاتہ اور تبلیغ و اسرار دین و یعلمھم الکتاب معاً سرانجام دیتے تھے۔

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ من کلِّ فرقۃ منھم طائفۃ یَتَفَقَّھُو فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون﴾

میں تبلیغ و اسرار دین جسے فقہ فی الدین سے تعبیر کیا جاتا ہے کی طرف مکلّف کیا گیا ہے۔ گویا کہ قرن اول سے ہی خانقاہ اور مدرسہ کا نظام لازم و ملزوم رہا ہر زمانے میں خانقاہوں اور مدارس نے مسلمانوں کی ذہنی' اخلاقی' سیاسی معاملات میں رہنمائی' علم و عرفاں کی تقسیم اور تزکیہ و تربیت کے ذریعے انقلاب آفریں خدمات انجام دیں۔

حضرت دین پوری خلیفہ صاحبؒ نے بھی یہ ضرورت قیام دین پور کے ساتھ ہی محسوس فرمائی۔ اولاً مدرسہ تعلیم القرآن کا اجراء فرمایا۔ اور درس بخاری شریف کا صبح و شام پابندی سے التزام کیا۔ خانقاہ دین پور میں صرف باطنی تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں تھا۔ بلکہ علوم شرعی و ظاہری بھی پڑھائے جاتے تھے۔ مگر ۱۹۲۲ء میں اپنے مرشد کے نام پر اور خانقاہ راشدیہ شیخ المشائخ پیر محمد راشد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر مدرسہ صدیقیہ راشدیہ قائم فرمایا۔ یہ مدرسہ اگرچہ دیوبند سے دور اُفتادہ علاقہ میں تھا مگر اس کا الحاق دیوبند سے مکمل طور پر موجود تھا۔ مولانا عبدالغفور صاحب حاجی پوری رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ رشید شیخ الہندؒ اس میں پہلے سے ہی مقرر تھے۔ بعد میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرستادہ شیخ الحدیث بھی جب دین پور شریف آ پہنچے تو ان کو مدرسہ صدیقیہ راشدیہ کے شیخ التفسیر و شیخ الحدیثؒ مقرر کر دیا گیا۔

۱۹۱۲ء میں مؤتمر الانصار کے جلسہ اور دارالعلوم دیوبند کے پچاس سالہ جلسہ دستار بندی میں شرکت کے لیے حضرت سید تاج محمد امروٹیؒ اور بہت سے علماء کے ہمراہ دیوبند کا سفر کیا یہ خصوصی نوٹ ذہن میں رکھنے کے قابل ہے جس سے دین پور اور دیوبند خاص طور پر شیخ الہند کا الحاق و تعلق معلوم ہوتا ہے شیخ الہند نے دعوت نامے میں لکھا تھا۔

کہ آپ دیوبند میں کوئی نظام الاوقات بنا کر نہ آئیں یہاں پر آپ کا پروگرام ہمارے منشا پر منحصر ہوگا۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۲۱۶) حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں کہ متعدد بار یہ بھی دیوبند آئے اور حضرت شیخ الہند ان سے ملنے امروٹ بھی گئے۔ اور مشن آزادی میں شریک کار کیا۔ (تحریک شیخ الہند صفحہ ۴۸۹) نقش حیات ج ۲ صفحہ ۶۱۴ نمبر ۹ کے تحت اور ید بیضاء کو پڑھنے سے حضرت دین پوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کا باہم تعلق اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ لیکن احقر کی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت امروٹ تشریف لے آئیں مگر دین پور محروم رہ جائے واللہ اعلم نمبر ۳ مدرسہ صدیقیہ راشدیہ کے بانی حضرت خلیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دین پوری کا الحاق دیوبند کے ساتھ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سہ رکنی وفد تھانویؒ صاحب' حافظ محمد احمد خلفؒ بانی دیوبند نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبیداللہ صاحبؒ سندھی ۱۹۱۱ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے بھیجا تھا یہی بات پرانے چراغ اور ید بیضاء (ابوالحسن علیؒ ندوی) میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح شیخ العرب والعجم شیخ الہند ثانی سید حسین احمد مدنی ۱۹۲۱ء میں پھر اس کے بعد دوسری باری بغیر اطلاع کیے دین پور شریف پہنچے اس وقت شیخ الحدیث غلام صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ دین پور میں موجود تھے ترک موالات کا زمانہ تھا۔ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے نئی ٹکڑی دار گلیم نیچے بچھانا چاہی تو آپ نے اسے کھینچ کر پرے کر دیا۔ فرمایا اس میں سودیشی کپڑا لگا ہوا ہے۔ اس کے بعد بھی کئی بار جماعت کے جلسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ آخری بار ۱۹۴۶ء میں تشریف لائے اور ہفتہ عشرہ قیام فرمایا یہ ایک وجہ تعلق کی تھی دوسری وجہ مقام حضرت خلیفہ صاحب کا بھی تھا۔ جسے حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانوی صاحبؒ نے بھی تسلیم کیا' شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو تبرکاً سلسلہ قادریہ راشدیہ نقشبندیہ راشدیہ میں خلیفہ صاحب کے مجاز بھی ہوئے۔

(پرانے چراغ ص ۱۴۶ اص ۱۴)

شیخ الحدیث کا دین پور میں تکمیل سلوک:

طریق تکمیل کی وضاحت: حضرت دین پوریؒ نے ایک ادنیٰ فقیر دوسرے

بزرگوں کے صاحب نسبت اور مجاز خلفاء سے زیادہ کامل اور صاحب کرامت ہوتا تھا مگر اجازت نہ ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تصوف وسلوک کے مراحل کی تکمیل اجازت کے لیے کافی نہ سمجھتے تھے دوسرے بزرگوں کی نسبت آپ کا معیار اجازت کچھ اور تھا۔ آپ اپنے خلفاء کے اندر وہ تمام باطنی وظاہری' خصوصیات واوصاف دیکھنا چاہتے تھے جن کے وہ خود مظہر تھے۔ مستقبل میں مسلمانوں کی رہنمائی وامامت (کبریٰ) کے لیے صرف باطنی تعلیمات کی تکمیل ہی ضروری نہ تھی۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم اور معاملات سیاست (سیاست مدینہ و سیاست مدن ملک گیری و ملک داری کے اصول و رموز) پہ کامل دسترس کی ضرورت تھی (ید بیضاء ص ۱۹۸) یہی وجہ تھی کہ حضرت ملائیت (مسجد کے بےعمل کاہل ملاؤں کی طرز معیشت) کو ناپسند فرماتے تھے۔ (ید بیضاء صفحہ ۲۲۸) ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مرشد کی طرف سے اجازت وخلافت کا معیار جس طرح کا آج کل رواج ہے۔ (بقول حضرت قیوم زمان درخواستی رحمۃ اللہ علیہ) کہ جس کو استنجا کرنا آ گیا بس خلافت کے تاج سے مرصع ومزین ہوگیا۔ یہ نہیں بلکہ یہ خلافت' خلافت الٰہیہ ہی ہے۔ جس کا ذکر:

انی جاعل فی الارض خلیفه.

میں موجود ہے اور حقیقی خلیفۃ اللہ فی الارض محمد رسول اللہ بالفعل ہوئے۔ اور ان سے خلافت خلفائے راشدین (خلفاء خمسہ) میں چلی اور ان میں سے آخری خلیفہ راشد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے الامیر الشہیر بالحق والایقان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔ اب یہ خلافت خلافت الٰہیہ ہے۔ جس طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۷ء میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ منتخب فی الہند ہو کر آئے تھے۔ اور ۱۸۵۷ء میں اس خلافت کا حق بھی ادا کیا تھا۔ ایسی خلافت اس وقت صرف دین پور شریف ہی میں تھی یہی وجہ ہے کہ شیخ الحدیث غلام صدیق رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تکمیل سلوک کے لیے دین پور شریف بھیجا گیا۔ (واللہ اعلم)

مدرسہ صدیقیہ راشدیہ کا مقام:

آخری دور میں یہ مدرسہ حضرت کے دینی اور سیاسی افکار ونظریات کی اشاعت کا ایک منظم ادارہ بن گیا تھا۔ جس میں سے حضرت مولانا عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے شیخ طریقت حضرت مولانا قیوم زماں محمد عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حافظ الحدیث اور بیسیوں باکمال عالم دین بن کر نکلے۔ جس طرح دیوبند کے فاضل علماء نے دینی تعلیم اور اپنے فکرو نظر کے مدارس کا پورے ملک میں جال بچھا دیا تھا اس مدرسہ کے فیض یافتہ بزرگوں نے بھی قریہ قریہ مدرسے اور مکتب کھول کر حضرت کی تعلیمات کو عام کیا' اور اشاعت دین میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

مخزن العلوم خان پور اسی ادارہ کی قائم کردہ ایک روشن مثال ہے۔ حضرت دین پوری کے صحبت یافتہ اور اسی مدرسہ کے تربیت یافتہ بطل جلیل مولانا عبداللہ درخواستی (قیوم زماں) کی ذاتِ گرامی نے اپنے مرشد کے اس مشن کو اس قدر آگے بڑھایا اور اس قدر قدیم وجدید کے درس قائم کیے کہ پورے ملک میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

(ید بیضاء ۱۷۱/۱۷۲)

شیخ الحدیث کا مقام علماء دیوبند میں:

دین پور شریف بھی اس تحریک آزادی کا مرکز ثانی تھا جس کے صدر خود مولانا ابوسراج (غلام محمد صاحبؒ) موصوف تھے۔ آپ کے صاحبزادے اور خدام مشن کے ممبر تھے۔ ریشمی خط آپ کے پاس بھی پہنچا تھا۔ انقلاب کی تیاری کے جملہ سامان یہاں جمع کر لیے گئے تھے۔ مزید کوششیں جاری تھیں کہ فوج کی بڑی تعداد خانپور سٹیشن پر شام کو پہنچی آخر آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۶۱۵)

ہم نے نہایت سرگرم لوگوں کی فہرست پیش کر دی ہے۔ اور یہ پانچ شاخیں بتلا دی ہیں۔ جو کہ علاوہ مرکز دیوبند کے ہمارے علم میں آسکیں۔

(۱) دین پور شریف (۲) امروٹ (۳) کراچی محلہ کھڈہ (۴) دہلی (۵) چکوال۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۲۴۴)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا' کہ دین پور شریف بھی تحریک شیخ الہند کا ہندوستان میں دوسرا اہم مرکز تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ روس میں جب ہم نے حضرت شاہ ولی اللہ کا پروگرام کیمونسٹ پارٹی کے سامنے پیش کیا تو اس کے رہنماؤں نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا اس پروگرام پر عمل پیرا آپ کے ہاں کوئی جماعت بھی ہے۔ تو میرے ذہن میں اپنے مرشد حضرت دین پوری کی جماعت کی مثال آ گئی۔ جہاں ایک خالص حکومت الٰہیہ کا نقشہ موجود تھا۔ ان بیانات اور حوالہ جات سے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت شخصیت کے متعلق دو اہم معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ کہ حضرت شیخ الحدیث علماء دیوبند کے طبقہ ثالثہ میں سے ایک اعلیٰ ترین فرد تھے دوسرا اہم نکتہ یہ کہ حضرت خلیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس اہم تحریکی معاملات میں ممبر بھی تھے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۶۱۵)

حضرت شیخ الحدیث غلام صدیق کا وصال مبارک:

حضرت کے وصال کے متعلق اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ آپ کسی طویل یا خاص مرض میں مبتلا نہیں ہوئے کیونکہ آپ ہی مسجد گوندنی والی میں خطیب اور امام تھے اگر آپ کسی شدید مرض میں مبتلا ہوئے ہوتے تو آپ کے ساتھ کوئی آدمی تیمارداری کے لیے ضرور رہتا مگر نہیں۔ آپ بخیر و عافیت رات کو اپنے حجرہ میں شب باش ہوئے اور داعی اجل آ پہنچا۔ یہ داعی اجل ایسا ہے کہ جس نے انبیاء اور سردار انبیاء (صلواۃ اللہ علیہم اجمعین) کو بھی نہ چھوڑا یہ اور بات ہے کہ انبیاء کرام کے پاس غلام اور ایلچی بن کر تو نہیں آتا تاہم اس میں ملک الموت والی سختی و شوخی نہیں ہوتی بلکہ مونس اور مشفق رفیق کی طرح حاضر ہو کر:

﴿یا ایتها النفس المطمنه ارجعی اِلی ربک راضیة مرضیه فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی﴾

کا پیغام سناتے ہوئے سفر قدسی پر ساتھ لے جاتے ہیں۔

کیونکہ فقیر مرتا نہیں ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہو جاتا ہے۔ بہر حال

سفر ایسا جلدی اور آسان ہوا- کہ رات کو سوتے ہوئے نہ سونے والی ذات نے اپنے پاس بلالیا-

بہر حال تاریخ وفات بالفاظ شیخ الشیوخ مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۸' صفر ۱۳۷۳ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۵۳ء مطابق ۲۲ کاتک ۲۰۱۰ بکرمی بروز سنیچر ۹ بجے دن صبح انا للہ و انا الیہ راجعون و جعل الجنة مثواہ امین ثم امین بتاریخ ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۵' بدرہ سمت ۱۹۹۳ء بکرمی موافق ماہ ۹' ستمبر ۱۹۳۶ء شب خمیس تقریباً نصف شب کے بعد جب کہ بڑے زور سے بارش بارانی ہو رہی تھی- (اللہ والوں کی وفات پر زمین و آسمان روتے ہیں اور جو کافر نا ہنجار اور فاسق لوگ ہوتے ہیں ان کے لیے قرآن مجید اعلان کر چکا ہے:

﴿فما بكت عليهم السماء و الارض﴾

حضرت علامہ ابن حجرؒ عسقلانی کے جنازہ پر اور حضرت شیخ التفسیر کے جنازہ پر بھی ایسے ہی ہوا- میرے رفیق سعید شفیق لئیق مخلص محسن عالم بے ریا متقی باصفا عابد پرضیا' زاہد باصفا مجاہد فی سبیل اللہ مبلغ کلمات اللہ' ہادی خلق اللہ محی الدین والسنۃ' قاطع الکفر و البدعۃ' واقف اسرار قرآنیہ' مظہر رموزات احادیث نبویہ منبع فیوضات روحانی' مخزنِ انوارات مولانا غلام صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ واصل بحق ہوئے- امین انا للہ وانا الیہ راجعون-

خدا اس مرحوم و مغفور کو داخل جنت فردوس فرما دے- اور ہماری نجات اخروی کے واسطے ان کو خاص وسیلہ جلیلہ فرما دے ہم جملہ احباب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرما دے-

باقیات الصالحات:

رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت قرآنی میں باقیات الصالحات سے مراد مطلق اعمال صالحہ ہیں حضرت قتادہؓ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے- حضرت شیخ التفسیر احمد علی لاہوریؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے- مفتی شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں فرماتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے مطابق بھی یہی ہے- لفظی

مفہوم وہ اعمال صالحہ جو باقی رہنے والے ہوں- ابن جریر اور قرطبی نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے موضح القرآن میں ہے کہ رہنے والی نیکیاں یہ کہ علم سکھا جائے جو جاری رہے- یا نیک اسم چلا جائے یا مسجد' کنواں' سرائے باغ کھیت وقف کر جائے- یا اولاد صالح تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے- وہ نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیے جائیں- وہ اس حیی و قیوم سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بقاء دوام کی صفت سے متصف ہو جاتے ہیں- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں-

اِلْمَالُ وَ الْبنُونَ حرث الدنیا و الا عمال الصالحات حرث الاخرة و فد یجمعهما الله لا قوام.

مال اولاد دنیا کی کھیتی ہے- اور نیک اعمال آخرت کی کھیتی ہے- اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کبھی بعض لوگوں کو یہ دونوں چیزیں عطا فرما دیتا ہے حضرت شیخ الحدیث کی صلبی اولاد نہ تھی مگر حافظ الحدیث والقرآن قیوم زمان' مسیح ناسوت سیاح جبروت' طائر لاہوت' غواص ہاہوت حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ '۲۸ اگست ۱۹۹۴ء بروز اتوار) ابوہریرہ ثانی جیسی شخصیت بھی شیخ الحدیث مولانا غلام صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردیت کا طوق گلے میں رکھتے ہوں- اسی طرح مفتی محمد عبداللہ ملتانی جیسی فقیہ العصر بانی ادارہ صدیقیہ بھی غلامی کا دعویٰ رکھتے ہوں- ان کے باقیات الصالحات میں کیا کمی ہوگی-

مادۂ تاریخ وفات:

رونق درس ہدیٰ حبیب غلام صدیق

۳۵۶ + ۲۶۴ + ۱۹ + ۲۲ + ۱۰۷۱ + ۲۰۴ =۱۹۳۶ء

(سے ان کا اتباع سنت و تبلیغ سنت کا مقام واضح ہوتا ہے)

اب غلام صدیق حمید ہے

۳ + ۱۰۷۱ + ۲۰۴ + ۶۲ + ۱۵ =۱۳۵۵ھ

(سے ان کے موت کے مقام برزخ و آخرت نمایاں ہے)

حضرت مولانا محمد بقاء احمدانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ جام پور کے رہنے والے تھے اور مشہور بزرگ عالم و فاضل اور صاحب نسبت تھے' حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب" تھانوی قدس سرہ' کے مجاز تھے' آپ نے ساری زندگی خدمت دین میں گزاری' اخلاق و اوصاف میں اپنے بزرگوں کی روایات کے امین تھے' حضرت مولانا غلام صدیق صاحب حاجی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی متعلقین میں بلند مقام پر فائز تھے' تواضع وللٰہیت اور مسکنت میں یگانہ روزگار تھے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا حبیب اللہ احمدانیؒ اس وقت مجلس صیانۃ المسلمین جام پور کے صدر ہیں اور تبلیغ و اصلاح اور تصنیف و تالیف آپ کا محبوب مشغلہ ہے' بڑے محقق عالم ہیں' مخزن العلوم خانپور کے فاضل اور حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلمیذ رشید ہیں۔

سلوک و تصوف میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے متعلقین میں سے ہیں' بہت سی کتابوں کے مصنف اور حکیم و طبیب بھی ہیں۔ اپنے اخلاق اور سادگی میں اکابر کا نمونہ ہیں۔ اور حضرت مولانا محمد بقاءؒ کے صحیح جانشین اور وارث ہیں۔ حق تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین۔

عارف باللہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ قدس اللہ سرہ چودہویں صدی کے آسمان علم وعمل کا آفتاب جہاں تاب تھے جس نے تھانہ بھون کی ایک چھوٹی سی خانقاہ سے طلوع ہو کر کم از کم برصغیر کی پوری اسلامی دنیا کو اپنے نور سے منور کر دیا اور جس کی روشنی سے شریعت وطریقت کا ایک ایک گوشہ جگمگا اٹھا۔

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کی شخصیت ایسی چومکھی اور ذات والا صفات ایسی گوناگوں صفات حسنہ کا جامع مرقع تھی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور ایک دانشور کے بقول حضرت تھانویؒ جیسی جامع صفات شخصیت کو سمجھنے میں ابھی سو سال کا عرصہ درکار ہے۔ سو سال کے بعد کہیں لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ ائمہ کرام مشائخ عظام اور اولیاء اللہ کے سلسلہ الذہب میں حضرت تھانویؒ جیسے انمول موتی کا کیا مقام ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر قرآن، حدیث پاک فقہ وعلم کلام تصوف و طریقت کی جو علمی اور عملی خدمت کی ہے وہ اپنی جگہ ہے جس پر حضرت کی تیرہ سو کے لگ بھگ قیمتی تصانیف شاہد عدل ہیں۔ مگر ایک عام آدمی کے لیے اس جیتی جاگتی دنیا میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ، حضرت کے وہ عظیم خلفاء کرام ہیں، جنہوں نے حضرت سے علمی و روحانی کسب فیض کیا، اور پھر حضرت کی وفات کے بعد آسمان دین پر روشن

نوٹ: یہ مضمون مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب کا لکھا ہوا ہے۔

ستاروں کی طرح جگمگا کر ایک دنیا کو راہ ہدایت دکھائی۔

یہ بات بڑی عجیب ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء انسانی زندگی کے مختلف طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔ کوئی دارالعلوم دیوبند کا مفتی و استاذ الحدیث تو کوئی انگریزی کالج واسکول کا پروفیسر' کوئی تجارت کے شعبہ سے وابستہ تھا تو کوئی زراعت کے شعبہ سے کسی نے اپنی زندگی طبابت کی خدمت کے لیے وقف کی ہوئی تھی تو کسی نے اصلاح امت کا بیڑہ اٹھایا ہوا کوئی صاحب سرکاری ملازمت کا شغل اپنائے ہوئے تھے تو کوئی صاحب وکالت اور ڈاکٹری کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ غرض یہ کہ یہ سارے خلفاء کرام اگرچہ زندگی کے مختلف شعبہ ہائے حیات سے وابستہ تھے مگر اس کے باوجود سب ایک ہی نشہ میں مست اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ نشہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نشہ تھا جو حلاوت ایمانی میں ظاہر ہو کر رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا' اور جس رنگ میں رنگے گئے وہ اللہ کا رنگ ''صبغۃ اللہ'' تھا۔ جس میں یہ سب حضرات ڈوبے نظر آتے تھے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے خلفاء کرام کی ایک خصوصیت یہ بھی کھلی آنکھوں نظر آتی ہے کہ شریعت وطریقت کی جامعیت اتباع سنتؐ اور کمال تقویٰ کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے باوجود رہبانیت ان حضرات کو چھو کر بھی نہ گئی تھی۔ سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نورانی زندگی' اور حیات طیبہ کا عملی نمونہ ہونے کے باوجود ان حضرات نے عامۃ المسلمین کے درمیان رہ کر ہی زندگی گزاری اور کبھی اپنی امتیازی شان ظاہر کرنے کی ادنیٰ کوشش نہ کی۔ اگرچہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ان کی ایک ایک پیاری ادا ان کی عظمت وفنائیت کی گواہی دیتی تھی۔

رَحِمَهُمُ اللّٰه تعالیٰ وَاسِعَة و رزقنا اتباعهم.

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کرام کے اس مقدس قافلہ میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ اولیاء اللہ شامل تھے جن میں ہر ایک علم وعمل کا روشن ستارہ تھا اور ہر ایک سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد خداوندی کو دینی فائدہ پہنچا۔

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

کے بموجب ہر ایک کی خوشبو میں گو تھوڑا بہت فرق تھا مگر ۔

عبار اتنا شتی و حسنک واحد

کے بقول سارے ہی صفات خداوندی کا مظہر اور اتباع سنت کا عملی نمونہ تھے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ناچیز راقم الحروف نے جب بچپن میں حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کیا تو اپنی کم فہمی اور بے عقلی کی وجہ سے اپنے ذہن میں حضرت کا خاکہ صرف اس بارعب و پر جلال شخصیت کا بیٹھا جو بات بات میں اصلاح کرتا ہو۔ چھوٹی سے چھوٹی بات پر خوب خوب نکیر کرتا ہو اور جس کے رعب و جلال سے خانقاہ کے در و دیوار سہمے ہوئے ہوں۔ لیکن الحمد للہ بہت جلد ہی جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کرام کی جوتیوں کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا' ان کی مجلسوں میں حاضری کی ان کی باتوں کو سننے اور ان کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کی' بلا استحقاق سعادت نصیب ہوئی تو کچھ اندازہ ہوا کہ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کی شفقت وحمت و رافت کا کیا عالم ہوگا؟ جس شیخ کے خلفاء میں حق تعالیٰ کی وسعت رحمت کی شان کھلی آنکھوں نظر آتی ہو' اور جو سارے کے سارے محبت و شفقت علی الخلق میں ڈوبے ہوئے ہوں ان کے شیخ میں یہ صفت کس قدر نمایاں ہوگی؟ گو حضرت تھانوی کی زیارت نصیب نہ ہوسکی مگر ان کے خلفاء کو دیکھ کر انداز ہوسکتا ہے کہ ان کے شیخ کی وہ کیا شان ہوگی جس کے یہ سب گرویدہ و عاشق ہیں...... اب حضرت تھانویؒ کی سختی و پکڑ کا ذکر آتا ہے تو بے اختیار وہ شعر کانوں میں گونجنے لگتا ہے جسے مربی و مرشدی سیدی وسندی حضرت اقدس مولانا حاجی محمد شریف صاحبؒ قدس سرہ العزیز سے ایک خاص لہجے میں کئی بار سنا ۔

منبع صد کرم تیرا لطف بھرا عتاب تھا
سارے تعلقات کا وہ ہی تو فتح باب تھا

پاکستان بننے کے بعد اس نوزائیدہ اسلامی مملکت میں اسلامی اقدار کی بقاء اور دعوت الی اللہ کے عظیم جہاد میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ خلفاء پیش پیش رہے اور کسی کریڈٹ یا وقتی مفاد سے بالاتر ہو کر پوری دلسوزی کے ساتھ ان مقدس حضرات نے

دعوت الی اللہ کا کام کیا اور بلا مبالغہ سینکڑوں انسانوں کی زندگی بدل ڈالی۔[1]

مولانا محمود اشرف عثمانی لکھتے ہیں: خلفاء کرام کے اس مقدس قافلہ کے آخری جگمگاتے ستاروں میں سے ایک روشن ستارہ جو حال میں غروب ہوا عارف باللہ حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گرامی تھی جن کی ذات پاکستان میں پھیلے ہوئے حضرت تھانویؒ کے متوسلین کے لیے آخری مرکز کی حیثیت رکھتی تھی اور جن کے فیض نے صرف کراچی کو نہیں بلکہ پاکستان بھر کو اپنے نور سے منور کیا ہوا تھا۔ ہائے کہ ؎

اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

مختصر سوانحی خاکہ:

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۱۶ھ مطابق جون ۱۸۹۸ء میں جھانسی کی ریاست باؤنی کے اندر ایک ایسے دینی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ جو علم و عمل اور شریعت و طریقت کے اعتبار سے ممتاز تھا' ان کے جد امجد مولانا کاظم حسین صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم ہونے کے ساتھ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلویؒ کے مخصوص وابستگان میں سے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے' علی گڑھ تشریف لے گئے ۱۹۲۵ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی اور پھر ستمبر ۱۹۳۵ء تک ذریعہ معاش کے طور پر وکالت کا شغل جاری رہا۔ مگر اس تمام عرصہ میں وکالت کے پیشہ سے مناسبت نہ ہو سکی۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ قدس سرہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

میں نے دس سال وکالت کی مگر اس تمام مدت میں وکالت سے قطعاً مناسبت پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ تمام وقت تکدر' تلخیوں اور ناگواری ہی میں گزرا' چونکہ میرے خاندان کے اکثر افراد کو ہومیو پیتھک سے دلچسپی تھی اور شغل بھی یہی تھا اس لیے مجھے بھی اس طریقہ علاج کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ ضرور رہی اور حصول فن کے لیے کچھ مناسبت بھی رہی

---

[1] مولانا محمود اشرف عثمانی

اور کچھ مواقع بھی ملتے رہے' اس کے متعلق میں نے' حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو مطلع بھی کر دیا تھا...... خدا داد بات ہے کہ ۱۹۳۵ء کے آخر میں کچھ ایسے اتفاقات اور حالات رونما ہوئے کہ مجھ کو سلسلہ وکالت کے قائم رکھنے میں شدید تردد پیدا ہو گیا- بالآخر حضرت والا[1] رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ صریح ایماء پا کر اور اپنے ایک عزیز ہومیو پیتھک ڈاکٹر کی ترغیب اور تحریک اور معاونت حاصل ہونے پر میں نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں قطعی فیصلہ کے ساتھ وکالت کو ختم کر دیا اور جنوری ۱۹۳۶ء سے توکلاً علی اللہ باضابطہ اور مستقلاً ہومیو پیتھک پریکٹس شروع کر دی اور اس امر کی اطلاع اسی وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دی جس کے جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات میرے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آئی بہ عنوان بشارت یوں ارقام فرمائی-

بشارت:

میں نے سابقہ التابعہ میں مجازین محبت کے ذکر کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ مجھ کو ان صاحبوں کے متعلق بعض حالات کا انتظار ہے اگر وہ حالات رونما ہو گئے تو ان کو مجازین بیعت میں داخل کر دوں گا اور یہ حالات ہر ایک میں جدا جدا ہیں' آپ کے لیے ترک وکالت کا انتظار تھا جو بحمد اللہ واقع ہو گیا- اس لیے آپ کو مجازین بیعت میں داخل کر کے توکلاً علی اللہ اجازت دیتا ہوں کہ آپ طالبین کو بیعت کیا کریں-

حضرت ڈاکٹر صاحب کا اپنے شیخ سے والہانہ تعلق:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر خلفاء و متوسلین کی طرح حضرت ڈاکٹر صاحب کو اپنے شیخ سے والہانہ تعلق تھا' اس گہرے روحانی تعلق کی کچھ تفصیل حضرت ممدوح خود بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۰ اگست ۱۹۲۷ء کو حضرت تھانوی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی اس دن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے- یہ میری زندگی کا سب سے زیادہ محترم اور سعادت کبریٰ کا دن تھا-۱۲ (بزم اشرف کے چراغ)

''حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے میرا تعلق بیعت سے حضرت کی وفات تک سترہ سال رہا' اس عرصہ میں میں نے التزاماً اپنے حالات کا عریضہ ہر ہفتہ ارسال خدمت کیا ہے اس التزام میں الحمدللہ کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ الحمدللہ میری بڑی خوش نصیبی اور سعادت کبریٰ کا سرمایہ ہے کہ اکثر حضرت والا کی تقریریں اور وعظ بالمشافہ سنے ہیں اور مجلس ملفوظات میں بقدر اپنی فرصت اور گنجائش وقت کے اکثر شریک رہا ہوں۔ اور مختلف تقریبات میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا ہے۔ حضرت کے ساتھ سفر بھی کیا ہے اور حضرت کے دولت کدہ پر مہمان خصوصی رہنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اور حضرت کے خوان کرم پر تنہا کھانے کی سرفرازی حاصل ہوئی اور دعوتوں میں بھی شرکت کی مسرتیں نصیب ہوئی ہیں۔ حضرت کی خدمت میں اکثر جو ہدیے پیش کیے ہیں ان کو شرف قبولیت عطا ہوا ہے' اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شفقت بزرگانہ اور محبت مربیانہ سے اس ذرہ ناچیز کو اپنے عطایا تبرکات سے بھی سرفراز فرمایا ہے مجلسوں میں بھی حضرت کی توجہات خاص کا اکثر مورد فیض باطنی اور روحانی ہوا ہوں بس ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اپنے شیخ کی انہیں توجہات خاص اور خود حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مسلسل مکاتبت اور طویل حاضری نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو اپنے شیخ کا آئینہ بنا کر رکھ دیا۔ مفتی اعظمؒ پاکستان اور حضرت تھانویؒ قدس سرہ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بناء پر تحریر فرمایا تھا:

''کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ دامت برکاتہم کو حق تعالیٰ نے حضرتؒ سے بچند وجوہ خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا' خلیفہ

؎ مسلسل سترہ سال تک حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ کا صرف یہ ایک مجاہدہ ہی طالبین راہ طریقت کے لیے حد درجہ سبق آموز ہے۔

مجاز تو بحمد اللہ اور بھی ہیں مگر شیخ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں ہمارے محترم خواجہ عزیز الحسنؒ مجذوب نے فرمایا تھا۔

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
جلا کردۂ دست دلدار ہوں میں

اللہ مبالغہ اور تزکیہ عن غیر حق سے محفوظ رکھیں' ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر مجھے مجذوب صاحب کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے۔ اور جب ان کو دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈویؒ کا مصرع بھی زبان پر آ جاتا ہے۔

ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانے میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامتؒ قدس سرہ العزیز کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لیے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چن لیا ہے' اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپ کے فیوض و برکات سے نفع عطا فرمائیں۔ فقط

تصنیفات و تالیفات:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات حرف بحرف صحیح ہوئی اور واقعتاً حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زبان و قلم سے ہزارہا مسلمانوں کو نفع عام ہوا اور انشاء اللہ آپ کی مفید تالیفات کے ذریعہ یہ نفع دینی مسلسل جاری رہے گا حضرت کی تحریر کردہ ساری ہی کتابوں کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

۱۔ اسوۂ رسول اکرم ﷺ اس کتاب میں ایک انسان کی پوری زندگی سے متعلق ہر ہر حالت اور ہر معاملہ میں رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو احادیث کے ذریعہ بلا شرح بیان کیا گیا ہے۔ ۶۵۶ صفحات میں ۹۰۰ سے زائد عنوانات پر مشتمل یہ کتاب احادیث نبویہ کا بے نظیر اور بہت مفید گنجینہ ہدایت اور ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب بحمد اللہ عربی' فارسی' گجراتی انگریزی اور دیگر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر بار بار شائع ہو چکی ہے اور اس کا نفع بحمد اللہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔

۲- ماثر حکیم الامتؒ: ۴۵۰ سے زائد صفحات پر مشتمل اس کتاب میں حضرت تھانویؒ کی سوانح اور علمی و عملی کارنامے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی امتیازی خصوصیات' مجددانہ صفات اور ظاہری و باطنی علوم کا عجیب انداز سے تعارف کرایا گیا ہے- بہت نافع اور مقبول کتاب ہے جس کی زائد سے زائد اشاعت کی بہت ضرورت ہے-

۳- ارشادات حکیم الامتؒ ۷۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب اب تک ''اصلاح المسلمین'' کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے مگر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے آخر حیات میں اس کتاب کے نام کی تبدیلی کا حکم فرمایا تھا- اس کتاب میں عقائد عبادات' معاشرت' معیشت' سیاست' علم وعلماء عبدیت ومحبت جیسے اہم ابواب شامل ہیں جن میں حضرت حکیم الامتؒ کے مجددانہ ارشادات کو بیان کیا گیا ہے اور مسلمانوں کی عمومی اصلاح کے لیے تیر بہدف نسخے تجویز کیے گئے ہیں مفید عام کتاب ہے-

۴- بصائر حکیم الامتؒ: تصوف وسلوک کے نادر مضامین آداب سلوک' لوازم طریق' اصطلاحات تصوف اخلاق حمیدہ و اخلاق رذیلہ اور تربیت السالک کے انتخاب پر ایک اہم کتاب جو سالک راہ طریقت کے لیے نسخہ اکسیر ہے-

۵- معارف حکیم الامتؒ: اس کتاب میں حضرت تھانویؒ کے اہم علمی و اصلاحی مضامین کو پانچ ابواب کے ماتحت منضبط کیا گیا ہے تعلیم وتحقیق وتربیت کا یہ گرانقدر ذخیرہ علماء اور سالکان راہِ تصوف کے لیے یکساں طور پر مفید ہے-

۶- احکام میت: عبادت سے لے کر موت تجہیز وتکفین وغیرہ کے تمام مسائل پر اردو میں سب سے جامع کتاب جس میں مروجہ رسوم کی فقہی حیثیت بھی بیان کی گئی ہے- اپنے موضوع پر واحد کتاب ہے-

۷- افادات عارفی: حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ کی مجالس وعظ ونصیحت کا مفید عام مجموعہ جو حال ہی میں ملتان سے شائع ہوا ہے' حضرت کی دلسوز و ایمان افروز مجلسوں کا یہ مجموعہ قابل مطالعہ ہے-

۸- معمولات یومیہ: ۴۸ صفحات پر مشتمل حضرت کا اہم رسالہ جو دریا بکوزہ کے مصداق ہے اور جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

۹- روئے سخن: حضرت ڈاکٹر صاحب (عارفی) کا مجموعہ کلام جواز دل برخیزد بردل ریزد کا مصداق ہے اور جدید اضافوں اور نظر ثانی کے بعد نئی طباعت کے مراحل میں ہے۔

اس کے علاوہ بھی حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ کی بیسیوں پمفلٹ' کتابچے مضامین ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر تقسیم ہو رہے ہیں اور بحمد للہ خلق خدا برابر ان سے نفع اٹھا رہی ہے۔

مجالس اور روحانی ترکہ:

حضرت ڈاکٹر صاحب نے پابندی کے ساتھ صبح کے وقت ہومیو پیتھک کا باقاعدہ مطب فرماتے اور یہ سلسلہ سالہا سال سے جاری تھا مگر درحقیقت یہ جسمانی و روحانی دونوں طرح کے مطب کا مجموعہ تھا۔ اور ہر وقت دونوں ہی طرح کے نسخے زبان فیض ترجمان اور قلم فیض رقم سے جاری رہتے اور دونوں طرح کے مریض یکساں طور پر حضرت کے مطب سے شفاء پا کر نکلتے۔

اس کے علاوہ حضرتؒ کے دولت کدہ پر جمعہ کے دن عصر سے مغرب تک دینی مجلس عام منعقد ہوتی تھی۔ جس میں خلق خدا کا اژدھام رہتا اور سینکڑوں کی دنیا دین سے منور ہو جاتی۔ جب کہ پیر کا دن (عصر سے مغرب تک) مجلس خاص کے لیے وقف تھا جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے خلفاء مجازین اور مخصوص متوسلین شرکت فرماتے اور علم وحکمت کے گرانقدر جواہرات سے اپنا دامن بھر بھر جاتے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی ان مجلسوں کا خاص رنگ شفقت علی الخلق اور وسعت رحمت خداوندی کا بیان' اتباع سنتؐ کی تاکید اور دین کی سہولت و نرمی کا ذکر تھا حضرت کی مجلس کی یہ برکت تھی۔ کہ کیسا ہی گناہگار کتنی ہی مایوسی کا شکار آتا حضرت کی مجلس سے اٹھ کر باہر نکلتا تو اپنے دل میں دین پر عمل کرنے کا بھرپور جذبہ اور اپنے

پروردگار کے ساتھ محبت کا بھرپور تاثر لے کر اٹھتا۔ اسی کا اثر تھا کہ چند ہی مجلسوں میں شرکت کے بعد آدمی کی کایا پلٹ جاتی اور وہ سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا مسلمان بننے کی کوشش میں لگ جاتا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی گرانقدر دینی تصانیف کے علاوہ حضرت کے وہ خلفاء کرام بھی حضرت کی عملی یادگار ہیں جن کی تعداد تیس کے لگ بھگ ہے اور جن میں سے ہر ایک بحمداللہ علم وعمل کا روشن چراغ ہے اور اپنی اپنی جگہ دین کی خدمت میں مصروف ہے۔

وفات حسرت آیات:

دعوت وتبلیغ، شفقت علی الخلق، اور اتباع سنت کا یہ عملی پیکر چند یوم کی مختصر علالت کے بعد جمعرات ۱۵، رجب ۱۴۰۶ھ کو اپنے پروردگار کے پاس جا پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی روز عصر سے قبل ورثاء کی خواہش کے مطابق حضرت ہی کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہزارہا انسانوں کی موجودگی میں پرنم آنکھوں کے ساتھ اپنے شیخ کی اس زندہ تصویر کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

(تفصیلات کے لیے البلاغ کراچی کا عارفی نمبر ملاحظہ فرمائیے)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے تھے جن کا علم وفضل زہد وتقویٰ خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتے ہیں' آپ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فرزند ارجمند اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ بانی تبلیغی جماعت کے بھتیجے تھے' اصل وطن کاندھلہ تھا اسی نسبت سے کاندھلوی کہلاتے تھے' آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے اور اول تا آخر تمام تعلیم وتربیت اپنے والد گرامی کے زیر نگرانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں پائی۔ ۱۳۳۴ھ میں دورۂ حدیث شیخ المحدثین قطب العارفین حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہ' اور اپنے والد محترم حضرت اقدس عارف باللہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی' آپ کے دوسرے اساتذہ میں رئیس التبلیغ حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر اکابر علماء شامل ہیں۔ فراغت تعلیم کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں آپ مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد ہی اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے صدر مدرس مقرر ہوئے اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب عطا فرمایا پھر آخر وقت تک اسی منصب جلیلہ پر فائز رہے اور علم حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے ہزاروں طالبان علم آپ کے فیض علمی سے مستفیض ہوئے

جو آج خود بھی علمی و تدریسی خدمات میں مصروف ہیں۔ محقق العصر فخر اسلاف حضرت علامہ محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو یوں تو سارے ہی علوم میں دسترس عطا فرمائی تھی لیکن خاص طور پر علم حدیث کے ساتھ آپ کا تعلق اور اشتغال اس درجہ تھا کہ ''شیخ الحدیث'' آپ کے اسم گرامی کا جزو بلکہ اس کا قائم مقام بن گیا' علمی و دینی حلقوں میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو آپ کے سوا کسی اور کی طرف ذہن جاتا ہی نہ تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس لقب کا کوئی حقیقی مستحق تھا تو وہ آپ ہی کی ذات تھی' سالہا سال حدیث کا درس آپ کا جزو زندگی تھا پھر تالیف وتصنیف کے میدان میں علم حدیث کی جو متنوع خدمات اللہ تعالیٰ نے آپ سے لیں' اس دور میں شاید ان کی نظر نہیں ہے' سب سے پہلے آپ نے اپنے شیخ مکرم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کے ساتھ رہ کر ان کی ابوداؤد کی شرح ''بذل المجہود'' کی تالیف میں ان کو مدد دی پھر مؤطا امام مالکؒ کی عظیم شرح ''اوجز المسالک'' تالیف فرمائی جو اس صدی کے علمی کارناموں میں سرفہرست ہے' اور جس کی قدر اہل علم ہی جانتے ہیں' اس کے علاوہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی تقریر ترمذی ''الکوکب الدری'' پر حضرتؒ نے جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے وہ اپنے اختصار اور جامعیت میں اپنی نظیر آپ ہے پھر آخر میں حضرت گنگوہیؒ کی تقریر بخاری شریف ''لامع الدراری'' پر جو مفصل تعلیقات آپ نے تحریر فرمائی ہیں آج ''صحیح بخاری'' کا کوئی طالب علم یا مدرس ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا' ان میں سے ہر ایک علمی خدمت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص ساری عمر میں وہی خدمت انجام دے تو وہ تنہا بھی اس کی علمی عظمت کے ثبوت کے لیے کافی ہے' یہ تمام کارنامے تو اہل علم کی رہنمائی کے لیے ہیں لیکن عام مسلمانوں کے لیے بھی حضرتؒ نے تالیفات کا جو انتہائی مفید ذخیرہ چھوڑا ہے

اس سے آج ایک دنیا سیراب ہو رہی ہے۔ ''فضائل'' کے سلسلے کی تالیفات جو ''تبلیغی نصاب'' کے نام سے مشہور ہو گئی ہیں' اپنی سادگی اور تاثیر میں بے مثال ہیں بلا مبالغہ ہزار ہا زندگیوں میں ان کے ذریعے انقلاب پیدا ہوا ہے اور آج مسجد مسجد ان کے اجتماعی مطالعے کا سلسلہ جاری ہے اور شاید چوبیس گھنٹے میں کوئی وقت ایسا نہ ہو جب وہ دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں پڑھی نہ جا رہی ہوں''۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ)

بہر حال آپ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بلند مقام پایا تھا اور ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا تھا اور اسی سال ''بذل المجہود'' میں اپنے استاذ و مربی حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ کے ساتھ مل کر کام شروع کیا تھا جو ۱۳۴۵ھ میں تکمیل کو پہنچا اس کے علاوہ بہت سی تصانیف آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئیں جن میں ''تاریخ مشائخ چشتیہ'' تاریخ مظاہر العلوم ''شرح مسلم'' تقاریر مشکوٰۃ''۔ ''یاد ایام آپ بیتی''۔ ''شمائل ترمذی''۔ ''مؤطا امام مالک'' اور تبلیغی نصاب وغیرہ زیادہ معروف ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ مدیر ''بینات'' فرماتے ہیں کہ: ''حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایت ازلیہ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو جن گوناں گوں امتیازی اوصاف و کمالات کا جامع بنایا تھا اور جن کی نظیر گذشتہ صدیوں میں بھی خال ہی خال نظر آتی ہے' حضرتؒ کے زہد و تقویٰ، خشیت و انابت' عزیمت و توکل' ایثار و قربانی' جود و سخا' وسعت ظرف و علو ہمت' محبت و محبوبیت وغیرہ اوصاف و کمالات جن تک ہم ایسے کوتاہ بینوں کی نظر پہنچ سکتی ہے وہ بھی اس قدر ہیں کہ ان کی تفصیل کے لیے ایک دفتر چاہیے اور بہت سے کمالات تو ہم ایسوں کی فکر پرواز سے بھی بالاتر ہیں۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

(بینات کراچی)

الغرض آپ ایک عظیم محدث ومفسر اور عارف کامل تھے' آپ نے روحانی سلسلہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے قائم فرمایا تھا اور علم ظاہر کے ساتھ علم باطن میں بھی ایک بلند مقام حاصل کیا تھا آپ نے حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے خوب خوب فیض علمی و روحانی حاصل کیا اور خلعت خلافت سے بھی نوازے گئے تھے- حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی اس طرح سے آپ ایک شیخ کامل بھی تھے- لاکھوں افراد کو اپنے روحانی فیض سے مستفید کیا- دنیا بھر کے ممالک کے تبلیغی اسفار کیے اور زندگی بھر دینی، علمی اور تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے-

علم وفضل اور روحانیت کے ایسے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ تواضع وانکساری کا پیکر تھے اور ایک سچے عاشق رسول ﷺ تھے- اسی عشق نبوی ﷺ میں سرشار دل میں یہ آرزو لے کر مدینۃ الرسول ﷺ ہجرت فرما گئے کہ زندگی کے آخری لمحات دیار حبیب ﷺ میں بسر ہوں اور جنت البقیع کی خاک پاک نصیب ہو' اسی آرزو اور تمنا کو لے کر ہندوستان سے اپنے اہل وعیال اور گھر بار کو خیر باد کہہ کر سالہا سال سے مدینہ منورہ میں قیام فرما تھے وہاں بھی ہر وقت فیض کے دریا جاری تھے' رشد وہدایت' درس وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ قائم تھا اور ہزاروں لوگ ان کے فیض علمی وروحانی سے سیراب وشاداب ہو رہے تھے کہ ۲۴' مئی ۱۹۸۲ء کو یہ مرد حق اور شیخ جلیل عالم آخرت کی طرف تشریف لے گئے- انا للہ وانا الیہ راجعون پوری علمی و روحانی دنیا تاریک ہو گئی' زہد وتقویٰ اور علم وفضل کا آفتاب غروب ہو گیا- جس کی کرنوں سے پوری دنیا منور تھی- حق تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین

تاریک ہو گئی ہے شبستان اولیاء
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مولانا قاری بشیر حسین ایم اے ہزاروی اپنے تعزیتی بیان میں فرماتے ہیں کہ:

''گذشتہ دنوں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندہلویؒ بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کا وجود مسعود اس دور پر رب تعالیٰ کا احسان عظیم تھا۔ آپ کی ہستی عظیمہ علم وفضل کا خزینہ اور حکمت ومعرفت کا آئینہ تھی' آپ نے اپنے پیچھے وہ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک مٹنے والے نہیں۔ خداوند قدوس نے آپ سے اکیلے اتنا کام لیا جو کسی فرد واحد کے بس کا نہیں۔ تصنیف وتالیف کا سلسلہ درس وتدریس کا مشغلہ اور سلوک تصوف کی مصروفیتیں تبلیغی سرگرمیوں کے علاوہ تھیں۔ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آخر اتنا وقت کہاں سے آتا تھا۔ یہ محض اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کردہ وہ برکت تھی جو وہ اپنے خاص بندوں کو مرحمت فرمایا کرتے ہیں۔

آپ کی ذات بابرکات ان یگانہ روزگار شخصیتوں میں سے تھی جنہیں خداوند تعالیٰ انسانیت کی اصلاح کے لیے چن لیتے ہیں اور جن سے نہ صرف اس دور کے بلکہ آنے والے بھی فیض اٹھاتے رہتے ہیں۔ آپ کے زہد وتقویٰ علم و فضل اور عزیمت ومجاہدہ کے نہ صرف اپنے قائل تھے بلکہ غیر بھی اعتراف پر مجبور تھے۔ آپ کے اندر امت محمدیہ کا بے پناہ درد تھا اور بے انتہا شفقت بھی۔ بقول کسے ''آپ اس گھنے اور سایہ دار درخت کی طرح تھے جس کے سایہ میں امت کے عام افراد کو عموماً اور اہل علم و دین کو خصوصاً آغوش مادر کا سکون میسر آتا تھا''۔

آپ جامع شریعت وطریقت تھے۔ آپ کی ذات روشنی کا ایسا مینار تھی جس سے نکلنے والی شعاعیں دنیا کے گوشہ گوشہ کو منور کرتی تھیں۔ آج ہم اس روشنی سے محروم ہو گئے اور ہم سے یہ عظیم سرمایہ چھن گیا۔ وہ ہستی ہم سے بچھڑ گئی جس کا دل عشق رسول ﷺ کے لیے جس کا جسم اتباع رسول ﷺ کے لیے اور جس کی زبان حدیث رسول ﷺ اور یاد الٰہی کے لیے وقف تھی جو ہر گھڑی رب تعالیٰ کا استحضار رکھنے والی تھی۔

خداوند تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا آپ بیک وقت کئی

حیثیتوں کے جامع تھے اس لیے آپ کی پوری زندگی کا احاطہ ایک مشکل کام بھی ہے اور طویل بھی۔ چنانچہ اس وقت ہم آپ کی زندگی کے تین اہم شعبوں پر روشنی ڈالتے ہیں جس سے آپ کے کام اور مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور مزید کام کرنے والے انہی بنیادوں پر عمارت کھڑی کر سکتے ہیں۔ وہ تین اہم شعبے یہ ہیں:

۱- درس وتدریس

۲- تصنیف وتالیف

۳- تزکیہ واصلاح خلق

''حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ان تینوں کا حق ادا کر دیا اور بتلا دیا کہ درس و تدریس (جو کہ انتہائی انضباط وقت اور ذہنی سکون چاہتا ہے) اور تصنیف و تالیف (جو کہ انتہائی یکسوئی اور دل ودماغ کی تمام قوتوں کی طالب ہوتی ہے) اور تزکیہ نفس واصلاح خلق (جیسا بلند ہمتی چاہنے والا عظیم کام) ان سب کو باہم جوڑا بھی جاسکتا ہے''۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد.

حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہٗ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

حکیم الاسلام حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب کی شخصیت عالم اسلام خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے- آپ برصغیر میں مسلمانوں کی قدیم اسلامی درس گاہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے ہیں- اوراس وقت دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے عالم اسلام خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں میں علم دین کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں- آپ عظیم محقق، ممتاز عالم دین اور ہندوستانی مسلمانوں کے بزرگ قائد کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں- متعدد اسلامی کتب کے مصنف ہیں-

۵۳ سال سے مسلسل دارالعلوم کے مہتمم ہیں- ان کے دور میں دارالعلوم نے ہر شعبہ میں ترقی کی ہے، جس کا سہرا بلاشبہ انہی کے سر ہے- اسے دلچسپ اتفاق ہی کہہ لیں کہ مولانا محمد قاسمؒ نے ۳۳' سال کی عمر میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی- ۳۳' سال کی عمر میں ان کے صاحبزادے مولانا محمد احمد مہتممؒ ہوئے- اور آپ کی عمر بھی ۳۳' سال ہی کی تھی جب آپ نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے فرائض سنبھالے-

بھارتی مسلمانوں میں ان کے ارفع و اعلیٰ علمی مقام کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب بھارتی حکومت نے مسلمانوں کے ''پرسنل لاء'' میں مداخلت

شروع کی تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام مسلمان سیاسی جماعتوں کے نمائندوں، تمام فرقوں، سنی، شیعہ، اہل حدیث وغیرہ کے علماء پر مشتمل آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم کیا گیا جس کی صدارت کے عظیم منصب کے لیے آپ کی ضعیف العمری کے باوجود آپ کو منتخب کیا گیا۔ اس وقت، آپ کی عمر ۸۶ سال ہے اور اب بھی بورڈ کے صدر ہیں۔ آپ کی صدارت میں بمبئی میں بورڈ کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا تھا جس میں ۵ لاکھ نمائندوں نے شرکت کی تھی، جس میں حکومت کی مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی شدید مخالفت کی گئی تھی، حکومت ہند اس اجتماع سے ہل کر رہ گئی تھی اور اس کو اس کے بعد مداخلت کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کے تین صاحبزادے مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد اسلم قاسمی اور پروفیسر محمد اعظم قاسمی ہیں۔ اول الذکر دونوں اس وقت دارالعلوم ہی میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں جب کہ محمد اعظم قاسمی علی گڑھ یونیورسٹی میں اسلامیات کے لیکچرار کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے تعارف میں مولانا عزیز احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ:

"آپ بانئ دارالعلوم قدس سرہٗ کے پوتے ہیں۔ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ مہتمم خامس دارالعلوم کے صاحب زادے ہیں۔ آپ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں"۔

آپ نے ۱۳۳۷ھ میں علوم درسیہ سے فراغت حاصل کی اور دارالعلوم میں حسبۃ للہ درس و تدریس کا آغاز کیا اور درس نظامی کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ ۱۳۴۳ھ سے، ۱۳۴۸ھ تک دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے اور ۱۳۴۸ھ سے اب تک آپ ہی دارالعلوم کے مہتمم ہیں۔ اس وقت پورے ہندوستان میں بہترین خطیب تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے ہر خطہ میں پہنچ کر تقریر و خطابت کے ذریعے اسلامی مقاصد کی اشاعت اور مسلک دارالعلوم کی ترویج میں نمایاں حصہ لیا۔ تقریباً ایک سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ایک مستقل ادارہ[1] آپ کی تصانیف کو

---

[1] اس ادارہ کا نام تاج المعارف، دیوبند ہے۔ مرتب

شائع کر رہا ہے جو ملک میں مقبول ہیں۔

شعر و سخن میں بھی اپنے بزرگوں کی طرح ثقہ انداز میں دخل رکھتے ہیں۔ آپ کی متعدد نظمیں مثنویاں اور قصائد ہیں جو کہ رسالہ ''دارالعلوم'' اور ''القاسم'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ بعض بلیغ نظمیں کتابی صورت میں بھی مستقلاً شائع ہوئی ہیں۔

آپ ہندوستان کے متعدد علمی اور تعلیمی اداروں کے ممبر اور سرپرست ہیں' اور متعدد مدارس کے بانی ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہیں' اور عرصہ دراز تک سنی سنٹرل وقف بورڈ کے ممبر رہے۔ دارالعلوم کے ذمہ داروں میں سے آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیرونی ممالک کے متعدد سفر کیے۔ افغانستان' برما' عدن' حجاز' مصر' اردن' لبنان' ساؤتھ افریقہ' روڈیشیا' کینیا' ٹانگانیکا' زنجبار' مڈغاسکر' حبش' ماریش' ری یونین' پاکستان وغیرہ میں جا کر دارالعلوم کا تعارف کرایا۔ آپ کے زمانہ میں دارالعلوم نے غیر معمولی ترقی کی' تعلیمی اور تعمیری سلسلہ کافی بڑھا۔ کاموں اور شعبوں میں اضافہ ہوا۔ اساتذہ اور طلبہ اور عملہ کا عدد بہت بڑھ گیا' آمدنی کی رفتار غیر معمولی طور پر ترقی پذیر ہوئی۔ شعبوں نے محکموں کی صورت اختیار کر لی۔

ممدوح حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں آپ کا بیعت وارشاد کا سلسلہ ہند و بیرون ہند میں پھیلا ہوا ہے۔ اہتمام کے طویل الذیل کاموں کے باوجود درس و تدریس کا مشغلہ آپ کا کبھی ترک نہیں ہوا۔ حدیث و تفسیر اور فن حقائق و اسرار کی کتابیں جیسے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ اکثر زیر درس رہتی ہیں' دیوبند میں آپ کی ایک مستقل مجلس مذاکرہ قائم ہے' جس میں طلبہ اور شہر کے لوگ جمع ہو کر علمی استفادہ کرتے ہیں۔[1]

اور مولانا محمد انوری لائلپوری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت قاری مولانا محمد طیب صاحبؒ بہت بابرکت ہستی ہیں۔ اکثر

---

[1] مولانا قاری محمد طیب: دارالعلوم' مشاہیر دارالعلوم' مضمون مولانا عزیز احمد قاسمی ص ۷۶' ۷۸ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء

لائلپور تشریف لاتے تھے۔ حضرت کی خدمت میں تجدید بیعت کے لیے
عرض کیا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں، آنجناب
تشریف لایا کریں''۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہیں اور مشاہیر میں سے ہیں۔

آپ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء میں حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے گھر دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء بعمر سات سال دارالعلوم میں داخل کیے گئے، پہلے دو سالوں میں باتجوید قرآن مجید حفظ کیا۔ پانچ سال میں فارسی، ریاضی اور حساب کا کورس مکمل کیا۔ پھر آٹھ سال میں درس نظامی کی تکمیل کر کے ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں مولانا میاں اصغر حسینؒ، مولانا محمد رسول خان، مولانا احمد شیر وغیرہم حضرات بھی شامل ہیں۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد ''دارالعلوم'' میں حسبۃً للہ تدریس کا آغاز کیا اور درس نظامی کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔

۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۸ھ دارالعلوم کے نائب مہتمم اور ۱۳۴۹ھ تا حال ۱۳۹۹ھ مہتمم آرہے ہیں۔

صوفیانہ مسلک:

۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بیعت ہوئے مگر پانچ ماہ بعد آپ کے شیخ کا وصال ہوگیا۔ پھر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کیا۔ اور ۱۳۵۰ھ میں ان سے منازل سلوک طے کرنے کے بعد ''خلافت'' سے نوازے گئے۔ پھر مرشدی حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے سلسلہ قائم کیا۔

خطابت:

علمی سلسلوں میں درس وتدریس کے علاوہ فن خطابت میں آپ کو خداداد ملکہ

اور قوت گویائی حاصل ہے- اور زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنی جاتی تھیں- اہم سے اہم اسلامی مسائل پر گھنٹوں تقریر کرنے اور ٹھوس علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی تکلف نہیں ہوتا- حقائق و اسرار شریعت کھولنا اور تخلیق و ایجاد مضامین آپ کا خاص حصہ ہے- جسے آپ کے اساتذہ و اکابر بھی تسلیم کرتے ہیں- تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص تسلی حاصل کرتا ہے- مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں آپ کی تقریریں خصوصی طور پر مقبول ہیں- آپ کی معرکتہ الآراء تقریریں خود یونیورسٹی نے شائع کی ہیں- جیسے سائنس اور اسلام' اور ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں آپ کی تقریروں کی گونج نہ پہنچی ہو-

۱۳۵۳ھ میں جب آپ دوسری مرتبہ حج کے لیے روانہ ہوئے تو ہندوستان کے موقر وفد کی حیثیت سے سلطان ابن سعود سے ملاقات کی- وہاں آپ کی تقریر عربی میں ہوئی- سلطان نے جواباً شکریہ کی تقریر کی اور بوقت رخصت شاہی خلعت اور بیش قیمت کتب دینیات سے اعزاز بخشا- اسی سفر میں مدینہ منورہ کے المدرستہ الشرعیہ کے سالانہ اجلاس میں بھی آپ کی عربی تقریر قابل ذکر ہے جو مختلف عربی ممالک کے مجمع میں ہوئی اور پسند کی گئی-

۱۳۵۸ھ میں آپ کا سفر افغانستان' علمی خدمات کی ایک مستقل تاریخ ہے- آپ نے دارالعلوم دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے دارالعلوم اور حکومت افغانستان کے درمیان علمی وعرفانی روابط قائم کرنے کے لیے یہ سفر اختیار کیا تھا- آپ حکومت کے مہمان ہوئے اور وہاں کے علمی حلقوں نے آپ کا خیر مقدم کیا- کابل کی انجمن ادبی جمعیۃ علمائے افغانستان (مجلس قازن ساز) وغیرہ نے آپ کو تقریر کے لیے مدعو کیا- آپ نے فارسی زبان میں برجستہ تقریریں کیں- جن سے تمام علمی حلقے متاثر ہوئے- اسی طرح شرق اوسط کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ جا چکے ہیں اور اپنے فاضلانہ خطبات سے سامعین کو اپنا گرویدہ بنا چکے ہیں-

عام تعلیمی خدمات کے سلسلہ میں حکومت افغانستان کی خواہش پر آپ نے کابل کی تمام سرکاری یونیورسٹیوں کا معائنہ فرمایا- اور ان کے بارے میں اپنی تفصیلی رائے پیش کی جسے حکومت نے بنظر استحسان دیکھا-

۱۳۵۹ھ میں والی ریاست قلات (بلوچستان' ریاست بہاولپور) کے وزیر تعلیم نے آپ کو نصاب تعلیم تیار کرنے کے لیے مدعو فرمایا- اور آپ نے نہایت جامع اور مفید نصاب مرتب فرمایا-

تصنیفی خدمات:

آپ کی تصانیف کا عدد ایک سو پچیس سے متجاوز ہے- ان میں سے چند ایک کا نام درج ذیل ہے:

۱- تشبہ اور اسلام: دو جلدوں میں
۲- سائنس اور اسلام
۳- تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام
۴- مسئلہ زمان اور ہندوستان
۵- دین و سیاست
۶- اسباب عروج و زوال اقوام
۷- اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام
۸- الاجتہاد و التقلید
۹- اصول دعوتِ اسلام
۱۰- کلمات طیبات بزرگان دیوبند کے احوال و سیر
۱۱- اسلامی مساوات
۱۲- تفسیر سورۂ فیل
۱۳- الطیب الثمر فی مسئلۃ القضاء والقدر
۱۴- سفر نامہ افغانستان
۱۵- عرفان عارف (مجموعہ کلام)
۱۶- مقالات طیبات
۱۷- فطری حکومت
۱۸- تاریخ دار العلوم دیوبند
۱۹- مقالات اکابر دیوبند (میں بھی شریک ہیں)
۲۰- اصول دعوت اسلام
۲۱- ڈاڑھی کی شرعی حیثیت
۲۲- شرعی پردہ
۲۳- شان رسالتؐ
۲۴- فلسفہ نماز
۲۵- اسلام اور فرقہ واریت
۲۶- مشاہیر امت
۲۷- روایات الطیب
۲۸- کلمہ طیبہ

۲۹- آفتابِ نبوتؐ ۳۰- خطبہ طیبہ، مطبوعہ شاہ آباد صفحات ۱۳۰

رحلت[2]:

آپ عرصہ دراز تک علیل رہے- اور ۴، شوال المکرم ۱۴۰۳ھ کو رحلت فرما گئے- انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دارالعلوم دیوبند میں نماز جنازہ ادا کی گئی- امامت آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا قاری محمد سالم قاسمی مدظلہٗ نے کی اور دارالعلوم کے قبرستان قاسمی میں اپنے آباؤ و اجداد کے پہلو میں تدفین ہوئی-

حق تعالیٰ اس مردِ حق پر اپنی کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے گلشن دارالعلوم کو ہمیشہ آباد و شاداب رکھے- آمین

ذکر طیب:

مؤلفہ احقر بخاری غفرلہٗ

---

1 آپ کے سوانحی تذکرہ کی تیاری میں ''دارالعلوم'' مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ'' ''تاریخ دیوبند'' لسید محبوب رضوی' سے مدد لی گئی ہے-

2 سابقہ تمام مضمون مولانا کی حیات میں لکھا گیا تھا۔

مسیح الامت

حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان شروانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق ضلع علی گڑھ کے مشہور شروانی خاندان سے ہے' ۱۳۳۰ھ میں اپنے وطن سرائے برلہ ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئے- ابتداء سرکاری اسکول میں درجہ ششم تک پڑھا' بچپن ہی سے ذکر ونوافل اور وظائف اور دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق دامن گیر تھا اس لیے سرکاری اسکول سے بددل ہو کر تعلیم چھوڑ دی' بالآخر مجبور ہو کر آپ کے والد صاحب نے دینی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی' مشکوۃ المصابیح تک اپنے وطن میں پڑھا- پھر ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۹ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے مزید دو سال تک دارالعلوم دیوبند میں رہ کر معقولات کی کتابیں' امور عامہ' قاضی مبارک تصریح' شرح خضمی' سبع شداد وغیرہ پڑھیں- زمانہ تعلیم ہی میں آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہو گئے تھے اور پھر بہت جلد ہی ۱۳۵۱ھ میں خلافت سے بھی سرفراز ہوئے' حضرت حکیم الامتؒ نے ایک مرتبہ اپنے گیارہ مخصوص خلفاء کے نام ایک اعلان میں تحریر فرمائے تھے- اس میں لکھا تھا کہ:

''اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں کہ جن کے طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے ان میں سے جس سے چاہیں اپنی تربیت متعلق کر لیں''-

ان گیارہ مخصوصین میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان شروانی صاحبؒ کا اسم گرامی بھی شامل تھا' ۱۳۵۷ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے انہیں جلال آباد کے نزدیک ایک مدرسہ میں مدرس بنا کر بھیج دیا' اس وقت یہ مدرسہ صرف ایک مکتب کی حیثیت

میں قائم تھا' مگر چند ہی سالوں میں آپ کی مخلصانہ جدو جہد اور خون جگر کی آبیاری سے اس مدرسہ کا شمار جواب ''مفتاح العلوم'' کے نام سے موسوم ہے' ہندوستان کے بڑے مدارس عربیہ میں ہوتا ہے' مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی کمال جدو جہد اور سعی تبلیغ سے مدرسہ اور مسجد کی عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں مدرسہ کا احاطہ نہایت وسیع اور مسجد دیدہ زیب ہے۔ آپ کے یہاں جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ایک عام مجلس ہوتی ہے جس میں مدرسہ کے اساتذہ وطلباء کے علاوہ گرد و نواح کے مریدین کا ایک بڑا مجمع ہوتا ہے اس میں حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات ومواعظ خود پڑھ کر سناتے ہیں' ان کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے' پیچیدہ مسائل ومباحث کو آسان اسلوب میں مثالوں اور واقعات وحکایات کے ذریعہ سے سمجھانے میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔فن تصوف پر ان کی ایک کتاب شریعت وتصوف ہے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ کی تصوف سے متعلق کتابوں سے ماخوذ کتاب وسنت کی روشنی میں تصوف کے مسائل ومضامین کو نہایت سہل اور آسان انداز میں اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی ان مسائل کو بخوبی سمجھ سکتا ہے' مولانا کا فیضان عام ہے اور ہندوستان و پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی آپ کے متعلقین موجود ہیں۔ آپ کا شمار حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مخصوص خلفاء میں ہوتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''مجھے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے غائبانہ عقیدت ومحبت تو بہشتی زیور اور دیگر کتب کے دیکھنے سے بچپن ہی میں پیدا ہوگئی تھی مگر جب سے حضرت کو دیکھا کسی دوسرے کی طرف خیال بھی نہیں گیا''۔

حضرت حکیم الامتؒ کو آپ پر جو خصوصی اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی کے دریافت کرنے پر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

''عیسیٰ (یعنی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ) اور مسیح (یعنی حضرت مولانا مسیح اللہ خان) دونوں بڑھ گئے ہیں''۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے جلال آباد ایک جلسہ میں سب لوگوں کے سامنے آپ سے فرمایا کہ:

''میرے جی میں ایک بات ہے اسے میں کیوں نہ کہہ دوں اور میں سب کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ مولوی مسیح اللہ صاحب سے مجھے محبت ہے''۔

ایک بار حضرتؒ نے فرمایا کہ جو بات بار بار تقاضے کے ساتھ تمہارے دل میں آئے بس اسی پر عمل کرنا۔(بزم اشرف کے چراغ)

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے آپ کو خصوصی عقیدت ومحبت تھی یہی سبب ہے کہ شاید ہی آپ کی کوئی ایسی مجلس ہو گی جو حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات و ارشادات عالیہ کے بیان سے خالی ہو جب کبھی اپنے شیخ کا تذکرہ فرماتے تو ایک عجیب سوز عشق کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی جب کبھی کوئی مسئلہ بیان فرماتے۔ تو بار بار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے شیخ کی برکت سے عرض کر رہا ہوں' جلال آباد کے زمانہ قیام میں آپ ہمیشہ تھانہ بھون بالالتزام حاضر ہوتے رہے' خانقاہ میں مجلس عام و خاص ہر ایک میں آپ کو حاضری کا شرف حاصل تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ خاص مجلس میں آپ صرف اکیلے ہی ہوتے تھے۔ غایت احترام کی وجہ سے آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے سامنے بہت کم بقدر ضرورت کلام فرماتے تھے' اس پر حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

''آپ بولا کریں اور فرمایا کہ میں نہیں کہہ رہا ہوں حضرتؒ نے فرمایا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ مجھ سے بے تکلف ہوں اور بولا کریں''۔

اس سے حضرت حکیم الامتؒ کا آپ سے خصوصی تعلق ظاہر ہے۔

آپ ۱۶' جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

حضرت مسیح الامت قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ

کے

وصال اور تجہیز و تکفین کی اجمالی کیفیت

مرتبہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب میواتی

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصہ سے بیمار تھے، وصال سے قبل بھی بیماری ضعف و نقاہت کا حال حسب سابق چل رہا تھا کوئی خاص نمایاں تغیر نہ تھا۔ ۱۶، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ جمعرات کے دن خشکی زیادہ رہی اور اکثر اس قسم کی خشکی ہو جایا کرتی تھی۔ اس حال میں زیارت و ملاقات بھی ہوتی رہی، کسی پاس رہنے والے کو بھی احساس نہ ہو سکا کہ یہ حضرت والا کی حیات طیبہ کا آخری دن ہے۔

مؤرخہ ۱۷، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۳، نومبر ۱۹۹۲ء جمعہ کی شب میں حسب معمول حضرت والا نے عشاء کی نماز چار پائی پر اشاروں سے پڑھی عادت شریفہ کے مطابق اس حال میں بھی چار رکعت تہجد وتر کے قبل پڑھی، بلغم اور کھانسی کی وجہ سے تنفس بڑھ گیا تھا، محترم جناب بھائی جان[1] مدظلہ، جناب مولانا عنایت اللہ صاحب[2] مدنی،

---

[1] صاحبزادہ مولانا صفی اللہ خان صاحب

[2] استاذ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد و خادم خاص حضرت مسیح الامت قدس سرہٗ

مولانا آرزو میاں صاحب[1] ڈاکٹر نعیم احمد صاحب[2] مولانا توقیر احمد صاحب' یہ حضرات حضرت والا کے پاس موجود تھے اس تنفس کے حال میں خشکی بہت تھی' بار بار حضرت والا کو پانی پلایا گیا- ایک مرتبہ سہارے سے بیٹھ کر بھی پانی نوش فرمایا چند مرتبہ آب زم زم چمچے کے ذریعے بھی پلایا گیا۔ مولانا عنایت اللہ صاحب نے سورۃ یٰسین شریف پڑھی' حضرت والا اسی حال میں شروع ہی سے کلمہ طیبہ پڑھ رہے تھے اور ذکر بطریق پاس انفاس جاری تھا- بالکل آخر میں جب کہ آواز بھی نہیں نکل رہی تھی ہر سانس کے ساتھ ذکر جاری تھا اور زبان حرکت کر رہی تھی اور سر کے ساتھ بھی اشارے سے قلب کی جانب حرکت فرما رہے تھے وصال سے چند لمحہ قبل کلمہ شہادت کی انگلی سے مثل اشارہ در تشہد چند بار اشارہ بھی فرمایا' چہرہ مبارک کو قبلہ رخ فرما لیا تھا- آخر دم تک ٹوپی کا خیال رہا اور بار بار ٹوپی کو سر پر ٹھیک کرنے کے لیے ہاتھ کو اٹھا رہے تھے' اسی حال میں لفظ اللہ کے ساتھ آخری سانس نکلا اور آپ کی روح جسد عنصری سے پرواز فرما کر رفیق اعلیٰ سے جا ملی-

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

اس طرح علم و معرفت کا یہ امام مسیحائے درد دل لاکھوں مریضان دل کو داروئے شفا پلا کر اس جہان سے چلا گیا ۔

آں طبیب جملہ علتہائے ما
آں مسیحائے دل بیمار ما

یہ مورخہ ۱۷' جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ کی شب تھی اور سوا بارہ بجے کا وقت تھا' وصال کی خبر آناً فاناً بجلی کی طرح بلا کسی اہتمام خود بخود تمام اطراف و جوانب میں پھیل گئی اور محبان صادق مشتاقان دید کا ہجوم ہونا شروع ہو گیا اور تقریباً دو ڈھائی لاکھ کا مجمع اکٹھا ہو گیا- رات ہی میں تین بجے کے قریب حضرت والا کو غسل دیا گیا- مولانا عنایت اللہ

---

[1] مولانا وصی اللہ خاں صاحب مدرس مفتاح العلوم جلال آباد' و برادر زادہ حضرت مسیح الامت قدس سرہٗ

[2] ناظم دفتر جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد و معالج حضرت مسیح الامت قدس سرہٗ

صاحب' مفتی عبدالستار صاحب' مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا آرزو میاں صاحب وغیرہ نے مسنون طریقہ پر حضرت والا کو غسل دیا اور کفن پہنایا- ڈاکٹر نعیم احمد اور مولانا توقیر احمد صاحب بھی شریک تھے-

مجلس خانے ہی میں زیارت کے لیے آپ کا جنازہ رکھ دیا گیا تھا- حضرت والا کے چہرۂ انور پر عجیب پر کیف انوارات کی بارش ہو رہی تھی' رات سے لے کر نماز جمعہ تک برابر قطاریں لگا کر زیارت کی جاتی رہی تمام اہم مراکز دینیہ و مدارس اسلامیہ سے اہل علم حضرات جنازہ میں شریک تھے-

نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کی تجویز ہوئی' چنانچہ نماز جمعہ کے بعد تین بجے حضرت والا کا جنازہ مجلس خانہ سے اٹھایا گیا چارپائی کے دونوں جانب لوہے کے لمبے لمبے پائپ لگا دیئے گئے تھے جنازہ مدرسہ میں لایا گیا- ہجوم کی کثرت کی وجہ سے چارپائی کو مدرسہ کی ٹینکی کے پاس رکھا گیا' ساڑھے تین بجے حضرت والا کے خادم خاص مولانا عنایت اللہ صاحب نے نماز پڑھائی' چار بجے حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور' مفتی خبیب احمد صاحب نائب مفتی مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا آرزو میاں صاحب' ڈاکٹر کامل صاحب نے آپ کے جسد مبارک کو قبر میں اتارا- پورے اہتمام کے ساتھ چہرۂ انور کو قبلہ رخ کیا گیا- چونکہ مجمع کم وبیش وتقریباً ڈھائی لاکھ تھا اس لیے کافی دیر تک تدفین کا سلسلہ چلتا رہا- آپ کی تدفین مدرسہ سے متصل قبرستان میں آپ کے استاذ محترم اور جامعہ مفتاح العلوم کے سابق شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب[1] لکھنوی اور امی جان[2] مرحومہ کی قبروں کے درمیان کی خالی جگہ میں ہوئی- جس کے لیے کافی عرصہ قبل خود حضرت والا نے بھائی جان مدظلہٗ سے فرما دیا تھا- تدفین کے بعد بھی مسلسل لوگ عشق ومحبت میں اس شعر کا مصداق بنے ہوئے

---

[1] خلیفہ مجاز صحبت حضرت تھانویؒ ومجاز بیعت حضرت مسیح الامت قدس سرہٗ

[2] حضرت مسیح الامت کی اہلیہ محترمہ

چلے آرہے ہیں۔

کشتۂ کہ عشق دارد نگذارت بدیشاں
بجنازہ گرنیائی بمزار خواہی آمد

قطعۂ تاریخ وفات

حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہٗ

حضرت شاہ اقدس الحاج مولانا مسیح اللہ خاںؒ
جب ہوئے دنیا سے سوئے عالم بالا رواں
یہ لکھا انعام نے ان کا مسیحی سال فوت
جلوۂ جنت محل دلکش بدن مولانا مسیح اللہ خاںؒ

۱۹۹۲ء
۱۴۱۳ھ

مولانا انعام الرحمٰن تھانوی صاحب مدظلہم، مدیر آئینہ مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور۔

حضرت مولانا محمد اللہ حافظ جی حضور رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت بنگلہ دیش کے مشہور ضلع نوا کھالی کے گاؤں لودھیا میں ۱۳۱۷ھ میں ہوئی- آپ کے والد ماجد میاں جی محمد ادریس مرحوم بھی ایک اسلامی مفکر تھے اور آپ کے دادا میاں جی اکرام الدینؒ، حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بیعت تھے- آپ نے ابتدائی تعلیم فارسی وغیرہ اور قرآن پاک ناظرہ اپنے چچا میاں جی محمد یونسؒ کے مکتب میں پڑھی- پھر مولوی محمد عثمانؒ اور مولوی عبدالرحمٰنؒ کے مدرسہ میں فارسی کی بہت سی کتابیں پڑھیں-

۱۳۳۵ھ میں پانی پت پہنچے اور قاری عبدالسلامؒ صاحب خلف الصدق حضرت قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی سے حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ فن قراءت کی مہارت حاصل کی- غالباً ۱۳۳۰ھ میں آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۰ھ میں اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی- ۱۳۴۵ھ میں آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہٗ کی طرف سے خلیفہ مجاز مقرر ہوئے- اس طرح جوانی کے عالم ہی میں آپ علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل سے فارغ ہو گئے- حضرت مولانا اظہار الاسلام آپ کی دینی وعلمی اور ملی خدمات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی صحبت' حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی روحانی تربیت اور پانی پت' سہارنپور اور دیوبند میں مذہبی علوم کی تعلیم نے حضرت مولانا محمد اللہ حافظ جی حضورؒ کی شخصیت کو ایک جامع کمالات شخصیت بنا دیا تھا- آپ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم وتربیت سے فارغ ہو چکنے کے بعد مدرسہ-

مین مدرس مقرر ہوئے- اس وقت بنگلہ دیش کے مشہور عالم دین حضرت مولانا

شمس الحق فرید پوریؒ بھی اسی مدرسہ میں استاذ تھے- جید و محقق عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ آپ حافظ قرآن بھی تھے' اس لیے آپ کو وہاں مدرسے میں حافظ جی کے لقب سے بلایا جانے لگا- حضرت مولانا شمس الحق فرید پوری نے اس کے ساتھ ''حضور'' کے لفظ کا اضافہ فرمایا تو ''حافظ جی حضور'' کا یہ لقبی نام بنگلہ دیش کی تاریخ کا ایک اہم باب بن گیا- آپ اپنے شیخ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اس مدرسہ میں چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے- اس کے بعد آپ ڈھاکہ چلے گئے اور حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ کے ساتھ مل کر ایک نیا مدرسہ ''اشرف العلوم'' قائم کیا-

اسی زمانہ میں آپ لال باغ شاہی مسجد میں امام و خطیب مقرر ہوئے' یہاں بھی قرآنی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم کیا جو بعد میں ایک بہت بڑا مدرسہ ''جامعہ قرآنیہ'' کے نام سے معروف ہوا- جہاں آخر دم تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے- جہاں مدرسہ اشرف العلوم اور جامعہ قرآنیہ لال باغ کے استاذ حدیث و فقہ کی حیثیت سے آپ نے ہزاروں طالبان علم حدیث کو اپنے فیض علمی و روحانی سے مستفیض کیا وہاں اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا فروغ' طریقت کے سلسلے میں مریدوں کی اصلاح اور سیاسی و ملی تحریکات میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا- ان تین شعبوں میں آپ نے اپنی حیات کی تقسیم کی- اولاً آپ معلم علوم دینیہ تھے- پھر مصلح شیخ طریقت پھر سرگرم سیاسی رہنما' مگر آخر دم تک یہ تینوں ہی شعبے بیک وقت آپ کی ذات کے ساتھ منسلک رہے- آپ بنگلہ دیس میں سو سے زائد مکاتب و مدارس دینیہ کے بانی ہونے کے ساتھ بنگلہ دیش' بھارت اور برطانیہ میں لاتعداد مریدین کے شیخ تھے' ساٹھ سے زائد آپ کے خلفاء ہیں- آپ کی بنا کردہ تحریک خلافت دو گروہ بٹ جانے کے باوجود آپ دونوں گروہوں کے محبوب قائد تھے اور آپ کے سیاسی معتقدین کی تعداد

بے شمار ہے'' [1]

حضرت علامہ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''بنگلہ دیش خصوصاً ڈھاکہ بڑی بڑی علمی سیاسی اور روحانی شخصیتوں سے مالا مال تھا' حضرت مولانا عبدالوہاب صاحبؒ، حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ اور حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ جیسی عظیم شخصیات کی مشاورت کا مرکز ڈھاکہ شہر ہی رہا۔ جس طرح مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ جو حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب قدس سرہ کی زیر سرپرستی چل رہا تھا' علماء کی مشاورت کا مرکز تھا اسی طرح جامعہ قرآنیہ لال باغ اجتماعی دینی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ اور حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ کے بعد حضرت مولانا محمد اللہ حافظ جی حضورؒ کی شخصیت لوگوں کی توجہ کا مرکز تھی۔ آپ ان حضرات میں سے تھے جنہیں دیکھ کر ہی خدا یاد آتا ہے۔ آپ ایک سادہ و بے تکلف بزرگ تھے۔ صدق وصفا اور سادگی وتواضع کا پیکر تھے۔ ہمہ تن ذکر و شغل اور اصلاح و ارشاد میں مشغول رہتے تھے۔ بنگلہ دیش میں حضرت حکیم الامتؒ کے آخری خلیفہ تھے۔ بالآخر ساری عمر درس حدیث اور خدمت اسلام میں بسر کرنے کے بعد ۷ مئی ۱۹۸۷ء بمطابق ۱۹' رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ کو ڈھاکہ میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاکھوں افراد نے نماز جنازہ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین!''۔

(ماخوذ نقوش رفتگان)

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی جون ۱۹۸۷ء

حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۹۱۱ء میں آزاد قبائل کے علاقے مہمند ایجنسی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا خائستہ خانؒ بڑے عالم باعمل تھے۔ آپ کے والد ماجد خان محمد خان نے آپ کو دینی تعلیم کے لیے وقف کیا اور آپ ابتدائی تعلیم تحصیل چارسدہ میں حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ نعمانیہ میں امرتسر تشریف لے گئے اور تقریباً دس سال تک حضرت مفتی صاحبؒ کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی اور سند الفراغ حاصل کی۔

آپ کے استاد گرامی حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ جو آپ پر نہایت شفقت فرماتے، اور آپ کو بکثرت اپنے ساتھ رکھتے تھے، جب بھی حضرت مفتی صاحبؒ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خدمت میں تھانہ بھون تشریف لے جاتے تو اکثر آپ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ آپ چونکہ شروع ہی سے نہایت ہی رقیق القلب تھے اور دین کی باتوں کے دوران آپ پر اکثر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس تفسیر و حدیث یا وعظ کے دوران بھی جاری رہتا اور حضرت حکیم الامت کی مجلس میں بھی یہاں تک کہ حضرت حکیم الامت سے تعلق رکھنے والے حضرات میں آپ کا لقب ''بکاء'' (بہت رونے والے) مشہور ہو گیا تھا۔ یہ گریہ بے اختیار تھا اور اللہ تعالیٰ کی محبت یا خوف کی بناء پر ہوتا تھا۔ اس میں اکثر آواز بھی بلند ہو جاتی تھی اور اس کا سننے والوں پر بھی اثر ہوتا تھا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بناوٹی قسم کے حال و قال کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کا یہ گریہ ان کی حقیقی باطنی کیفیت کا آئینہ دار تھا۔ اس لیے حضرت حکیم الامتؒ نے اس پر نہ صرف کوئی گرانی محسوس نہیں فرمائی بلکہ جب آپ خانقاہ میں حاضر ہو کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے مصافحہ

کرتے حضرت فرماتے:

''رونق آ گئی! رونق آ گئی''

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد بھی آپ نے اپنے استاد و مربی حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے تعلق قائم رکھا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو ۱۳۵۷ھ میں خلافت سے نوازا تھا۔ غرض آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے خوب فیض علمی و روحانی حاصل کیا۔

آپ پشاور کے قریب ایک چھوٹی سی بستی (جس کا نام ''فقیر آباد'' رکھا گیا ہے) میں اقامت پذیر ہوئے اور قرآن کریم کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم فرمایا اور اس سے ملحقہ ''خانقاہ اشرفیہ'' کے نام سے ایک خانقاہ قائم فرمائی تھی جو حضرت حکیم الامتؒ کے انداز تربیت و اصلاح کا مرکز بنی رہی جہاں سے سینکڑوں افراد سیراب ہوئے جن میں اکابر علماء بھی شامل ہیں۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب' حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی' آپ کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں۔

آپ نے آخری دور میں پشاور کے مال روڈ پر ''جامعہ امداد العلوم'' کے نام سے ایک عظیم الشان مدرسے کی بنیاد بھی ڈالی جو بحمد اللہ درس نظامی کی معیاری تعلیم کا مرکز ہے اور آپ کا صدقہ جاریہ ہے۔ آپ نے ایک عرصہ تک علیل رہنے کے بعد ۲۳/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲/ ۱۹۹۱ء کو رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد حسن جان مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور لنڈی ارباب پشاور میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین!

حضرت اقدس مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سفر آخرت کے ایک تفصیلی مضمون میں حضرتؒ کے آخری لمحات بیان کرتے ہوئے جناب مولانا محمد جمیل خان لکھتے ہیں کہ:

موت کا ایک وقت مقرر ہے جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے ایک دن ضرور اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف رخصت ہونا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

اولیاء کرامؒ اقطاب' مجددین' مصلحین امت اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنا وقت مقررہ ختم کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ دنیا نے ہر بیماری کے علاج کی جستجو کی اور وہ اس کے علاج تک پہنچ گئی لیکن موت کے سامنے دنیا کے تمام محققین اور سائنس دان عاجز ہو گئے اور اس کے سامنے شکست کھا گئے۔ اس لیے موت تو ہر جاندار کو آتی ہے۔ یہ رب العزت کا اٹل فیصلہ ہے۔ جب بلاوا آجائے تو نہ ایک منٹ کی تاخیر ہوتی ہے اور نہ تقدیم۔

مرتے سب ہیں لیکن بعض شخصیات کی موت عالم کو رنجیدہ کر دیتی ہے۔ ان کی موت قومی سانحہ قرار پاتی ہے۔ ہر شخص اشکبار ہوتا ہے۔ اس موت کا غم ہر شخص اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''عالم دین کی موت عالم (دنیا) کی موت ہے''۔

ایسی شخصیات کی اموات وقتی اور عارضی نہیں ہوتیں بلکہ تاریخ کا حصہ بن کر رہتی دنیا تک ان اموات کا غم محسوس اور درد تازہ رہتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ' سیدنا عمر فاروقؓ' سیدنا عثمان غنیؓ' سیدنا علیؓ' سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ' سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ' سیدنا سعید بن جبیرؒ' سیدنا امام ابوحنیفہؒ' سیدنا امام احمد بن حنبلؒ' منصور بن حلاجؒ' شاہ عبدالعزیزؒ' شیخ الہندؒ' مولانا محمود الحسنؒ' سیدنا انور کشمیریؒ' مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ' مفتی محمودؒ' مولانا حق نواز جھنگویؒ رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی موت کا غم آج بھی عقیدت مندوں کو سوگوار کر دیتا ہے۔

قائد اہل سنت مجاہد ختم نبوتؐ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا فقیر محمدؒ کی اچانک وفات کا غم ابھی تازہ ہی تھا اور عقیدت مندوں کے آنسو ابھی تھمے بھی نہیں تھے کہ علمائے حق کی ایک اور عظیم ہستی اور بلند ترین مقام پر فائز عظیم روحانی رہنماء مصلح قوم' شیخ طریقت' ولی کامل عاشق رسول اللہ ﷺ بقیۃ السلف' خشیت الٰہی کے پیکر ہمہ وقت یاد الٰہی میں رونے والے امت مسلمہ کے دعاگو' صاحب دل مرشد کامل شیخ المشائخ فناء فی اللہ فنافی الرسول ﷺ عالم فاضل جہاد کشمیر کے عملی مجاہد' افغان مجاہدین کے سرپرست و دعاگو' فلسطینی مسلمانوں کے درد مند امت کے غم میں فکر مند' تقویٰ کی عملی تصویر' پرہیزگاری کے بہترین نمونہ' نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کے شیدائی' اللہ رب العزت

کے اطاعت گزار، فقیر و درویش کامل، حکیم الامت مولانا اشرف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کی رونق اور خلیفہ مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ، عقیدہ ختم نبوت کے محافظ، اکابر و اسلاف کے محبوب، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتوں اور صداقتوں کے امین امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ و تقویٰ کے مقلد و پیروکار حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نسب کی ایک کڑی گلدستہ دیوبند کے منفرد پھول، سلسلہ اشرفیہ تھانویہ کی عظمت، جامعہ امداد العلوم و مدرسہ فریدیہ ہارونیہ کے بانی و سرپرست سالک راہ حق حضرت مولانا شاہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ اٹھتر سال مسافر خانہ دنیا میں اضطرابی زندگی سے نجات پا کر عقیدت مندوں کو اشکبار چھوڑ کر منزل حقیقت کی طرف روانہ ہو گئے۔

۲۲/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء بروز بدھ آٹھ بجے اہل حق کے لیے غم اور صدمہ کا پیغام لائی۔ جب اچانک یہ اطلاع کانوں میں پڑی کہ گلشن اشرفیہ کے سب سے روشن چراغ قافلہ امدادیہ کے سالار اعلیٰ حلقہ دیوبند کی عظیم ہستی حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر چیز اللہ کے لیے ہے اور ہر شخص نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور ہر جان کا ایک وقت مقرر ہے جس پر بہر حال اس نے دنیا سے رخصت ہونا ہے۔

حضرت مولانا فقیر صاحبؒ کی وفات کی خبر ایسی معمولی خبر نہ تھی جو چھپی رہ سکتی۔ اگرچہ اس ہستی نے زندگی بھر اپنے آپ کو دنیا سے مٹانے کے ہر جتن کیے۔ فنا اور گمنامی کو اپنا شیوہ بنایا۔ اپنی شخصیت اور اپنی ذات کو اپنے شیخ حضرت تھانویؒ اور اپنے استاد محترم مفتی محمد حسن کی ذات میں سمو دیا۔ اپنے آپ کو ایسا گم نام کیا کہ گذشتہ نصف صدی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ گذشتہ نصف صدی میں اگر ہم حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں دو ہی ایسی شخصیات کا علم ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ہستی کو مٹا کر دکھایا ہو اور حسن اتفاق سے دونوں کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے۔ ایک ہستی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گلؒ صاحب کی ہے اور دوسری ہستی ہمارے ممدوح شیخ اور بقول حضرت حکیم الامت میری مجلس کی رونق حضرت

مولانا فقیر محمد کی ہے۔

حضرت مولانا عزیر گلؒ صاحب نے اپنی زندگی شیخ الہندؒ کی یاد میں گزار دی اور جب انتقال ہوا تو ترکہ میں کیا نکلا شیخ الہندؒ کی ٹوپی' صدری' کرتا' اس وصیت کے ساتھ کہ میرے استاد کی یہ نشانیاں میرے ساتھ دفن کر دی جائیں۔ حضرت مولانا فقیر محمدؒ نے اپنی زندگی شیخ کے طریقہ تصوف کی اشاعت میں گزار دی۔ نہ نام ونمود نہ عزت و جاہ نہ مال و دولت کی طلب' بس ایک ہی آرزو کہ میرے شیخ کا فیض پوری دنیا میں پھیل جائے۔ جب بھی بات کی تو اپنے شیخ اور اپنے استاد کی گویا کہ میں کوئی چیز ہی نہیں۔ تواضع اور فنائیت کا اس سے اگلا درجہ اور کیا ہو سکتا ہے لیکن میرے رب....... کا بھی عجب دستور ہے جو اپنے آپ کو جتنا مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ہی بلند فرماتے ہیں۔ میرے محبوب و آقا صادق المصدوق ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے پستی اور تواضع اختیار کی اللہ اتنی ہی بلندی عطا فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے زندگی بھر اپنے آپ کو مٹایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندگی میں ہی اتنی بلندی عطا فرمائی اور موت کے بعد تو آپ کو کچھ اختیار ہی نہیں تھا کہ اس کو چھپاتے۔ آناً فاناً آپ کی وفات کی اطلاع خیبر سے باب الاسلام سندھ تک گونج گئی۔

حضرت مولانا فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخری لحات بھی عجیب پرسکون تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتہ کو روانہ فرماتے ہیں اور وہ روح قبض کرتا ہے تو اتنی آہستگی سے کہ مومن بندے کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا کی وفات بالکل اس حدیث شریف کے مصداق ہوئی۔ نہ کوئی بیماری نہ کوئی تکلیف' نہ اسپتال میں داخلہ اور نہ ڈاکٹروں اور نرسوں کے چکر بس ایک دو دن سے نیند نہ آنے کی شکایت اور منزل پر پہنچنے کی بے قراری۔ صاحب زادہ عبدالرحمٰن نے کہا اسپتال چلتے ہیں پورا معائنہ کرالیں فرمایا نہیں اب تو سفر کی تیاری ہے۔ اب تو اپنے اصلی گھر جانا ہے ذکر اللہ کی کیفیت میں اضافہ ساری زندگی جس کے ساتھ لو لگائی اس کا ہر دم خیال' صاحب زادے نے ڈاکٹروں کو گھر بلوالیا

کہ دیکھیں نیند کیوں نہیں آ رہی۔ لیکن ڈاکٹروں کے تمام آلات بیکار کوئی بیماری نہیں سب ٹھیک ہے پھر یہ نیند کیوں نہیں آ رہی۔ ڈاکٹروں کو کیا پتہ نیند کیوں نہیں آ رہی منزل پر پہنچنے کی کوشش نیند آنے نہیں دے رہی ابدی راحت کا احساس کب نیند کے عارضی آرام کی اجازت دے سکتا ہے۔ سونے والے منزل کا نشان کھو بیٹھتے ہیں اس لیے نیند کوسوں دور ہے۔ بس آخری منزل اور آخری گھڑی کا انتظار اور اس نے نہ ایک منٹ پہلے آنا ہے اور نہ ایک منٹ بعد۔ وہ تو وقت مقررہ پر ہی آئے گی۔ بدھ کا دن گزر گیا۔ مغرب کی نماز ادا کر لی عشاء کی نماز کا وقت قریب آتا جا رہا ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے عشاء کی نماز یہاں ادا ہو گی یا اپنے محبوب ﷺ اور رفقاء کے پاس۔ نگاہیں ایک طرف لگی ہوئی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ہونٹ اور زبان حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ آواز سنائی نہیں دے رہی۔ زبان کے تالو سے لگنے کا احساس ہوتا ہے کہ اپنے آقا اور رب کے نام کی گردان ہے۔ کیوں نہ ہو زندگی بھر اسی کے نام پر بسر کی۔ ایک ایک دن ہزاروں مرتبہ اس نام کی گردان کی ہے۔ اللہ اللہ کے ورد کو اتنا معمول بنایا کہ سانس تک اللہ کی آواز ہی میں بلند ہوتی ہے۔ آخری لمحات میں اگر زبان ہلتی ہے تو اسی کے نام پر۔ ایک دم آواز بلند ہوتی ہے۔ لا الہ پھر وقفہ ہوتا ہے۔ پھر الا اللہ پھر وقفہ پھر محمد رسول اللہؐ کلمہ تمام ہوا۔ وقت مقررہ کی گھڑی آ پہنچی۔ آخری سانس نے جسم سے رابطہ منقطع کیا۔ دھڑکن اور سانس نے ایک دم جسم کا ساتھ چھوڑا۔ ایسا محسوس ہوا کہ کوئی چیز جسم سے نکل گئی۔ لیجئے اپنے رب اور مالک کے دربار میں پہنچ گئے۔ نہ جانکنی کا احساس' نہ سانس میں رکاوٹ' جان ایسے بھی نکلتی ہے۔ ہاں نکلتی ہے۔ عاشق رسول اللہ ﷺ اتنی محبت سے ہی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اہل دل اسی طرح جان قربان کرتے ہیں۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی وفات کی خبر راتوں رات پورے پاکستان میں پھیل گئی۔ اطراف سے علماء کرام طلبہ عظام اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد آخری دیدار اور آخری لمحات میں شرکت کے لیے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی خانقاہ پہنچنا شروع ہو گئے۔

نماز جنازہ مولانا حسن جان صاحب شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم نے پڑھائی۔ جس میں سینکڑوں علمائے کرام ہزاروں طلبائے علوم دین اور ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ مولانا محمد اشرف' مولانا قاری سعید الرحمٰن' مولانا شیر علی شاہ' مولانا سمیع الحق' مولانا عزیز الرحمٰن' مولانا امان اللہ' مولانا عزیز الرحمٰن بن مفتی احمد الرحمٰن' مولانا عبدالرحمٰن اشرفی' مولانا عبدالرؤف' مولانا مشرف علی تھانوی' مولانا قاری فیوض الرحمٰن وغیرہ شامل تھے۔ تین بجے علم وعمل اور خشیت الٰہی کے اس پیکر کو ہزاروں عقیدت مندوں نے اشک بار آنکھوں کے ساتھ خانقاہ امدادی میں مدرسہ فریدیہ ہارونیہ کے ایک حصہ میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق سپرد خاک کر دیا۔

حضرت مولانا فقیر صاحبؒ کی ولادت ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۳ء بمند موضع قطبی میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی جان محمدؒ اور جد امجد کا اسم گرامی خائستہ خان تھا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے چارسدہ میں کابل ملا صاحب کی زیر نگرانی میں حاصل کی کیونکہ آپ کا علاقہ پسماندہ ہونے کی بناء پر تعلیم سے عاری تھا۔ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ چھچھ ضلع اٹک میں تشریف لے آئے۔ اس زمانہ میں چھچھ دینی علوم کی تعلیم کے لیے بہت مشہور تھا۔ صوبہ سرحد اور پنجاب کے علاقے سے تشنگان علوم وہاں سیرابی کے لیے آتے اور علم دین حاصل کرتے۔ اٹھارہ سال کی عمر تک آپ چھچھ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں آپ اپنے استاد محترم کی معیت میں امرتسر تشریف لے گئے۔ اس وقت امرتسر میں مدرسہ نعمانیہ تعلیم کے لحاظ سے بہت مشہور تھا۔ جس میں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ حدیث وقرآن کی اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب بحیثیت طالب علم حضرت مفتی صاحبؒ کی زیر نگرانی مدرسہ میں کیا داخل ہوئے زندگی بھر کے غلام ہو کر رہ گئے۔ تعلیمی قابلیت اور استاد محترم کے جذبہ خدمت نے جلد ہی مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی حضرت مفتی صاحبؒ کے دل میں جگہ پیدا کر دی اور استاد محترم اپنی اولاد کی طرح سے آپ سے محبت کرنے لگے۔

آپ کی ظاہری تعلیم کے استاد محترم نے آپ کی باطنی تربیت کا بھی خصوصی

انتظام فرمایا اور اپنے ساتھ مولانا فقیر صاحب کو اپنے شیخ اور وقت کے مجدد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے اور باطنی تربیت کی درخواست کی۔ حضرت تھانویؒ نے ایک ہی نگاہ میں جانچ لیا کہ طالب علم بہت باصلاحیت ہے۔ فوراً بیعت کی۔ ادھر آپ نے شیخ سے بیعت کی ادھر خشیت الٰہی کا جو جوش دل میں بھرا ہوا تھا آنکھوں کی طرف سے ابھر آیا اور آپ زار و قطار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کرلیا کہ یہ دلی کیفیت ہے۔ اگر اس کو بند کرنے کی کوشش کی تو عشق و محبت سے یہ بندہ جان سے جائے گا تو آپ نے نہ صرف آپ کو رونے کی اجازت دی بلکہ آپ کو بکاء (رونے والے) کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں جب حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ تشریف لے جاتے تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہماری مجلس کی رونق آ گئی۔ کچھ ہی عرصہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر تربیت رہ کر آپ نے سلوک کے منازل طے کیے اور جلد ہی اپنے شیخ کی طرف سے خلافت و اجازت کی سند سے سرفراز ہوئے اور حضرت والا نے ان کے استاد محترم کو فرمایا کہ آپ کے شاگرد کو ہم نے اجازت دے دی ہماری طرف سے ان کو بیعت کرنے کی اجازت ہے۔

یہ خوشخبری سن کر آپ کے درد دل میں اضافہ ہوا اور آپ کے گریہ و بکا میں تیزی آ گئی اور آپ نے اپنی زندگی اپنے استاد محترم کی خدمت میں وقف کر دی۔ ادھر استاد محترم بھی اپنے شاگرد سے اپنے بچوں سے زیادہ محبت کا سلوک کرتے تھے۔ اپنے استاد محترم کی حیات میں آپ نے کسی کو خود بیعت نہیں کیا بلکہ اپنے استاد کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دے دیتے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے بیعت کا سلسلہ شروع کیا تو بڑے بڑے علماء کرام اور ہزاروں عقیدت مند آپ کی طرف رجوع ہونے لگے اور آپ کی خانقاہ امدادیہ پشاور تھانہ بھون کا نمونہ پیش کرنے لگی جس کے در و دیوار سے لا الہ الا اللہ کی صدائیں بلند ہوتی نظر آنے لگیں۔ ذکر اللہ نے آپ کی پر درد اور گریہ والی دعاؤں نے بڑے بڑے گناہگاروں کے دل پھر دیئے اور یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ ہزاروں افراد آپ کی دعاؤں کی برکت سے دین کی طرف راغب ہو گئے۔ پندرہ

سپارے تلاوت کلام پاک اور پچیس ہزار سے زائد اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک اور ہزاروں کی تعداد میں درود شریف کے علاوہ سینکڑوں نوافل آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔ حرمین شریفین سے آپ کو جو عقیدت تھی اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس بڑھاپے اور ضعیفی کی حالت میں آپ دن رات کا اکثر حصہ حرمین شریفین میں گزارتے۔ گذشتہ تیس سال سے آپ کا معمول تھا کہ رجب کے آخری دنوں میں حرمین شریفین تشریف لے جاتے اور ربیع الاول تک آپ وہیں مقیم رہتے۔ روضۂ اقدس ﷺ پر آپ گھنٹوں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش فرماتے۔ بیت اللہ میں آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوتی اور آپ کئی کئی گھنٹوں ذکر اور دعا میں مصروف رہتے۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰن' مولانا عبدالکریم' مولانا محمد احمد تھانوی' مولانا سلیم اللہ خان' قاری سعید الرحمٰن' مولانا محمد ایوب جان بنوری' مولانا حسن جان' مولانا محمود الحسن' مولانا ڈاکٹر غلام محمد بی اے عثمانیہ' اور مولانا عبداللہ جیسے علمائے کرام نے آپ سے فیض حاصل کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے ۴۶ خلفاء کرام لوگوں کی اصلاح باطنی میں مصروف ہیں۔ امت کی باطنی اصلاح کے ساتھ آپ نے علوم ظاہری کے لیے دینی مدارس قائم کیے۔ جامعہ امداد العلوم پشاور آپ کے اور آپ کے خلیفہ حضرت مولانا اشرف صاحب کی محنت اور کوششوں سے تعمیر ہوا۔ اس وقت اس جامعہ میں ۷۰۰ کے قریب طلبہ حفظ قرآن اور درس نظامی کے حصول میں مصروف ہیں۔ لنڈی ارباب میں حفظ قرآن کا ایک مدرسہ قائم کیا جس میں ڈیڑھ دوسو بچے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اور یہ پورا مدرسہ آپ کی توجہ اور عنایت خاص سے چل رہا ہے۔ چارسدہ میں آپ نے ایک مسجد اور حفظ کا مدرسہ قائم کیا۔ آپ کی اولاد حاجی عبدالرحمٰن جو مولانا اشرف اور صوفی محمد اسلم صاحب کی طرف سے مجاز بیعت ہیں اور حضرت والا نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز کیا وہ ان کے دوسرے بھائی حاجی عبدالودود اور حافظ محمد اسحاق ان تینوں مدرسوں کی نگرانی اور انتظام میں مصروف ہیں۔ انشاء اللہ العزیز حضرت مولانا فقیر صاحبؒ کے یہ روحانی اور ظاہری مراکز اپنے صدقہ جاریہ کے ساتھ قیامت تک قائم ودائم رہیں گے۔ (ماخوذ ماہنامہ الاشرف کراچی)

فقیہ العصر

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر عالم و مفتی اور عارف کامل تھے' سادگی و تواضع اور صدق و صفا کا پیکر تھے' حضرت مفتی صاحبؒ کے متعلق جناب مولانا محمود اشرف عثمانی کا مضمون پیش خدمت ہے جو حضرتؒ سے ان کے تعلق و عقیدت کا مظہر ہے۔

مولانا محمود اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ:

۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ بروز اتوار مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کی صبح بعد نماز فجر استاذ محترم مربی و مشفق فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا انتقال ہوا ایک پوری نسل ایک پورے قرن کا خاتمہ ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ غالباً اس وقت برصغیر کے وہ واحد عالم دین تھے جنہوں نے شیخ وقت' محدث بے بدل استاذ الاکابر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ صرف باقاعدہ علمی استفادہ اور کسب فیض کیا تھا بلکہ ان دونوں جلیل القدر شخصیات کی صحبت بابرکت اور فیض تربیت سے اپنے آپ کو منور کیا تھا۔ اور مفتی صاحب کے انتقال کے بعد مجمع البحرین سے استفادہ کرنے والی کوئی شخصیت اب دنیا میں باقی نہ رہی۔

حالات:

حضرت مفتیؒ صاحب غالباً ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء کے لگ بھگ تھانہ بھون میں پیدا

ہوئے، مدرسہ کی ابتدائی تعلیم راجو پور ضلع سہارنپور میں شروع ہوئی جہاں آپ کی ننھیال مقیم تھی پھر اسکول کی ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی جہاں والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ مگر اسکول کی تعلیم سے جلد ہی دل اچاٹ ہو گیا اور مدرسہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون آکر ابتدائی فارسی اور عربی کتب پڑھنا شروع کیں، مولانا اشفاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جلال آباد میں مدرسہ قائم کیا تو شرح جامی اور اعلیٰ کتب وہاں پڑھیں مگر پھر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے آئے اور بقیہ ساری تعلیم یہیں مکمل کر کے ۱۳۴۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ دورہ حدیث میں تمام طلباء میں سب سے اول رہے۔ جس پر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے انعام میں کئی کتابیں اور ایک جیبی گھڑی عطا فرمائی اور کتب حدیث کی خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی آپ پر خصوصی توجہ اور شفقت تھی، ایک مرتبہ انگریزی جوتے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''کیا کھوسڑے سے پہن رکھے ہیں؟'' فرماتے تھے کہ اس کے بعد انگریزی کے جوتے ایسے دل سے اترے کہ پھر پہننے کو دل ہی نہ چاہا۔ چنانچہ عمر بھر دیسی جوتے ہی استعمال کیے۔

فراغت کے بعد حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حکم سے کچھ عرصہ کے لیے حیدر آباد دکن کے مدرسہ نظامیہ میں نائب شیخ الادب کے منصب پر خدمت کے لیے تشریف لے گئے مگر جلد ہی وہاں کے ماحول سے ایسے برگشتہ ہوئے کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ مجھے واپس بلا لیجئے۔ مفتی صاحب فرماتے تھے کہ وہاں پیری و مریدی کا ایسا زبردست ماحول تھا کہ آدمی کا اس سے بچنا ممکن نہ تھا، جب میں وہاں تدریس کے لیے گیا تو لوگوں نے میرے ساتھ عظمت و عقیدت کا وہ برتاؤ شروع کیا جو غلو رکھنے والے مریدین اپنے پیر کے ساتھ کرتے ہیں، تو مجھے کچھ ہی عرصہ میں یہ احساس ہو گیا کہ اگر میں مزید کچھ وقت یہاں ٹھہرا رہا تو سارا علم غتر بود ہو جائے گا اور میں صرف ایک پیر بن کے رہ جاؤں گا چنانچہ میں نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے واپس بلانے کی درخواست کی، چنانچہ حضرت

رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے واپس بلا لیا اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں بحیثیت مدرس میرا تقرر فرما دیا اور تدریسی کام شروع ہوا۔

مظاہر العلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۷۰ھ تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے ہر علم وفن کی کتابیں طلباء کو پڑھائیں اور تشنگان علوم کو سیراب کیا مگر حضرت کی زیادہ شہرت ادب میں تھی اور طلباء دور دور سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

اسی دوران ۱۳۴۶ھ میں سہارنپور سے رسالہ ''المظاہر'' اور پھر ۱۳۶۸ھ میں رسالہ ''دیندار'' جاری فرمایا جس کے مدیر اعلیٰ، مضمون نگار، ناشر، خادم، سب کچھ خود حضرت ہی تھے اور بے سروسامانی کے باوجود بہت استقلال اور ہمت کے ساتھ تدریسی مصروفیات کے ہمراہ ان رسائل کے ذریعہ دعوت وتبلیغ اور علم وحکمت کی خاموش خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد اور مرید باصفا تو تھے ہی مظاہر العلوم قیام کے دوران حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سے خصوصی عقیدت وارادت کا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص محبت ومودت کا تعلق بھی قائم ہوا۔ حضرت اپنی مجلسوں میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت وذکاوت، حسن انتظام اور تقویٰ وتواضع کے واقعات بھی ذکر فرماتے تھے اور پریشانی کے ایک زمانہ میں حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ساتھ جو خصوصی تعلق رکھا اس کا بھی کئی بار ذکر فرمایا۔

بہر حال ۱۳۶۰ھ میں حضرت مفتی صاحبؒ مظاہر العلوم سہارنپور سے تھانہ بھون کی ''دکان معرفت'' پر منتقل ہو گئے جہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ کا آفتاب عالمتاب چار سو علم ومعرفت کی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کا زمانہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک طرح سے داماد تھے۔ اس لیے خلوت وجلوت میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ اس زمانہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ضعف کی بناء پر نہ صرف خطوط کے جوابات بطور املاء حضرت مفتی صاحبؒ سے لکھواتے تھے بلکہ آنے والے استفتاء بھی آپ کے سپرد

کرتے تھے۔ جن کے جوابات مفتی صاحب لکھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے گزارتے تھے اور پھر وہ فتاویٰ روانہ کیے جاتے' یہ زمانہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی مصروفیت کا زمانہ تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شب و روز خدمت کے ساتھ مدرسہ امدادالعلوم میں تدریس' اہم فتاویٰ کی تحریر اور قابل تحقیق مسائل کے حل کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آنے والے حضرات کی دیکھ بھال اس پر مستزاد تھی۔ اسی دوران احکام القرآن عربی کی دو منزلوں کی تصنیف آپ کے سپرد ہوئی۔ جس کا قصہ حضرت مفتیؒ صاحبؒ خود سناتے تھے کہ اولاً احکام القرآن کی تصنیف کا کام حضرت مولانا ظفر احمدؒ عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوا تھا مگر جب وہ ڈھاکہ تشریف لے گئے اور کام میں تعویق ہوئی تو حضرت نے ارادہ فرمایا کہ یہ کام اپنے احباب میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت کا انتخاب کیا جس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب پہلے ہی قلم اٹھا چکے تھے' آپ نے وہ آیت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجی کہ بطور نمونہ اس سے عربی زبان میں احکام قرآن مستنبط کر کے بھیجیں۔ اس زمانہ میں چونکہ میں (حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ) حضرت (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کے خط املاء کروا کے روانہ کرتا تھا' جب حضرت نے یہ خطوط ان حضرات کو بھیجے تو مجھ سے بھی فرمایا کہ: مولوی جمیل تم بھی اس پر لکھو' چنانچہ میں نے حسب الحکم اس پر کچھ لکھا' ادھر ان حضرات کی طرف سے بھی جوابات آئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ سب تحریریں ملاحظہ فرمائیں اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی سابقہ تحریر بھی ملاحظہ کی اور پھر فرمایا کہ بحمد اللہ سب حضرات یہ کام کر سکتے ہیں' چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی پہلی دو منزلیں حسب سابق مولانا ظفر احمد صاحب کے پاس رہنے دیں۔ تیسری چوتھی منزل میرے سپرد کی' پانچویں چھٹی منزل مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی اور ساتویں مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی۔

فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ کام شروع ہو گیا مگر ابتدائی مرحلہ میں تھا کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اپنے حصہ کی ایک جلد تحریر کی تھی کہ آنکھ

کی تکلیف شروع ہو گئی چنانچہ کام روکنا پڑا۔ تحریر شدہ جلد شروع میں میرے پاس رکھی رہی مگر جب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اور دیگر حضرات کے اجزاء طبع ہونے شروع ہوئے تو میں نے بھی اپنا تحریر شدہ حصہ ان حضرات کو روانہ کیا تاکہ وہ اسے ملاحظہ فرمالیں۔ لیکن ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ میرے تحریر شدہ مسودہ کا انداز چونکہ باقی حضرات کے تحریر شدہ مسودات سے مختلف ہے اس لیے فی الحال اس کی اشاعت نہ کی جائے۔ (حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسودہ باقی حضرات کے مسودہ سے طویل بھی تھا نیز اس میں فقہی احکام پر اکتفا کرنے کے بجائے دوسرے علوم و نکات بھی مفصل ذکر کیے گئے تھے جو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں کتاب کے اصل موضوع (دلائل القرآن فی مسائل النعمان" سے باہر کی چیز تھی) اس طرح اس مسودہ کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ حضرت نے آخری زمانہ میں اپنا مسودہ حاصل کر کے اس کی تبییض اور تکمیل کا کام شروع فرمایا۔ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے مہتمم اور آپ کے بڑے صاحبزادے اور جلیل القدر عالم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہم نے اس مقصد کے لیے دارالعلوم میں آپ کے معاونین کا تقرر فرمایا اور کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد بحمد اللہ احکام القرآن کی یہ تیسری اور چوتھی منزل حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مکمل کر لی۔ جواب زیر اشاعت ہے۔

پاکستان بننے کے بعد حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اہلیہ اور اہلیہ کی حقیقی والدہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ کے ہمراہ پاکستان تشریف لے آئے' جہاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیرانی صاحبہ کے خصوصی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں وہ کوٹھی الاٹ کروا کے دی جو حکام بالا نے حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کو دی تھی اور جو ان کے نام الاٹ ہونے والی تھی۔ اس طرح حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کے کمال عشق میں ان کی اہلیہ محترمہ کے لیے ایک وسیع رہائش گاہ کا انتظام فرمایا اور حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بحیثیت استاذ اور مفتی جامعہ اشرفیہ

میں تقرر فرمایا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور اس وقت چار بڑے اکابر کا مرکز تھا' حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ صاحب حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان چاروں اکابر کی محنت اخلاص فنائیت وسعت علم اور تقویٰ کی بدولت جامعہ اشرفیہ پورے پاکستان میں جلد ہی علم دین کا اہم ترین مرکز بن گیا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شروع سے عربی اردو ادب کا خاص ذوق تھا۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی ان کے دیوان متنبی' حماسہ وغیرہ کے درس کا شہرہ تھا جامعہ اشرفیہ لاہور میں بھی وہ شہرت برقرار رہی اور اس کے ساتھ فقہ تفسیر اور حدیث کی بڑی کتابوں کی تدریس رہی جس سے بلا مبالغہ سینکڑوں طالب علموں نے استفادہ کیا۔ تدریس کے آخری دور میں ابوداؤد شریف اور بیضاوی کا درس کافی عرصہ حضرت کے پاس رہا (جس کے ساتھ دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری بھی حضرت ہی کے سپرد تھی) اس زمانہ میں اگر کوئی آپ سے پوچھتا کہ حضرت کیا پڑھاتے ہیں تو فرماتے الف۔ ب (یعنی الف سے ابوداؤد اور ب سے بیضاوی)

اس کے بعد آخر میں صرف ابوداؤد شریف حضرت کے پاس رہ گئی اور بحمد اللہ ۱۳۸۹ھ احقر کو بھی حضرت سے ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر ۱۳۹۱ھ میں دل کی تکلیف اور دوسرے عوارض کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ جو تقریباً ۴۸ سال تک قائم رہا موقوف ہو کر صرف دارالافتاء کا مشغلہ رہ گیا جو آخری سانس تک جاری رہا۔

انداز تدریس:

حضرت کا انداز تدریس مظاہر اعلوم سہارنپور کے رنگ پر تھا۔ طویل بحثیں یا محققانہ کلام کے بجائے حل کتاب پر زور ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعہ الجھے ہوئے مسائل حل فرماتے' اور سوال کی تشریح کے بجائے حدیث کی تشریح اس انداز سے

فرماتے کہ سوال ہی پیدا نہ ہو۔ اسی لیے حضرت کے درس سے صحیح استفادہ کرنے اور اس کا لطف اٹھانے کے لیے ضروری ہوتا کہ آدمی ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھے حضرت کے کلمات کو غور سے سنے تاکہ اندازہ ہو کہ کس جملہ سے کس تحقیق کی طرف اشارہ ہے اور کس جملہ سے کون سا سوال دور ہوا ہے؟

حضرت کے اسی انداز تدریس کی بناء پر ان کے درس میں کتاب کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز ہوتی تھی۔ حضرت بالعموم کتاب کے صفحات کو پورے سال کے درسی ایام پر تقسیم فرما کر ہر روز کی مقدار متعین کر دیتے اور کوشش کرتے کہ وہ مقدار روزانہ لازماً پوری ہو جائے۔ اسی لیے حضرت کے درس میں ہر طالب علم کے لیے عبارت پڑھنا ممکن نہ ہوتا کیونکہ حضرت کے یہاں جلالین اور ابوداؤد جیسی کتب کے روزانہ کئی کئی صفحات پڑھے جاتے اور بالعموم کتاب سال سے پہلے ہی ختم ہو جاتی تھی۔

تحریری خدمات:

حضرت مفتی صاحب شروع میں فتویٰ کے آدمی نہ تھے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں طویل عرصہ تک حضرت تدریس ہی سے وابستہ رہے۔ مگر تحریر کا خاص ذوق وشوق تھا اسی لیے ۱۳۶۰ھ میں رسالہ ''المظاہر'' اور ۱۳۶۸ھ میں رسالہ ''دیندار'' کا اجراء فرمایا جس کے طابع ناشر تاجر سب خود ہی تھے ان رسالوں کے لیے طویل طویل مضامین اور نظمیں حضرت خود تحریر کرتے جن کے ذریعہ مختلف جہات سے دین کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاتا۔ تحریر میں حضرت کا ایک خاص رنگ تھا اور کسی بھی موضوع پر دلائل کا انبار لگا دینا حضرت کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ حضرت بالعموم تحریر شروع کرتے وقت ہی طے فرما لیتے کہ مجھے اس میں اتنے مثلاً بیس یا تیس یا چالیس دلائل ضرور دینے ہیں (اور عام طور سے دلائل کی تعداد چالیس سے کم نہ ہوتی) اور پھر حضرت مختلف جہات سے دلائل کی وہ مقدار پوری بھی فرما دیتے تھے۔

لہٰذا حضرت کی تحریر میں عام اور سامنے کے موضوعات پر بھی دلائل کی خوب کثرت ہوتی تھی۔ جن میں نقلی دلائل بھی ہوتے اور عقلی بھی' آیات بھی ہوتیں اور

احادیث بھی، اور ان میں قارئین کے لیے بالعموم اور بعد میں آنے والوں کے لیے بالخصوص علم وحکمت کا بڑا سامان ہوتا۔

پاکستان آنے کے بعد بھی مضامین کا یہ سلسلہ مسلسل ہی جاری رہا۔ خدام الدین، صوت الاسلام، پیام اسلام، ترجمان اسلام وغیرہ رسائل میں حضرت کے بیسیوں مضامین مختلف موضوعات پر طبع ہوئے مگر افسوس کہ وہ مضامین طبع ہو کر منتشر ہو گئے۔ حضرت نے تو کمال تواضع اور فنائیت کے پیش نظر اس کی نقل رکھنی بھی گوارا نہ کی، ادھر اس زمانہ میں فوٹو اسٹیٹ کا بھی رواج نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سب مضامین حضرت مفتی صاحب کے لیے ذخیرہ آخرت بن گئے مگر آنے والوں کے لیے اب ان مضامین کا حصول ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ (وفق اللّٰہ تعالیٰ لہ من یشاء)

افتاء کے کام کی ابتداء:

۱۳۶۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کا آغاز ہوا تو ان کی ایماء پر حضرت مفتی صاحبؒ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب کی اہلیہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ کی صاحبزادی اور مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ربیبہ تھیں اس لیے حضرت مفتی صاحبؒ کی حیثیت داماد کی بھی تھی اور صاحبزادہ کی بھی۔ اور اس عرصہ میں حضرت مفتی صاحبؒ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت گزار اور خلوت اور جلوت میں ان کے دست و بازو رہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نام آنے والے خطوط کے جوابات حضرت مفتی صاحب کو املاء کرتے نیز بہت سے فقہی مسائل کے جوابات مفتی صاحبؒ سے تحریر کرواتے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ثانی کے بعد روانہ کیے جاتے تھے۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس خدمت اور صحبت نے مفتی صاحب کو دو آتشہ کر دیا۔

تدریسی اور تحریری صلاحیت کے ساتھ اب فقہ اور تصوف کی صلاحیتیں بھی اجاگر ہونی شروع ہوئیں۔ ۱۳۶۲ھ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ جس کے بعد تحریک

پاکستان میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ کی علمی اور تحریری شرکت رہی۔ پاکستان بنا تو ۱۳۷۰ھ میں حضرت مفتی صاحبؒ پاکستان تشریف لائے۔ پھر تادم زیست ۴۵ سال تک جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء میں مسلسل اور انتھک طور پر فتویٰ کی خدمت انجام دی جو بلاشبہ جامعہ اشرفیہ کے لیے باعث برکت وشہرت بنی اور سینکڑوں نہیں' ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد نے کسب فیض کیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ بہت متواضع غریب المزاج ہونے کے ساتھ انتہائی درجہ کے خوددار تھے' ہمیشہ غرباء فقراء کی طرح زندگی گزاری لیکن خودداری اور استغناء کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی شخص کی طرف سے ذراسی لاپرواہی اور بے اعتنائی دیکھتے تو اس کے ساتھ دگنی استغناء کا معاملہ کرتے۔ اسی تواضع اور خودداری بلکہ ان دونوں باتوں سے بھی بڑھ کر فنائیت کاملہ اور ثواب عند اللہ کے گہرے جذبات کے تحت انہوں نے اس بات کی بھی کوشش نہیں کی کہ ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ریکارڈ قائم کیا جائے اور وہ محفوظ ہوتے چلے جائیں' اسے مفتی صاحبؒ کی تواضع کہیں یا ارباب مدرسہ کا استغناء کہ جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کا مطلقاً کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ اور اب جو لوگ مفتی صاحب کے فتاویٰ کو جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مختلف ذرائع سے ان فتاویٰ کو متفرق اشخاص اور مختلف رسائل سے حاصل کریں۔ البتہ حضرت مفتی صاحبؒ نے کچھ عرصہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں افتاء کی خدمت انجام دی تو اس زمانہ کے فتاویٰ ایک رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

اندازفتویٰ:

حضرت مفتی صاحبؒ عام مسائل کا جواب مختصر عطا فرماتے جس سے سائل کو مسئلہ معلوم ہو جائے' دلائل اور حوالوں کی فکر نہ فرماتے' لیکن جن مسائل میں سوال کرنے والے کو تحقیق ہی مطلوب ہوتی یا حضرت مفتی صاحبؒ اس میں تفصیل مناسب سمجھتے تو پھر وہ فتویٰ خوب شرح وبسط کے ساتھ لکھتے جن میں بالعموم دلائل سات' دس' بیس' چالیس کی تعداد میں ہوتے تھے۔ ان دلائل میں نقلی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل ہوتے۔ شرعی دلائل

کو عقلی حکمتوں اور مصالح سے ثابت کرنے کا مفتی صاحبؒ کو خاص ملکہ تھا اور فتویٰ کے اندر اس معاملہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا چنانچہ ان کے مبسوط فتاویٰ عقلی حکمتوں اور مصالح سے بھرپور ہوتے تھے۔

فتویٰ میں احتیاط:

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ لکھنے اور مسئلہ بتانے میں غیر معمولی احتیاط فرماتے احقر سے بار بار فرمایا کہ میں مقلد ہوں اور سلف صالحین کی تحقیق کا پابند ہوں۔ یہ بھی فرماتے کہ ہم مفتی نہیں ہیں ہم ناقل فتویٰ ہیں۔ اکابر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اسے آگے نقل کردینا اور مستفتی کو اس سے آگاہ کردینا ہمارا کام ہے اور بس۔

اسی کمال احتیاط کی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ فقہی کتب کی عبارات سے سر موانحراف نہ فرماتے' نابالغہ کے نکاح میں سوء خیار کا مسئلہ درپیش ہوا تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شامی کی عبارت سے ہٹنا پسند نہ فرمایا حالانکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور اصول نہیں بلکہ جزئیہ تحریر فرمایا تھا لیکن حضرت مفتی صاحبؒ کا خیال تھا کہ شامی کے اس جزئیہ کی مخالفت بھی کم از کم میرے لیے درست نہیں۔

اکابر کے عمل پر نظر:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بار بار اس کی بھی تاکید فرماتے کہ کتابوں کے ساتھ اپنے اکابر علماء اور فقہاء کے عمل پر لازماً نظر رہنی چاہیے' حضرت مفتی صاحب پورے جزم' مکمل اعتماد اور بھرپور یقین کے ساتھ یہ بات ارشاد فرماتے کہ ہمارے اکابر کا عمل ہمیشہ راجح پر رہا ہے اگر اکابر کا عمل بظاہر عام کتابوں میں ذکر کردہ مسئلہ پر نظر نہیں آرہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتابوں میں ذکر کردہ مسئلہ مرجوح ہے۔

اسی لیے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان مفتیان کرام کی تحقیق پر اعتماد نہ فرماتے جن کا مبلغ علم صرف کتب ہوتیں اور جو اپنی تحقیقات کے سامنے اکابر کا تعامل باآسانی رد کردیتے ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے اسی طرز فکر کی بناء پر اپنے سے کم عمر ایک معاصر صاحب فتویٰ کے فتاویٰ کی جلدوں پر صاف لکھ رکھا تھا کہ عبارات کے معاملہ میں ان صاحب کے

حوالہ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی تحقیق پر فتویٰ دینا درست نہیں۔ مفتی صاحب ان صاحب فتویٰ کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ فلاں صاحب کی فقہ کی کتابوں پر خوب نظر ہے مگر ان کا فتویٰ (جو اکابر کے خلاف ہو وہ) قابل اعتماد نہیں۔ (او کما قال)

فتویٰ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد:

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام فرماتے۔ کئی بار احقر سے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ فتویٰ کے ہائیکورٹ تھے۔ ادھر ادھر سے جو مسئلہ لکھا جاتا آخر فیصلہ حضرت مفتی صاحب کے یہاں ہوتا تھا۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ذاتی مسائل اور ذاتی معاملات میں بھی اپنے آپ سے فتویٰ لینے کے بجائے اس قسم کے معاملات میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھتے اور جو جواب آتا اس پر عمل فرماتے (یہ حضرت مفتی صاحب کی بے نفسی دین میں احتیاط اور اپنے اکابر پر اعتماد کی ایک ادنیٰ مثال ہے)

جب حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو پورے ملک بلکہ پورے عالم اسلام میں اس سانحہ کو محسوس کیا گیا لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حادثہ کی خاص تکلیف محسوس کی۔ ان دنوں میں احقر کی موجودگی میں ایک صاحب نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ کے سامنے اپنے تاثرات کا ذکر کیا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر تو سنتے رہے پھر ایک خاص کیفیت میں فرمایا:

> ''تمہارا کیا نقصان ہوا؟ تمہیں کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو ہم سے معلوم کر لینا نقصان تو ہمارا ہوا ہے ہمیں اب مسئلہ معلوم کرنا ہوگا تو کس سے معلوم کریں گے؟''۔

صدر ایوب خان مرحوم کے زمانہ میں ایک مرتبہ رویت ہلال کا مسئلہ درپیش آیا آخر شب میں حکومت نے چاند کا اعلان کر دیا۔ شہادتیں ناکافی تھیں۔ فجر کی نماز کے بعد احقر اپنے والد ماجد مولانا زکی کیفی مرحومؒ کے ہمراہ جامعہ اشرفیہ حاضر ہوا۔ تو مدرسہ کے

دفتر میں جو اس وقت مسجد کے حوض کی بالائی سطح پر تھا علماء جمع تھے' حضرت مولانا عبیداللہ مدظلہم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ تھانوی تشریف رکھتے تھے' لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ باہر سے ٹیلی فون کی بھر مار تھی۔ لوگ مہتمم صاحب سے مسئلہ پوچھتے تو مہتمم صاحب حضرت مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر دیتے۔ حضرت مولانا ادریس صاحبؒ فرماتے کہ بھائی یہ تو شرعی مسئلہ ہے اس میں تو مفتی صاحب کی بات چلے گی اور پھر مفتی جمیل احمدؒ صاحب کی طرف اشارہ فرما دیتے۔ مفتی صاحب فرماتے کہ حکومت جانے اور اس کا مسئلہ۔ میں بہر حال روزہ سے ہوں (یعنی آج عید نہیں ہے) اسی دوران کراچی میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ سے بات ہوئی اور پھر بالاخر مسئلہ کا صاف اعلان کر دیا گیا۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اتنی محبت وعقیدت کے باوجود حضرت مفتی صاحب کو بعض مسائل میں اختلاف بھی رہا اور چند مسائل میں حضرت مفتی صاحبؒ کا فتویٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے موافق نہ تھا ان میں نابالغہ کے نکاح میں سوء خیار اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نماز کا عدم جواز جیسے مسائل شامل تھے۔

بعض اہم مسائل میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا حضرت مفتی صاحبؒ فتویٰ کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے وہ اکابر علماء کے فتاویٰ تو درکنار ان کے عمل کے خلاف موقف اختیار کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ اسی بناء پر معاصر علماء کے بعض فتاویٰ کے بارے میں ان کا خیال یہ تھا کہ ان حضرات سے سابق اکابر کی تصریحات زیادہ قابل اعتناء اور قابل اعتماد ہیں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت نے احقر کو چند مسائل لکھوائے جن پر مفتی صاحبؒ کی رائے دیگر معاصر مفتیان کرام سے مختلف تھی اور فرمایا کہ ان مسائل پر تحقیق کی ضرورت ہے ان میں نابالغہ کے نکاح میں سوء خیار اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے عدم جواز کے دو مسائل کے علاوہ چند مسائل اور بھی تھے۔

۳۔ کیا وطن اقامت ثقل سے باقی رہتا ہے؟ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تھی کہ محض

ثقل کے باقی رہنے سے وطن اقامت باقی نہیں رہتا مفتی صاحب فرماتے تھے کہ سلف اسی پر فتویٰ دیتے چلے آئے ہیں۔

۴۔ یہ بات عام طور سے لوگوں میں مشہور ہے کہ جیل میں جمعہ جائز نہیں جب کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا فتویٰ جواز کا تھا اور وہ اس پر مدلل تحریر کے خواہش مند تھے۔

۵۔ مفتی صاحب کو کسی نے یہ اطلاع پہنچائی کہ ایک معاصر نے ٹی وی کو ''نجس العین'' کہا ہے مفتی صاحب اس ''فتویٰ'' سے سخت نالاں تھے۔ خود ٹی وی کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص ممتاز موقف تھا جو انشاء اللہ احقر آگے ذکر کرے گا۔

۶۔ معاصر علماء کی طرف سے بنک کی ہر قسم کی ملازمت کے عدم جواز کے فتویٰ سے بھی مفتی صاحب کو اتفاق نہ تھا۔ اس موضوع پر ان کا موقف بھی چھپ چکا ہے جسے انشاء اللہ احقر آگے نقل کرے گا۔

۷۔ تین تسبیح کے بقدر سوچتے رہنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے مگر تین تسبیح سے کیا مراد ہے؟ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس میں مزید تحقیق کے خواہاں تھے [1]

ٹی وی سے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

ٹی وی پر پروگرام فی الوقت جن کبیرہ گناہوں اور فواحش و منکرات پر مشتمل ہیں ان کے پیش نظر گھر میں ٹی وی رکھنا ممکن نہیں اور نہ ان پروگراموں کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں- لیکن ٹی وی کے حرام استعمال سے قطع نظر اگر ٹی وی کو صرف جائز کاموں میں استعمال کیا جائے تو بطور آلہ اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

اس علمی مسئلہ پر اکابر علماء نے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے- حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس بارے میں ایک موقف تھا- چنانچہ ۱۴۰۹ھ میں جب کہ احقر جامعہ اشرفیہ لاہور ہی میں خدمت انجام دے رہا تھا ایک صاحب نے ٹی وی سے

---

[1] بحمد اللہ اس مسئلہ پر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی مدلل تحریر شائع ہوگئی ہے-۱۲

متعلق ایک استفتاء بھیجا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب لکھا جس کی نقل احقر نے اپنے پاس تحریر کر لی تھی جو یہ ہے:

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ٹی وی دیکھنا یا گھر میں رکھنا کس حد تک جائز ہے آیا صرف خبریں سننے اور علماء کی تقاریر سننے کے لیے یا کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے اور ان جیسے جائز مقاصد کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ نیز علماء کا ٹی وی پر آنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ سب صورتیں ناجائز ہیں تو آیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جس کا اہتمام کیا جائے اور ٹی وی کا دیکھنا جائز ہو جائے۔ جو علماء ٹی وی کے جواز کا فتوی دیتے ہیں ان پر فاسق کا حکم لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب مبسملا ومحمدلا ومصلیا ومسلما:

بعض آلات تو آلات لہو ولعب ہیں صرف اسی لیے وضع کیے گئے ہیں اس کے سوا کوئی نیک کام ان سے نہیں ہوسکتا یا نہیں ہوتا' ان کا استعمال ہر طرح گناہ اس لیے ان کا رکھنا خرید و فروخت کرنا ان کی مرمت کرنا سب گناہ ہیں جیسے ہارمونیم طبلہ سارنگی ستار اور باجے سب بلکہ ان پر خیر کی توہین ہے۔

اور بعض آلات وہ ہیں جو صرف ایک بات کو دوسرے تک پہنچانے والے ہیں خواہ یہ بات خیر ہو یا شر تو ان کے خیر میں استعمالات جائز اور شر میں گناہ ہیں خیر کے لیے بھی ہو سکنے کی وجہ سے ان کا خریدنا فروخت کرنا مرمت کرنا اور اس انتظام سے کہ شر میں استعمال نہ ہو گھر میں رکھنا بھی جائز ہے۔ ان پر تقریروں اور تلاوتوں اور خبروں جائز باتوں کا سننا سب جائز ہے جب تک وہ ناجائز امور میں استعمال نہ ہوں یہ استعمالات درست ہیں ناجائز میں استعمال ہونے پر ناجائز ہوگا گناہ ہوگا۔ بہت سے علماء تفصیل نہیں کرتے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

سنا ہے بعض ٹی وی والے فلم بناتے ہیں تو تصویر کے مجرم وہ ہیں نہ کہ مقرر جب کہ یہ نہ کہے۔ از دارالافتاء جامعہ اشرفیہ۔ لاہور ۹/رجب ۱۴۰۹ھ

اس مسئلہ سے متعلق زبانی گفتگو:

اس فتویٰ کی نقل حاصل کرنے کے بعد احقر نے زبانی کچھ باتیں پوچھیں اس کا جواب حضرت نے ارشاد فرمایا اسے احقر نے اسی وقت ضبط کر لیا تھا وہ گفتگو درج ذیل ہے:

احقر نے زبانی یہ مسئلہ دوبارہ پوچھا تو فرمایا: جو چیز ٹی وی سے باہر دیکھنا ناجائز وہ یہاں بھی ناجائز اور جو باہر جائز وہ یہاں بھی مثلاً مرد کا مرد کو دیکھنا جائز مرد کا نامحرم عورت کو دیکھنا ناجائز کشف عورت وغیرہ ناجائز۔

احقر نے عرض کیا کہ حضرت ٹی وی میں تو فلم بنائی جاتی ہے۔ جس میں تصویر ہے اس کا دیکھنا کیسے جائز ہے؟ فرمایا یہی غلط مشہور ہے کہ تصویر دیکھنا ناجائز ہے ارے بھائی تصویر بنانا ناجائز ہے' تصویر رکھنا ناجائز ہے مگر اس کا دیکھنا ناجائز نہیں' فرمایا دیکھو کتا حرام' بلاضرورت اسے رکھنا حرام مگر دیکھنا تو حرام نہیں مزید یہ کہ تصویر والی حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا تھا ''پاؤں کے نیچے بچھالیں'' تو جب رکوع میں جائے گا تو نظر پڑے گی معلوم ہوا دیکھنا جائز ہے۔

فقہاء نے یہ مسئلہ اور اس جیسے دوسرے مسائل لکھے ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہے۔

اور ''تصویر کے شرعی احکام'' میں مالکیہ کی کتاب ''و یحرم النظر الیہ اذ النظر الی المحرم'' حرام سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ واضح نہیں۔ بظاہر اس عبارت میں المحرم سے محرم الکشف[1] مراد ہے۔ ورنہ تو گدھے بلی کتا وغیرہ سب کو دیکھنا حرام ہوگا کیونکہ وہ بھی محرم ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تصویر کی طرف دیکھنا من حیث التصویر ناجائز نہیں ہاں دوسری وجوہات کی بناء پر ناجائز کہا جا سکتا ہے۔

---

[1] حضرت مفتی صاحب کی بات بڑی موجہ ہے مگر مالکیہ کی اصل محولہ عبارت سے اس کی تائید مشکل معلوم ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احقر نے علماء کے ٹی وی پر آنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا جب ٹی وی کا استعمال خیر میں جائز ہوا تو علماء کا آنا بھی جائز- جو پروگرام براہ راست ہوں وہ تو ایسے ہیں جیسے عکس دیکھنا کہ اس میں عدم جواز کیا؟

احقر نے عرض کیا کہ اب تو ہر پروگرام کی فلم بنائی جاتی ہے فرمایا اگر یہ شخص اپنے اختیار سے فلم بناتا ہے یا اسے کہتا ہے تو گنہگار ہے اور اگر اس نے نہیں کہا اور انہوں نے خود فلم بنالی تو چونکہ واسطہ ذی اختیار ہے اس لیے گناہ اس کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ اس مقرر کی طرف...... پھر فرمایا باقی جس جگہ تصویریں بنائی جارہی ہوں وہاں نہ جانا ہی افضل ہے-

احقر نے آخر میں استطراداً عرض کیا کہ حضرت اگر ٹی وی والے آپ کو بلائیں تو آپ تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا میں کیوں جاؤں گا؟ (یعنی نہیں جاؤں گا مجھے جانے کی کیا ضرورت؟)

بنک کی ملازمت سے متعلق مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

بنک کی ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں بھی بنک کی ملازمت کے علی الاطلاق ناجائز ہونے کے قائل نہ تھے بلکہ اس مسئلہ میں تفصیل کرتے تھے- چنانچہ ایک صاحب کے اس سوال پر کہ بنک میں ملازمت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ حضرت نے درج ذیل فتویٰ تحریر فرمایا جو ماہنامہ الحسن شمارہ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ میں طبع بھی ہوا یہ فتویٰ آگے نقل کیا جاتا ہے نمبر' قوسین' اور حاشیہ کی عبارت احقر نے اضافہ کی ہے-

الجواب:

۱- عالمگیری اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے- اور سب جانتے ہیں کہ جس کی کل آمدنی حرام ہو تو اس سے ہر معاملہ حرام ہے اس کے ہاتھ کچھ فروخت کرنا کرایہ پر دینا' فیس لینا' تحفہ ہدیہ لینا دعوت لینا سب بالکل حرام ہیں اور جس کی کل یا اکثر آمدنی حلال ہے اس سے یہ سب معاملے حلال ہیں' اور مخلوط آمدنی میں اگر حرام زیادہ ہو تو

یہ سب معاملات مکروہ تحریمی ہیں اور حلال زیادہ ہو تو حلال ہیں۔[1]

۲- دوسری بات یہ غور طلب ہے کہ جو کام حرام ہے اس کی تنخواہ بھی حرام ہے جو (کام) مکروہ تحریمی اس کی تنخواہ بھی مکروہ تحریمی- جو کام حلال اس کی تنخواہ بھی حلال ہے- ان دونوں قاعدوں کو مدنظر رکھ کر دیکھنا ہے کہ بنک میں کیا کیا ہوتا ہے؟ کیا حرام؟ کیا مکروہ تحریمی؟ اور کیا (کام) حلال و جائز ہے؟-

پہلے قاعدہ سے چونکہ بنک کے خزانہ میں جو رقم ہے اس میں سود بھی ہے کرایہ بھی ہے، بلٹی چھڑانے کی فیس بھی ہے، کوئی تجارتی شعبہ ہو تو اس کی رقم بھی ہے اور سب سے زائد وہ رقم ہے جو لوگ بنک میں رکھتے ہیں کیونکہ وہ قرض دی ہوئی ہے اسی سے رد و بدل ہوتی ہے-[2] تو ان سب آمدنیوں میں صرف سود یا بیع فاسد کی رقم تو حرام، باقی رقمیں جائز ہیں، حلال ہیں- اس لیے تنخواہ یوں تو (فی نفسہ) حلال ہی ہوگی اگر کام حرام نہ ہو- تو ان کی (یعنی بنک کے) جمعدار چوکیدار، چپڑاسی، جلد ساز وغیرہ کی (تنخواہ) حلال ہے-

دوسرے قاعدہ کی بناء پر حلال رقم سے تنخواہ اس وقت حلال ہوسکتی ہے جب حلال کام کی ہو اگر حرام کام ہوگا تو اس کام کی بقدر اس کی تنخواہ حرام ہوگی باقی جائز کاموں

---

[1] اس چوتھی صورت میں جب کہ کسی شخص کا اکثر مال حلال ہو اور اقل حرام ہو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زبانی طور پر کئی مرتبہ یہ سننا یاد ہے کہ ایسی صورت میں جملہ معاملات حلال ہیں مگر خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہیں -۱۲محمود عفی عنہ

[2] حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ بنک اکاؤنٹس میں جو رقوم جمع کراتے ہیں وہ اگرچہ لوگوں کے نام پر جمع ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ رقوم بنکوں کے ذمہ قرض ہوتی ہیں اور فقہی قاعدہ کے مطابق یہ رقوم بنک کی اپنی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں- اسی لیے بنک ان رقوم میں تصرف کرتا ہے اور ان رقوم کو علیحدہ محفوظ رکھنے کے بجائے ان میں رد و بدل کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لیے آزادانہ استعمال کرتا ہے-محمود غفر اللہ لہ ۱۲

کی تنخواہ جائز- لہٰذا جس کو سود لینا دینا' لکھنا' پڑھنا' سود کی دلالی کرنا اور سود کی جانچ پڑتال کرنا پڑتا ہے اس کی تنخواہ اس کام کے بقدر حرام (ہوگی) اور (اگر دوسرے) حلال (کام) بھی ہوں تو ان کی (تنخواہ) حلال ہوگی- (اب) اگر اس کا حلال زائد (زیادہ) ہے تو اس کی آمدنی حلال زائد (زیادہ) ہوئی اس کے ساتھ پہلے قاعدہ والے (یعنی پہلے قاعدہ کے مطابق) معاملات جائز ہوں گے اور اگر حرام کام زائد ہے پھر اس کے ساتھ پہلے قاعدہ (ہی) کے (مطابق) معاملات مکروہ تحریمی ہوں گے-

اندازِ تحریر:

حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریری اور زبانی عبارت بالعموم مختصر اور حشو و زوائد سے خالی ہوتی تھی بلکہ بعض مرتبہ اختصار کی بناء پر مخاطب کے لیے بات سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا- انتقال سے کافی عرصہ قبل آنکھ بنوانی پڑی اور اس کے بعد بینائی کا موٹا چشمہ لگانا پڑا اس کی وجہ سے مفتی صاحب کو اپنی تحریر شدہ عبارت موٹی نظر آتی مگر وہ باریک ہوتی تھی- کچھ تو حضرت مفتی صاحبؒ کی عبارت مختصر' نیز شروع سے مفتی صاحبؒ طبعی طور پر باریک خط میں تحریر کرتے تھے جب کہ الفاظ قریب قریب ہوتے- بعد میں آنکھ بنوانے کی وجہ سے خط اور زیادہ خفی ہوگیا علاوہ ازیں ضعف کی وجہ سے نقطے اور شوشے بکثرت رہ جاتے تھے اس لیے مفتی صاحب کی تحریر کردہ عبارت پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا- احقر ایک مرتبہ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاہور سے کراچی لے کر حاضر ہوا- حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ارے بھائی میں یہ تحریر کیسے پڑھوں؟

آخر حیات میں حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے برادرِ عزیز مسعود اشرف سلمہٗ کو "اصلی نماز" کے نام سے ایک تحریر لکھ کر دی اور تاکید فرمائی کہ اسے جیبی سائز میں چھاپ دو اس کے اتنے (غالباً دو یا تین ہزار) نسخے میں خود خرید کر تقسیم کروں گا- مسعود میاں سلمہٗ نے پڑھنے کی کوشش کی مگر نہ پڑھی گئی کاتب نے کوشش کی مگر اس کے قابو

میں بھی نہ آئی- نتیجہ یہ کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ تحریر ان کی خواہش اور اصرار کے باوجود طبع نہ ہو سکی انتقال کے بعد احقر نے کوشش کی اور اسے صاف کاغذ پر منتقل کیا جہاں احقر کو بھی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو قریب ترین الفاظ سے اس تحریر کو مکمل کیا- یہ رسالہ بحمد اللہ زیر طبع ہے- اللہ تعالیٰ اسے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور احقر کے لیے صدقہ جاریہ بنا دے- آمین

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں مسلسل تحریری کام کیا- وہ تقریر کے نہیں تحریر کے آدمی تھے' ان گنت فتاویٰ ان کے قلم سے جاری ہوئے' بے شمار مضامین اور عربی اردو فارسی نظمیں انہوں نے لکھیں جو معروف دینی رسائل میں طبع ہوئیں اور جیسا کہ شروع میں تحریر کیا گیا ''المظاہر'' ''دیندار'' تو خود ان کے اپنے جاری کردہ رسائل تھے جو ان کے اپنے مضامین سے پر ہوتے تھے- اس کے علاوہ پاکستان میں خدام الدین- ترجمان اسلام' صوت الاسلام' پیام مشرق' البلاغ اور متعدد دینی رسائل میں ان کے علمی مضامین چھپتے رہے مگر جب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کے پاس نہ اپنے مضامین کے اصل مسودات تھے اور نہ مطبوعہ رسائل- سلف کی سی عبدیت وفنائیت' اپنے کمال تواضع' اور بے نفسی کی وجہ سے انہوں نے ان مضامین کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی- انہوں نے جو لکھا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لکھا' اور پھر اللہ ہی کے سپرد کر دیا-

ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطی.

احقر نے ان کی خواہش پر ان کی زیر نگرانی سلمان رشدی کے فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں توہین رسالت اور اس کی سزا پر ستر-اسی ۸۰ صفحات کا ایک مضمون مرتب کیا تھا جس کی عبارات احقر نے جمع کی تھیں ان کا ترجمہ بھی احقر نے کیا اور باقی مضمون حضرت مفتی صاحب کا تھا- احقر کی حیثیت ناقل کی تھی اصل فتویٰ حضرت کا تھا- یہ مضمون ماہنامہ ''الحسن'' کی ایک اشاعت میں طبع ہوا تھا- حضرت کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل احقر نے

چاہا کہ کم از کم حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ ایک مضمون میں کتابی شکل میں طبع ہو جائے چنانچہ احقر نے اسے ترتیب دے کر توہین رسالت اور اس کی سزا کے نام سے طبع کرنے دیا۔ مگر قدرت کا کرشمہ کہ یہ کتاب بھی حضرت کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد ہی طبع ہو کر آئی۔ احقر کو ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی زندگی میں اس دنیائے دنی سے کوئی جزانہ لینے کا تہیہ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کے سب کاموں کا پورا پورا اجر آخرت کے لیے ذخیرہ فرما دیا۔

جزاہ اللہ تعالیٰ من عندہ خیر الجزاء بما ھو اھلہ.

حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کے بعد ان کے سب سے بڑے صاحبزادہ استاذ محترم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہم اور سب سے چھوٹے صاحبزادہ عزیزم مولانا خلیل احمد تھانوی سلمہم اللہ نے حضرت کے ماثر کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور جناب خلیل میاں بہت تندہی سے یہ کام کر رہے ہیں۔

امید ہے کہ انشاء اللہ حضرت کے یہ ماثر و معارف جمع ہو کر سامنے آئیں گے تو امت کے لیے بہت نفع کی چیز ہوگی۔ خلیل میاں کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ وہ مفتی صاحبؒ کے آخری سالوں میں ان کے دست و بازو بنے رہے بلکہ بلا مبالغہ انہوں نے مکمل ادب، پوری سعادت مندی، اور حکمت و دانائی سے اپنے والد کی ایسی خدمت کی ہے جس کی مثال کم از کم احقر کے سامنے نہیں۔ امید ہے کہ اپنے والد کی یہ محبت بھری جسمانی خدمت انشاء اللہ اب ان کے لیے روحانی اور علمی خدمت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

مسکنت اور بے نفسی:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احقر کو محض اپنے فضل و کرم خاص سے اولیاء اللہ اور اپنے وقت کے اکابر علماء کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نوازا اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تو بہت حاضری رہی بلکہ حاضر باش رہا۔ احقر

نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں بے نفسی مسکنت اور دنیا سے دل سرد ہو جانے کی خاص کیفیت عجیب وغریب محسوس کی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا' والدہ' بہنوں اور چھوٹے بھائی مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم وبانی جامعہ اشرفیہ سکھر) کی کفالت اُنہی کے سر تھی پھر غربت وافلاس کا دور دورہ رہا۔ اس لیے مفتی صاحبؒ نے بڑی مشقت کی زندگی برداشت کی اور بہت تکلیفیں اٹھا کر علم دین کا پرچم تھامے رکھا۔

شادی کے بعد بھی بعض اقرباء ومتعلقین کی طرف سے تکوینی طور پر دل ٹوٹنے کے ایسے واقعات پیش آئے جن سے حضرت مفتی صاحبؒ کی طبیعت پر غیر معمولی اثرات پڑے' پھر جن اداروں سے ان کا تعلق رہا وہاں بھی ان کی ہمت افزائی کم ہوئی بلکہ عدم تعاون کا عمل زیادہ جاری رہا اور اس طرح انہوں نے تقریباً پوری زندگی تنہا گزاری اس تنہائی میں ان کی غمگسار ومونس وہ ذات باری تعالیٰ تھی جس کی پناہ ہر مسکین وغریب کے لیے سرور قلب ونظر ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا مظہر تھے:

اللهم احيني مسكينا و امتني مسكينا و احشرني في زمرة المساكين.

''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھئے' مسکنت کی موت عطا کیجئے اور مساکین کے گروہ میں مجھے اٹھائیے''۔

حضرت مفتی صاحب آخر شب میں تین چار بجے اٹھ بیٹھتے تھے پھر وہ ہوتے اور ان کا پروردگار' بعد میں دن بھر وہ ہوتے اور مسلسل دینی کام۔ مفتی صاحبؒ روزانہ پیدل یا بس کے ذریعہ پہلے گولڈنگ روڈ نزد گنگارام کے گھر سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لاتے' پھر جب ماڈل ٹاؤن تشریف لے گئے تو وہاں سے مسلم ٹاؤن جامعہ اشرفیہ

بس کے ذریعہ تشریف لاتے اور بس کے ذریعہ ہی واپس جاتے- ایک پرانے کپڑے کے بٹوہ میں چند سکے ان کے پاس ہوتے جن کے ذریعہ وہ بس کا کرایہ ادا کرتے- شدید گرمی کے زمانہ میں وہ ساری دوپہر دار الافتاء میں گزارتے- ایسی گرمی میں چند پیسوں کا برف منگوا کر ایک پرانے تھرماس میں وہ برف رکھتے اس تھرماس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر نکالتے- ایک اجلے کٹورہ میں پانی نکال کر اس ٹھنڈے یخ بستہ پانی کو گھونٹ گھونٹ پی کر ختم کرتے- یہ غالباً ان کی سب سے بڑی ''عیاشی'' تھی جس کے وہ عادی تھے- ورنہ چائے یا اور دوسری چیزوں کی انہیں کوئی خاص رغبت نہ تھی- عصر کے بعد بس کے ذریعہ ہی واپس گھر روانہ ہوتے- کبھی کبھار کوئی صاحب اسکوٹر پر حضرت کو ماڈل ٹاؤن لے جاتے تو مشقت کچھ کم ہو جاتی- آخر حیات میں ضعف زیادہ ہو گیا تو جامعہ اشرفیہ کے منتظمین نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لانے اور لیجانے کے لیے مدرسہ کی کار کا بندوبست کر دیا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لاتی اور لے جاتی تھی جس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مشقت ختم ہوئی-

ابتدائی زندگی میں حضرت کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کے برابر تھے بچے بھی زیر تعلیم تھے اس لیے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ تنگ رہا- البتہ بعد میں صاحبزادگان ماشاء اللہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تو وسعت ہوگئی-

آخر حیات میں فرماتے کہ ''مجھے زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ میں شامی کا ایک نسخہ ذاتی طور پر اپنے لیے خریدوں اس کی اس طرح جلد بندی کراؤں کہ ہر صفحے کے بعد ایک صفحہ سفید کاغذ کا لگا ہو- پھر ہر مسئلہ سے متعلق شامیؒ کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہو وہ شامی کے سامنے نقل کر دوں تا کہ اس مسئلہ سے متعلق تمام پہلو ایک جگہ جمع ہو جائیں- مگر افسوس کہ زندگی بھر اتنے پیسے ہی نہ ہوئے کہ اپنی شامی خرید سکوں پھر فرمایا کہ اب بحمد اللہ وسعت ہوگئی ہے مگر صحت ہی ختم ہوگئی ہے[1]

---

[1] حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جتنی کتابیں رہی ہیں وہ کسی دوسرے مصنف کے سامنے نہیں رہیں اس لیے شامی کی تحقیق سب سے زیادہ قابل قبول ہے لہٰذا اگر کچھ کتابیں ان کی نظر سے نہ گزری ہوں یا کوئی تحقیق کسی اور کتاب میں موجود ہو اور وہ شامی کے حاشیہ پر درج کر دی جائے تو مفتیان کرام کے لیے بہت نافع صورت ہو جائے گی-

شگفتگی زندہ دلی اور ہمت:

مسکنت، بے نفسی اور مشقت کی اس زندگی کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دل زندہ تھا، ان کی ہمت بلا کی تھی اور ان کی شگفتہ طبعی اور چٹکلے اپنی مثال آپ تھے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے دار الافتاء میں ایک دن ایک تاجر جن کا حضرت سے محبت کا پرانا تعلق تھا حاضر ہوئے، دروازہ ہی سے اپنی کمزوری اور بیماریوں کی شکایت کرنے لگے کہ حضرت میں بھی کمزور ہو گیا ہوں اب مجھ سے زیادہ نہیں چلا جاتا۔ حضرت نے پوچھا ارے بھائی اب تمہاری عمر کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئی ہے۔ (حضرت مفتی صاحب کی اپنی عمر اس وقت ۸۷ سال تھی) حضرت ان کی بات سن کر سیدھے کھڑے ہو گئے فرمایا تم بڈھے ہو گئے ہو گے مگر میں تو ابھی جوان ہوں ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ ۴۳ اور ۴۴ سال تو کل میری عمر ہے۔ (۴۳+۴۴=۸۷)

ایک مرتبہ احقر حاضر ہوا عرض کیا حضرت طبیعت کیسی ہے کیا حال ہے؟ فرمایا بس اب میں دکاندار نہیں رہا؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت تو پہلے بھی دکاندار نہ تھے۔ فرمایا نہیں! پہلے میں ''دوکان دار'' تھا میرے دونوں کان صحیح کام کرتے تھے آج کل ایک کان بند ہے دوسرا کام کر رہا ہے۔ اس لیے اب میں ''ایک کان دار'' ہو گیا ہوں۔

پھر فرمایا کہ دکاندار کو بھی دوکاندار اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس کے دونوں کان اور دونوں آنکھیں گاہکوں کی بات سننے اور انہیں دیکھنے میں منہمک رہتی ہیں۔ کبھی ایک گاہک کی بات سنتا ہے کبھی دوسرے گاہک کی۔

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کراچی تشریف لائے۔ کراچی جیسے وسیع شہر میں ملنا ملانا مشکل۔ ایک صاحب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوئے، ایک کار کا بندوبست کیا اور مختلف جگہوں میں حضرت مفتی صاحب کو ملایا۔ حضرت مفتی صاحب کی اپنے بھتیجے مولوی راحت علی صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا بھائی آدمی کراچی آئے اور

سب سے ملنا چاہے تو دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک کار اور دوسرا بے کار- (یعنی ایک تو کار ہو اور دوسرا کوئی ایسا شخص ہو جو فارغ ہو اور سب سے ملاقات کرا دے)

حضرت مفتی صاحبؒ کی عام گفتگو میں یہ لفظی اور علمی لطائف بکثرت ہوتے تھے- غالباً حضرت کے صاحبزادہ مولانا خلیل احمد صاحب نے انہیں جمع کرنا بھی شروع کیا ہے-

احقر پر خصوصی شفقت اور احسان:

اس ناچیز پر حضرت والا کی شفقت بحمد اللہ بچپن ہی سے بلا استحقاق رہی- احقر کی عمر دس سال تھی جب حفظ قرآن مکمل ہوا- احقر کے دادا حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر فارسی میں ایک نظم تحریر فرمائی جس کے ابتدائی دو شعر یہ تھے۔

اے کہ نعمت ہائے تو بالاتر از حسبان ما
ہم بتو فریاد ما از تنگی دامان ما
ما بنودی و تقاضا ما نبودہ اے کریم
خود زجود تو وجود ما وہم ایمان ما

اور آخری شعر تھا:

بہر سال حفظ قرانش دعایم یاد دار
عالم قرآن گردد حافظ قرآن ما

۱۳۸۱ھ

اس موقع پر حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اردو میں ایک طویل نظم تحریر فرمائی جو اس شعر سے شروع ہوتی تھی:

خدائے وحدہٗ کا خاص جب احسان ہوتا ہے
تو پتلا خاک کا یوں حافظ قرآن ہوتا ہے

اور درمیان کے چند شعر یہ تھے:

مبارک ہو میاں محمود تم کو اس قدر نعمت
کہ تم پر حق تعالٰی کا بڑا احسان ہوتا ہے
خدا نے آج تو حافظ بنایا تم کو قرآن کا
مگر حافظ وہ ہے جو ماہر قرآن ہوتا ہے
خدا وہ دن کرے تم حافظ و قاری ہو عالم ہو
وہ عالم ہو کہ جس پر سایہ رحمان ہوتا ہے
کرو تم نام روشن خاندان علم و تقویٰ کا
وہ رتبہ پاؤ جو علم و عمل کی جان ہوتا ہے

ردو میں ایک قطعہ تاریخ لکھا جس کا دوسرا شعر یہ تھا:

ہاں ہاں مبارک آپ کو سب اقرباء احباب کو
تاریخ اگر پوچھے کوئی کہہ ''حفظ قرآن ہو گیا''

ایک قطعہ تاریخ فارسی زبان میں تحریر فرمایا جو یہ تھا:

محمود تو حافظ شدی عالم کناد اللہ ہم
تاریخ می پرسند اگر گو حافظ قرآن ام

احقر کی شادی ہوئی تو تاریخ نکالی ''**شغف بھا حبا**''

احقر کو بحمد اللہ حضرت سے جلالین شریف اور ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورہ حدیث کرنے کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی میں اپنے جد مشفق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تخصص فی الافتاء کے عنوان سے رہنے کی سعادت نصیب ہوئی جس کے بعد واپس جا کر جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت استاذ تقرر ہوا تو حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دارالافتاء میں بیٹھنے اور کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ دارالافتاء لاہور میں حضرت کے پاس بیٹھنا اور حضرت سے استفادہ کرنا بہت مشکل ہے لیکن حق تعالیٰ کا کیسے شکر ادا ہو اور حضرت مفتی صاحبؒ کے احسانات کا کیسے شکریہ ادا کروں کہ حضرت نے اس ناکارہ و آوارہ پر بہت ہی شفقت فرمائی اور اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ البتہ دو سال بعد فرمایا کہ ''بحمد اللہ تمہیں مناسبت ہے اور تم یہ کام کر سکتے ہو مگر میرا مشورہ یہ ہے کہ تم کتابیں پڑھاؤ اور جب موقوف علیہ تک کی کتابیں پڑھا لو پھر یہ کام کرو تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا''۔[1] چنانچہ حسب ارشاد احقر کتب کی طرف متوجہ رہا اور مدرسہ کا سارا وقت تدریس میں لگانے لگا۔

احقر کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی وجہ سے بہن بھائیوں اور ادارہ اسلامیات کی ذمہ داری احقر پر پڑ گئی تو خاصے طویل عرصہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دارالافتاء کے باضابطہ تعلق میں انقطاع رہا اور دارالافتاء میں باقاعدہ بیٹھنے کی سعادت سے محرومی رہی۔ یہاں تک کہ چھوٹے بھائی بڑے ہو گئے اور احقر کی گھریلو ذمہ داریوں میں کچھ تخفیف ہوگئی ادھر آہستہ آہستہ نیچے کی تمام کتابیں پڑھاتا ہوا بحمد اللہ احقر موقوف علیہ تک پہنچ گیا تو حضرت مفتی صاحب احقر کو تاکید کرنے لگے کہ اب تم دارالافتاء میں کام شروع کرو۔ کئی مرتبہ احقر کو دیکھ کر فرمایا: کہ سب کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے مگر تمہیں دیکھ کر رنج ہوتا ہے احقر نے عرض کیا حضرت کیوں؟ فرمایا تم کام کر سکتے ہو مگر اب آتے نہیں۔

الحمدللہ کہ آخر میں پھر پابندی کے ساتھ احقر دارالافتاء جانے اور حضرت کے پاس بیٹھنے لگا۔ اپنی غفلت کی بناء پر گو حضرت سے وہ حاصل نہ کر سکا جو کرنا چاہیے تھا مگر حضرت کی زیارت اور صحبت کی برکات سے بحمد اللہ محرومی نہ رہی ؎

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

---

[1] حضرت مفتی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ وہی مفتی صحیح طور پر فتویٰ کا کام ہر انجام دے سکتا ہے جس نے کم از کم موقوف علیہ تک کی تمام کتب (فنون سمیت) پڑھائی ہوں اور ایک عرصہ کسی جید مفتی کی زیر نگرانی فتویٰ کا کام کرتا رہا ہو ورنہ اس کا فتویٰ کچا رہتا ہے۔

البتہ اب پچھتاوا ہوتا ہے کہ عمر ضائع کردی اور ایسی بے مثال شخصیت کی قدر کی اور نہ ان سے صحیح طور پر استفادہ کیا۔ ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو دل مسوس کر رہ جاتا ہے لیکن اب پچھتانے سے کیا حاصل؟

انا للہ و انا الیہ راجعون. غفر اللہ تعالی لہ و رحمہ رحمۃ واسعۃ و اعلی اللہ تعالی درجاتہ فی الجنۃ و جزاہ اللہ تعالی عنا خیر الجزاء.

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور اپنی بارگاہ سے انہیں اجر جزیل عطا کریں۔ آمین۔

(تذکرۃ الجمیلؒ)

بروفات حسرت آیات

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نوراللہ مرقدہ'

تاریخ وفات: ۲۲/رجب المرجب ۱۴۱۵ھ' ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء

مشرف علی تھانوی

کون امت کے دکھوں کا اب بتائے گا علاج / آہ رخصت ہو گئے وہ مفتی اعظم بھی آج

نبض امت پر رکھے گا کون انگشت شفاء / کون بیماران ملت کے لیے دے گا دوا

کون شفقت سے سنے گا سب کے اشکالات کو / حل کرے گا کون اہل دین کے شبہات کو

راہ رو کو منزل مقصود تک لائے گا کون / قوم کو ظلمت کدہ میں راہ دکھلائے گا کون

ہر عمل میں ہو گا خود قرآن کی تفسیر کون / بن کے دکھلائے گا اب اسلاف کی تعبیر کون

کس سے ہو گا عام اب یہ درس فقہ و اجتہاد / کس کے فتووں پر کریں گے اہل دانش اعتماد

اٹھ گیا ہے اجتہاد و فقہ کا در عظیم / ہو گئی ہے بالیقیں اب مسند افتاء یتیم

جا رہا ہے کون یہ اشکوں کا طوفان چھوڑ کر / قلب حیراں' روح بریاں' چشم گریاں چھوڑ کر

کس کی میت ہے کاندھوں پر بتا اے بیخودی / دیکھتے ہیں حسرتوں سے جس کو علم و آگہی

کس کے دم سے تھی بہار جاوداں کی رونقیں / اٹھ گیا ہے کون لے کر گلستاں کی رونقیں

وہ سراپا علم و دانش زہد و تقویٰ کا علم / یاد کر کے رو رہے ہیں جس کو قرطاس و قلم

وہ سراپا دین کا پیکر تھی جس کی زندگی / سنت اسلاف کا مظہر تھی جس کی زندگی

ہر ادا تھی جس کی دین حق کا پیغام ثبات / ہر عمل تھا جس کا ملت کے لیے درس حیات

وہ سراپا مسلک اسلاف دیوبند کا ثبوت ۔ وہ سہارنپور کے درس مظاہر کا سپوت
مسلک تھانہ بھون کی ایک تابندہ شناخت زندگانی جس کی تھی سنت کی اک زندہ شناخت
اسعد اللہ اور خلیل اللہ کا تلمیذ رشید خانقاہ اشرف وہ امداد اللہ کا حفید
وہ سعید احمد کا داماد اور سعید احمد کا پوت خاندان اشرف و امداد اللہ کا سپوت
اب کہاں سے لائیں گے وہ پیکر علم و عمل کب ملے گا امت مرحوم کو نعم البدل
علم و دانش کے در و دیوار سب افسردہ ہیں جامعہ کے یہ گل و گلزار سب افسردہ ہیں
ہر جگر افسردہ ہے ہر آنکھ ہے آج اشکبار کون اٹھا ہے کہ جس پر آسماں ہے سوگوار
مسند تحقیق لگتی ہے کوئی افسانہ آج یہ ادارہ اشرف التحقیق ہے ویرانہ آج
افق پر آج کس کے علم و دانش کی ہے دھوم یاد کرتا ہے کسے ہر گوشہ دار شام
میکدہ سے اٹھ گیا ہے وہ حسین وہ خوب رو عمر بھر روئیں گے جس کو جام و مینا و سبو
کون لے کر چل دیا یوسف کو اس بازار سے سسکیاں سنتا ہوں عارف ہر در و دیوار سے

عارف ان کے نقش پاک جادہ جمشید ہیں
اپنی سیرت سے وہ اب بھی زندہ جاوید ہیں

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی[1] رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۲۹۵ھ کو مولانا بہاؤ الدین بن مولانا سعد الدین بن شیخ محمد موسیٰ بن اخوند محمد بشارت کے گھر ''غور غشتی''، ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے- آپ افغانوں کے قبیلہ کاکڑ سے تعلق رکھتے تھے آپ کے آباء قندھار سے ہنود کے خلاف جہاد کی نیت سے نکلے اور ''چھچھ'' (کیمبل پور) میں آباد ہو گئے- آپ کے والد بھی نہایت عمدہ عالم تھے- اپنے زمانہ کے چشتیہ سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے-۱۳۰۹ھ میں ان کا انتقال ہوا-

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے فاضل بھائی مولانا شہاب الدینؒ (والد مولانا قطب الدینؒ) سے حاصل کی، پھر صرف ونحو کی تعلیم سرو بہ فتح جنگ میں شروع کی اور تکمیل ملتان کے نواحی ''ملے'' میں کی، پھر ''نوتھ'' میں مولانا غلام رسول المعروف بہ ''انی بابا'' سے منطق ومعانی کی تعلیم حاصل کی-

اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ ''چکڑالہ'' ضلع میانوالی تشریف لے گئے وہاں علامہ قاضی قمر الدین صاحبؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ یہ بزرگ مولانا احمد حسنؒ امروہی تلمیذ علامہ محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے اور انہیں مولانا احمد علی سہارنپوریؒ سے بھی اجازت حاصل تھی-

تدریس:

فراغت کے بعد کچھ عرصہ ''رنگون'' میں تدریس کی اسی دوران حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی- رنگون سے واپسی پر ''دارالعلوم دیوبند'' آئے اور حضرت شیخ

---

[1] آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا سمیع الحق صاحب کے اس عربی مضمون سے لیا گیا ہے جو ''مشکوۃ المصابیح کے حاشیہ'' کی زینت بنا ہے-

الہند مولانا محمود حسنؒ سے ترمذی اور چند دیگر کتب میں تلمذ حاصل کیا۔ آپ کا خیال مزید استفادہ کا تھا مگر دیوبند کی آب وہوا راس نہ آئی' واپس ''غورغشتی'' آئے اور مختلف علوم و فنون کی کتب کا درس دینے لگے' پھر کوئی پچاس سال تک تفسیر اور حدیث کی تدریس کرتے رہے۔ اسی وجہ سے ''شیخ الحدیث'' کے نام سے زیادہ شہرت پائی۔ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور مختلف مقامات پر علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصنیف:

آپ کی علمی خدمات میں سے ایک مشکوٰۃ شریف کا عربی حاشیہ ہے جو ان کی علمیت کی واضح دلیل ہے اور طبع ہو چکا ہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں لاہور اور ساہیوال کی جیلوں میں قید کاٹی۔ آپ مودودی صاحبؒ کے افکار کے سخت مخالف تھے' اور ان کی علمی دلائل کے ساتھ تردید کیا کرتے تھے۔

صوفیانہ مسلک:

آپ حضرت مولانا حسین علی واں بچھراںؒ (میانوالی) کے خلیفہ مجاز تھے۔ اور اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں بھی کوشاں رہتے تھے۔ آپ کے مریدین سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

اخلاق:

آپ نہایت ہی معتدل مزاج' نیک سیرت' سادہ طبیعت اور یادگار سلف تھے...... آپ نے علمی تحقیقات کے سلسلہ میں ''مشکوٰۃ المصابیح'' پر حاشیہ بھی تحریر کیا ہے جو نہایت عمدہ اور قیمتی تحقیقات پر مشتمل ہے اور طبع ہو چکا ہے۔[1]

وصال:

آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا' مگر اس کی تکمیل سے قبل ہی ۴ ذیقعدہ

---

[1] فیوضات حسینی مولانا حسین علی' ترجمہ و مقدمہ مولانا عبدالحمید صاحب فاضل دیوبند ص ۳۵

۱۳۸۸ھ/۲۳ جنوری ۱۹۶۸ء بروز جمعرات آپ کا وصال ہوا- نماز جمعہ کے بعد ایک کثیر تعداد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور مولانا قطب الدین کی قبر کے قریب ہی دفن کیے گئے-

آپ کے وصال پر ماہنامہ الحق نے مفصل تعزیتی اداریہ اور ماہنامہ البلاغ نے مختصر تعزیتی نوٹ شائع کیا جو حسب ذیل ہے:

''یہ خبر تمام علمی و دینی حلقوں میں سخت رنج والم کے ساتھ سنی گئی ہوگی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے- انا للہ وانا الیہ راجعون''-

موصوف دارالعلوم دیوبند کے نامور اصحابِ علم وفضل میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے (سابق) پنجاب اور سرحد کے علاقوں میں موصوف نے علم ودین کی نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دیں- جہاں لاکھوں بندگانِ خدا نے ان سے اکتساب فیض کیا-

ادارہ البلاغ اس سانحے پر اپنے گہرے رنج وغم کے اظہار کے ساتھ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے-[1]

مولانا سید محمد یوسف بنوری تحریر فرماتے ہیں: کہ

''مغربی پاکستان کے شمال مغرب میں موضع غور غشتی ضلع کیمبلپور سے بھی علم و اخلاص کے جوہر نایاب، تقویٰ وطہارت کے پیکر، صدق وصفا کے مجسمہ، عالم ربانی، عارف لاثانی حضرت مولانا نصیر الدینؒ صاحب کی روح مبارک عین اس وقت جب کہ وہ حج بیت اللہ کا عزم کر چکے تھے اور کراچی آنے کے لیے پابہ رکاب تھے- ۳ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ/۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء کو ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی- انا للہ وانا الیہ راجعون''-

---

[1] ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ص ۱۴ تعزیتی نوٹ از مولانا محمد تقی عثمانی

مرحوم حضرت مولانا حسین علی نقشبندیؒ سے روحانی کمالات حاصل کر کے ان کے خلیفہ بن گئے تھے عرصہ دراز تک علوم نبوت کا درس دیتے رہے۔ تقریباً چالیس سال سے زیادہ صحاح ستہ، ہدایہ آخرین، مشکوٰۃ کا درس دیا۔ علم نبوت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ ہزار ہا مخلوق خدا کو فیض یاب فرمایا، غالباً عمر مبارک سو سال سے متجاوز تھی۔ تمام عمر قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے معمور رہی۔ اس پرفتن دور میں ایسے نفوس قدسیہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے جن کی تمام عمر علم ودین کی خدمت میں گزری ہو۔ نہ راحت کی فکر، نہ تنخواہ ومشاہرہ کا تصور، نہ دولت اور عزت ووجاہت کی آرزو، فقیرانہ زندگی مسجد میں گزار دی۔ درحقیقت اسی قسم کے پاک طینت نفوس مقدسہ ہیں جو علوم نبوت کے وارث اور مسند نبوت کے جانشین ہیں۔

ان للّٰہ عبادا فطنا	طلقوا الدنیا و خافوا الفتنا
نظروا فیھا فلما علموا	انھا لیست لحی وطنا
جعلوھا لجۃ و تخذوا	صالح الاعمال فیھا سفنا

ترجمہ:

"اللہ کے کچھ سمجھدار بندے ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے فتنوں سے ڈر کر دنیا کو طلاق دے دی۔ دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن نہیں ہے اس لیے انہوں نے دنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے اسے عبور کیا ہے۔"[1]

---

[1] ماہنامہ بینات، کراچی ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ص ۷۷-۸۷- (بصائر وعبر) تاریخ وصال ۴ ذیقعدہ ہی درست ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت و تعلیم:

عارف باللہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ ہجری کو بوقت سحر اپنے آبائی گاؤں بہلی شریف تحصیل شجاع آباد میں پیدا ہوئے' ابتدائی تعلیم اور قرآن مجید حضرت مولانا سید قادر بخش صاحبؒ سے پڑھی' اس کے بعد فارسی کی تعلیم مولانا غلام محمد صاحبؒ جھنڈا والے سے حاصل کی' پھر شرح جامی' منطق' شرح تہذیب اصول نور الانوار' اور فقہ شرح وقایہ تحصیل شجاع آباد کے استاذ کل حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ سے پڑھیں اور مشکوٰۃ کی تعلیم مولانا غلام رسول صاحبؒ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا' جہاں دو سال تک وقت کے جید علماء و اکابرین سے فیض حاصل کیا' امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے مختلف حدیث کی کتابیں پڑھیں' شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے مسلم شریف پڑھی اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ سے فلسفہ اور معقول کی کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی' ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد امیر صاحبؒ آف ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں مہتمم مدرسہ معین الاسلام لودھراں سے بھی کئی کتابیں پڑھیں' اور ۲۲ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔

درس و تدریس:

فراغت تعلیم کے بعد ۱۳۳۵ھ میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور سب سے پہلی دینی درسگاہ اپنے آبائی گاؤں بہلی شریف تحصیل شجاع آباد میں ۱۳۳۵ ہجری میں قائم کی جس کا نام مدرسہ عربیہ مظہر العلوم رکھا۔ اور دینی و تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد شجاع آباد شہر کے مشرقی جانب تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ایک اور عظیم الشان درسگاہ ''اشرف العلوم'' قائم کی' جو آپ کی ایک عظیم یادگار ہے' پھر آپ نے اسی جگہ پر ایک نئی بستی ''حبیب آباد کے نام سے آباد کی' اور خود بھی اسی جگہ مستقل قیام پذیر ہو گئے اور آخری دم تک درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا ہزاروں طلباء آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے سیراب ہوئے۔ جو دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔

تصنیف و تالیف:

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رہا' اور مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں و رسائل تالیف فرمائے' جن میں تفسیر القرآن' فوائد القرآن' المعروف اصطلاحات القرآن' تفسیر سورۃ فاتحہ' خیر الاذکار' عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار' علم تصوف' طب روحانی فیض روحانی رحمت صمدانی' معارف وسلوک' قوانین تعلیم و تربیت' تین مسائل کا استفتاء' اشاعت التوحید' وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بیعت وسلوک:

آپؒ نے روحانی فیض حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحبؒ اور حضرت مولانا مطیع الرحمن صاحبؒ سے حاصل کیا' ان کے علاوہ اپنے استاذ مکرم مولانا محمد امیر صاحبؒ کے حکم پر وقت کے ابدال حضرت مولانا غلام حسین صاحبؒ کی خدمت میں کانپور تشریف لے گئے' مگر انہوں نے فرمایا کہ آپ مولانا محمد امیر صاحبؒ سے ہی سلوک سیکھیں' چنانچہ آپ نے حضرت مولانا محمد امیر صاحبؒ کے دست حق پر بیعت کی اور سلوک و تصوف کے منازل طے کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا فضل علی شاہ صاحبؒ سے بھی فیض حاصل کیا' کچھ عرصہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ سے بھی فیض حاصل کیا' ان کے علاوہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بھی بہت متاثر تھے اور ان ہی کے طریق عمل کو زندگی بھر اختیار کیا' آخر میں حضرت مولانا محمد امیر صاحبؒ ہی نے آپ کو سلسلہ ہشت نقشبندیہ

مجددیہ' احمدیہ' نادریہ' چشتیہ' سہروردیہ' کبرویہ' عداویہ' قلندریہ' اور شفاریہ کی اجازت فرمائی اور خلافت سے نوازا۔

اخلاق وعادات:

آپ نہایت متواضع' منکسر المزاج' خندہ جبیں اور لطیف روح تھے' اخلاق و عادات میں اپنے اسلاف کی یادگار تھے' سلوک وتصوف میں ایک بے مثل شیخ اور عارف کامل تھے' ساری زندگی درس وتدریس' تبلیغ وارشاد اور اصلاح وفلاح میں بسر کی' ہزاروں افراد کو فیض روحانی سے منور کیا' سچے اور پکے عاشق رسول ﷺ تھے' سات آٹھ مرتبہ فریضہ حج ادا کیا' اور روضۂ رسول ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اکابر کے بے حد قدردان تھے' ہر وقت ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور علم ومعرفت کی مجلسیں ہوتی رہتیں جن میں بڑے بڑے علماء' سرکاری حکام' سیاست دان اور اہل علم وعمل حضرات شرکت کرتے رہتے تھے۔

وفات:

آپ عرصہ سے کچھ علیل تھے مگر درس وتدریس اور تبلیغ ووعظ کا سلسلہ آخری دم تک جاری رکھا جس سے آپ کی صحت گرتی گئی اور کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد یہ مرد درویش ۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ بمطابق ۲' جنوری ۱۹۷۸ء بروز پیر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے' اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے جاری کردہ مدرسہ اشرف العلوم حبیب آباد شجاع آباد کی جامع مسجد کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا' آپ کی نماز جنازہ میں تیس ہزار کے قریب عقیدت مندوں نے شرکت کی' اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی' آپ کی وفات تمام علمی ودینی حلقوں کے لئے عظیم نقصان ہے' آپ کی وفات پر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب انور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا:

''حضرت مولانا عبداللہ صاحب ؒ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوگا' وہ ایک عظیم عالم دین اور اہل اللہ میں سے تھے جنہوں نے اپنی

زندگی قرآن وحدیث اور ذکر واذکار میں صرف کر دی' اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین

جناب پروفیسر اختر راہی صاحب لکھتے ہیں کہ:

مولانا عبداللہ بن محمد مسلمؒ بن نور محمد یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ/۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کو موضع بہیل تحصیل شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں دینی علوم اور وعظ وارشاد کی روایت چند پشتوں سے چلی آ رہی تھی۔ مولانا عبداللہؒ نے مولانا قادر بخشؒ سے قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کتابیں پڑھیں۔ دس سال کی عمر میں پرائمری تعلیم سے فارغ ہوئے اور ''تحفۃ الاحرار'' (جامی) تک فارسی کتابیں پڑھ لی تھیں۔

مولانا غلام محمدؒ (ساکن جھنڈا) سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا عبدالرحمانؒ (ساکن بیٹ قیصر) سے درس نظامی کی متوسطات تک تعلیم پائی۔ ہدایہ' حسامی اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے زمانے کے متبحر عالم مولانا غلام رسولؒ پونٹوی سے پڑھیں۔ اس عرصہ میں ''متن متین'' مولانا محمد عظیمؒ سے پڑھی۔ دارالعلوم دیوبند میں دو سال زیر تعلیم رہ کر آخری کتابیں پڑھیں اور دورۂ حدیث کیا۔ غالباً ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ مولانا حسین علی واں بچھرانویؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ سے دورۂ تفسیر کیا۔

فارغ التحصیل ہو کر وطن آئے اور ''موضع بہیل'' میں ''مدرسہ مظہر العلوم'' میں تدریس شروع کی ۱۳۶۷ھ/۴۸-۱۹۴۷ء تک تدریسی شغل جاری رکھا بعد میں وعظ و ارشاد کی مصروفیات کے پیش نظر تدریس سے ہاتھ اٹھالیا۔

مولانا عبداللہ بہلویؒ نے مولانا فضل علی قریشی مسکین پوریؒ کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی اور ان کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے اہل دل مولانا محمد امیرؒ دامانی' مولانا حسینؒ علی' مولانا تاج محمودؒ امروٹی اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا۔ سات بار فریضہ حج ادا کیا اور ایک بار عمرہ کیا تھا۔ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں وطن مالوف میں وفات پائی۔

مولانا عبداللہ بہلویؒ سے تفسیر وحدیث' تصوف وسلوک اور فقہی مسائل پر مندرجہ

ذیل تحریریں یادگار ہیں۔تبلیغی نقطہ نظر سے لکھے گئے رسائل اور چارٹ ان پر مستزاد ہیں:

تفسیر:

۱- فوائد القرآن المعروف اصطلاحات القرآن (غیر مطبوعہ گیارہ پارے)

۲- تفسیر سورۃ الفاتحہ (الکلمات الراجحہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ- فارسی)

حدیث:

۳- المستدلات الاحناف

سیرت النبی:

۴- الشجرۃ الطیبہ (حضرت آدم علیہ السلام تا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۵- خیر الاذکار

تصوف وسلوک:

۶- عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار

۷- طب روحانی المعروف بہ خدائی رنگ

۸- فیض روحانی، رحمت صمدانی

۹- الوفاء بعہد الاولیاء

۱۰- مہمات التصوف ودفع مغالطات

۱۱- معارف السلوک

۱۲- التصرف فی حقیقت البیعت والتصوف

۱۳- انکشاف الاحوال والاوہام

۱۴- محاسبۃ الاعمال

۱۵- التبیین فی ہمزات الشیاطین

۱۶- اطاعت الالہ فیما یتعلق بہ الاعضاء

۱۷- رسالہ تصوف اہل صفا

۱۸- تصفیۃ الاعمال

فقہ:

۱۹- تحفۃ الفقیر الی اللہ (مسائل حج)

۲۰- رسالہ ترک المنکرات

۲۱- پچیس مسائل

۲۲- دعا بعد الجنازہ

۲۳- محاکمہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

۲۴- تین مسائل کا استفتاء

(تذکرہ علمائے پنجاب)

تاریخ ہائے وفات:

تواریخ الوفات محمد عبداللہ

۱۹۷۸ء

شیخ التفسیر محمد عبداللہ بہلویؒ

۱۹۷۸ء

جنابِ محمد عبداللہ صاحب بہلوی انتقال فرما گئے

۱۳۹۸ھ

حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالہادی دین پوری بن مولانا غلام محمد ۴/ اور ۵/ اپریل ۱۹۰۴ء کی درمیانی شب ۶' محرم ۱۳۲۱ھ کو دین پور میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں میاں جی خیر محمد مرحوم کے پاس قرآن مجید پڑھنے بیٹھے۔ قرآن مجید پڑھ کر درس نظامی کی کتابیں دین پور ہی میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالقادرؒ دین پوری' مولانا عبداللہؒ لغاری' مولانا محمد سلیمانؒ اور مولانا غلام صدیق حاجی پوریؒ کے نام بہت نمایاں ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دورۂ قرآن میں شامل ہو کر معارف قرانی سے ذہن وفکر کو جلادی۔

مولانا عبدالہادیؒ کی تعلیم و تربیت' مولانا تاج محمودؒ امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) اور مولانا غلام محمد دین پوریؒ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ بعد میں مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

مولانا عبدالہادیؒ اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں دینی خدمات انجام دینے لگے تھے۔ انہوں نے وعظ و ارشاد اور اصلاح و تزکیہ کے ساتھ جہاد آزادی میں بھر پور حصہ لیا۔ تحریک خلافت میں پیش پیش رہے۔ جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے رشتہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ انہیں تبلیغی اجتماعات کے انعقاد میں لذت محسوس ہوتی تھی۔ مولانا غلام محمد دین پوریؒ کے آخری دورِ حیات میں یادگار اور کامیاب اجتماعات ان ہی کی سعی وجد کا نتیجہ تھے۔

مولانا عبدالہادیؒ نے زندگی کے آخری آٹھ نو سال بیماری میں گزارے۔ چلنا پھرنا موقوف ہو گیا تھا۔ وضو اور نماز سب کچھ چار پائی پر ہوتا تھا۔ بوقت نماز ان کی چار پائی اٹھا کر صف کے ساتھ لگادی جاتی تھی۔ ۷/ رمضان ۱۳۹۸ھ/ ۱۲' اگست ۱۹۷۸ء کو

وفات پائی اور دین پور میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم کی شادی ان کے چچازاد بھائی حاجی محمد بخش خان مرحوم (ضلع جھنگ) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ جن سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبزادے میاں سراج احمد عالم باعمل ہیں۔

جناب خلیل احمد حاجی عبیدی مصنف ''ید بیضاء'' لکھتے ہیں کہ:

آپ حضرت دین پوریؒ کے خلف الرشید خلف اکبر ہیں۔ آپ ابھی چھ سات سال کی عمر کے تھے کہ میاں جی خیر محمد مرحوم کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لیے مدرسہ میں داخل ہوئے ۱۹۱۱ء میں جب حضرت تھانویؒ دین پور شریف تشریف لائے تو آپ اس وقت بچے تھے۔ حضرت حضرت تھانویؒ نے آپ سے سورۂ فاتحہ اور اخلاص سنیں۔ سر پر دست شفقت رکھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کے بعد آپ نے مختلف اساتذہ سے فارسی اور عربی کتابیں پڑھیں۔ اساتذہ میں سے مولوی عبدالقادر صاحبؒ مرحوم مولانا عبد اللہ لغاری' مولانا محمد سلیمان صاحب اور مولانا غلام صدیق حاجی پوری رحمۃ اللہ علیہ بہت مشہور ہیں۔ دورہ تفسیر قرآن لاہور جا کر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے پڑھا۔ دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ''نقش حیات'' میں لکھتے ہیں کہ دیوبند سے علم حدیث وغیرہ پڑھا ہے) آپ کو بچپن سے ہی کاملین کی صحبت اور توجہ حاصل رہی ہے۔ پہلے حضرت دین پوریؒ اور حضرت امروٹیؒ کی آغوش میں تعلیم و تربیت پائی۔ ان کے بعد حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ظل عاطفت میں لے لیا۔ آپ کو ان تینوں مربیوں سے نسبت خاص ہے۔ حضرت دین پوریؒ نے سفر حاجی پور (ڈیرہ غازی خاں) کے موقعہ پر جماعت کی تعلیم و تربیت کا کام سپرد فرمایا اور خلق خدا کو اللہ اللہ سکھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت لاہوریؒ نے بھی اجازت وخرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ان کے علاوہ یہ اپنے وقت کے تمام مشائخ اور اولیاء اللہ کی توجہات کا مرکز اور ان کے نورِ نظر رہے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا آپ سے بہت زیادہ ربط

واخلاص تھا- ایک دفعہ آپ نے ان بزرگوں کے نام کی فہرست بنوائی' جن کی آپ نے زیارت کی یا ان سے کسب فیض کیا- اس فہرست میں بتیس اولیائے کبار کے نام تھے- حضرت کی زندگی میں آپ نے لنگر اور خانقاہ کی خدمت اپنے ذمہ لے لی تھی- حضرت نے آپ کی شادی اپنے چچازاد بھائی حاجی محمد بخش خان مرحوم ضلع جھنگ) کی صاحبزادی سے کرائی تھی- جن سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں اور آگے ان کی بہت سی اولاد ہوئی جو رونق قریہ ہے- آپ کے بڑے صاحبزادے میاں سراج احمد صاحب اور پوتے میاں مسعود (احمد صاحب عالم باعمل اور نہایت نیک انسان ہیں-

باطنی وروحانی خدمات کے علاوہ حضرت میاں صاحب نے ملکی اور ملی سیاسیات میں بھی خوب اور بھرپور حصہ لیا تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہرؒ- شوکت علیؒ ابوالکلام آزادؒ اور اپنے بزرگوں کے ساتھ مل کر کام کیا- علی برادران کی گرفتاری کے بعد' ایک دفعہ ''بی اماں مرحومہ'' کے ساتھ ایک رضا کار کی حیثیت سے ملک کا دورہ کیا- سیاست میں جمعیۃ العلمائے ہند کی پالیسیوں سے متفق ہے- حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کے جھنڈے تلے آزادی کی جنگ لڑی- مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے نہایت عقیدت ومحبت کا علاقہ تھا- ۱۹۴۰ء میں جب مولانا مرحوم نے جمعیۃ الانصار دین پور قائم کی تو آپ نے اپنی تمام دینی طاقت اور جماعت حضرت سندھی کی سیاسی کمان میں دے دی اور خود جماعت کی سرپرستی قبول فرمائی- دینی مدارس اور تبلیغی اجتماعات کے انعقاد کا ابتداء سے بہت زیادہ شوق رہا ہے- حضرت دین پوریؒ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں جو یادگار اجتماعات منعقد ہوئے تھے- ان کا انتظام و انصرام آپ کے سپرد ہوا کرتا تھا- تحریک آزادی کے سلسلے میں اپنے روحانی خانوادہ کے نامور فرزند حضرت سید صبغۃ اللہ شاہ ثانی پیر پگارہ سے آپ کے بہت مخلصانہ تعلقات تھے- حضرت پیر پگارہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی جماعت کے مریدین ومسترشدین میں سے آپ پر زیادہ اعتماد کرتے تھے اور تحریک میں جماعت دین پور کے شاندار کردار سے بہت خوش تھے- تحریک ختم نبوتؐ میں آپ کی خدمات سب کو معلوم ہیں- اس سلسلے میں حضرت امیر شریعتؒ کے بعد مرحوم آغا شورش

کاشمیریؒ کی مساعی کو بہت سراہتے ہیں- آغا شورش کاشمیریؒ مرحوم کا بھی آپ سے بہت زیادہ تعلق ارادت تھا- ایک دفعہ اپنے ہفتگی ''چٹان'' لاہور (۲۱ فروری ۱۹۶۶ء) میں آپ کی شخصیت پر جو شذرہ لکھا وہ مرحوم کا آپ سے تعلق و محبت کی ایک زندہ تصویر ہے- آپ کی بلند پایہ شخصیت کے عرفان کے لیے یہاں اس کی نقل یقیناً قارئین کی دلچسپی و استفادہ کا باعث ہوگی لکھتے ہیں:

سرورق پر آج ایک ایسے شخص کی تصویر دی جا رہی ہے جو تخت نشین نہیں، بوریہ نشین ہے کسی سلطنت کا فرمان روا نہیں فقر و استغناء کی سلطنت کا تاجدار ہے- آپ خود اس سے ملیں تو معلوم ہوگا کہ آپ کے سامنے قرون اولیٰ کا کوئی چہرہ آ گیا ہے- سنا تھا کہ حضرت دین پوریؒ ان فقراء و مشائخ کا عکس ہیں جن کی داستانیں اب تذکروں میں رہ گئی ہیں اور جن کی عظمتیں دلوں پر نقش ہیں- راقم نے ان کی بے نیازی اور تعلق باللہ کا چرچا بھی سن رکھا تھا، انہیں دیکھا نہیں تھا- اپنی ایک پریشانی کے زمانے میں انہیں خط لکھا کہ میرے لیے دعا فرمائیں- جواب آیا-

> ''اپنے رب کو یاد کیا کرو، سب کچھ اللہ ہی کے پاس ہے- میں تمہارے لیے ضرور دعا کروں گا اور مجھے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں یقین ہے کہ وہ میرے گنہگار ہاتھوں کی ضرور لاج رکھیں گے''-

غرض دین پوریؒ کے یہ نامور و باکمال فرزند ایک جامعہ کمالات شخصیت اور یادگار سلف تھے- عرصہ چھ سات سال سے صاحب فراش تھے بیماری، ضعف، پیری و کمزوری اور باوجود چل پھر نہیں سکتے تھے- خلق خدا کو فیض رسانی اور تعلیم و تربیت کا کام باقاعدہ جاری رہا- بالآخر آپ کا ۱۹، رمضان ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء کو انتقال ہوگیا- حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے- آمین!

حافظ الحدیث والقرآن

حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ماہ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ بروز جمعہ اپنے آبائی گاؤں درخواست علاقہ خان پور (ضلع رحیم یار خان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد میاں جی حافظ محمود الدین رحمۃ اللہ علیہ نہایت کامل بزرگ اور باخدا انسان تھے اور حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خصوصی رکھتے تھے۔ چنانچہ ہونہار بچے کی تعلیم وتربیت ابتداء سے ہی حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے صلاح و مشورہ اور توجہ سے ہوتی رہی۔ آپ نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے نو برس کی عمر میں حفظ قرآن مجید کیا کتب فارسی وخوشنویسی مولانا احمد بخش صاحب اور کتب عربی کی تعلیم مولانا قادر بخش صاحبؒ ملک پوری سے حاصل کی۔ دورۂ حدیث وتکمیل دین پور شریف میں حضرت شیخ الحدیثؒ مولانا غلام صدیق صاحب حاجی پوری کے ہاں ہوئی۔ دستار بندی کے موقعہ پر حضور مرشد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت کرتے ہوئے اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھی۔ اور ارشاد فرمایا کہ آئندہ آپ تعلیم وتدریس کا کام کیا کریں۔ حضور مرشد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے دستار فضیلت پاتے اور حکم ملتے ہی آپ نے تدریسی وتبلیغی سرگرمیوں کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا اور ہمہ تن اشاعت دین کے کاموں میں مصروف رہے اس سلسلے میں کبھی لالچ یا طمع دنیوی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ ابتداءً تنگی اور عسرت کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور خالص لوجہ اللہ تعلیم وتدریس میں مشغول ومصروف رہے۔ قریہ درخواست میں مخزن العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ جہاں درس نظامی اور دورہ حدیث کا مکمل انتظام تھا۔

بارہ سال مدرسہ مذکور میں کام کرنے کے بعد' آپ کچھ عرصہ دین پور شریف میں صاحبزدگان کی تعلیم وتربیت پر مامور رہے اور مرشد کی صحبت کے مزے لوٹتے رہے۔ ملک غلام محمد باغبان اور مولانا نذیر احمد نقشبندی کی استدعاء پر حضور مرشدؒ نے آپ کو احمد پور شرقیہ مسجد قبہ والی میں تدریس کے لیے بھیج دیا۔ وہاں تقریباً ایک سال کا عرصہ گزرا ہوگا کہ حضور مرشد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اور پھر چھ ماہ کے اندر والد بزرگوار بھی راہی جنت الفردوس ہوئے۔ ان جانکاہ صدمات سے نہایت دل برداشتہ ہوئے اور واپس اپنے مولد ومسکن قریہ درخواست آ گئے۔ یہاں سے آپ مدرسہ شمس العلوم بستی مولویان اور بستی مومن موضع مڈالیاس میں بھی کچھ عرصہ درس وتدریس کا کام کرتے رہے چونکہ یہ مدارس عموماً دیہات میں تھے اور دور دراز مقامات پر واقع تھے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک مرکزی درس گاہ کی بنیاد ڈالی جائے۔ چنانچہ جماعت اور احباب کے ایماء پر آپ نے اپنا قدیمی مدرسہ مخزن العلوم قریہ درخواست سے خان پور منتقل کر دیا اور خود بھی مستقل اس مدرسہ کی مسند درس پر رونق افروز ہو گئے۔ مدرسہ مخزن العلوم آپ کی توجہات ظاہری و باطنی سے اس وقت پاکستان کی ایک مثالی درس گاہ ہے۔ جہاں ہر سال دورہ حدیث اور دورہ تفسیر قرآنی کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ حضرت درخواستی دامت برکاتہم بذات خود حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر تفسیر قرآن مجید پڑھاتے ہیں۔ یاد رہے کہ تفسیر میں آپ کو حضرت رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ (واں بھچراں) سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے تفسیر وحدیث کی پچاس سالہ خدمت کا نمایاں ثمر ہے کہ اس وقت پاکستان بھارت بنگلہ دیش افغانستان' ایران' عراق' جزائر شرق الہند' برما اور برگون میں آپ کے لاتعداد شاگرد موجود ہیں۔ اور سینکڑوں چھوٹے بڑے عربی ودینی مدارس آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ تعلیمی وتدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی تبلیغی و سیاسی خدمات کا بھی ایک زمانہ معترف ہے۔

آپ نہ صرف ایک بلند پایہ معلم' مفسر اور محدث ہیں بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے واعظ' مفکر' مبلغ اور مرشد بھی تھے۔ تعلیم وتدریس کی مصروفیات کے ساتھ تبلیغی دوروں اور

سیاسی کاموں میں بھی آپ کا مکمل انہماک دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ سیاسیات میں آپ نے پہلے پہل اپنے مرشد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی کام کیا۔ قبل ازیں تقسیم جمعیۃ العلماء ہند میں کام کرتے رہے۔ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری دورۂ ملتان وسندھ میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ جمعیۃ العلماء اسلام سے منسلک ہوئے۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تمام علماء حق نے آپ کو جمعیت کا امیر مقرر کیا اور عرصہ دراز تک آپ متفقہ طور پر جمعیت کے امیر رہے۔ ان خصوصیات کے علاوہ طریقت میں بھی ایک عظیم صوفی اور ایک باخدا انسان کی حیثیت سے آپ کا بلند مقام تھا۔ طریقہ قادریہ نقشبندیہ میں آپ کو حضرت مولانا عبدالہادی صاحبؒ سجادہ نشین دین پور شریف سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ غرض حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ مجموعہ کمالات وحسنات تھے بقول میرؔ بہ ادنیٰ تصرف ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پرانی طبع کے لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۴ء کو خان پور میں رحلت فرمائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ فرماتے ہیں: کہ

''حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اسلام کے نفاذ اور مسلمانوں میں دینی تحریک کے احیاء کے لیے گزری، انہوں نے اپنی پوری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وقف کر رکھی تھی، تدریس سے تصوف وسلوک تک اور تعلیم وتربیت سے سیاست وقیادت تک ان کی تمام کوششوں کا محور دین اور صرف دین تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جب انگریزوں کے خلاف ریشمی رومال کی تحریک چلائی تو سندھ میں امروٹ شریف اور پنجاب میں دین پور اس تحریک کے اہم مراکز تھے۔ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت

مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ اس تحریک کے روح رواں تھے' حضرت درخواستی نے اپنے شیخ و مربی حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب کی قیادت میں اس تحریک میں بھر پور کردار ادا کیا تھا قیام پاکستان کے بعد جب علماء حق اسلام کے نفاذ کے لیے اپنے قلندرانہ کردار کے لیے میدان میں اترے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ' مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ' مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے جمعیت علماء اسلام کو از سر نو منظم کیا تو آپ بھی اس میں شامل ہوئے اور مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اس قافلہ حق کی قیادت مولانا درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ آئی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی بھر پور کردار ادا کیا' اس کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کی تدریس اور اخلاق و اعمال کی اصلاح میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا' جہاں آپ حافظ الحدیث والقرآن عظیم مفسر و محدث تھے وہاں صاحب دل مشفق و مربی مرشد اور شیخ طریقت بھی تھے' پیکر صدق وصف' سراپائے وقار و تمکنت' مجسمہ ورع و تقویٰ اور جامع علم و عمل بزرگ تھے ہزاروں طالبان علم و عمل کو سیراب و شاداب کیا' حق تعالیٰ شانہٗ اس عاشق رسول کے درجات بلند فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے''۔ آمین!

(ماہنامہ الصیانۃ لاہور)

حضرت مولانا عبدالمالک صدیقی[1] رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء کو مولوی نور محمد صاحبؒ کے گھر ''ڈھکوان'' (موہانیاں) احمد پور شرقیہ بہاولپور میں پیدا ہوئے- قرآن مجید مولوی محمد دینؒ صاحب سے نو ماہ میں ختم کیا' ابتدائی عربی تعلیم مولانا اللہ بخش صاحبؒ سے حاصل کی پھر اپنے بہنوئی مولوی شیر احمد صاحبؒ اور ان کے برادر بزرگ مولوی عبدالعزیز صاحبؒ سے حاصل کی- مشکوٰۃ شریف بھی انہی سے پڑھی-

بیعت وارشاد:

اسی دوران جب حضرت مولانا فضل علی قریشی احمد پور شرقیہ تشریف لائے تو آپ ان سے بیعت ہوئے اور انہی سے منازل سلوک طے کر کے مجاز بیعت ہوئے- اور پھر عمر بیعت وارشاد میں گزری آگے آپ کے خلفاء بھی بہت کافی ہیں جو اس سلسلہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں- ان کی تعداد ۱۷۲ ہے- ۱۹۳۵ء سے ہر سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوتی رہی-

اولاد:

مولانا خلیل الرحمٰنؒ صاحب حق فرزند مولانا قمبر باباؒ صاحب کی بہن سے آپ کا نکاح ہوا' اور ان کے بطن سے فاطمہ' کلثوم' محمد عبدالماجد اور محمد عبدالواحد پیدا ہوئے-

وصال:

۱۱ شعبان ۱۳۹۳ھ/ ۸ اور ۹ ستمبر ۱۹۷۳ء کی درمیانی شب (شب اتوار) دس بج

---

[1] آپ کے سوانحی تذکرہ کا مواد مولانا مدرار اللہ مردانی کی کتاب' تجلیات صدیقی کراچی ۱۹۷۴ء سے لیا گیا- جو مجھے جناب حکیم غلام رسول صاحب مجددی کے توسط سے ملی تھی-

کر دس منٹ پر کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے- اور خانیوال میں سپرد خاک کیے گئے-

۱۳۹۳ھ

در شب یک شنبہ شعبان یاز دہم — سیز دہ صد سہ ونو و تاریخ غم
چوں برفت از ماسوئے دارالقرار — حضرت صدیقی مرشد محترم
آٹھ ستمبر اور نو کی درمیانی رات تھی — بیسویں صدی کا تھا یارہ تہتروں برس
حضرت صدیقی مرشد ہو گئے واصل بحق — بج رہا ہے ہر طرف عالم میں ماتم کا جرس

جناب مولانا سمیع الحق صاحب اپنے تعزیتی اداریے میں لکھتے ہیں کہ:

شعبان ۱۳۹۳ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۷۳ء شب اتوار دس بج کر دس منٹ پر احمد پور بہاولپور میں ایک ایسے خدا رسیدہ بزرگ کا وصال ہوا جس کی ساری زندگی اسلام کی محبت و خدمت خلق اللہ کی رشد و ہدایت اور ارشاد و سلوک میں بسر ہوئی تھی- افسوس محبت مادہ پرستی اور طوفانِ خدا فراموشی کی ان تاریکیوں میں دوائے دل بیچنے والے بڑی تیزی سے سفر آخرت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور دنیا خالی ہوتی جا رہی ہے- عارف ربانی محبّ العلماء والمساکین مولانا محمد عبدالمالک صدیقی نقشبندی مجددی کے رحلت بھی تاریکیوں میں اضافہ کا سبب بنے گی- حضرت مرحوم اپنے وقت کے شیخ طریقت خواجہ قریشی مسکین پوری متوفی ۱۳۵۴ھ کے اہل خلفاء میں سے تھے جن کا روحانی سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے- ولادت ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ بوقت تہجد بستی ڈھکوان محلہ شرقیہ بہاولپور میں ہوئی' وصال کے وقت عمر ۷۴ برس تھی وفات کے بعد چہرۂ انور اور جسم پر جنتیوں کی علامات نمایاں تھیں- جنازہ احمد پور پڑھانے کے بعد دوسرے دن خانیوال

---

[1] شیخ طریقت مولانا عبدالمالک صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی مہتم بالشان خصوصیت کہ آپ کے حلقۂ ارادت میں اکثر علماء و صلحاء شامل ہیں- دارالعلوم حقانیہ کے اکثر اساتذہ ان سے بیعت اور آپ کے خلفاء مجازین ہیں جب کبھی دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرماتے تو ارادتمندوں اور عقیدت کیشوں کا بے پناہ ہجوم خانقاہ اشرفی کا سا منظر پیش کرنے لگتا حیات صدیقی کے نام سے آپ کی سوانح حیات موجود ہے- (مرتب)

لایا گیا جہاں دوبارہ رات کے دس بجے جنازہ پڑھایا گیا اور رات کے دو بج کر پندرہ منٹ پر یعنی اس وقت آغوشِ لحد کے سپرد کر دیئے گئے جب کہ اس وقت زندگی میں آپ مولائے حقیقی سے محو مناجات رہتے اور اپنے نالہ ہائے سحر گاہی کی شکل میں رفیق اعلیٰ سے ہم کلام ہوتے۔

مولانا مرحوم کی ذات دیگر اکابر کی طرح شریعت و طریقت کی جامع تھی' کمال اتباع سنت جو سلسلہ نقشبندیہ کا وصف خاص ہے۔ ہر ہر قدم پر ملحوظ رہا۔ سنت کی مخالفت یا کسی منکر کو دیکھتے تو ضبط نہ کر سکتے۔ نہ کسی مداہنت یا مصلحت بینی کے روادار ہوتے' بلکہ بلا خوف لومۃ لائم ٹوکتے' آپ کے اردگرد دنیا پرستوں اور اہل جاہ و ثروت کا نہیں بلکہ زیادہ تر علماء و طلباء' فقراء اور منکسرۃ القلوب لوگوں کا ہجوم رہتا گویا وہ طبقہ علماء کے مرشد تھے اور خود ان لوگوں میں ایسے خوش رہتے جیسے ماہی بے آب پانی میں تسکین پاتی ہے۔ تمام اکابر دیوبند کے مداح اور گرویدہ تھے' مگر شیخ الاسلام مولانا مدنی کے تو گویا عشاق میں سے تھے' ہمیشہ ان کے مناقب میں رطب اللسان رہتے' صحابہؓ دشمنی تصوف اور سلف صالحین سے بدظنی پیدا کرنے والے لوگوں پر شدید تنقید کرتے' اور اس وجہ سے ہمیشہ جماعت اسلامی مخالفت کا نشانہ بنتی' کبھی تبلیغی جماعت بھی بعض لوگوں کے تشددات کی وجہ سے لپیٹ میں آ جاتی جو بہت سے معتقدین کے لیے بھی سامان آزمائش بن جاتی' تمنائے اصلاح خلق اور جذبہ ارشاد و ہدایت انہیں اس ضعف اور کبر سنی میں بھی طویل اسفار پر مجبور کرتا رہا۔ دارالعلوم حقانیہ میں آمد و رفت کا سلسلہ ۲۰' ۲۲ سال سے دارالعلوم حقانیہ کے اولین صدر مدرس استاد مکرم مولانا عبدالغفورؒ صاحب سواتی[1] قدس سرہ' (سابق

---

[1] مولانا الحافظ عبدالغفور مقام و مسکن غرشنز تحصیل خوازہ خیلہ ضلع سوات مورخہ ۲۱ شوال ۱۳۶۹ھ دارالعلوم حقانیہ میں عہدۂ صدارت تدریس پر آپ کا تقرر ہوا۔ مسلم شریف اور بیضاوی شریف کے علاوہ فنون کی عام کتب پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ کے خلفاء مجازین میں سے تھے۔ ۱۸ شوال ۱۳۷۶ھ کو تعلیمی سال کے آغاز پر دارالعلوم کے لیے رخت سفر باندھا راستہ میں ...

مدرس مدرسہ دینیہ دہلی) کے تعلق سے شروع ہوا جوان کے متوسلین میں سے تھے پھر تو ہر بار دارالعلوم کے بے شمار طلبہ اور اجلہ اساتذہ تک بیعت ہوتے رہے اپنے آخری سفر میں بھی دارالعلوم تشریف لائے دوسرے دن تک قیام کیا اس سفر میں حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آغوش مبارک میں لے کر فرما رہے ہیں:

''عبدالمالک اب بوڑھے ہو چکے ہو گھر میں بیٹھو اور سفر ترک کر دو''۔

اور ابھی مہینہ ڈیڑھ ہی گزرا تھا کہ راہ ارشاد و ہدایت کا یہ تھکا ماندہ مسافر مولائے حقیقی کی آغوش رحمت میں جا کر آسودۂ راحت ہو گیا۔ حق تعالیٰ مرحوم کے فیض کو جاری و ساری رکھے اور درجات میں تا قیامت اضافہ ہوتا رہے۔

الحق

اکتوبر، نومبر ۱۹۷۴ء

ﻪ.....موضع چار باغ رات گزارنے کا ارادہ کیا' رات کو حسب معمول سحری کے لیے اٹھے۔ پھر فجر کی سنتیں ادا کرنے کے بعد جماعت کے انتظار میں تھے کہ عارضہ قلب سے جان بحق ہوئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

عربی لغت کی تحقیق میں قرآنی آیات سے فی البدیہ استدلال فرماتے۔ اور ادق مسئلہ کو تمثیلات سے خوب خوب ذہن نشین کرواتے۔ اور ایسی بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ہمارے مولانا سمیع الحق صاحب کے تو محبوب اساتذہ میں سے تھے۔ اس لحاظ سے مرحوم کا ان پر حق ہے کہ مفصل مقالہ ان پر لکھیں۔ (مرتب)

حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

جناب مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مرحوم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں: کہ

ہمارے استاذ و شیخ و مرشد بقیۃ السلف حضرت مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب م ۱۴۰۵ھ قدس اللہ اسرارہ العزیز رائپوری حال مقیم چک ۱۱، ۱۱۱ ایل چیچہ وطنی' سرپرست جامعہ رشیدیہ ساہیوال' قاری بشیر احمد شہیدؒ کے چار پانچ دن بعد مرحوم و مغفور گئے اور فیصل آباد جنازہ کے بعد مدرسہ تجوید القرآن جنازہ پہنچا اور چیچہ وطنی ہائی سکول کے صحن میں ہزاروں مسلمانوں نے جنازہ پڑھا۔ برادر زادہ مولانا عبدالعلیم رائپوری خلف الرشید حضرت پیر جی عبداللطیف نور اللہ مرقدہ نے جنازہ پڑھایا اور حضرت مرحوم رائپوری کی وصیت کے مطابق' چیچہ وطنی کے عام قبرستان میں مدفون کیے گئے۔ جہاں حضرت مولانا غلام محمد تونسوی مرحوم (سابق خطیب چیچہ وطنی) جیسے علماء' صلحاء آرام کی نیند سو رہے ہیں۔

حضرت مرحوم رائپوریؒ کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ حاجی محمد صالح صاحبؒ رائپوری موسس اول مدرسہ رشیدیہ اپنے وقت کے معروف اکابر و مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے متعلق اتنا تعارف و تعریف کافی ہے کہ آپ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ (مجاہد ۱۸۵۷ء) کے اجلہ خلفاء میں سے معتمد علیہ مجاز تھے۔ جیسا کہ مصنف ''احوال العارفین'' نے حضرت گنگوہیؒ کا مقولہ نقل فرمایا۔ ''تذکرۃ الرشید میں آپ کا ذکر صالح مطبوع ہے''۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ رائپوری کی ولادت عزیز ۱۳۱۶ھ/۱۴۰۵ھ مقام مدرسہ رشیدیہ رائپور گجراں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ رشیدیہ رائپور اپنے والد ماجد حضرت حافظ محمد صالح رائپوریؒ نیز حضرت مولانا فضل احمدؒ صاحب مہتمم مدرسہ رشیدیہ

رائے پور اور اکثر کتب تا متوسطات استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہؒ صدر مدرس مدرسہ رشیدیہ سے پڑھیں- درمیان میں ایک سال کے لیے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی طرف حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ کو مدرسہ کٹھیا رشیخاں (گجرات) بھیجا تھا- پھر واپس رائپور مدرسہ رشیدیہ میں پڑھ کر اعلیٰ تعلیم وحدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند بھجوایا گیا- جہاں آپ نے حضرت شیخ الہندؒ سے استفادہ کیا اور دورۂ حدیث محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ سے مکمل کیا-

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرات نے آپ کو اپنے مدرسہ رشیدیہ رائپور میں منتخب و استاذ تجویز کیا مدرسہ رشیدیہ رائپور میں خود حضرت مولانا فضل احمد صاحب مہتمم امام النحو والصرف مشہور تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ محدث اور فقیہ معروف اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ منقولات ومعقولات وحکمت کے جامع استاذ اور کامل مدرس تھے- کتب از بر تھیں- زبانی بیٹھے پڑھائے جاتے تھے-

راقم، آثم، خادم، ناظم نے اپنے والد ماجد اور حضرت رائپوریؒ سے اکثر کتب پڑھیں- حضرت جی رائپوریؒ ہمارے بہترین استاذ تھے- برادر معظم حضرت مولانا حافظ الحاج محمد عبداللہ صاحب مدظلہٗ نے بھی حضرت رائپوریؒ سے اکتساب علوم وفیوض کیا- اس کے باوجود حضرت رائپوری بعض مسائل میں آپ سے استفسار کیا کرتے تھے-

حضرت رائپوریؒ کے معاصرین میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جامع العلوم، قاسم الخیرات تھے- مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا محمد صاحب انوری لدھیانویؒ، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبدالجبار حصارویؒ، مبلغ دارالعلوم حضرت کے رفقاء خصوصی تھے- آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے ساتھ دورۂ حدیث پڑھا اور حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بھی اکتساب فیض کیا- آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ سے بھی فیوض و برکات وزیارات حاصل کیں- اس کے بعد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر

رائپوریؒ سے بیعت و مجاز صحبت اور خلافت حاصل فرمائی! اور حضرت رائپوری کی طرح حضرت رائپوری کہلائے۔

بڑے حضرت اقدس رائپوریؒ کے خصوصی حضرات میں حضرت مولانا فضل احمد صاحب مہتمم مدرسہ رشیدیہ اور حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوریؒ تھے اور حضرت ان کو اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے۔ مصنف ''احوال العارفین'' نے حضرت اقدس رائپوریؒ کا ملفوظ حضرت والا عبدالعزیز رائپوریؒ کے بارے میں لکھا ہے۔ جو مرتب ''احوال العارفین'' کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ صاحب رائپوری کی خصوصیات' خود بہت ہی جامع الصفات و الکمالات ہیں جو عام علماء میں نہیں پائی جاتیں۔ آپ عالم باعمل' صوفی باصفا' خاموش مزاج' مرنجاں مرنج' انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے' اپنے وقت کے بہترین استاذ' قابل مدرس' نہایت زیرک و دانائے راز' انتہائی مہمان نواز' مردم شناس' جمال وجلال کا مرقع' علم الادیان کے ساتھ علم الابدان کے ماہر بھی تھے۔ مگر کسی فن کو پیشہ نہ بنایا۔

راقم' خادم' آثم' ناظم جس طرح بچپن میں طالب علمی کے زمانہ میں ان سے ڈرتا تھا۔ آخری دور تک اپنے والد ماجد کی طرح ان کو مانتا تھا۔ وہ ہمارے خاندان پر بے حد شفیق و مہربان تھے۔ جس طرح ہمارے والد ماجد مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت رائپوریؒ کے والد معظم حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے اکابر نے تربیت کی' تعلیم دلائی' پروان چڑھایا۔ متبنیٰ بنایا' نکاح و شادی کرائی' جامعہ رشیدیہ میں صدر مدرس و مفتی بنایا' بالکل اسی طرح حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سب کو اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز بنایا' جامعہ رشیدیہ کی سرپرستی فرمائی اور ہم سب کے مربی بنے رہے آخری دم تک ہماری رہنمائی فرماتے رہے۔

ہمارے رائپوری بزرگوں میں دو شخصیات بہت ہی دانائے راز تھیں۔ اول حضرت منشی رحمت علی بہرویؒ دوم حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوری' حضرت رائپوری کی

ایک اہم قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح ان کے شیخ و مرشد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوریؒ بہت سی خوبیوں اور متعدد کمالات کو اپنے اندر جذب کیے ہوئے تھے- حضرت مولانا عبدالعزیزؒ بھی علوم و کمالات' سلوک و معارف اور صوفیانہ فیوضات کو اپنے اندر اسی طرح جذب و ضبط کر لیتے تھے- جس طرح ان کے شیخ و مرشد جاذب تھے-

سطحی نظر والے شیخ وقت حضرت اقدس رائپوریؒ اور بقیۃ السلف و الخلف حضرت مولانا عبدالعزیز رائپوریؒ کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ کوئی عالم یا عارف ہیں- لیکن عمیق علم و نظر والے حضرات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے- جس طرح حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض مسائل میں تمحیص و مذاکرہ کیا اور بعد میں بہت پچھتائے- توبہ استغفار کیے- صدقہ و خیرات کیے- حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح آپ کے اطمینان قلب کے لیے بطور بشارت نازل فرمائی-

بالکل ایسے ہی راقم' آثم' ناظم' خادم نے حضرت الاستاذ والشیخ سے بحیثیت سرپرست جامعہ' جامعہ رشیدیہ کے بارے میں ''بحث و مباحثہ'' قال اقول کیا- جب کہ خود حضرت الاستاذ شیخ نے خادم کو اپنے ہاں چک نمبر ۱۱ میں طلب فرمایا اور سواری بھیج کر بلوایا کہ راقم بیمار تھا-

واقعہ یہ ہے کہ راقم' آثم' خادم' ناظم نے کبھی اس سے قبل اس طرح آپ سے مکالمہ نہیں کیا- جس طرح آخری ایام میں نوبت آئی- بالآخر راقم' آثم' خادم' ناظم نے حضرت رائپوریؒ کے احکام کی تعمیل کی بعد میں تجربہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عالی کی رائے صحیح تھی- صرف افہام و تفہیم مقصد تھا اور بعض مصالح کی بناء پر گفتگو ہوئی تھی- مگر بعد میں ندامت ہوئی- بے حد نادم ہوا- معذرت خواہی کی

حضرت الاستاذ شیخ نے حسب مزاج کمال شفقت سے ہماری مکرر رہنمائی فرمائی- ادعیہ سے نوازا اور آخری ایام مرض تک جامعہ رشیدیہ اور مفتی فقیر اللہؒ کے خاندان

کو جس محبت وراحت سے نوازا اس کی تفصیل لکھی نہیں جا سکتی۔ شعر تو قدیم ہے، پر حضرت بھی قدیم بزرگ تھے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

و ما کان ہلک قیس ھلک واحد و لکن بنیان قوم تہدما
و لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

رائپوری بات:

اصل رائپور ضلع سہارن پور حضرت شاہ عبدالرحیمؒ رائپوری کا وطن اور حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری نے رائے پور کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ ہمارے بزرگوں نے اسی رائے پور کے مبارک نام پر رائپور تجویز کیا۔ یہ رائپور تحصیل نکودر ذیل مہت پور ضلع جالندھر دریائے ستلج کے کنارے آباد تھا۔ جو تین چار مرتبہ دریا برد ہوتا رہا۔ بالآخر رائے پور راعیاں آخری مدرسہ رشیدیہ چھوڑ کر ہجرت کے بعد ساہیوال چیچہ وطنی چک ۱۱، ۱۱ ایل گوجراں آ گئے۔ حضرت رائپوریؒ کی تین بیویاں تھیں۔ جن سے دو تین بچے بھی پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ کی باقیات الصالحات میں پیر جی عبداللطیف ہی کی اولاد ہیں۔

(ماخوذ ماہنامہ الرشید لاہور)

شیخ العصر

حضرت مولانا علی مرتضیٰ نقشبندی ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ العصر حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب نقشبندی ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین، فقیہ و محدث اور عارف کامل تھے، ان کی زندگی مبارک ہمارے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

وطن مالوف وولادت باسعادت:

حضرت کا وطن مالوف گدائی (ضلع ڈیرہ غازی خان) ہے۔ شناختی کارڈ میں سن ولادت ۱۹۰۷ء درج ہے جب کہ معاصرین ولادت اس سے قبل کی بتلاتے ہیں۔

والد ماجد:

حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا علامہ محمد حسین صاحب نور اللہ مرقدہ، بہت بڑے درویش صفت عالم تھے۔ انہوں نے شیخ حسین بن محسن یمنی (۱۲۴۵ھ ۱۳۲۷ھ) سے بھوپال میں حدیث پڑھی تھی حضرت مرحوم نے اپنے والد صاحب سے بھی سند حدیث حاصل کی تھی حضرت مولانا محمد حسین صاحب نے مختلف مقامات بھوپال، حیدرآباد دکن میں تدریس فرمائی تھی۔ کچھ مدت بعد فقر و فاقہ کو اختیار کرتے ہوئے اپنے آبائی وطن گدائی میں قیام کر کے بلا معاوضہ تادم آخر پڑھاتے رہے بکریاں چراتے تھے اور اسی کے پس انداز سے حج کی سعادت حاصل کی تھی۔ حق گو، بارعب اور با اثر شخصیت کے مالک

تھے- علاقہ گدائی میں اہلسنت والجماعت کی آواز کو قوت کے ساتھ بلند فرمایا- علاقہ کا ایک شیعہ پیر گنہور شاہ جو کثیر الاتباع تھا وہ مخالف ہو گیا-قتل کرنے کا منصوبہ بنایا مگر ناکام ہو گیا اس نے پیشن گوئی کی تھی کہ بے اولاد مریں گے-مگر باری تعالیٰ کی شان عزیت کہ وہ خود لا ولد مرا اور حضرت صاحب کی صلب سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے جو اہل علم تھے جن میں سے ایک ہمارے حضرت اقدس قدس سرہٗ ہیں- دادا اور پردادا سب بخدا زاہد بزرگ تھے- یہ خاندان عالی مرتبت ''این خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہے-

تعلیم:

حضرت جی ایک جید عالم تھے- دین پور شریف' احمد پور شرقیہ' سہارنپور' مظاہر علوم اور خود والد ماجد سے تعلیم فرمائی-تفسیر' حدیث' فقہ' اور منطق و فلسفہ کی کتب کی عبارات حفظ کر کے پڑھی- تجوید و قراءت سہارنپور میں قاری عبدالعلیمؒ سے سیکھی- اساتذہ کرام میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری- مولانا ثابت علی صاحبؒ، مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مولانا واحد بخش صاحبؒ نور اللہ مراقدہم- مولانا محمد صدیق صاحبؒ مجاز حضرت تھانویؒ نیز حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ کے ہم درس ہو کر ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ سے بھی درس حدیث لیا- کھانا حضرت سہارنپوریؒ کے گھر سے آتا تھا اور اور مولانا الٰہی بخش صاحبؒ احمد پوری اور حضرت والد مرحوم وغیرہم ان کی علمی اور عملی کمالات کا اثر زمانہ تعلیم سے ہونے کا صبغۃ اللہ خدائی رنگ اس دور سے چڑھنے لگا-

حفظ قرآن بڑی عمر میں از خود صرف سات ماہ کے عرصہ میں فرمایا تادم آخر پندرہ پارہ تک تلاوت میں متشابہ نہ آتا تھا-

تعلق شیخ:

ظاہری تعلیم کا آخری سال تھا کہ تعلیم باطنی کا شدت سے احساس ہوا نقشبندی بزرگ قبلہ عالم، قطب الارشاد حضرت مولانا فضل علی صاحب قریشی نور اللہ مرقدہ سے تعلق ہوا اور یہ تعلق پختہ اور گہرا ہوتا گیا تا آنکہ خلعت خلافت سے نوازا گیا۔ حضرت قریشی صاحبؒ بار بار گدائی تشریف لاتے تھے اور اپنی محبت و شفقت کا یوں اظہار فرماتے ۔

گدائی از تو نمی خواہم جدائی

اس جانب مرید صادق کا رابطہ بھی ایسا تھا کہ ہر دوسرے ہفتہ میں گدائی (ضلع ڈیرہ غازی خان) سے پیدل مسکین پور شریف (ضلع مظفر گڑھ) دریا عبور کر کے دوسرے دن دوپہر کو حاضری ہوتی۔ راستہ میں بحکم حضرت شیخ کسی سے مہمانی اور سوال کرنے کی ممانعت تھی فقر و فاقہ کا زمانہ تھا۔ صرف ایک آنہ کشتی کے لیے مہیا کر کے یہ سفر ہوتا اور وہاں دو دن قیام کر کے بطریق سابق واپسی ہوتی اور یہ معمول سالہا سال رہا۔ شیخ سے تمام سلاسل کی اجازت حاصل تھی مگر نقشبندیت غالب تھی اور اس طریق سے حضرت کو مہارت حاصل تھی۔

فقر و فاقہ:

حضرت اقدس جد اعلیٰ مولانا محمد حسین صاحبؒ وجد الجد میاں عمر دراز اور والد ماجد مولانا محمد حسین صاحبؒ تمام اتقیاء اور اہل صفا بزرگ تھے اور متوکل علی اللہ تھے۔ سب نے زاہدانہ زندگی گزاری۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا احب الله عبدا حماه الدنیا کما یظل احد کم یحمی سقیمه المآء. (ترمذی)

"یعنی اللہ تعالیٰ جس سے محبت فرماتے ہیں اسے دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں جس طرح بیمار سے پانی کا پرہیز کرایا جاتا ہے"۔

تنگدستی باری تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص حفاظت ہے۔ تا آنکہ سالک نجس دنیا میں آلودہ نہ ہونے پائے۔ حضرت اقدس جب علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کے آخری دور میں تھے تو والد صاحب کی وفات ہوگئی ان کی تکفین کا انتظام بھی قرضہ سے ہوا۔ گھر کا مکان شکستہ وخستہ تھا۔ پس انداز کچھ نہ تھا۔ شادی کا وقت آیا تو بامشورہ والدہ صاحبہ ناناجی سے ایک دن قبل نئے کپڑے بنانے کی درخواست کی جس کے جواب میں فرمایا کہ جن کپڑوں میں نماز ہو جاتی ہے ان میں نکاح بھی ہو جاتا ہے۔ انہی کو دھو کر شادی کی تقریب انجام پائی۔ یہ تنگدستی بہت بڑا امتحان بنی رہی مگر اس کوہ استقامت کو جنبش نہ ہوئی اور نہ علمی اور عملی کمالات کو کسب دنیائے دوں کا ذریعہ بنایا۔ البتہ ہاتھ سے کپڑا سلائی اور مدت طویل تک ایک دینی کتب خانہ میں ملازمت اختیار فرمائی ادھر ایک وقت میں درس کا سلسلہ بلا معاوضہ اور مسند ارشاد سے ذکر فکر کی مجالس مراقبات بھی جاری رکھی۔

مسند ارشاد وتلقین:

ابتدائی دور میں حضرت حماد اللہ صاحب الہجوی سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مکتوب نصیحت آیا جس میں حضرت قدس سرہٗ کو لکھا کہ:

واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین...... فان تولوا فقل حسبی الله.

''طریق سلسلہ کے لیے یہ ایک نصیحت تھی آپ تعلق بنانے والوں سے خوب نرمی برتیں اور نفع پہنچائیں اور نہ جوڑنے پر حق تعالیٰ کو کافی سمجھیں''۔

قال علیکم السلام نعم الرجل الفقیه فی الدین ان احتیج الیه نفع و ان استغنی عنه اغنی نفسه.

''فرمایا کہ دین میں سمجھ رکھنے والا وہ مرد بہت اچھا ہے کہ اگر اس کی طرف

احتیاج ہوتو نفع دینے میں دریغ نہ کرے اور اگر اس سے لاپرواہی کی جائے تو وہ اپنے نفس کو غنی رکھے''۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کا بالکل یہی مزاج تھا اور پیر اور شیخ بننے کے خواہشمند نہ تھے۔

احمد تو عاشقی بہ شیخیت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ خود فرماتے رہتے تھے نہ کسی کے آنے کی خوشی نہ کسی کے جانے کا غم۔

مجالس و تعلقات انتہائی سادہ تکلفات کا نام و نشان تک نہیں تھا پیران کرام کے وہ طور و اطوار سجادہ و تکیہ کا استعمال اور حلقہ مداحین اور مخصوص انداز سے گفتگو اور خوشامد پسندی جیسے پیغامات کا تبادلہ اور دعوتوں کا سلسلہ مدحیہ و نعتیہ اشعار کی پر رونق مجالس وغیرہ میں سے کسی چیز کا نام و نشان نہ تھا۔ ان امور سے امراء اور ظاہرین جہلاء کے قلوب کو تو مائل کیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقی درویش کو اس سے کیا تعلق باوجود یہ کہ ''پیران نمے پرند مریداں پرانند'' کا مقولہ مشہور اور معمول ہے مگر حضرت جی فرماتے تھے فقیریوں کہتا ہے ''مشک آنست کہ خود بہ بوید نہ کہ عطار بگوید'' مشک وہ ہے جو خود مہکے نہ کہ دکاندار کہتا پھرے مگر بایں ہمہ حضرت کی محبوبیت و جاذبیت ایسی تھی کہ جس نے دیکھا گرویدہ ہوا علماء کرام اور اہل دل حضرات آپ کے دامن سے وابستگی میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ تلقین و ارشاد میں انداز بیان لطیف و آسان لب و لہجہ میں اعتماد مرغوبیت ہلکی پھلکی مثالوں اور واقعات سے مزین روح و قلب کی گہرائیوں میں اثر کرنے والی پیاری باتیں ہر مریض درد مند اور سائل و سالک کو بیک وقت دوا و شفا حاصل ہوتی ہے۔ ہر کجا دردے دوا آنجا رود بہر کجا رنجے شفا آنجا درد۔ دعوت الی اللہ کے لیے حکمۃ و موعظۃ حسنۃ کا نبوی طریقہ اور اہل اللہ کا مخصوص طرز اس دور میں حضرت کی مجالس اس کی مظہر اتم تھیں۔ دل

سوزی، ہمدردی اور نرم خوئی کے حکیمانہ انداز کے سامنے پتھر دل بھی موم ہو جاتے۔ مردوں میں جان واپس آتی نامراد اور مایوس آس لے کر اٹھتے بھٹکے ہوئے صرف نشان راہ ہی نہ پاتے بلکہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے۔ حلقہ میں اکثر علماء اور فقراء اور درویش صفت بزرگ ہوتے امراء بہت کم۔ صبح ڈیڑھ گھنٹہ بعد الصلوٰۃ سے خانقاہ شریف میں ظہر تا عصر مسجد شریف میں بیٹھنے کا معمول تھا۔ اس ضعف اور بیماری میں معروف ایک ہیئت میں جلسہ ہوتا نہ سہارا لیتے اور نہ کروٹ بدلتے۔ ان مجالس میں عارف رومی، جامی، غزالی، مجدد الف ثانی، تھانوی، اور شیخ قریشی کی زبان بولتی اور ہر بات باحوالہ باسند ہوتی عالم غیر عالم، کامل ناقص سب ہی فیضیاب ہوتے۔ ع

''ناقصاں راہ پیر کامل کاملاں را رہنما''

کے مصداق تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ جل جلالہٗ اور سید الاولین کے ساتھ ﷺ بالتزام فرماتے ادب واحترام اور بسا اوقات دل کی گرم وسرد آہ کے ساتھ دونوں نام لیتے حضور ﷺ کے ذکر مبارک میں اکثر آنسو بہا لیتے۔

حلقہ مراقبہ:

صبح بعد الصلوٰۃ ایک گھنٹہ اور بعد المغرب بیس منٹ حلقہ مراقبہ اور دعا کے ساتھ ختم ہوتا۔ سالکین کشاں کشاں شمولیت کرتے اور حضرت کی خصوصی قلبی توجہ اپنے اپنے اسباق کی سیرابی کراتے اور شب جمعہ علقہ مراقبہ کے بعد پندرہ منٹ کا بیان بھی ہوتا۔ **کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم** کے مطابق آیۃ کریمہ اور حدیث شریف کی تشریح اور سادگی وسکون سے ہوتی حضرت جی خفیف ومتین آواز اور حاضرین کی کثیر تعداد کے باعث آخر مجلس تک الفاظ سنائی نہ دینے کے باوجود تمام شرکاء کے قلوب ایک خاص اثر اور وجدانی کیفیت سے معمور ہوتے بعد البیان کبھی کبھی ختم خواجگان کا ورد بھی فرماتے اور دعا

سے اختتام فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجلس ذکر میں بیٹھ جانا فائدہ سے خالی نہیں لا یشقی جلیسھم (ان کا ہم نشین کبھی محروم نہ ہوگا) الحدیث کا حوالہ دے کر درخواست کنندہ کو مطمئن کر دیتے۔

بیعت:

ابتدائی دور میں بیعت لینے سے بہت گھبراتے صرف پند و موعظت پر اکتفاء فرماتے ارادت مند کو دوسری جگہ کا مشورہ دیتے۔ خود کو مخفی رکھنے میں ہر درجہ کی کوشش فرماتے تخلیہ میں تحلیہ کی جانب راغب تھی لیکن جب تعلق ہو جاتا تو پھر اس کی نگرانی میں حق ادا فرماتے اور اپنی پوری ذمہ داری کو خوب نبھاتے تا آنکہ اس بدر تمام اور آفتاب نصف النہار کا شہرہ اطراف و جوانب سے عشاق کی آمد ہوئی تو خانقاہ کا دروازہ عام کھول دیا۔ مگر اپنی چشم بصیرت اور کشفی کمال سے متوسل کو اس کی استعداد کے مطابق طریق کی راہنمائی فرماتے با قاعدہ اسباق نقشبندیہ کا اجرا فرماتے۔ نوبہ بہ نوبہ حصہ بقدر جثہ سب کو تقسیم فرماتے انہیں میں جن کو اجازت و خلافت سے نوازتے تو ایک مخصوص انداز میں خلوت میں بیٹھ کر یا خط میں تحریر فرما کر بار امانت سپرد فرماتے حضرت الاستاذ فقیہ العصر مولانا عبدالستار صاحب صدر و مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان کی طرف اس مضمون کی تحریر مبارک یہ ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' حامداً و مصلیاً۔

اس فقیر حقیر کو اعلیٰ حضرت قطب دوران غوث زمان قبلہ خواجہ فضل علی قریشی عباسی قدس سرہٗ سے اجازت سلاسل اربعہ کی ہے یہ فقیر آپ کو توکلاً علی اللہ اور تبلیغ دین کے لیے اجازت سلاسل اربعہ کی دیتا ہے۔ اتباع سنتؐ اور رضائے الٰہی اور تقویٰ اپنا لائحہ عمل فرما کر تلقین و اذکار نقشبندیہ خود بھی کریں اور دوسروں کو بتائیں۔ و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت الحمدللہ الحمدللہ امانت بحق دار رسید.

ہزاروں متوسلین میں کافی تعداد میں خلفاء ملک و بیرون ملک موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور استقامت علی الحق سے نوازے اور ان کے ذریعے فیوضات کو عام تام فرمائے''۔ (آمین ثم آمین)

عبادات و معمولات:

حضرت اقدسؒ کی نماز انتہائی خشوع وخضوع سے ہوتی مدتوں سے آپ کی تکبیر اولیٰ فوت ہوتے نہیں دیکھی گئی صبح کی نماز کی ابتداء غلس اور اختتام اسفار میں ہوتا دوسری نمازیں اول وقت میں ادا فرماتے امامت خود فرماتے قراءت مسنونہ کرتے تہجد اشراق چاشت اوابین کا التزام تھا۔ نماز تراویح کی امامت چند سال اخیرہ کے علاوہ خود فرماتے رہے کھڑے ہو کر انتہائی سکون سے بغیر کسی جنبش اور کسی جانب سہارا لیے اقتداء میں پورا قرآن سنتے ضعف و پیری کے قبل رات کے تمام حصے میں دوسرے حفاظ سے قرآن سنتے قراءت نماز میں رقت طاری ہو جاتی اور آواز دب جاتی فرض صیام کے علاوہ دوسرے صیام ایام بیض وغیرہ کے بھی پورے رکھتے حج وعمرہ کی سعادت بہت حاصل ہوئی۔ ۱۴ حج ۲ عمرے کیے حرمین شریفین میں حاضری ہوئی۔ سب سے پہلے حج ۱۳۵۷ھ میں اس طرح ہوا کہ سالہا سال سے حلق وبطن کو لذائذ مطوبات سے ہی نہیں بلکہ کسی قدر ضرورت سے بھی قناعت فرماتے ہوئے کچھ پس انداز اور کچھ قرضہ سے صرف ستر روپے آمد و رفت بمعہ کھانا بذریعہ بحری جہاز بمبئی سے سفر ہوا۔ اسی پہلے حج میں الوداعی سلام کہتے ہوئے قبر خضراء سے آواز آئی۔ عوداً عوداً۔ دل میں پختگی وتسلی ہوئی کہ دو مرتبہ ضرور حاضری ہوگی۔ الحمدللہ ایسا ہی ہوا آئندہ سال اور اس کے بعد سال میں حج بدل کی صورت میں جانا ہوا وہاں جس گرمی ومحبت سے قیام وحاضری رہتی وہ ایک تفصیل ہے رمضان المبارک پورے ماہ کی ہر شب عمرہ ادا فرماتے مدینہ منورہ کا ادب واحترام عجیب ہوتا۔ عشق رسول ﷺ سے ڈوبے ہوئے محبّ صادق مواجہہ شریف پر حاضری انتہائی فروتنی کے ساتھ دست بستہ ہو کر

گھنٹوں قیام کرتے اپنے متعلقین کو پیری و مریدی کے آداب سے روکتے ہوئے یوں فرماتے کہ یہاں سید الاولین والآخرین شیخ المشائخ ہیں حضرت جی کا آخری عمرہ رمضان المبارک (۱۴۰۲ھ) اور پھر اس سال آخری حج ہوا- ملتان سے روانگی کے وقت جامعہ خیر المدارس میں صرف پندرہ منٹ کے لیے تشریف لائے اس سال حج بدل کا داخلہ اور منظوری اور بارہ جولائی ۱۹۸۸ء کو روانگی تھی مگر وہ بیت اللہ کی بجائے خود ذات باری کی طرف تشریف لے گئے- حضرت جی کے معمولات میں ذکر اللہ تسبیحات مسنونہ اور مراقبہ کثرت سے تھا تخلیہ میں چار گھنٹے مراقب رہتے مرض وضعف میں اس کی قضا نہ ہوئی استغراق کی کیفیت لحہ لحہ ہوتی مگر جلد سنبھل جاتے دو دو منٹ کے بعد اندر سے ایک خاص آواز نکلی اور ہونٹوں والے حصہ میں کپکپی طاری ہو جاتی-

مسلک ومشرب:

اہلسنت والجماعت حنفی اور علماء دیوبند سے متعلق تھے- گدائی کا علاقہ رافضیت کی نجاست سے آلودہ تھا- حضرت والد صاحب اور حضرت جی نے اس گندگی کو صاف فرمایا- اہل حق کے فرقہ ناجیہ کے مسلک کو قوت اور حکمت کے ساتھ بلند فرمایا- مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ یہاں تشریف لاتے رہے اور حضرت مولانا تونسوی مدظلہٗ تو بلاناغہ سالانہ جلسہ میں مدعو ہوتے ہیں- گذشتہ سالوں سے رافضیت کا جو فتنہ ملک بھر میں شروع ہے اس سے رنجیدہ تھے کراچی کے علماء اور مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ پر مظالم جیسے واقعات سے بہت غمزدہ تھے- دعا میں قنوت نازلہ کی عبارت پڑھتے اور علماء کو اس کے پڑھنے اور اس فتنہ کا قلع قمع کرنے کی ترغیب دیتے- بغض صحابہؓ اور ان کے مشاجرات پر تبصرہ کرنے والی کتب اور ان کے مصنفین سے لاتعلق تھے اسی طرح اہل حق اکابر دیوبند کے بالمقابل جدید تحقیق بشمول منکرین حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم جیسے فتنوں کی تردید فرماتے رہتے تھے- تصوف میں حضرت تھانویؒ کی تحقیق راجح تھی اور

حضرت ہی کے مزاج سے مطابقت تھی سیاسی مسلک میں حضرت مدنی کی طرف رجحان تھا البتہ حکومت سے ٹکراؤ کے لیے استطاعت تامہ کو شرائط قرار دیتے۔ موجودہ حکومت کے قول وعمل کے کھلے تضاد سے مایوس تھے۔ تبلیغی جماعت کو اچھی نگاہ سے دیکھتے اور وقت لگانے والوں سے پیار فرماتے مگر اس کو ہیئت کذائیہ میں تبلیغ کے حصر کے قائل نہ تھے۔ بلکہ ایسے غلو کہ جس کے نتیجہ میں مدارس اور خانقاہی نظام سے بے اعتنائی ہو جائے اچھا نہ کہتے۔ بدعات ورسوم کی تردید فرماتے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو ضروری اور ان کی گستاخی کو خطرہ اور سلب ایمان کا موجب قرار دیتے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ‘ شاہ ولی اللہؒ وغیرہ کی کتب زیر مطالعہ ہوتی تھیں۔

کشف وکرامات:

حضرت جیؒ میں کمال درجہ کا اخفاء تھا بہت کچھ تھے۔ مگر اظہار نہ تھا۔ الاستقامت فوق الکرامت کی شان تو لازم اور جزو لاینفک تھی مگر اس کے ساتھ ایک واقعہ وہ ہے جو مرقد مبارک روضۂ اطہر سے بوقت الوداعی آواز آئی اور دوسرا یہ کہ کسی دوسرے موقع مدینہ منورہ کے قیام کے وقت خرچہ نہ تھا۔ کچھ دن کا فاقہ تھا۔ خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی ارشاد فرمایا کہ کس کے مہمان ہو۔ عرض کیا آپ کے۔ سخی ہاتھوں نے مٹھی میں کچھ دے دیا۔ بیداری ہوئی تو ریال تھا۔ تیسرا یہ گذشتہ سال حرمین سے واپسی پر حالات کے بیان میں حضرت جی نے فرمایا کہ اس سال آنحضرت ﷺ نے مہمانی عنایت فرمائی یہ تینوں واقعات خود راقم کے سامنے بیان فرمودہ ہیں اور دیگر واقعات اس قدر ہیں جس کے ذکر کے لیے ایک باب مرتب ہو سکتا ہے۔

ملفوظات ومکتوبات:

مجلس میں حاضر باش بعض دوستوں نے اپنے حافظہ کی مدد سے بعض قیمتی باتیں

تحریر کر دیں اس طرح حضرت جی کے جو مکتوبات جو سائلین کے جواب میں روانہ فرماتے وہ بھی محبین کے پاس محفوظ ہیں اس اشاعت میں حضرت جی کی آخری تقریر شب جمعہ ۲۴ شوال ۱۴۰۸ھ سے اقتباس پیش ہے فرمایا: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا'' جس نے اپنے نفس کو صاف کیا وہ کامیاب ہوا۔ انبیاءؑ کی بعثت کا اہم مقصد تزکیہ اور اخلاق کی اصلاح ہے تلاوت قرآن بلا تدبر و بلا عمل مفید نہیں۔ ایسوں کو قرآن لعنت کرتا ہے اور قرآن میں تدبر نہ کرنے پر عَلٰى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا کی وعید آئی ہے کہ دلوں پر تالے لگ گئے۔ ان تالوں کو کھولنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهم افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوبِنَا بِذِكْرِكَ.

اور یہ دعا ہر نماز کے بعد ہوتی تھی۔

اللهم اعنى على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك.

تزکیۂ نفوس کے لیے تین کام کرنے کے ہیں اور ایک چھوڑنے کا۔ ذکر اللہ، اتباع سنتؐ اور صحبت شیخ اور معاصی سے پرہیز ذکر اللہ تمام بیماریوں کا علاج ہے اسے ضرور کرو چھوڑو مت پانچ منٹ تو کر لیا کرو۔ طالب لذت مت بنو۔ طالب مولیٰ بنو، فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ غذا اور مقویات کھانے سے جسم میں نمو اور قوت حاصل ہوتی ہے مگر معلوم نہیں ہوتی۔ کم از کم صحت (روحانی) تو بحال رہتی ہے۔ اتباع سنتؐ نور ہے۔ بغیر روشنی طریق پر چلنا ناممکن ہے۔ طریقت بغیر سنت گمراہی ہے۔ اس طرح معاصی سے پرہیز ضروری ہے۔ ورنہ علاج بے فائدہ ہے ان تمام باتوں کا حصول صحبت شیخ سے آسان ہے علماء اور مدرسین جب پڑھاتے ہیں یہ نیت ہوتی ہے کہ کتاب کا مقصد اور مالہ و ماعلیہ پورا پورا متعلم کے ذہن نشین ہو جائے اور متعلمین کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ کتاب سمجھ آ جائے اور یاد ہو جائے تا کہ امتحان میں کامیابی اور استعداد ہو فقیر کہتا ہے

کہ ابھی تک یہ نیت اُدھوری ہے- دونوں طرف سے عمل اور رضائے الٰہی کی نیت ضروری ہے-

وفات و جنازہ:

كُلّ نَفْسٍ ذائقةُ الْمَوت.

یہ صدمہ ہر ایک کو ہوا ہے اور ہونا ہے طلوع کے بعد غروب' اللہ تعالیٰ کا نظام ہے اور یہی ہوا- حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ' آخری ایام میں کچھ ایسے ارشاد ات دینے لگے تھے جن سے ان کے فراق کا قرب محسوس ہوتا تھا- ایک قریبی متعلق نے خواب میں دیکھا کہ حرم کے دو مینار گر گئے تھے حضرت ہی نے تعبیر فرمائی کہ عنقریب ایک ولی اللہ کی رخصتی ہونے والی ہے جس کی تلافی نہ ہو سکے گی- طبیعت ہشاش بشاش جیسے جوانی عود کر آئی ہو-۲۴/ شوال حسب معمول جمعہ کے لیے شہر سے آبائی قصبہ گدائی کی طرف اکیلے بذریعہ رکشا تشریف لے گئے اور واپس نماز عصر شہر میں ادا فرمائی اور مجلس ارشاد قائم رکھی صلوٰۃ مغرب سے چند ساعات قبل دل پر اثر ہوا ڈاکٹر کی توجہ سے سنبھل گئے- مگر بحکم ڈاکٹر دولت خانہ سے باہر تشریف نہ لائے آج کی رات آخری تھی- مغرب' عشاء' فجر کی نمازیں گھر میں باجماعت ادا فرمائیں راقم الحروف اس شب وہیں حاضر تھا دوسرے دن نصف النہار پھر تکلیف ہوئی- صبر و استقامت ایک خصوصیت تھی- شدت درد سے کروٹیں بدلتے رہے مگر آہ آہ اور بے صبری کا کچھ مظاہرہ نہ ہونے دیا- بیٹھے ہوئے سامعین کی طرف متوجہ ہو کر حاضرین کو لٹانے کا حکم فرمایا اور کلمہ شہادت بحرکت زبان کے ساتھ پڑھا اور محبوب حقیقی کو ملنے چلے گئے- انا للہ و انا الیہ راجعون. ڈیڑھ بجے دن ۲۵' شوال بروز ہفتہ لاکھوں محبین کو داغ مفارقت دے کر اِرْجِعِي اِلىٰ رَبِّكِ رَاضِيةً مَّرضِيه کی پکار پر لبیک فرمادی پر انوار چہرہ شریف پر مسکراہٹ تھی اور شہادت کی انگلی کھڑی تھی- اسناد و

ضحک اور استبشار تھا ملک بھر میں بجلی کی طرح خبر پھیل گئی۔

یاد داری کہ وقت زادن تو
ہمہ خنداں بدند و تو گریان
ہم چنیں زی کہ قوت مردن تو
ہمہ گریان شوند و تو خندان

حضرت کی وصیت تھی کہ جامع مسجد گدائی شریف کے نمازیوں کی جوتیوں والی جگہ تدفین کی جائے وصیت کو پورا کیا گیا سنت کے مطابق غسل اور قبر تیار ہوئی۔ حضرت اقدس سرہ' کی کئی سال سے احرام والی پرانی چادروں میں تکفین ہوئی اور بعد صلوٰۃ العشاء ساڑھے دس بجے گورنمنٹ ہائی سکول گدائی شریف کے ایک طویل و عریض میدان میں جنازہ کی نماز ہوئی جنازہ کی چارپائی سے بانس باندھے گئے۔ مجمع کثیر تھا ڈیرہ غازی خان کی تاریخ میں اس قدر نہیں دیکھا گیا جنازہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ' نے پڑھایا آخری دیدار کے لیے ایک سمندر امنڈ پڑا نظم وضبط مشکل ہو گیا رات کے ایک بجے تدفین ہو چکی زخم خوردہ متعلقین ڈبڈبائی آنکھوں سے مگر صبر وتحمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کو دیکھتے رہے۔ راقم غمزدہ کی زبان پر مولانا حاجیؒ کے یہ اشعار وارد تھے ۔

از حسن ملیح خود شور بجہان کر دی
برزخمی و بسمل را مصروف فغان کر دی
مدہوش بیک ساغر اے پیر فغان کر دی
دل بردی و جان بردی بیتاب و تواں کر دی
شد حاجی بے چارہ از عشق تو آوارہ
آوارۂ غربت رادر خاک کر دی

اولاد:

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو پانچ صاجزادے اور پانچ صاجزادیاں عطا ہوئی تھیں۔ بڑے صاجزادے محمد مکی مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور پندرہ یوم کے بعد وفات پائی- باقی چار صاجزادے اور دو صاجزادیاں بھی وفات پا کر ذخیرہ آخرت ہوئیں-

اس وقت پس ماندگان میں اماں جی بعمر ۷۵ سال جنہوں نے حضرت جیؒ کی خدمت واطاعت کا حق ادا فرمایا اور فقر فاقہ کی زندگی میں ساتھ دیا عابدہ ذاکرہ شاغلہ ہیں تین صاجزادیاں اور دو بھتیجے میاں محمد اسماعیل صاحب اور مولانا محمد اسحاق صاحب دونوں نسبت دامادی سے مشرف ہیں-

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ نے خلفاء کے مشورہ سے مولانا محمد اسحاق صاحب زید مجدہ کو جانشین نامزد فرمایا آن موصوف معتدل مزاج مرنج مرنجان طبیعت کے حامل نوجوان ہیں- درس نظامی کی تکمیل کے بعد خود حضرت نور اللہ مرقدہ کی توجہ وترغیب بلکہ نگرانی سے سلسلہ نقشبندیہ کے اسباق اور سند خلافت واجازت مسکین پوری سجادہ نشین شیخ طریقت ولی کامل حضرت پیر سید کلیم اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کر چکے ہیں اس پر حضرت جیؒ نے بھی دستخط فرما کر مولانا کے لیے سند خلافت کو مزید مبارک بنا دیا جب کہ خانقاہ بہلویہ کے شجاع آباد کے سجادہ نشین صاجزادہ حضرت حاجی عزیز احمد صاحب مدظلہ نے بھی اجازت سلوک مرحمت فرمائی مولانا موصوف مدرسہ دارالعلوم صدیقیہ جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ قائم فرما گئے کی سرپرستی ونگرانی جامع مسجد کی خطابت وانتظام کے علاوہ خانقاہ مرتضویہ سے متعلق واردین کی ضیافت و خدمت کو نہایت سادگی وتحمل سے نبھا رہے ہیں حضرت جی کے معمول کے مطابق شب جمعہ کا ذکر ڈیرہ غازی خان شہر میں اور جمعہ مبارک کا اجتماع گدائی شریف میں بالتزام جاری کیے ہوئے ہیں-حق تعالیٰ شانہ اس خانقاہ کو آباد رکھے اور اس کی فیوضات سے عالم

کو مستفید فرمائے- متوسلین کو تلقین کی گئی ہے کہ اس تعلق کو باقی رکھتے ہوئے-

حضرت الشیخ سے وفا و ربط کا ثبوت دیں تمام متعلقین کی دعا ہے کہ مولانا مدظلہٗ کو اس جانشینی کے عالی منصب کا حق ادا کرنے کی توفیق دے- حوادثات و منکرات سے ان کی حفاظت فرمائے- آمین!

یا رب العلمین بجاہ نبیک و حبیبک سید الاولین و الآخرین و صلی اللہ علیہ وسلم الہ و اصحابہ و اتباعہ و بارک و سلم تسلیمًا.

(ماخوذ حصن حصین من کلام رب العالمین)

پیر طریقت

حضرت مولانا حافظ غلام حبیب صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی غلام حبیب بن محی الدینؒ بن قائم الدین بن رکن الدینؒ ہے- سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے- آپ کے آباؤ اجداد حجاز سے براستہ ہرات' کالا باغ اور وادی سون میں آباد ہوئے- یہ قوم ''اعوان'' کے نام سے معروف ہے-

ولادت باسعادت:

۱۷' رمضان[1] المبارک ۱۳۲۲ھ بروز جمعۃ المبارک بمطابق ۲' دسمبر ۱۹۰۴ء-

مولد ومسکن:

آپ موضع کوردھی (وادی سون سکیسر ضلع خوشاب[2]) میں پیدا ہوئے- وادی سون سکیسر اپنی مردم خیزی' پر لطف مناظر اور موسم کی خوشگواری کی وجہ سے مشہور ہے- بائیس گاؤں پر مشتمل یہ علاقہ ہزاروں علماء اور حفاظ کا مولد ومسکن ثابت ہوا ہے- قطب الاقطاب حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی موسم گرما گزارنے کے لیے موسیٰ زئی شریف سے

---

۱ قاضی صاحب فرماتے ہیں- اباجی کی پیدائش ۱۷' رمضان المبارک میں ہے اور میری پیدائش کی تاریخ بھی یہی ہے اور میری پہلی اولاد گیارہ سال شادی کے بعد ہوئی وہ بھی ۱۷' رمضان المبارک میں- (ماشاء اللہ)

۲ جو صوبہ پنجاب میں ہے- تجلیات مرشد عالم کا پی نمبر ۳

یہاں تشریف لاتے تھے جس سے علاقہ میں ذکر و مراقبہ کی فضاء قائم ہوئی- چنانچہ مقامی لوگوں نے ۸۰ بیگھ زمین حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی کی خدمت میں پیش کی جس پر خانقاہ ڈیپ شریف تعمیر ہوئی-

ایک باخدا مجذوب کی دعا کی برکت:

کورڈھی کے قریب ہی قصبہ نلی ہے یہاں ایک مجذوب باخدا رہتے تھے جو مستجاب الدعوات تھے- آپ کی والدۂ محترمہ آپ کے لیے دعا کی غرض سے اس مجذوب کے پاس حاضر ہوئیں- اس نے ہاتھ اٹھا کر نیک بختی کی دعا دی-

اللہ والوں کی دعاؤں کے نتیجہ میں آپ مرشد عالم بنے-

اساتذۂ کرام:

آپ کے اساتذہ میں جناب قاری قمر الدین صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید امیر صاحبؒ، رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ واں بھچراں، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ قابل ذکر ہیں-

بڑی مبارک ہستیوں سے علم دین کی تکمیل فرمائی-

مرشد گرامی کی خدمت میں:

آپ کے استاد اور چچازاد بھائی شیخ الحدیث مولانا سید امیر صاحبؒ حضرت امام العلماء والصلحاء مولانا عبد المالک صدیقیؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے- شیخ الحدیث صاحب موصوف دوران تعلیم صحبت صلحاء کی اہمیت و ضرورت بیان فرمایا کرتے تھے- آپ کے قلب میں تصوف و سلوک سیکھنے کا داعیہ پیدا ہو گیا- چنانچہ آپ اپنے چچازاد بھائی (مولانا سید امیر صاحب شیخ الحدیث ڈلوال) کی معیت میں امام العلماء والصلحاء حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقیؒ کی خدمت میں احمد پور شرقیہ پہنچے اور شرف بیعت حاصل کیا-

قدرت نے آپ کو ''ذہن رسا'' کے ساتھ ساتھ ''قلب سلیم'' بھی عطا فرمایا ہوا تھا- ایک طرف آپ کی اپنے شیخ محترم کی خدمت گزاری اور حاضر باشی تھی تو دوسری طرف شیخ محترم کی خصوصی عنایات و توجہات تھیں- چنانچہ سلوک کی منازل تیزی سے طے

ہونے لگیں اور آپ کامیابی اور کامرانی کی طرف گامزن ہو کر سرفراز رہے۔

اس دوران حضرت صدیقی کے مرشد حضرت خواجہ فضل علی قریشی (خانقاہ مسکین پور شریف ضلع مظفر گڑھ) کی خدمت میں بھی حاضری ہوتی رہی۔

اجازت وخلافت:

جب آپ نے نقشبندی سلوک کے مقامات طے کر لیے اور آپ پر احوال صحیحہ وارد ہونے لگے تو آپ کے مرشد محترم حضرت صدیقیؒ نے ۲۹ شعبان ۱۳۵۲ھ کو اپنے مرشد حضرت قریشی کی خدمت میں آپ کو پیش کیا اور تکمیل سلوک کی اطلاع کی۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشی آپ کی علمی استعداد سے خوش ہوئے اور اپنی طرف سے سند خلافت عطا فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ جو جوش جوانی کے عنفوان میں داخل ہو چکے تھے۔ اور ''در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است'' کے مصداق تھے۔

حلیہ مبارک:

کشادہ پیشانی، سرخ وسفید رنگت جیسے میدے میں سندھور گوندھ کر بنایا گیا ہو، آنکھوں میں للٰہیت کی چمک، اونچی ناک، عناب کی طرح سرخ ہونٹ، وجیہ الصورت بارعب پرانوار چہرہ الـذین اِذَارُءُ وْا ذِکرُ اللّٰہ[1] کی گواہی دیتا تھا۔ سڈول متوازن جسم، طویل القامت، سنتؐ کے مطابق کان کی لو تک سر کے بال ہوتے تھے جنہیں حج کے موقع پر حلق (منڈوانا) کراتے تھے، سر پر عمامہ اور ہاتھ میں سینے تک لمبا عصا ہوتا تھا[2] آواز

---

[1] ترجمہ: اللہ والے وہ ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

[2] یہ عصا حضرت مولانا فضل علی قریشی کا تھا اس سے منتقل ہو کر حضرت مولانا محمد عبدالمالک صاحبؒ کے پاس پہنچا۔ حضرت پیر محمد عبدالمالکؒ سے ہوتے ہوئے آپ کو ملا۔ گویا کہ تصوف وسلوک کے اکابرین کی وراثت سے آپ کو یہ ملا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ عصا بابرکت ہے اور عصاء رکھنا سنت انبیاءؑ ہے۔ حضرت سلیمان اور حضرت موسیٰ علیہما السلام باقاعدہ عصا رکھتے تھے۔ اور عصا کے بے شمار فوائد بیان فرماتے تھے۔

میں قدرتی دبدبہ اور رعب تھا- اندازِ بیان جلالی ہوتا تھا- عموماً سفید لباس زیب تن فرماتے تھے- کرتہ گھٹنوں سے کچھ نیچے اور شلوار ٹخنوں سے اوپر ہوتی تھی- دائیں کندھے پر سفید رومال رکھتے تھے- کبھی کبھار تہبند بھی باندھتے تھے- سردیوں میں شیروانی پہنتے تھے- خطبہ جمعہ کے موقع پر عربی جبہ پہنتے تھے- انداز خطبہ عجیب ہوتا تھا جس میں ہر جملے کے ساتھ توحید الٰہی جھلکتی تھی اور آپ کی آواز میں ایک مقناطیسی کشش تھی- بڑھاپے کے باوجود آپ کی آواز گرجتی تھی- دیسی جوتا پہنتے تھے علماء آپ کی کفش برداری کو سعادت سمجھتے تھے-

دعولہ میں دینی خدمت:

۱۹۳۱ء میں موضع دعولہ ضلع چکوال میں جامعہ عربیہ حبیبیہ کے نام سے مدرسہ قائم فرمایا اور قریباً بیس سال تک مدرسہ کا انتظام و انصرام کرتے رہے-

کسب حلال:

آپ ایک طرف مصلیٰ پر بیٹھ کر ذکر و تلاوت کرتے نظر آتے تھے تو دوسری طرف معاشی و معاشرتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اجناس اور کپڑے کی تجارت کرتے نظر آتے- آپ نے دینی کام پر کبھی معاوضہ نہیں لیا- تجارت کا جو کام آپ نے شروع فرمایا تھا آپ کی گوناگوں دینی مصروفیات کے بعد آپ کے صاحبزادگان نے سنبھال لیا- تاہنوز صاحبزادگان دکان و تجارت کا کام سنبھالے ہوئے ہیں-

چکوال میں دینی خدمات:

۱۹۵۱ء میں آپ چکوال آ گئے- انتہائی نامساعد حالات کے باوجود دین حنیف کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے- یہاں آپ نے دارالعلوم حنفیہ کے نام سے مدرسہ جاری فرمایا جو اس وقت ملک کے مشہور مدارس میں شمار ہوتا ہے- جس کا وفاق المدارس کے ساتھ الحاق ہے- روزانہ فجر کی نماز کے بعد درس قرآن پاک آپ کا معمول تھا- ایک ایک آیت خوب کھول کر سامعین کو سمجھاتے تھے- پھر ہر آیت کی تفسیر کے لیے اس طرح متواتر آیات پیش فرماتے کہ یوں لگتا جیسے ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے- ایک پہ ایک لہر اٹھتی ہے اور پھیلتی چلی جاتی ہے-

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں صف اول کے سپاہی تھے۔ آپ نے چکوال سے لوگوں کو منظم کر کے تحفظ ختم نبوت کے لیے گرفتاریاں پیش کیں اور قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔ جیل میں امامت بھی آپ ہی کراتے اور درس قرآن بھی دیتے تھے۔

سیاسی وابستگی:

آپ نے اپنے آپ کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف کر رکھا تھا اس مقصد کے لیے جہاں تصوف وسلوک کے ذریعے آپ نے قابل قدر کوششیں کیں۔ وہاں سیاسی طور پر بھی پیچھے نہیں رہے۔ اور جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ وابستہ رہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا کام بڑھ جانے اور مریدین ومتوسلین کی روحانی تربیت میں مشغولی کی وجہ سے آپ نے اپنے لائق فرزند حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی صاحب کو جمعیۃ علماء اسلام کے کام پر لگا دیا۔

۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفٰی میں آپ اپنے صائب مشورے جمعیت کے کارکنوں کو دیتے رہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی صاحب مدظلہ نے گرفتاری پیش کی۔ اسلام کی سربلندی کے لیے کسی بھی قربانی دینے میں آپ نے گریز نہیں کیا بلکہ ہر قربانی کے وقت آپ سبقت فرما کر پیش پیش رہے۔

مشائخ کانفرنس اسلام آباد:

جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ نے ۱۹۸۰ء میں مشائخ کانفرنس منعقد کی اور حضرت شیخ کو بھی مدعو کیا' چنانچہ آپ نے مشائخ کانفرنس اسلام آباد میں شرکت کی۔ حضرت شیخ کا دو مرتبہ اس کانفرس میں خطاب ہوا۔ ماشاء اللہ آپ کی قرآنی وروحانی وعظ وتقریر سے بڑے بڑے مشائخ محو حیرت رہ گئے۔ یہ خداداد علم کی برکت تھی۔

جامع مسجد دارالعلوم حنفیہ کی تعمیر نو اور توسیع:

مساجد اور مدارس کا قیام آپ کی زندگی کا اہم باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اندرون و بیرون ملک جابجا مساجد و مدارس کے قیام کا آپ کو ذریعہ بنایا۔ برطانیہ کی تاریخی مسجد صدام حسین برمنگھم کا سنگ بنیاد آپ نے رکھا اور مولانا سید اسعد مدنی کے ہمراہ اس مسجد کا افتتاح بھی کیا۔ چکوال میں پانچ مساجد آپ نے تعمیر کرائیں۔ ہر مسجد

کے ساتھ مدرسہ تعلیم القرآن بھی ہے۔ جامع مسجد دارالعلوم الحنفیہ فن تعمیر میں اپنی مثال آپ ہے اس کی موجودہ بنیادوں پر تعمیر ۱۹۸۰ء میں شروع ہوئی یہ سلسلہ تعمیر قریباً نو سال رہا۔ مسجد سے ملحق دارالعلوم حنفیہ کی پرشکوہ چار منزلہ عمارت ہے۔ دارالعلوم میں اس وقت پانچ سو طلباء ابتدائی درجہ سے دورۂ حدیث شریف تک تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دارالعلوم کی توسیع وترقی کے لیے چواسیدن شاہ روڈ پر ۴۳ کنال اراضی، سرگودھا روڈ پر ۵۶ کنال، ۲۸ کنال اور ۸ کنال اراضی خریدی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وسیع منصوبہ کی تکمیل فرمائے۔ آمین اور ہر سال ماہ شعبان میں دورۂ نحو کا بھی پروگرام بنایا گیا ہے۔

دعوت وارشاد:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ دعوت وارشاد کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ کی زبان مبارک سے علوم ومعارف کے نکات ظاہر ہوتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ مضامین کے ستارے آسمان سے اتار کر لا رہے ہوں۔ مضامین کے آوردن کے بجائے مضامین کی آمدن شروع ہوتی تھی۔ تاثیر ایسی کہ بات دل میں اتر جاتی تھی۔ آپ جہاں بڑے بڑے مجمعوں کو وعظ ونصیحت سے فیض یاب فرماتے تھے وہاں ایک اکیلا آدمی بھی آ جاتا تو محروم نہیں جاتا تھا۔ اپنی عمومی گفتگو میں بھی سامع کی استعداد کے موافق قرآنی آیات بیان فرماتے رہتے تھے۔ ایک بار فرمانے لگے کہ میں نے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے سنا ہے کہ قرآن بیان کرنے کے لیے کسی تمہید کی ضرورت نہیں ہوتی آپ کے بیان کے ساتھ مضامین کی آمدن شروع ہوتی اور ربط آیات آٹو میٹک ایک دوسرے کے ساتھ ملتی جلتی چلی جاتی تھی۔ ہر وقت مریدین کی اصلاح فرماتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیر کو "چپ شاہ" نہیں بننا چاہیے کہ مریدین جو چاہیں کرتے رہیں اور پیر خاموش تماشائی بنا رہے۔ یہ صراصر مداہنت ہے روک ٹوک کرتے رہنا چاہیے۔ جب تک ڈانٹ ڈپٹ نہ ہو اصلاح نفس نہیں ہوتی۔

آپ کے بیان میں روح بلالیؓ اور تلقین غزالیؒ کا حسین امتزاج نظر آتا تھا آپ کا پرمغز

اور پرتاثیر وعظ دل سے غفلتوں کا پردہ اٹھا دیتا تھا- دل کی کدورتیں صاف ہو جایا کرتی تھیں-

حج وعمرے:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بکثرت حج وعمرے کرنے کی توفیق عطا فرمائی- آپ نے پہلا حج ۱۹۳۴ء میں کیا تھا- پھر چند سال کے وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو متواتر حج نصیب فرمائے- ۱۹۸۵ء کے حج میں مدیر حرم شیخ طٰہٰ آپ کو اپنے کمرے میں لے گئے اور آپ کو اپنے ہاتھ سے پانی پلایا' خوشبو لگائی اور فرمایا "میں آپ کی تبلیغ سے بہت خوش ہوں- میں آپ کو چالیس سال سے ہر سال یہاں دیکھتا ہوں"-

جس بحری جہاز میں آپ سفر کرتے تھے اس جہاز میں آپ ہی کو امیر الحجاج مقرر کیا جاتا تھا- امامت بھی آپ ہی کراتے اور درس قرآن بھی آپ ہی دیتے تھے- حج کے کئی اسفار میں استاذ العلماء حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی مدظلہٗ' جسٹس تنزیل الرحمٰن جیسے حضرات آپ کے ہمسفر رہے- ایک سفر حج میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مدظلہٗ نے حضرت سے پوچھا "مولانا جانتے بھی ہو آپ کے درس میں آپ کے سامنے دوزانو بیٹھنے والا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں کیا جانوں کون ہے؟ لیکن جو کوئی بھی ہے بیٹھتا ادب سے ہے اور ذوق وشوق سے سنتا ہے- حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ وہ جسٹس تنزیل الرحمٰن ہے- اس وقت سے جسٹس صاحب سے تعارف ہوا جسٹس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولانا غلام حبیب صاحب کی صحبت میں مجھ پر ایمان کی حقیقت کھل گئی ہے-

آپ کا درس قرآن[1]:

روزانہ بعد از نمازِ فجر درس قرآن دینے کا معمول رہا- قرآن آپ کی نوک

---

[1] حضرت صدیقی فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحبؒ کا قرآن پر اثر ہے یہ بھی فرماتے تھے کہ ان کا مقبول میرا مقبول ان کا مردود میرا مردود اور یہ بھی فرماتے تھے کہ حافظ صاحبؒ مرید نہیں میری مراد ہے آپ کی عدم موجودگی میں ہمیشہ آپ کا تذکرہ فرماتے تھے- اور بسا اوقات آپ کو عبدمنیب سے یاد فرماتے تھے- (از مرتب)

زبان پر رہتا تھا- کوئی گفتگو شروع ہو جاتی تو قرآنی آیات تسلسل سے پڑھتے چلے جاتے تھے- ایسے لگتا جیسے موتیوں کی مالا ٹوٹ پڑی ہے اور اس کے موتی یکے بعد دیگرے گرتے چلے جا رہے ہیں-

پنڈ دادن خان میں مولانا لعل حسین اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کسی قادیانی سے مناظرہ تھا حضرت موصوف معاون تھے- جب مولانا لعل حسین صاحب کسی آیت کا ترجمہ یا مفہوم بیان کرتے تو آپ فوراً وہ آیت قرآن پاک میں سے نکال کر پیش کر دیتے تھے-

آپ کے درس قرآن سے علماء حضرات بہت محظوظ ہوتے تھے آپ اشاروں سے قرآنی آیات کا اس انداز سے مفہوم واضح فرماتے کہ وہ مفہوم دل پر نقش ہو جاتا تھا- حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی مدظلہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ایسا درس قرآن کبھی نہیں سنا جو اس قدر جاذب اور مؤثر ہو-

آپ نے بیس سال سے زائد عرصہ تک اس طرح چکوال میں درس دیا کہ نماز کے بعد دو رویہ تپائیاں رکھ دی جاتیں اور ایک ہی چھاپے کے مترجم قرآن پاک حاضرین کے سامنے رکھ دیئے جاتے تھے- آپ قرآن پاک کی آیت بیان کرتے اور فرماتے کہ یہ آیت آپ سے یہ یہ مطالبہ کرتی ہے-

علالت و سانحہ ارتحال:

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے- فرمایا کرتے تھے کہ بڑھاپا احساس کمتری اور احساس کہتری کا نام ہے- یہ جفاکشی آخر دم تک جاری رہی- ۸۷ برس کی عمر کے باوجود شب و روز کے سفر آپ کا معمول تھے- رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ میں فرانس کے تبلیغی دورے پر تشریف لے گئے- آپ کے ہمراہ صاحبزادہ حافظ عبدالروف صاحب سلمہ اور نواسہ قاری عبدالشکور صاحب سلمہ تھے- یہ حضرات ری یونین میں ہر سال تراویح میں قرآن سناتے ہیں- آخری عشرہ میں عمرہ کر کے یہ قافلہ واپس پاکستان آ گیا- مئی کی آخری تاریخوں میں سلمانوالی ضلع سرگودھا میں جلسہ کی صدارت

کی- واپس آئے تو بیمار ہو گئے- بخار سے بہت زیادہ نقاہت ہوگئی- ذیابیطس کے عرصہ سے مریض تھے- سات روز بیمار رہنے کے بعد کچھ افاقہ ہوا تو پھر درس قرآن کا معمول شروع کر دیا- کمزوری اور پھر محنت' دوبارہ مرض کا حملہ ہوگیا جس نے پھر بستر سے اٹھنے نہیں دیا- ایک ماہ (سی-ایم-ایچ) راولپنڈی میں بھی رہے لیکن ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر ۲۱' ستمبر ۱۹۸۹ء کو صبح نو بج کر اٹھارہ منٹ پر اپنے خالق حقیقی کو ہنستے ہوئے اَلْمَوتُ جَسرٌ یُوصِلُ الْحَبِیبَ اِلَی الْحَبِیب. کے مصداق اپنے محبوب سے جا ملے- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

وفات سے تھوڑی دیر پہلے:

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن کے ساتھ خصوصی شغف تھا چنانچہ وفات سے تھوڑی دیر پہلے آپ کے پاس بیٹھ کر صاحبزادگان نے مختلف رکوعات کی تلاوت شروع کر دی- سب سے آخر میں:

﴿یایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر و الصلوۃ ان اللّٰہ مع الصبرین﴾ (بقرہ: پارہ ۲، رکوع ۱۸)

والا رکوع پڑھا جا رہا تھا کہ حضرت ہنسے- اسی اثناء میں آپ خالق حقیقی سے جا ملے-

جنازہ:

آپ کی وفات کی خبر آناً فاناً اطراف واکناف میں پھیل گئی- شام ۵ بجے جنازہ اٹھانے کا اعلان تھا' پانچ بجے حضرت کی اقامت گاہ کے آس پاس مخلوق خدا نظر آ رہی تھی- شہر میں ایسے لگتا تھا جیسے در و دیوار بھی اس اندوہناک حادثے کے غم میں شریک ہیں- جنازہ گورنمنٹ کالج چکوال کے ہاکی گراؤنڈ میں لے جایا گیا- چکوال کی تاریخ میں یہ منفرد جنازہ تھا جس میں اپنے پرائے سبھی شریک ہوئے- صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب قاسمی مدظلہ نے جنازہ پڑھایا- جنازہ کے بعد آخری دیدار کرنے کے لیے پروانے ٹوٹ پڑے ہر کسی کی خواہش تھی کہ ایک جھلک دیکھ لوں اور حضرت ان دو شعروں

کے مصداق تھے۔

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بدند و تو گریان
ہم چنین زی[1] کہ وقت مردن تو ہمہ گریان شوند و تو خندان

ترجمہ:

''اے انسان تجھے اپنی پیدائش کے وقت یاد ہے کہ اس وقت تو رو رہا تھا اور گھر والے خوشی کے مارے ہنس رہے تھے۔ اے انسان اب تو ایسی زندگی گزار کہ تیرے مرتے وقت تو ہنستا ہوا چلا جا اور تیرے گھر والے روتے ہوئے رہ جائیں''۔

اپنے چہرے پر ابدی مسکراہٹ جمائے لیٹے ہوئے تھے اور متعلقین حضرت کے فراق میں گریاں تھے۔

حضرت کی وصیت کے مطابق تدفین کے لیے جامع مسجد دارالعلوم حنفیہ کے دائیں طرف قبر بنوائی گئی تھی۔ جب جنازہ مقررہ جگہ پر پہنچا تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد تدفین کا پروگرام تھا۔

باران رحمت:

صبح جب حضرت کی وفات ہوئی تھی اس کے نصف گھنٹے کے بعد زوردار بارش ہوئی تھی۔ خدا کی قدرت کہ جس وقت دفن کے لیے چارپائی اٹھا کر قبر کے پاس لائے تو اس وقت بھی یکایک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ بارش کے دوران ہی تدفین کی گئی۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

ملفوظات وارشادات:

☆ فرمایا یہ دنیا آرام گاہ نہیں ہے۔ سیر گاہ اور تماشہ گاہ نہیں ہے یہ امتحان گاہ ہے۔ ہم نے اسے چراگاہ بنالیا ہے۔

---

[1] دوسری جگہ لفظ ''زی'' کی بجائے لفظ ''زیست'' منقول ہے۔

☆ قرآن انسانیت کے لیے دستور حیات ضابطہ حیات ہے بلکہ آب حیات ہے۔

☆ انسان دنیا میں اللہ کا قائم مقام ہے اس کا نائب اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔

☆ فرمایا تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے پریشان۔ اور دنیا میں رہے ناکام قرآن اپنے غلبے کا کرتا ہے اعلان۔ اے میرے ماننے والے مسلمان!

اقرا و ربک الاکرم.

تو پڑھ قرآن تا کہ تیرا رب کرے تیرا اکرام.

☆ فرمایا مسلمان لوہے کے چنے ہیں انہیں چبانا آسان کام نہیں۔ مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہوتا ہے۔

☆ قرآن مجید کا خلاصہ ہے بندے سے توڑ۔ خدا سے جوڑ

☆ قرآن مجید کا خلاصہ ہے تعلق باللہ سے وابستگی۔

☆ ہمارے باوا آدم تو انتقال فرما گئے ہیں۔ مگر شیطانوں کا باوا آدم ابھی تک زندہ ہے۔ اس لیے گمراہی زیادہ عام ہے۔ (حضرت لاہوریؒ)

حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا دوست محمد قریشی بن مولانا علی محمد بن مولوی محمد عبداللہ قریشی قصبہ رنج کلاں تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ۱۵، محرم ۱۳۳۹ھ/ ۲۹، ستمبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے جدامجد مولوی محمد عبداللہ صوفی صافی بزرگ تھے اور سلسلہ چشتیہ میں اصحابِ تونسہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا علی محمد قریشی اپنے علاقے کے معروف خطیب و واعظ تھے۔ اسی طرح آپ کے نانا مولانا امان اللہ عالم باعمل تھے۔

مذکورہ بالا خاندانی پس منظر میں مولانا دوست محمد نے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ والد ماجد کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور مقامی سکول میں داخل ہوئے۔ چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ دینی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مولانا شیر محمد ساکن محمد پور دیوان ضلع ڈیرہ غازی خاں سے فارسی درسیات اور قانونچہ شاہ جمال پڑھا۔ صرف کی دیگر کتابیں مولانا محمد عیسیٰ ڈیروی سے پڑھیں۔ علم نحو کے لیے مولانا غلام محمد ساکن ریتے کلاں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

ابتدائی دینی تعلیم کے بعد مختلف اساتذہ سے اکتسابِ فیض کے لیے سفر کیے۔ بستی بوہڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں مولانا محمد حیات، کوٹ مٹھن میں مولانا واحد بخش، گمانی ضلع بہاولپور میں مولانا حبیب اللہ گمانوی اور واں بچھراں میں مولانا حسین علی اور مولانا غلام یٰسین سے استفادہ کیا۔ آخر میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گئے جہاں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابرین سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر آپ وطن مالوف آئے اور مدرسہ ''انوار العلوم'' کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ بعد بنگلہ باڑہ نامی بستی میں چلے گئے۔ پھر مدرسہ مفتاح العلوم بستی اللہ بخش، علاقہ جتوئی میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد مدرسہ معارف القرآن خان گڑھ میں دینی وعلمی کام کیا۔ پھر ۱۹۵۰ء/ ۱۳۶۹ھ میں آپ نے پہلی بار فریضہ حج ادا کیا۔

حج سے واپسی پر احمد پور شرقیہ منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں سردار احمد خاں پتافی مرحوم کے جذبہ اخلاص سے ''تنظیم اہل سنت والجماعت'' قائم ہو چکی تھی۔ آپ بھی اس تنظیم میں شامل ہو گئے۔

۱۹۶۴ء کے آخر میں احمد پور شرقیہ سے کوٹ ادو منتقل ہوئے۔ آپ کے عقیدت مندوں نے عظیم الشان نقشبندی مسجد تعمیر کی اور یہاں آپ نے اپنی دلچسپی کے سامان پیدا کر لیے۔ ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۶۹ء میں یہاں ''دار المبلغین'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس میں علماء کی تربیت کا انتظام تھا۔

بیعت وتصنیفات:

حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا عبدالمالک نقشبندیؒ سے بیعت تھے۔ ایک بلند پایہ عالم، مناظر، کامیاب واعظ ومبلغ، شیخ طریقت اور اہل سنت والجماعت کے مرکزی رہنما تھے۔ آپ نے متعدد کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں جن میں ''اہل سنت پاکٹ بک، منہاج التبلیغ، عظمت صحابہؓ، جلاء الافہام جلاء الاذہان، رد المطاعن، براہین سنت، تعارف خلفائے راشدین، مصباح المقررین، مخزن التقاریر، کشف الحقیقت عن مسائل المعرفت والطریقت، التشریح علی التلویح، اور وضاحت النحو'' وغیرہ

شامل ہیں۔

ان مستقل بالذات کتابوں کے علاوہ تنظیم اہل سنت کے آرگن ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں آپ کے بے شمار مضامین طبع ہوئے ہیں نیز باب الاستفسارات کے عنوان سے سوالات کے جوابات بھی لکھتے تھے۔

وفات:

بہر حال ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزاردی اور اسی سلسلہ میں سفر میں تھے کہ ۴ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ/ ۲۷ مئی ۱۹۷۴ء کو بھکر ریلوے اسٹیشن پر دورۂ قلب پڑا۔ ریلوے ہسپتال بھکر میں منتقل کیے گئے۔ مگر صحت نہ ہوئی اور وہیں جان، جان آفرین کے حوالہ کردی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین! (تذکرہ علمائے پنجاب)

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گوجرانوالہ

وطن مالوف:

ملک پاکستان صوبہ پنجاب کے ضلع سرگودھا تحصیل بھلوال میں لالہ موسیٰ جنکشن سے جو ریلوے لائن سرگودھا کو جاتی ہے اس پر ملکوال اور سرگودھا کے درمیان ایک ریلوے اسٹیشن پھلراں ہے جو لالہ موسیٰ سے ایک سو تین کلومیٹر اور سرگودھا سے ۴۵ کلومیٹر ہے۔ پھلراں سے تقریباً ۱۶ کلومیٹر کے فاصلہ پر بجانب مشرق ایک گاؤں موضع اُوپی (اوپیاں) ہے جو جن قصبہ سے پانچ کلومیٹر جنوب کی طرف اور قصبہ کوٹ مومن سے ۸ کلو میٹر مشرق کی طرف واقع ہے۔

کوٹ مومن تک بس بھی جاتی ہے مگر اکثر پھلراں سٹیشن سے بذریعہ ٹانگہ ہی جانا ہوتا ہے۔ یہ سارا علاقہ گوندل بار کہلاتا ہے گوندل ایک مشہور قوم کا نام ہے قصبہ جن ایک قدیم قصبہ ہے۔ مغلیہ خاندان کے عروج و زوال کے آثار یہاں بھی پائے جاتے ہیں یہ علاقہ کئی دفعہ اجڑا اور آباد ہوا۔ معتبر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موضع اوپی کے گرد گھنے جنگلات ہوتے تھے اور سورج غروب ہوتے ہی گھپ اندھیرا چھا جاتا تھا۔ اس لیے شام سے قبل گاؤں میں نقارہ بجنا شروع ہو جاتا تاکہ گاؤں کی طرف آنے والے راستہ کو معلوم کر کے آگے بڑھیں۔

ابتدائی حالات:

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد خلیل صاحب ؒ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء اپنے گاؤں موضع اوپی میں پیدا ہوئے ہوش سنبھالا تو اپنے والد بزرگوار ہی سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور چھوٹی عمر میں ہی پختہ کار حافظ ہو گئے۔ قرآن مجید سے طبعی لگاؤ ہونے کی وجہ سے ابتداء بلوغ سے ہی تراویح میں قرآن مجید سنانا شروع کیا یہاں

تک کہ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے معذور ہو گئے مگر اسی دوران اپنے چاروں صاحبزادوں کو اپنی سرپرستی میں حافظ بنا کر اپنے مصلی پر خلیفہ بنایا اور خود سماعت فرما کر سب کو کامل و مکمل کر دیا۔

حصول تعلیم:

حفظ قرآن مجید کے بعد آپ کے والد بزرگوار آپ کو درس نظامی فاضل بنانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر آپ اس تعلیم کی طرف راغب نہ تھے۔ بلکہ آپ کا رجحان طبع فقیری اور اصلاح باطن کی طرف تھا اور بچپن ہی سے ایسے کلمات آپ کی زبان مبارک سے جاری ہوتے تھے جس سے فن تصوف اور تزکیہ نفس کی طرف مائل ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ جب والد بزرگوار پر اپنے ہونہار بیٹے کے یہ آثار ظاہر ہوئے تو بطور نصیحت کے فرمایا کہ بیٹا اس میں شک نہیں کہ انسان کی پیدائش کا مقصد ہی عبدیت ہے جو اپنے خالق اور رب کی معرفت اور اس کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کن باتوں سے راضی ہوتا ہے اور کن سے ناراض۔ بلا اس معرفت کے اطاعت اور عبدیت کیسے ہو گی۔ جب اس کی رضا کے مطابق اطاعت ہو گی تو پھر اصلاح باطن، تزکیہ نفس اور عبدیت کاملہ نصیب ہو گی یہی اصل فقیری ہے اور اس کے لیے علم شریعت کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ صراط مستقیم پر گامزن رہ کر اس راہ کو قطع کیا جائے ورنہ خطرہ ہے کہ کہیں گمراہی اور ضلالت کے کھڈ میں گر کر اپنی دینی اور دنیوی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اپنے والد بزرگوار کے حکم کی اطاعت میں علم دین کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس میں اس قدر محنت و کوشش فرمائی کہ اسباق اور مطالعہ میں ناغہ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ مرولہ والہ میں پڑھتے تھے اور گاؤں آئے ہوئے تھے کہ مرض ہیضہ میں مبتلا ہو گئے تو اسباق کے ناغہ کا اس قدر فکر تھا کہ باوجود اہل خاندان کے منع کرنے پر بھی خاموشی سے بلا اطلاع کیے گھر سے روانہ ہو کر مرولہ والا پہنچ گئے۔

حفظ قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے آپ نے اپنے گاؤں کے قریب تقریباً

ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر چک ۱۹ شمالی میں حضرت مولانا شاہ محمد صاحب نے فارسی کتب پڑھنی شروع کیں۔ اس کے بعد مردلہ والا ضلع سرگودھا میں حضرت مولانا خدا بخش صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور ہدایہ اخیرین تک تمام کتب ان سے پڑھیں۔ پھر بھلوال چلے گئے اور وہاں کے خطیب حضرت مولانا محمد اشرف صاحب ہزارویؒ سے مشکوٰۃ شریف اور دیوان متنبی وغیرہ کتب پڑھیں۔

پھر اس کے بعد آپ مشہور بزرگ عالم ربانی مولانا ولی اللہ صاحب انہی شریف ضلع گجرات کے ہاں تشریف لے گئے اور بست باب' ربعہ مجیب' ربعہ مقنطرہ' ریاضی کی شرح' چغمینی' اقلیدس' تصریح اور غیر درسی کتب میں سے عبدالحکیم برقطبی' حواشی قدسیہ' حسن شہید' قل احمد' شرح مطالع' شرح اشارات از محقق طوسی' شرح عقائد جلالی اور سراجی وغیرہ ان سے پڑھیں۔ حضرت مولانا شیخ عبداللہ صاحبؒ ملکیاں والے تحصیل کھاریاں ضلع گجرات سے بھی کچھ علم ادب عروض وقافیہ وغیرہ اور مولانا موصوف کے ذاتی تصنیفات میں سے مختصر اشارات میں کتابیں پڑھیں۔ ان کے علاوہ پروفیسر اورنٹیل کالج مولانا نجم الدین صاحبؒ ڈڈھیالے والے ضلع جہلم کے پاس بھی دیوان حماسہ کے چند اسباق پڑھے۔

دارالعلوم دیوبند:

بالآخر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور بلا امداد دیوان متنبی وغیرہ کتب میں داخلہ لیا اور پھر شوال ۱۳۵۸ھ دورۂ حدیث میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اور مندرجہ ذیل نصاب کے مطابق احادیث مبارکہ کے دروس کی اکابر اساتذہ کرام سے تکمیل فرمائی۔

نمبر شمار	نام کتب مبارکہ	اسماء گرامی اساتذہ جن سے ان کتب کی تکمیل فرمائی
۱	ترمذی شریف	شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی قدس سرہ العزیز۔
۲	بخاری شریف	شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی

		قدس سرہ العزیز۔
۳	مسلم شریف	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ
۴	ابوداؤد شریف	شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۵	ابن ماجہ شریف	حضرت مولانا نافع گل صاحبؒ
۶	نسائی شریف	حضرت مولانا ریاض الدین صاحبؒ
۷	طحاوی شریف	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) و بانی دارالعلوم کراچی۔
۸	مؤطین شریفین	چند اسباق غالباً مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے پڑھے۔
۹	قراءۃ	قراءت کی مشق حضرت مولانا قاری عتیق الرحمٰن سے کی۔

تعلیم و تدریس:

دیوبند سے واپس آنے کے بعد اپنے ہی گاؤں میں تقریباً ایک سال تک مختلف طلبہ کو تعلیم دیتے رہے اور پھر مدرسہ عزیزیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں مدرس مقرر ہو گئے۔ تقریباً ۲ سال کے بعد اعلیٰ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ قدس سرہٗ کے حکم پر بھیرہ چھوڑ کر فیروز پور چھاؤنی چلے گئے مگر وہاں سے عدم موافقت کی بناء پر جلد ہی چھوڑ کر گوجرانوالہ تشریف لے آئے اور مولانا محمد چراغ کی دعوت پر آپ مدرسہ عربیہ بیرون خیالی دروازہ مسجد آرائیاں گوجرانوالہ میں مدرس مقرر ہو گئے جہاں تقریباً آٹھ نو سال تک تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں حج بیت اللہ اور زیارات نبویؐ سے مشرف ہوئے۔

مدرسہ اشرف العلوم کا قیام:

مئی ۱۹۵۲ء میں زیر سرپرستی قطب زمن مخدوم الامت اعلیٰ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ مسجد شیخاں اندرون شیخوپورہ دروازہ گوجرانوالہ میں مدرسہ اشرف العلوم کا افتتاح کیا گیا۔ چند ماہ بعد ۵۲ء میں مدرسہ ہذا کو چند ناگزیر حالات کی بناء پر مسجد عبداللہ خونی محلہ بختے والا میں منتقل کر دیا گیا۔

ابتداء ۵۳ء میں محلہ باغبان پورہ حافظ آباد روڈ پر تقریباً چار کنال زمین کا انتظام ہو گیا تو فوری ضروریات کے لیے چہار دیواری اور معمولی چھپروں، کچی تعمیر کا بندوبست کر کے مدرسہ کو مستقل طور پر یہاں منتقل کر دیا گیا- انہی ایام میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی- مگر مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہا- رہائی کے بعد آپ نے پوری توجہ مدرسہ کی طرف مبذول فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدرسہ دن بدن ترقی پذیر ہوتا رہا- یہاں تک کہ اس وقت ایک عالی شان وسیع و عریض اشرفیہ جامع مسجد اور اس سے ملحقہ متعدد دو منزلہ کمرے تیار ہو چکے ہیں جہاں تعلیم و تدریس، مدرسین کرام اور بیرونی طلبہ کے قیام و طعام اور دیگر جملہ ضروریات کا بہترین انتظام ہے-

مدرسہ اشرف العلوم میں علاوہ تعلیم درس نظامی کے تبلیغی اصلاحی اخلاقی اور روحانی تربیت کا اپنے اکابر کے طریق پر خاطر خواہ انتظام موجود ہے- ان جملہ امور کے انتظام کے لیے مجلس شوریٰ ہے جس کے تحت ایک مجلس منتظمہ بھی ہے جو تمام امور کی نگرانی کرتی ہے جس کے صدر و مہتمم حضرت مفتی صاحبؒ ہی رہے ہیں-

مدرسہ اشرف العلوم کا مسلک:

مدرسہ اشرف العلوم کا مسلک عقائد اہل سنت والجماعت اور فقہ حنفی کے مطابق ہے اور اس کا مشرب یعنی طریق فکر و عمل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے مطابق ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری جملہ متعلقین مدرسہ کی ہے-

بیعت طریقت و خلافت:

جیسا کہ ابتداء میں حصول تعلیم کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ کا طبعی رجحان فقیری اور اصلاح باطن کی طرف تھا مگر اپنے والد بزرگوار کے منشا پر جب علم شریعت باحسن طور حاصل کرنے کے بعد دوسروں تک پھیلانے کا سلسلہ شروع فرما دیا تو اب پھر ابتدائی طبعی تقاضا عود کر آیا اس تقاضا کو پورا کرنے کے لیے ذکر و اذکار شروع فرما

دیئے اور پھر بشارات منامیہ سے متاثر ہو کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد مخدوم الامت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ سے بذریعہ خط وکتابت اصلاحِ باطن وتربیت حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور پھر اکثر اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے رات گیارہ بجے کی گاڑی سے سوار ہو کر ۵ بجے صبح کے قریب امرتسر پہنچ جاتے اور نماز فجر کے بعد اعلیٰ حضرت مخدوم الامتؒ کے درس قرآن مجید میں شرکت فرماتے اور پھر مسجد خیر الدین ہال بازار میں نماز ظہر کے بعد مثنوی شریف کے درس اور ملفوظات شریف کی مجلس میں تشریف رکھتے جو عصر تک قائم رہتی اور فیوضات وبرکات سے مستفیض ہوتے اور اعلیٰ حضرت ہی کی نگرانی میں ذکر واذکار کا التزام فرماتے۔

الغرض حضرت مفتی صاحبؒ مرحوم مطابق قواعد وضوابط اعلیٰ حضرت کے پاس حاضر ہوتے اور تربیت حاصل فرماتے رہے اور فیوضات وبرکات سے نوازے گئے۔ آخر ۵۱ء یا ۵۳ء میں مخدوم الامتؒ نے توکلاً علی اللہ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ کی نگرانی کے ساتھ ساتھ تربیت باطن کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا۔ اب مدرسہ اشرف العلوم علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ اصلاح باطن اور افاضہ نسبت مع اللہ کی آماجگاہ بن گیا اور تشنگان علم ومعرفت سیراب ہونے لگے۔

اولاد بامراد:

آپ کے چار صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں ہیں جو الحمدللہ سب کے سب ضروریات دین اور علم وعمل سے بہرہ ور ہیں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا محمد نعیم اللہ صاحب جنہوں نے حضرت مفتی صاحب مرحوم ہی کی سرپرستی ونگرانی میں حفظ قرآن مجید کے بعد درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورۂ حدیث کی سند حاصل کی اور فاضل وفارغ ہو کر اب مدرسہ اشرف العلوم میں ناظم مدرسہ اور مدرس ہیں۔ دوسرے صاحبزادوں میں مولانا قاری معین الدین اور مولانا فخر الدین حافظ ظہیر

الدین صاحب ہیں- اللہ تعالیٰ ان چاروں صاحبزادوں کو حضرت مفتی صاحبؒ کا صحیح و عملی روحانی جانشین بنائے آمین-

وصال مبارک:

بہرحال آپ ایک جید عالم دین' فقیہ اور شیخ کامل تھے- اتباع سنت کے مجسم پیکر تھے- نہایت متواضع' منکسر المزاج اور خوش اخلاق بزرگ تھے- ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفیض ہوئے کئی خوش نصیبوں کو خلافت سے نوازا- آپ مارچ ۱۹۸۲ء میں عمرہ کے لیے تشریف لے گئے اور وہیں ۳' اپریل ۱۹۸۲ء کو مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا' ہزاروں افراد نے حرم پاک میں نماز جنازہ پڑھی اور جنت المعلیٰ میں تدفین عمل میں آئی- رحمۃ اللہ علیہ

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر راقم کی کتاب "سوانح خلیلؒ"، مطبوعہ لاہور)

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل دارالعلوم دیوبند مفتیؒ وشیخ الحدیث

مدرسہ اشرفیہ سکھر

خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد شفیع مفتی اعظمؒ پاکستان رکن شوریٰ دارالعلوم کراچی

حضرت موصوف علیہ الرحمہ شہر ریواڑی ضلع گوڑگانوہ (ہریانہ انڈیا) میں ۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ میں پیدا ہوئے' قرآن کریم ناظرہ گھر ہی میں پڑھا' آپ کی والدہ محترمہؒ اور خالہ محترمہؒ گھر پر بچوں اور بچیوں کو قرآن پڑھاتی تھیں' آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہر ریواڑی کے مشہور صاحب تقویٰ اور عالم دین بزرگ تھے' اور جد مادری حضرت ابو الفیض مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے علاقہ کے معروف جید عالم' درس نظامی کے ماہر اور کثیر التلامذہ استاد تھے' جو مدرسہ سفیر الاسلام نازنول (ریاست پٹیالہ) کے صدر مدرس بھی رہے' اور ریواڑی میں بسر اوقات کے لیے گورنمنٹ ہائی سکول میں عربی مدرس بھی رہے' اس ملازمت کے ساتھ اپنے نجی دارالکتب میں رضا کارانہ حیثیت سے درس نظامی کی تدریس کا سلسلہ بھی تا دم آخر جاری رکھا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بچپن سے اپنے والد موصوفؒ اور نانا محترمؒ کے زیر تعلیم و تربیت رہے' سات سال کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا' اور ساتھ ہی جد مادری موصوفؒ کے شاگردوں سے مختلف مساجد میں اردو دینیات اور ابتدائی فارسی' عربی پڑھی' دونوں تعلیم ایک ساتھ مڈل تک جاری رہیں' پھر مدرسہ مفتاح العلوم ریواڑی

میں شرح جامی وشرح وقایہ تک درس نظامی پڑھ کر مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور ایک سال بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا' اور جملہ علوم وفنون اور دورۂ حدیث کی یہاں تکمیل کی۔

علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے' فراغت علمی کے بعد اپنے آبائی وطن ریواڑی ہی میں آزاد ذریعہ معاش کے ساتھ رضا کارانہ اور کبھی ملازمانہ سلسلہ تدریس شروع کیا' ابتدائی اردو' فارسی' عربی کے علاوہ مشکوٰۃ شریف وجلالین تک درس نظامی وہیں پڑھاتے رہے' جس کے بعد طالب علم کو دارالعلوم دیوبند یا مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کرادیا کرتے تھے' شہر کی مختلف مساجد میں وعظ فرماتے تھے' جو ایک تبلیغی سلسلہ تھا' ملت اسلامیہ کے ساتھ اپنی راجپوت برادری کو بھی کبھی فراموش نہ کیا' اور دل و جان سے ان کی اصلاح وتعلیم پر کمر بستہ رہے۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی ۴۸ء کے اواخر میں شہر سکھر (سندھ) میں وارد ہوئے' اور باوجودیکہ بسر اوقات کے لیے دوستوں کے ساتھ حلوائی کا کام شروع کیا' مگر تعلیم واصلاح کا کام بدستور جاری رکھا' اور الحمدللہ شہر میں دینداری کو آپ کی مساعی جمیلہ سے بہت فروغ حاصل ہوا۔

مدرسہ اشرفیہ سکھر کے قیام کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ بانی و مہتمم مدرسہ اشرفیہ کی دعوت پر مستقل طور سے تدریس پر مامور ہوئے اور مذکورہ دکانداری کو خیرباد کہا' مدرسہ ھذا میں دورۂ حدیث تک جملہ علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں' آخر میں صرف دورۂ حدیث کی کتب پڑھاتے تھے' حضرت موصوفؒ یہاں صدر مدرس کے منصب پر فائز تھے' اور تدریس کے ساتھ منصب افتاء بھی آپ ہی کے سپرد تھا' آپ کے قلم سے ہزاروں فتاوی جاری ہوئے' اور صدہا طلبہ نے علمی فیض حاصل کیا۔

اور تا آنکہ آپ زندگی کے آخری ایام میں بالکل نحیف اور آنکھوں سے معذور نہ ہوگئے' برابر مدرسہ اشرفیہ کے صدر مدرس اور مفتی رہے' علاوہ ازیں آپ ایک شیخ کامل بھی تھے اور آپ کا روحانی فیض خواص وعوام میں خوب جاری ہوا۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء.

بندہ برادر زادہ ہونے کے ناتے' اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی زبانی اور کبھی تحریری سوالات بے تکلفی سے کرتا اور موصوف رحمۃ اللہ علیہ بڑی شفقت اور نہایت صفائی و بے تکلفی سے جواب مرحمت فرماتے' پھر ایک وقت وہ بھی نصیب ہوا کہ راقم کو دارالعلوم کراچی سے تخصص فی الافتاء کے مقالہ کے سلسلہ میں ایک نہایت اہم موضوع ''علمائے دیوبند کی فقہی خدمات'' عطا ہوا' جس کے سلسلہ میں ہندو پاک کے دیوبندی مکتب فکر کے مفتیان کرام سے رجوع ہوا' اور اس سلسلہ میں ایک مفصل سوالنامہ مرتب و ترسیل کیا' جس کے جوابات باصرہ نواز ہوئے' جو مقالہ ھذا میں شامل ہیں۔

اسی سلسلہ میں حضرت موصوفؒ کی خدمت میں بھی یہ سوالنامہ پیش کیا اور جواب سے سرفراز ہوا' اگر حسن اتفاق سے یہ ضرورت درپیش نہ ہوتی' تو موصوفؒ کی معروف کسر نفسی کے باعث بہت سی معلومات صیغہ راز ہی میں رہ جاتیں۔

درج ذیل سطور میں اپنے عنوانات کے ساتھ حضرت موصوفؒ کے قلم ہی سے تحریر شدہ مختصر حالات زندگی مرتب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ملاحظہ ہو:

خاندان:

حضرت موصوفؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''کاغذات سے جہاں تک معلوم ہو سکا میرا نسب نامہ یہ ہے' عبدالحکیمؒ ابن عبدالعزیزؒ ابن عبدالغنیؒ ابن ملا رمضانیؒ ابن پیرؒ ابن خواجو' آگے معلوم نہیں' سنا یہ ہے کہ ہمارے خاندان میں اوپر سے اہل علم ہوتے آئے ہیں' ملا رمضانی مرحومؒ کی تو مہر بھی کتابوں پر لگی ہوئی پائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ فتویٰ دیا کرتے تھے' اور نحو و صرف کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے' اور ابتدائی کتابیں صرف و نحو کی قلمی و غیر قلمی موجود تھیں' اور دینی ذخیرہ مخطوطات کی شکل میں کافی تھا' کنز الدقائق قلمی ان کی موجود تھی' اور اشعار میں جو پرانی زبان میں تھے مسائل و غیر مسائل کے کافی رسالے موجود تھے' ایک مصرعہ کسی رسالہ

(کے اہتمام) کا اب تک یاد ہے۔

شاہ عالم ثانی کے دور میں نسخہ ہوا تمام

میوات کے علاقہ میں ملا رمضانی مرحوم تبلیغ کے لیے جایا کرتے تھے' دادی جب روٹی پکاتی تو ایک مٹھی آٹا ہنڈیا میں مرحوم کے لیے ڈال دیتی' جب جمع ہو جاتا تو اسے باندھ کر آپ میوات تشریف لے جاتے' اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے' اور للہ خدمت کرتے' اسی راہ میں ان کا دارو ہیڑے[1] میں وصال ہوا۔ انگریزوں کا شروع زمانہ تھا' ہسپتال میں چیر پھاڑ اور تحقیقات کی سختی تھی' اس لیے بڑی احتیاط سے ان کو گھر لایا گیا اور گھر پر ہی غسل وکفن دے کر سپرد خاک کیا گیا۔

ملا عبدالغنی مرحوم بھی ذی علم تھے مسجد میں للہ امامت فرماتے تھے' جمعہ کا خطبہ ایسا پڑھتے تھے کہ لوگ رویا کرتے تھے' اور محلے میں آ کر بیٹھتے تو فارسی اشعار سے لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے' آپ کو ملا تولی کے نام سے لوگ یاد کرتے تھے' اس زمانے میں ملا بڑے ذی علم حضرات پر بولا جاتا تھا' انگریز نے اس لفظ کو بدنام کیا ہے' ان حضرات اکابرین کی وجہ سے ہماری ساری قوم ہی ملا کہلاتی تھی۔

میرے نانا مرحوم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشہور عالم تھے' ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن تھے' اور ہائی اسکول میں عربی کے ٹیچر تھے' مولوی عالم بھی تھے' حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی تھی' اطراف میں نہایت جانفشانی سے تبلیغ فرماتے' برادری اور شہر میں بدعت و رسوم کا قلع قمع ہو گیا تھا' غلط واعظ شہر میں ٹھہرتا ہی نہ تھا' عام لوگ آپ کی عزت کرتے تھے' آپ صاحب فتویٰ تھے' بڑے بڑے علماء عصر سے تعلقات تھے' اپنے شہر میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا' شہر کے ذہین بچوں کو تلاش و انتخاب کے بعد عالم بناتے۔

گھروں میں لڑکیوں کے لیے مکتب جاری کیے' میری والدہ ماجدہ اور خالہ

---

[1] ریواڑی شہر کے قریب میوات کی راہ میں ایک گاؤں کا نام

مرحومہ گھر میں قرآن مجید پڑھایا کرتی تھیں' ان کی وجہ سے اب پاکستان میں بھی ہمارے یہاں جگہ جگہ لڑکیوں کو گھروں پر قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے' آپ نے دین کے لیے بہت جدوجہد فرمائی اور رات دن اسی دھن میں رہتے تھے' مسلمانوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تجارت کی طرف بھی توجہ دلائی' دکانیں کھلوائیں ورنہ شہر میں سب بنیوں کی دکانیں تھیں' شادی وغمی کی تمام رسومات ختم ہوگئیں' اللہ تعالیٰ موصوفؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ کا کافی بڑا کتب خانہ تھا' ہر علم وفن کی کتابیں اکٹھی کی تھیں' حتیٰ کہ اہل اسلام کے دیگر فرقوں کی کتابیں بھی جمع کی ہوئی تھیں' اور ہر صاحب علم کو استفادہ کی اجازت تھی' مسائل میں بڑی دسترس حاصل تھی' تمام لوگوں کو آپ کی بات پر اعتماد تھا' آپ فرمایا کرتے تھے کہ عالمگیری وشامی پر دلجمعی نہیں ہوتی' بلکہ آپ البحر الرائق اور بدائع کو ان کے مقابلے میں ترجیح دیتے تھے۔

میزان الصرف کا اردو ترجمہ فرمایا اور اس میں تمرینات کا اضافہ فرما کر اس کو طبع کرایا اور بھی چھوٹے چھوٹے رسائل تصنیف فرمائے' ضروری مواعظ اور اپنے فتاویٰ ایک رجسٹر میں تحریر کیے ہوئے تھے' جو میرے بہت کام آئے' مگر یہ ذخیرہ سب کا سب وہیں ہندوستان ہی میں رہ گیا۔ ان میں نایاب قلمی کتابیں اور خاندانی کتابیں بھی تھیں' سوائے ایک آبائی مخطوطہ قرآن مجید یا البحر الرائق کی تین جلدوں کے اور کچھ نہ آسکا' کان ما کان. (ہوا جو ہوا)

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نانا مرحومؒ ہی کے شاگرد تھے ان ہی سے صحاح تک پوری کتابیں پڑھیں' کتابیں وقتاً فوقتاً پڑھائیں' پیچ پگڑیوں کی دکان تھی' بہت صاحب قناعت متوکل رسم ورواج اور بدعت کی اصلاح کے لیے سربکف تھے' نیز غیر شرعی قومی نظام کی اصلاح میں ہمہ تن آخر عمر تک لگے رہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت کچھ کامیاب فرمایا غرضیکہ رات دن اسی دین وآخرت کی فکر لگی رہتی' آخری وقت میں بھی حقوق العباد کی فکر لاحق رہی جن جن کے ساتھ ذرا بھی وہم ہوتا بتا

دیتے کہ ان کے کچھ دام دینے تھے' بڑی کوشش اور فکر کے ساتھ اس کو یا اس کے ورثاء کو معلوم کر کے پہنچاتے' ورنہ خیرات کر دیتے۔

اپنے والد صاحبؒ کا ورثہ تقسیم کیا' ورنہ عورتوں کو ورثہ دینے کا دستور ہی نہ تھا حساب کر کے سب بھائی بہنوں میں ورثہ تقسیم کیا' حقوق العباد کا تو بہت ہی ڈر رہتا تھا۔

ریواڑی میں اللہ واسطے حمزہ[1] والی مسجد میں امامت فرماتے رہے' پھر وہاں کی امامت احقر کے سپرد ہوگئی' نانی مرحومہ' دادا مرحوم سب کے سب اللہ تعالیٰ نے نیک سیرت' دین کے پابند' عابد و زاہد عنایت فرمائے' دین کا گہوارہ تھا' جس کے اندر میری پرورش ہوئی' اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

حصول علم و اساتذہ:

موصوفؒ اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ:

ابتدائی قاعدہ بغدادی اپنی خالہ زبیدہ مرحومہ کے پاس شروع کیا' اور تقریباً سات سال کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا' دونوں تعلیمیں (مڈل تک) ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ قرآن مجید کبھی خالہ کے یہاں کبھی والد صاحبؒ سے اور کبھی نانا مرحومؒ سے پڑھا اور تین سال میں تقریباً وہ ختم کیا اور دہرالیا اس کے بعد حضرت مولانا شمشاد علی صاحبؒ مرحوم سے جو نئی بستی کی مسجد میں اور سبزی فروشاں کی مسجد میں پڑھاتے تھے' بہشتی زیور پڑھا' بہت شفقت سے پڑھاتے تھے' اور شوق دلاتے تھے' اسکول میں مڈل تک پڑھا پھر چھوڑ دیا۔

ابتدائی فارسی تعلیم نئی بستی کی مسجد کے مدرسہ میں اور نانا مرحوم کے شاگردوں سے پڑھیں' پھر ابتدائی عربی تعلیم بھی مولوی عبدالسلام صاحبؒ مولوی جمیل احمدؒ صاحب' مولوی عبدالوہاب صاحبؒ اور باہر سے شہر ریواڑی میں جو علماء وقتی طور پر تشریف لاتے' ان سے حاصل کی۔

---

[1] ریواڑی میں راجپوت برادری کی تعمیر کردہ مسجد کا نام

پھر مدرسہ مفتاح العلوم قائم ہوا اس میں حافظ ولی محمد صاحب" فاضل دارالعلوم دیوبند سے شرح جامی، قطبی، میر قطبی اور شرح وقایہ تک پڑھا، پھر چند ساتھیوں کے ساتھ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے، وہاں شرح ملا جامی مولانا محمد صدیق صاحب کشمیری" سے، نور الانوار، قطبی، میر قطبی مولانا زکریا قدوسی سے، نفحۃ الیمن مولانا اکبر علی صاحب" سے، اور قراءت میں دور سالے مفتی سعید احمد صاحب" سے پڑھے، اور قاری عبدالعزیز صاحب سے مشق کی، حافظ عبداللطیف صاحب" مرحوم مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سے کافیہ اور سلم العلوم پڑھیں، آپ ہی سے عربی بنانا سیکھی اور مفتی جمیل احمد صاحب مدظلہ سے وعظ کہنے کی مشق کی۔

ایک سال کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا، سلم کی جگہ ملا حسن اور تلخیص کی جگہ مختصر المعانی کا امتحان دے دیا اور ہدایہ اولین رسالہ میر زاہد، میبذی، مقامات حریری وغیرہ کتابیں پڑھیں پھر تین سال یہیں پورے ہوئے، ہدایہ اخیرین اور حقیقی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب" سے، مشکوٰۃ شریف اور نخبۃ الفکر حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب" سے، اور اخلاق جلالی حضرت مولانا رسول خان صاحب" سے، اور جلالین شریف حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب" سے، سراجی مفتی ریاض احمد صاحب" سے، ترجمہ قرآن حضرت مولانا محمد شفیع صاحب" اور مولانا افغانی" سے پڑھیں۔

ترمذی شریف و بخاری حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی" سے، مسلم شریف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی" سے، طحاوی شریف حضرت مولانا اعزاز علی صاحب" سے اور ابوداؤد حضرت مولانا اصغر حسین صاحب" سے اور قبلہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب" سے پڑھیں۔

تدریس:

حضرت والاؒ اپنے ۹۷/۴/۲۶ کو ارسال کردہ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

فراغت کے بعد سے ہی تدریس کے کام میں لگا ہوا ہوں، ریواڑی میں، اول اول کاروباری مشغولی کے ساتھ ساتھ، پھر مستقل آٹھ دس سال وہاں مدرس رہا، پھر یہاں

(پاکستان) آ کر درس وتدریس کا مشغلہ برابر رہا' حلوائی کی دکان بھی رہی' تیرہ چودہ سال کے بعد اب اتنے ہی دن سے برابر مدرسہ اشرفیہ میں مدرس ہوں اور ابتدائی فارسی و اردو کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث تک ہر فن کی کتابیں پڑھا چکا ہوں جو مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہیں اب بخاری شریف زیر تدریس ہے۔

شروع ہی سے دینی کتب کے مطالعہ کا ذوق رہا ہے اور یہی مذاق بنا ہوا ہے اسی الٹ پلٹ میں دور آخر عمر کا گزر رہا ہے پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کیا' ریواڑی میں لوگ مسائل پوچھتے رہتے تھے' اور فقہی کتب اور اردو کے فتاویٰ برابر دیکھتا رہتا تھا' ان اردو کے فتاویٰ سے بہت سوجھ بوجھ ہوئی اور کام کی لیاقت پیدا ہوئی' پھر سکھر آ گیا تو یہاں بھی اہل شہر کا الحمد للہ رجوع ہوا' یہ اللہ کا احسان ہے کہ لوگوں کو اطمینان ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کبر وریا سے بچائے' سب اللہ کا انعام ہے' بندہ اس لائق کہاں۔

دوبارہ سوال کے جواب میں حسب ذیل جواب ارشاد ہوا:

فراغت کے بعد حضرت والد صاحب مرحوم غلام المرسلین نائب مفتی' مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے پاس لے گئے وہ ملے نہیں' پھر حضرت مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں نظام الدین لے گئے' مگر جب گھر آیا تو کام دھندے میں لگ گیا' کام کوئی سیکھا نہ تھا' دو سال رامپورے[1] کے اسکول میں بڑھئی کا کام سیکھا آٹے دال کی دکان کی' کپڑے کی پھیری لگائی' مگر تعلیم کا کام برابر جاری رکھا' جس وقت بھی کوئی کہتا اسی وقت تعلیم شروع کر دیتا' لکھنا پڑھنا اور رسائل فارسی کی ابتدائی کتابیں برابر پڑھاتا رہا۔

آخر "پلے داروں" کی مسجد میں آٹھ روپے ماہوار پر ملازمت ملی' پھر مدرسہ ریاض العلوم (ریواڑی) میں پندرہ روپے ہوئے' اس طرح کرتے کرتے چالیس روپے ماہوار تک پہنچے' قرآن مجید اور مشکوٰۃ وجلالین تک تعلیم کا کام جاری رکھا' دو چار طالب علم تیار کر کے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم میں داخل کرائے' جمعہ کو وعظ کا سلسلہ تھا' شہر کی

---

1 شہر ریواڑی کے ایک محلہ کا نام

تقریباً ہر مسجد میں جاتا ہوا' کوئی مسجد ایسی نہ تھی جس میں برائے تبلیغ نہ گیا ہوں' قوم کی پنچایت ختم ہو چکی تھی' تو نئے نظام کے ماتحت نوجوانوں کا صدر منتخب ہوا' اولاد میں سے چار لڑکے عبدالحلیم' عبدالرؤف' نسیم احمد' عبدالمجیب ہیں' ایک لڑکی صالحہ ہے (جس کا وصال ہو چکا ہے)' (ان میں سے) تین بچے فارغ التحصیل ہیں اور عبدالمجیب حافظ بھی ہے۔

افتاء:

حضرت جواباً تحریر فرماتے ہیں: کہ

سوالنامہ موصول ہوا' اور اس انہماک تعلیمی و مشاغل تصنیفی سے بڑی مسرت سے ہوئی۔ اسعدکم اللہ فی الدارین۔

جب میں مدرسہ اشرفیہ میں مدرس ہوا تو اس کے ساتھ ہی یہ افتاء کا کام بھی خود بخود لازم ہو گیا۔ کوئی اور مدرسہ میں اس کام کو کرنے والا نہیں تھا' اسباق کی زیادتی اور اوقات' تعلیمی امور سے بھرپور ہونے کے باوجود یہ کام بھی کرتا رہا' مگر وقت خالی نہ ہونے کی وجہ سے اور ہجوم اسباق کی وجہ سے فتاویٰ کے جوابات رجسٹر میں تحریر نہ کر سکا' اور مدرسہ والوں نے التفات نہ کیا نہ انہوں نے ضرورت محسوس کی' میں نے بھی کسر نفسی کی وجہ سے کبھی عرض نہیں کیا' اگر قابل اعتماد سمجھیں گے تو انتظام کر لیں گے۔

جب مدرسہ کی شوریٰ میں دینی رسالہ جاری کرنے کا خیال پیش ہوا' تو اس میں مدرسہ کے فتاویٰ کا بھی خیال ہوا' اس وقت کچھ عرصہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے خود ہی کچھ فتاویٰ تحریر کیے تھے' افتاء کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے نہ کوئی نائب مفتی ہے' نہ رجسٹر برائے نقل فتاویٰ ہیں۔

عام طور سے ایک ہفتہ کے اندر اندر جواب دے دیتا ہوں' کوئی تمرین الافتاء یا مشاورتی مجلس اس بارے میں قائم نہیں ہے' میں مدرسہ اشرفیہ میں شوال المکرم ۱۳۷۹ھ میں مقرر ہوا ہوں اس وقت سے اب تک جتنے فتاویٰ داخلی اور بیرونی آتے ہیں' میں ہی جواب دیتا ہوں' پہلے ہجوم اسباق اور اب ضعف کی وجہ سے نقل کے کام سے معذور ہوں۔

الا ان یوفقنی اللہ تعالیٰ و سبحانہ.
اللہ تعالیٰ آپ کا شرح صدر فرمائے اور آسانی فرمائے' والسلام۔

بیعت وارشاد:

آپ کا روحانی سلسلہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے منسلک ہے' آپ ۱۳۴۷ھ میں پہلے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اعظم حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت ہوئے' موصوفؒ کے انتقال کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور بذریعہ خط ہی بیعت ہوئے' اور ۱۹۵۷ء میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے' خلافت کے بعد حضرت الشیخؒ نے سلوک طے کرانے کے لیے فرمایا کہ کراچی میرے پاس آ کر کچھ وقت لگاؤ' چنانچہ آپ نے یہ وقت لگایا' نیز آپ کا معمول تھا کہ ہر سال مدرسہ کی تعطیلات کے دوران حضرت الشیخ کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے۔

آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے' روک ٹوک اور اصلاح کے سلسلہ میں آپ کا انداز الہامی تھا' کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک سے ایسی باتیں صادر کرا دیتا جو مخاطب کے حال کے عین مطابق ہوتی تھیں' اور مخاطب کو بآسانی اپنے مرض کا علاج بغیر سوال کیے معلوم ہو جاتا تھا۔

اور بیعت کے سلسلہ میں آپ نہایت استغناء سے کام لیتے' عام طور پر بہت عرصہ خط وکتابت کے بعد بیعت فرماتے' اور مناسبت نہ ہونے پر طالب کو بیعت سے صاف انکار فرما دیتے تھے' لیکن آخر میں جب شفقت ورحمت کا غلبہ زیادہ ہوا تو معمولی طلب والے کو بھی بیعت فرمالیا کرتے تھے۔

آپ فاسق وفاجر اور گناہ میں مبتلا شخص سے بڑی شفقت وتوجہ سے پیش آتے' ان کا بہت خیال فرماتے' ایک مرتبہ آپ کے بچپن کے ایک بے تکلف ساتھی نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ آپ سے زیادہ توجہ وشفقت کے محتاج ہیں۔

آپ کے ایک دوسرے دوست فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت ولی دیکھے' لیکن

عبدالحکیم جیسا ولی نہیں دیکھا۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔

ایک مرتبہ آپ کے شیخ و مرشد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ ہزاروں مریدین میں کوئی ایک ایسا بھی مرید ہوتا ہے جو اپنے شیخ سے بڑھ جاتا ہے' لیکن یہ بہت قلیل ہوتا ہے' اور مفتی عبدالحکیمؒ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ مولوی عبدالحکیمؒ مجھ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں' جب یہ موجود ہوا کریں تو مجھ سے دعا کرانے کے بجائے ان سے دعا کرایا کرو' آپ نے کئی حضرات کو اجازت وخلافت سے نوازا جن کی فہرست آخر میں آ رہی ہے۔

رحلت:

حضرت والاؒ نے بروز ہفتہ ۱۳ شوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۸۶ء کو بوقت ظہر طویل علالت کے بعد دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ میں داعی اجل کو لبیک کہا' اور دارالعلوم ہی میں اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے قدموں میں آرام فرما ہیں۔ طابت ثراہ و نور اللہ مرقدہ و جعل الجنۃ الفردوس مثواہ.

دین کی غربت اور فتنوں کی کثرت کے اس زمانے میں اللہ کے کسی صالح اور مصلح بندے اور دین کے کسی ممتاز خادم کا اٹھ جانا یقیناً غیر معمولی بات ہے' کیونکہ عام حالت یہی ہے کہ اب جو جاتا ہے پھر اس کی جگہ پر ہوتی نہیں دیکھی' اور معلوم ہوتا ہے کہ حدیث بخاری میں وارد پیشین گوئی جو حسب ذیل ہے:

یذھب الصالحون الاول فالاول و تبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر و التمر لا یبالھم اللہ .

''صالحین یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے جائیں گے اور باقی رہ جائے گا بھوسہ جیسے جو اور کھجوروں کا بھوسہ (یعنی نکمے اور ردی لوگ) اللہ تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہ ہوگی (کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہلاک ہوتے ہیں)

اسی طرح تدریجاً عمل میں آ رہی ہے' اللہ رب العزت سب اہل ایمان اور جملہ متعلقین کو آپ کی تعلیمات و ہدایات پر پوری طرح کاربند رہنے کی توفیق ارزانی

فرمائے' اور اس مشن کو جسے انہوں نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے پھیلایا اور ہم تک پہنچایا' اسے باقی رکھنے اور آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے- آمین!

تصانیف:

ایک سوال کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصانیف کے بارے میں تفصیلاً تحریر فرماتے ہیں کہ میری تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱- کیا خدا ہے: مکالمہ کی صورت میں خدا کے وجود پر اول عقلی دلائل آسان اردو میں جمع کیے ہیں- آخر میں منطقی اور نقلی دلائل بھی لکھے ہیں اس بارے میں ایک مفید کتاب ہوگئی ہے-

۲- علیکم بسنتی: جس میں صبح سے شام تک دینی و دنیوی مشاغل میں جو جو سنتیں پیش آتی ہیں وہ سب جمع کر دی ہیں اور مختصراً آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک اور شمائل ذکر کیے ہیں' اب اس کا ترجمہ سندھی زبان میں بھی ہو گیا ہے اور سندھی میں بھی طبع ہو چکی ہے-

ریواڑی ہی میں یہ خیال آیا تھا کہ تمام سنتیں مختصر طریقہ سے یکجا جمع کر دوں اس لیے وہیں یہ کام کر لیا تھا' اور وہیں پر آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا' کچھ کام رہ گیا تھا' اب اللہ نے توفیق دی' سکھر میں اسے تحریر کیا' اور چھپ جانے پر حضرات شیخین رحمہما اللہ نے پسند فرمایا' اور اس کتاب کا نام خواب میں یہ بتایا: "**العطر المیمون فی الطریق المسنون**"- چنانچہ ایک مرتبہ اس نام سے شائع ہو کر ختم ہو چکی ہے-

۳- فضائل و مسائل اعتکاف: یہ اعتکاف سے متعلق ہے' اس کا نام حضرت قبلہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا اور خود اس کی اصلاح بھی کر دی تھی' اور بہت اچھی تقریظ تحریر فرما دی تھی' حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس بارے میں ایسی جامع کتاب میری نظر سے نہیں گزری' لیکن یہ اب تک طبع نہیں ہو سکی' حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے- آمین

۴- دین کی باتیں: (اول و دوم) اس میں شب و روز کی پیش آمدہ عبادات و سنن کو احادیث سے مع حوالہ لکھا ہے-

۵- جنت کے پھول، دوزخ کے کانٹے: الترغیب والترہیب کی پانچوں جلدوں میں جس جس عمل کرنے پر جنت کا یا اس کے باغ و بہار کا وعدہ آیا ہے وہ سب اس میں یکجا کر دیا ہے، شروع میں چند آیتوں کا ترجمہ ہے جس میں جنت کا ذکر ہے۔

اسی طرح جن جن معاصی پر دوزخ کی وعید آئی ہے وہ جمع کر دی ہے، شروع میں چند آیات دوزخ و عذاب کا ترجمہ لکھ دیا ہے، دو دفعہ طبع ہو کر ختم ہو گئی ہے۔

٦- شانِ رسالتؐ اور ہماری حالت: اس میں رسول کریم ﷺ کے معجزات میں سے ایک ایک دو دو معجزے لکھ کر پھر کسی نافرمانی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایسے پاک پیغمبر ﷺ کی امت میں ہمارا یہ کیرکٹر مناسب نہیں اور سب احادیث لکھ کر مع حوالہ تحریر کیا ہے، طبع ہو چکی ہے۔

۷- مکہ مدینہ: سوال و جواب میں آسان عبارت میں حج کے احکام کو اور زیارت رسول پاک ﷺ کا طریقہ بیان کیا ہے، کہ ہر عام آدمی سمجھ لے، اور کتابوں میں چونکہ حج کا طریقہ اور مسائل الگ الگ ہوتے ہیں جو ہر عام آدمی جلدی سے نہیں سمجھ پاتا، اس لیے اس میں مسائل و طریقہ کو سوال و جواب کے انداز میں بیان کیا گیا ہے جیبی سائز ہے، ابتداء اس میں دعائیں بھی شامل کی تھیں لیکن طوالت کے باعث دوسری اشاعت میں ان کو حذف کر دیا گیا۔

۸- حرمین کی مختصر تاریخ اور جرمانہ: حرمین سے لکھ کر لایا ہوں، مکہ مدینہ کا جزو بن کر شائع ہو گئی ہے۔

۹- قصیدہ بردہ کی اردو شرح: ۱۳۹۴ھ میں ارادہ ہوا کہ حرم نبویؐ میں بیٹھ کر کچھ لکھوں اس کے لیے قصیدہ بردہ پسند آیا اور اس کی مختصر شرح، اشعار کی ادبی مختصر تحقیق و ترجمہ مکمل کر کے لایا ہوں، مگر ابھی تک وہ طبع نہیں ہو سکی ہے۔

۱۰- آدابِ دعا: اس میں دعا کے مختصر آداب اور چند دعائیں ذکر کی گئی ہیں، اور اسماء حسنیٰ اشعار کی شکل میں شامل کیے گئے ہیں۔

۱۱- مسائل جمعہ: یہ رسالہ جمعہ کے بارے میں لکھ کر ملتان والوں کو دیا تھا، مگر ابھی تک

طبع نہیں ہوا۔

۱۲- مسائل نماز: ایک رسالہ نماز کے مسائل میں لکھ کر ایک شخص کو طبع کرانے کو دیا تھا مگر وہ نہ کرا سکے۔

۱۳- آخری منزل: اس میں مرض سے لے کر دفن کے بعد تک کے احکام اور طریقے تحریر کیے ہیں، طبع ہو کر ختم ہو گیا۔

۱۴- اعتکاف: مختصر اعتکاف کے مسائل لکھ کر شائع کیا تھا جو تقسیم کر دیا گیا، یہ فضائل و مسائل کے علاوہ دوسرا رسالہ ہے۔

۱۵- محاذات کا مسئلہ: حرم شریف میں محاذات کا مسئلہ عند الاحناف بہت دشوار نظر آیا تو کتب فقہ سے حوالہ جات کے ساتھ اس کی تحقیق لکھی اور حضرت قبلہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی تصدیق بھی فرمائی تھی۔

اس کے علاوہ مختلف پمفلٹ تحریر کیے اور شائع ہوئے۔

وصایا:

نحمدہ، و نصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حق امرئی مسلم لہ شئی یوصی فیہ ان یبیت لیلتین، وفی روایۃ ثلاث لیال الا وصیۃ مکتوبۃ عندہ قال نافع سمعت ابن عمر یقول مامرت علی لیلۃ منذ سمعت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا و عندی و صیتی مکتوبۃ. (للتۃ)

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان الرجل لیعمل و المرأۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضر ہما الموت فیضار ان فی الوصیہ فتجب لہما النار ثم قرء ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین، غیر مضار الی ذالک

الفوز العظیم. (ابو داؤد و نسائی)

(ابو امامةؓ) رفعه ان الله قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (لابی داؤد)

(انسؓ) قیل للنبی صلی الله علیه وسلم مات فلان قال الیس کان معنا آنفا؟ قالوا بلیٰ، قال سبحان الله کانما اخذه غضب المحروم من حرم وصیة (للموصلی) و اسناده حسن کذا فی مجمع الزوائد. (جمع الفوائد ص ۲۰۳)

صلبی اور روحانی اولاد کے لیے وصایا:

۱- ظاہر و باطن ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اپنے ظاہر و باطن کو شریعت مطہرہ کے مطابق کرو اور سنت رسول اللہ ﷺ کے سانچے میں ڈھل جاؤ۔

تم کو ہمیشہ شرعی علم کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور جو کچھ شریعت کا علم تم کو معلوم ہو جائے اسے دوسروں تک حکمت کے ساتھ پہنچاؤ، اور ہر بات میں محض رضائے الٰہی کے طالب رہو اور علم کو عمل میں لانے کی کوشش کرو ورنہ بے جان جسم کے مانند رہو گے، زنہار اپنے علم سے دنیا کے طالب نہ ہونا، جو شخص عمل آخرت سے دنیا کا طالب ہوتا ہے اس کی آبرو جاتی رہے گی، اور جو شخص کار دنیا سے بھی آخرت کا طلب گار ہوتا ہے اس کا دنیوی حصہ کم نہ ہوگا، دنیا ایک دریا ہے آخرت اس کا کنارہ ہے، تقویٰ اس کی کشتی ہے۔

۲- جس نعمت کا شکر ادا کرو گے اس کو زوال نہ ہوگا، اور جس نعمت کی ناشکری کرو گے اسے پائیداری نہ ہوگی، جو چیز بندے کو آخرت سے روکنے والی ہے، یہی دنیا ہے، جس توبہ کے بعد وہ گناہ چھوٹ گیا، یہی قبولیت توبہ کی علامت ہے۔

۳- قرآن مجید کی تلاوت روزانہ قدرے مقرر کرو تہجد کی نماز کی عادت ڈالو اہل صلاح کی صحبت اختیار کرو، پنجوقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرو، ایک دروازے کو پکڑ لو تاکہ تم پر تمام دروازے کھل جائیں، دنیا سے دل نہ لگائیں، آخرت کی فکر رکھیں، خدائے تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو، رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت دل میں رکھ کر

ان کی سنتوں کو ہمیشہ عمل میں لاؤ تین وقت نفس کی حفاظت کرو کہ یہ بے راہ نہ کر دے کام کرتے وقت دھیان رکھو کہ خدا تم کو دیکھتا ہے بات کرو تو سمجھو کہ خدا تمہاری بات سنتا ہے خاموش رہو تو جانو کہ خدا جانتا ہے کبھی کسی مومن کو اپنے سے حقیر نہ سمجھنا خواہ کتنے ہی کمتر درجہ کا کیوں نہ ہو کیا معلوم اس کی عاقبت کیسی ہے۔

مخلوق کے برا کہنے سے دل برا نہ کرو کہ یہ ان کا خیال ہے اور مخلوق کی تعریف سے ہرگز مت پھولو کہ اصل حال اللہ ہی جانتا ہے دنیا کی فکر سے زیادہ آخرت کی فکر کرو اس فکر آخرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے کام آسان کر دے گا- ورنہ دنیا کی فکر تباہ کر ڈالے گی- جاہلوں سے بچو برے لوگوں سے دور رہو حقوق العباد اپنے ذمہ نہ رکھو نیک کاموں میں جلدی کرو اور گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں دیر نہ کرو-

انما الاعمال بالنیات تمام تصوف کی جڑ ہے **اعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** مکمل احسان ہے اور یہی مراقبۂ احسان ہے طریقت و شریعت دو متناقض چیزیں نہیں ہیں بلکہ روح و جسد پوست و مغز کی طرح ایک چیز ہیں-

خوف خدا پیدا کرنے کا طریقہ ان باتوں کو سوچتے رہنا ہے کہ موت آ کر رہے گی قیامت یقیناً واقع ہونے والی ہے اور ضرور ایک دن خدا کے حضور پیش ہونا ہے خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو بدعات سے رسومات سے بچو فرمانبردار بن جاؤ صبر و شکر کو شیوہ بناؤ سختی کے بعد راحت آیا کرتی ہے اس لیے تکلیف میں ناامید نہ ہو جاؤ خدا کا ذکر کرو پراگندہ طبیعت نہ بناؤ گناہوں کو توبہ کے پانی سے دھوڈالو زیادہ خواہشات نہ بڑھاؤ محبت یا عداوت میں جلدی نہ کرو اپنے نفس سے بدگمان رہو دوسروں پر بدگمانی نہ کرو الغرض ظاہراً و باطناً شریعت کے حکموں پر چلو اور جو کچھ بآسانی ہو سکے میرے لیے ایصال ثواب کر دیا کرنا-

وصایا نمبر ۲:

میں اپنی اولاد اہل و عیال و اصحاب اور اہل سلسلہ و تمام اہل سلام کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ زندگی کا ایک ایک سانس بڑا قیمتی ہے ان سانسوں کو گناہوں اور

غفلت گزارنے سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کریں' جہاں تک ہو سکے رضائے حق میں یہ سانس نکلیں' گذشتہ گناہوں کا توبہ و استغفار سے اور آئندہ کے اعمال کے اصلاح کا عزم مصمم کرتے رہیں' بری صحبت سے بچیں' من نکردم شما حذر بکنید.

اپنی اولاد کو بھی دین پر چلائیں ان کو دینی تعلیم دلائیں اور خود بھی علمی مشغلہ رکھیں' حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اکابر علماء کی تصانیف مطالعہ میں رکھیں' گھر کا ماحول دینی رکھیں' خلاف دین کوئی بات نہ آنے دیں' اپنا علم دوسروں تک پہنچاؤ' اور کسی موحد متبع شریعت شیخ سے بیعت کریں' ورنہ ان سے خط و کتابت اور مجلس میں آنا جانا رکھیں' بچوں کو قرآن ناظرہ اور ضروری علم دین جب تک نہ پڑھالیں کسی کام میں نہ لگاؤ' اور ان بچوں کے اعمال واخلاق سب شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں۔

جو لوگ دہریہ اعتقاد کے ہوں بدعتی ہوں' روز مرہ کی زندگی میں حلال وحرام سے غافل ہوں ان سے احتراز رکھیں' اپنی عورتوں اور بچیوں کو بے پردگی' عریانی اور فیشن سے بچائیں ایسی فیشن ایبل عورتوں کے میل جول سے بھی بچا کر رکھیں۔

گھر میں ایسی کتابیں جو ناول اور عریانی لیے فوٹو ہوں' ہرگز نہ آنے دیں بلکہ دینی کتابیں پڑھیں' اور جب خیال آ جائے' میرے لیے دعائے مغفرت کر دیا کریں' اللہ پاک عبدالحکیم کو بخش دے' اور اس کی مغفرت کر دے' اگر ہو سکے ایک بار سورۂ یٰسین یا تین بار قل ھو اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں' اس کے بعد اگر کبھی اللہ توفیق دے تو مال صدقہ کر کے جس میں اخفاء ہو ایصال ثواب کر دیں' اس میں کسی رسم کی پابندی نہ کریں۔

اتباع سنت ضروری ہے' بدعات و رسومات سے الگ تھلگ رہیں' آخرت کی فکر دنیا پر غالب رہے' امر بالمعروف' نہی عن المنکر بقدر ہمت کرتے رہنا چاہیے' اپنے گھر کا ماحول دینی بنانے کی انتھک کوشش کریں' جس کے لیے یہ امور ضروری ہیں:

۱- خود اور اولاد کو نماز با جماعت کا پابند بنائیں' عورتوں کو گھر پر بروقت نماز کا پابند کریں۔

۲- فجر کے بعد سب افراد کچھ تلاوت قرآن کر لیا کریں۔

۳- عریانی اور فیشن سے بہت پرہیز کیا جائے۔

۴- گانے بجانے اور کھلی ہوئی حرام باتوں سے الگ رہیں۔
۵- جو اس کے خلاف کرے اسے نرمی اور حکمت سے سمجھا کر عامل بنانے کی سعی کریں۔

فہرست مجازین:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل حضرات کو باقاعدہ بیعت و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی:

۱- حافظ بشیر احمد صاحب	رشید آباد کالونی' ملتان شہر
۲- ڈاکٹر حفیظ الحق صاحب	مصطفیٰ آباد نزد ایک مینارہ والی مسجد' دھرم پورہ لاہور
۳- حاجی بشیر احمد صاحب ٹوپی والے	تمباکو بازار سکھر
۴- حاجی منیر احمد صاحب	لطیف اسکوائر' نزد مکرانی مسجد' بندر روڈ' سکھر
۵- حاجی محمد نعیم صاحب	نعیم جنرل اسٹور' نشتر روڈ' سکھر
۶- مولانا عبدالحلیم صاحب	کے' ٹو سگریٹ ایجنسی متصل سندھی سرکاری اسکول ڈھرکی
۷- مولانا عبدالرؤف صاحب	نائب مفتی دارالعلوم' کراچی نمبر ۱۴
۸- مولانا صغیر احمد صاحب	سعید آباد' کراچی

درج ذیل حضرات کو مجاز صحبت بنایا:

۱- حاجی محمد انور صاحب محلہ باغ حیات علی شاہ' سکھر سندھ
۲- حاجی محمد رمضان صاحب محلہ باغ حیات علی شاہ' سکھر سندھ
۳- حاجی محمد اظہار احمد صاحب شاہی بازار نزد انارکلی' سکھر

درج ذیل حاجی صاحب کو مجاز تعلیم بنایا:

۱- حاجی محمد شفیع صاحب رشید آباد کالونی' خانیوال روڈ' ملتان شہر

تاریخ وفات:

۱- پیام آمد: فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

۹۸ ۱۹۵ ۱۹ ۳۰۵ ۱۱۰ ۳۰۱ ۹۰ ۱۱۱ ۷۷

۱۴۰۶

۳- قطب جہاں عبدالحکیم صاحب مفتی جامعہ اشرفیہ سکھر

۲۸۵ ۷۱۵ ۷۱۵ ۵۳۰ ۲۸۶ ۱۷۰

۱۹۸۶

۴- ھادی انجمن حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب

۱۰۱ ۱۸۵ ۱۲۸ ۱۴۰۸ ۱۶۴

۱۹۸۶

۵- مولانا حاجی عبدالحکیم صاحب رخصت ہوگئے

۵۱ ۱۴۹ ۱۰۱ ۱۸۵ ۲۲ ۱۳۷

۶- عبد الحکیم خلیفہ مفتی شفیع صاحب

۱۰۱ ۴۵۰ ۵۳۰ ۷۲۰ ۱۸۵

۱۹۸۶

(ماخوذ ماہنامہ البلاغ کراچی مولانا حباء دانش صاحب)

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب کراچوی رحمۃ اللہ علیہ

جناب پروفیسر لطیف اللہ صاحب مجاز بیعت حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ ، وَّ فَوَاکِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ، کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ، اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (المرسلات، آیات ٤١ تا ٤٤)

''پرہیز گار لوگ سایوں اور چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا (اپنے اعمال کے نیک) صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں''۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ (النازعات : ٤٠ - ٤١)

''اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا، سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔

شیخ مکرم و معظم، مصدر جود و کرم، نمونہ اولیائے سلف، منبع فیض و برکت، حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب ''قدس اللہ سرہ'' ١٨، دسمبر ١٩٩٣ء کو فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر. (القمر ٥٥) ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سراسر بے اضاعت [illegible] علم و عمل کے لیے حضرت والا اقدس سرہ

کے اوصاف و کمالات' آپ کے علوم و معارف اور آپ کے پاکیزہ اخلاق کے بارے میں کچھ عرض کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک چیونٹی یا مچھر انسانی خصوصیات و استعدادات کے بارے میں کچھ کہنے کا قصد کرے' نہ چیونٹی اور مچھر میں یہ صلاحیت کہ وہ انسان کا بہ حیثیت نوع ادراک کر سکے نہ اس احقر کی ایسی فہم کہ وہ حضرت والا اقدس سرہ کے روحانی درجات اور باطنی کمالات تک رسائی پیدا کر سکے- محض امتثال امر کے طور پر یہ عاجز حضرت والا قدسؒ سرہٗ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے چند پہلو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے-

حضرت والا قدسؒ سرہٗ کی سیرت کا سب سے ممتاز اور نمایاں پہلو اتباع سنتؐ ہے- آپ خلوت و جلوت میں' عبادات و معاملات میں' اٹھنے بیٹھنے' سونے جاگنے میں' سنت مطہرہ پر سختی سے عمل فرماتے تھے' چنانچہ جو شخص حضرت قدس سرہٗ سے پہلی مرتبہ ملاقات کرتا' وہ بھی آپ کے اتباع سنت کا اثر دل میں لے کر اٹھتا' آپ کی پاکیزہ سیرت کے اس پہلو کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ادائے سنت کا یہ اہتمام سرکار دو عالم ﷺ کی ذات مقدسہ سے آپ کی بے پناہ محبت اور حضور پاک ﷺ کے طریق سے آپ کے قلبی لگاؤ کا مظہر ہے' یہاں بے ساختہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار یاد آئے- شیخ مکرم و معظم قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ ان کے عین مصداق رہی-[1]

سکہ کارش بفروع و اصول
تابع قال اللہ و قال الرسول
راہروے کو بہ طریق صفا

---

[1] احقر راقم یہاں اپنے ایک ذاتی احساس کا اظہار کرنا چاہتا ہے کہ اس عاجز نے شیخ مکرم و معظم اور حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس اللہ اسرارہم کی ذات میں ہمیشہ ایک طرح کی مماثلت اور ہم رنگی محسوس کی ہے- دونوں حضرات اس عاجز کے محبوب و مطلوب ہیں- حق تعالیٰ چمن چشت کے ان نہالان خوش رنگ پر اپنی بے پایاں رحمت نازل فرمائے- آمین

رفتہ قدم بر قدم مصطفیٰ
سیرت میمونش بہ دیں پروری
نسخہ دیباچہ پیغمبری

(مثنوی مطلع الانوار حضرت امیر خسروؒ)

ترجمہ: ''فروع ہوں یا اصول آپ کے عمل کا راستہ حق تعالیٰ کے فرمان اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد عالی کے تابع تھا۔
آپ ایسے سالک تھے کہ کامل صفائے قلب کے ساتھ محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔
دین کی نگہداشت میں آپ کی مبارک سیرت رسالت کے دیباچے کا نسخہ تھی''۔

حضرت والا قدس سرہٗ کی پاکیزہ سیرت کا دوسرا نمایاں پہلو اپنے متعلقین' احباب اور عام مسلمانوں پر شفقت و رحمت اور انہیں راحت پہنچانا ہے۔ دن ہو یا رات آنے جانے والے اپنی پریشانیاں' اپنے مسائل اور مصائب آپ سے بیان کرتے اور دعاء کے خواستگار ہوتے' آپ ہر شخص کی بات کامل توجہ سے سنتے اور ان کے مصائب و آلام پوری شدت سے محسوس فرماتے۔ کئی شب و روز اسی غم و اندوہ میں رہتے کہ فلاں شخص تکلیف و پریشانی میں ہے وہ کس حال اور کیفیت میں ہوگا۔ جب تک راحت کی خبر نہ سن لیتے بے چین رہتے۔

اعزا' اقربا یا احباب میں کوئی صاحب بیمار ہوتے تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے' اکثر صورتوں میں یہ قدم رنجہ فرمائی مریض کے لیے نوید صحت ہوتی کہ ادھر آپ مزاج پرسی کے بعد واپس ہوئے ادھر بیمار کو علامات مرض میں افاقہ محسوس ہونے لگا۔

حضرت والا قدس سرہٗ مسلمانان عالم کی دین سے غفلت پر کڑھتے رہتے تھے' ان کی دنیا طلبی' عیش پرستی اور آخرت سے بے پروائی پر مضطرب رہتے۔ اپنی ہر مجلس

مبارک میں دعاء فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ مسلمانوں میں ذوق طاعت اور شوق شہادت بیدار ہو جائے اور وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح دین کے لیے حصار بن جائیں۔

حضرت والا قدس سرہٗ اتباع سنتؐ اور بزرگان چشت کی روایت کا اہتمام فرماتے ہوئے ہر ملاقاتی کی مدارات خواہ آپ کے احباب میں ہوتا یا نہ ہوتا' ضرور فرماتے۔ اگر گھر میں کوئی نہ ہوتا تو خود ہی چائے بنا کر آنے والے کو پیش فرماتے۔ اس کے بعد اس سے گفتگو فرماتے۔

حضرت والا قدس سرہٗ منصب عشق پر تو فائز ہی تھے' علم وافر سے بھی بہرہ ور تھے۔ الکتاب اور القلم کے رموز وحقائق سے آشنا تھے۔ تقریباً نصف صدی تک تصنیف و تالیف سے شغف رہا' اسی تعلق سے اہل علم اور ارباب قلم سے محبت فرماتے تھے' اور ان کی صحت و عافیت کے لیے دعا فرماتے رہتے تھے۔ تصنیف و تالیف کے باب میں حضرت والا قدس سرہٗ معروضی اور تحقیقی مزاج کے حامل تھے۔ کوئی بات بغیر منفعت دینی اور کما حقہ تحقیق کے تحریر نہیں فرماتے تھے۔ اس خصوص میں آپ کی تصنیفات اور مقالے شاہد ہیں جو وقتاً فوقتاً پاک و ہند کے رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

حضرت والا قدس سرہٗ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی سے بے حد عقیدت و محبت تھی۔[1] عقیدت و محبت محض ایک قلبی یا روحانی جذبہ ہی نہیں ہے بلکہ عقلی اور طبعی رویہ بھی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عاشق و طالب خود کو محبوب کے رنگ میں ایسا رنگ لیتا ہے کہ دوئی کے تمام عوامل یکسر فنا ہو جاتے ہیں اور من تو شدم تو من شدی کی یک رنگی اپنا رنگ جما لیتی ہے۔ حضرت والا قدس سرہٗ کی حضرت

---

[1] اسی عقیدت و محبت کے پیش نظر' حضرت والا قدس سرہٗ نے راقم عاجز سے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے سوانحی حالات بہ عنوان انفاس امدادیہ مرتب کرائے۔ یہ تالیف ابھی زیر طباعت ہے۔ ان شاء اللہ قارئین اسے جلد ہی ملاحظہ فرمائیں گے۔

حاجی صاحبؒ سے عقیدت و محبت کا یہی عالم تھا- اس عالم کی بہت سی جہتیں ہیں، عشق الٰہی، حب رسول، عبدیت، فنائیت، اخلاص، ایثار یہ سب جہتیں ان شاء اللہ اہل دل حضرات کے سامنے آئیں گی یہاں ایک اہم پہلو کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے-

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے اس امر پر اصرار فرمایا ہے کہ فی زمانہ مسلمانوں کو اختلافی اور نزاعی مسائل میں ایک دوسرے سے برسر پیکار نہیں ہونا چاہیے اور ایسے تمام مسائل میں اعتدال و توازن کی راہ اختیار کر کے باہمی اتحاد و مودت کو فروغ دینا چاہیے- یہ وقت کی اہم ضرورت بھی ہے اور دین کے استحکام کا ذریعہ بھی ہے- حضرت والا قدس سرہٗ تازیست حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی اس وصیت پر عمل فرماتے رہے آپ نے تقریباً چالیس سال تک مسجد ملیہ سلیمانیہ سندھ اسمبلی بلڈنگ کراچی میں جمعہ کے خطبات و مواعظ ارشاد کیے لیکن اس پورے عرصے میں کبھی اختلافی مسائل کو زیر بحث نہیں لائے، ہمیشہ علم و عمل کے ایسے نکات بیان فرمائے جن سے ایمان میں استواری پیدا ہو، اور نفس و باطن کا تزکیہ و تصفیہ ہو کہ بالآخر ان ہی امور پر ایک مسلمان کی حیات اخروی کا مدار ہے- علاوہ ازیں کراچی اور کراچی سے باہر مختلف شہروں میں بے شمار تقریبات پر حضرت والا قدس سرہٗ نے تقریریں کیں لیکن کسی ایک تقریر میں ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جس سے اتحاد بین المسلمین کے عظیم مقصد کو زک پہنچے- یہی وجہ ہے کہ مسجد ملیہ میں ہر مسلک اور ہر مشرب کے حضرات نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آتے اور آپ کے خطبات و مواعظ سے مستفیض ہوتے- اپنے مسلک پر پوری پختگی اور شرح صدر کے ساتھ قائم رہنا اور دوسروں پر نکتہ چینی نہ کرنا حضرت والا قدس سرہٗ کا مسلک و شعار رہا-

حضرت والا قدس سرہٗ کے وصال سے چند گھنٹے قبل کی کیفیت یہ ہے کہ آپ جمعہ ۱۷ دسمبر ۱۹۹۳ء کو بارہ بجے دن سے چند منٹ بعد مسجد تشریف لائے-[1] سب سے

---

[1] یہاں ایک صریح اور واضح غلط فہمی کا ازالہ نہایت ضروری ہے- جنوری ۱۹۹۴ء میں انجمن طلبائے قدیم- جامعہ عثمانیہ پاکستان کراچی) کے زیر اہتمام جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے متعلق ایک مجلہ

مصافحہ کرنے کے بعد کسی سے گفتگو کے بغیر اپنے مصلیٰ پر آئے اور صلوٰۃ التسبیح ادا فرمائی یہ ہمیشہ کا معمول تھا (دعاء کے بعد احباب میں سے ایک ایک حاضر ہوتا رہا۔ ہر ایک سے اس کی خیریت دریافت کی یہ بھی ہمیشہ کا معمول تھا) محترم محمد احمد پٹیل صاحب سے جو آپ کے مجازین میں سے ہیں کچھ گفتگو فرمائی' اس اثناء میں محترم مولانا فیض محمد فیض صاحب آ گئے' ان سے تقریر کرنے کو فرمایا۔ مولانا ممدوح نے پندرہ منٹ تقریر کی ہوگی کہ دفعتاً کھڑے ہو کر پچھلی صفوں کی جانب چلنے لگے۔ احقر راقم تیزی سے حضرت والا قدس سرہ' کی طرف بڑھا تو فرمایا کہ اسلم صاحب کو بلاؤ' یہ بھی حضرت والا کے مجازین میں سے ہیں اور انگریزی دواؤں کا کاروبار کرتے ہیں) احقر راقم نے حضرت والا کو ایک خالی ستون کے ساتھ بٹھا دیا اور اسلم صاحب کو اشارے سے بلایا' حضرت والا نے انہیں زبان کے نیچے رکھنے والی گولی لانے کے لیے فرمایا اور نڈھال ہو کر لیٹ گئے اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد محترم اسلم صاحب گولی لے آئے' حضرت والا قدس سرہ' نے وہ گولی زبان کے نیچے رکھ لی اور لیٹے رہے اور درود شریف پڑھتے رہے۔ جب موذن

لے ...... مجلہ بہ عنوان مرقع جامعہ عثمانیہ شائع ہوا ہے۔ اس مجلے میں حضرت والا قدس سرہ' کا بھی ایک مقالہ ہندوستانی جامعات میں جامعہ عثمانیہ کا مقام امتیاز کے عنوان سے شامل ہے۔ اس کے آغاز میں مدیر مرقع جامعہ عثمانیہ' نے یہ چند سطریں تحریر فرمائی ہیں:

> ''بدھ ۱۵' دسمبر ۹۳ء کو مولانا غلام محمد بہادر یار جنگ اکادمی تشریف لائے اور یہ گراں قدر مقالہ اور اپنی کتاب تفسیر سورۂ یوسف عطاء فرمائی' جمعہ کو مسجد الکبریا میں خطبہ دیتے ہوئے قلب پر حملہ ہوا' اور ہفتہ ۱۸' دسمبر ۹۳ء کو تدفین ہوئی۔ یہ ان کی آخری تحریر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین''۔ (ص ۵۹)

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے قلب مبارک پر حملے کا سانحہ مسجد ملیہ سلیمانیہ سندھ اسمبلی بلڈنگ میں وقوع پذیر ہوا نہ کہ مسجد الکبریا دھوراجی میں' اسی سلسلے میں مزید تفصیلات پیش نظر مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ وضاحت آئندہ لکھنے والوں کے لیے ناگزیر تھی۔

نے تکبیر شروع کی تو آپ اٹھ بیٹھے اور بیٹھے بیٹھے نہایت خشوع وخضوع سے جمعہ کی نماز ادا کی۔ دعاء کے بعد ہسپتال لے چلنے کے لیے فرمایا' محترم حافظ محمد یحیٰی صاحب ڈاکٹر مصباح الرحیم صاحب مجاز بیعت (آغا عارف صاحب اور جناب محمود علی صاحب حضرت والا کے رشتے کے برادر نسبتی) آپ کے ساتھ رہے۔ مسجد سے ہسپتال تک درود شریف کا ورد جاری رہا۔ امراض قلب کے ڈاکٹروں نے فوری توجہ اور مستعدی سے ابتدائی ضرورتیں پوری کیں۔ اس علاج سے بہت افاقہ ہوا' شام چار بجے طبیعت خاصی بحال ہو گئی تو آپ نے احباب سے رخصت ہونے کے لیے فرمایا' لیکن سوا چار بجے ایک اور شدید دورہ قلب پر ہوا' اس کے بعد متواتر چار دورے قلب پر پڑے۔ ڈاکٹروں نے بجلی کے شاک لگا کر مصنوعی تنفس پیدا کرنے کی کوششیں جاری رکھیں لیکن آپ پر کوما کی کیفیت طاری رہی۔ مشیت ایزدی یہی تھی کہ حضرت والا قدس سرہٗ ہم سے جدا ہو جائیں اور قرب حق میں اپنے مقام بلند پر تشریف لے جائیں' رات ایک بج کر پچیس منٹ پر ڈاکٹروں نے آپ کے وصال کی تصدیق کر دی۔ ۱۸' دسمبر ۱۹۹۳ء بروز ہفتہ' ظہر اور عصر کے درمیان شفیق پورہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی' نماز جنازہ مسجد کبریا دھوراجی سوسائٹی میں بعد نماز ظہر محترم محمد اسلم صاحب نے پڑھائی۔

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نہ کرد
شبہائے وصال را بزنجیر نہ کرد
گر وصل تو یاری کند و یا نہ کند
بارے کہ فراق ہیچ تقصیر نہ کرد

ترجمہ: ''افسوس ہے کہ میرے دل نے کچھ تدبیر نہ کی اور وصل کی راتوں کو زنجیر سے باندھ کر نہ رکھ لیا اب تیرا وصال خدا جانے کب نصیب ہو' بارے تیرے فراق نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی'' [1]

---

[1] یہ ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی کی گرانمایہ تصنیف تذکرۃ حضرت نظام الدین اولیاء خانقاہ مبارک کی ایک جھلک سے نقل کیا گیا ہے۔ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۸۴

حضرت والا قدس سرہ کی حیات ناسوتی کے چند سنین یہ ہیں:

نام نامی واسم گرامی: غلام محمدؒ ابن مولانا غلام نبی بسیط حیدر آبادیؒ

ولادت باسعادت صبح جمعہ ۸ ربیع الثانی مطابق ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء حیدر آباد دکن

گریجویشن ۱۹۴۳ء جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

ایم ڈی ہومیو پیتھک ۱۹۴۶ء حیدر آباد دکن

سلسلہ امدادیہ اشرفیہ میں بیعت ستائیسویں شب رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ بدست حق پرست علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

تصانیف:

۱- آنحضرت ﷺ طبع حیدر آباد دکن ۱۹۴۸ء (بچوں کے لیے)

۲- حیات بہادر یار جنگ طبع بار اول ۴۷، ۴۸ حیدر آباد دکن، بار دوم بعنوان قائد ملت بار سوم کراچی ۱۹۹۱ء

۳- حیات اشرفؒ، سوانح مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ طبع بار اول کراچی ۱۹۵۱ء بار دوم کراچی ۱۹۶۳ء

۴- تذکرہ سلیمان بار اول کراچی ۱۹۶۰ء بار دوم کراچی ۱۹۸۴ء

۵- علامہ سید سلیمان ندویؒ، کراچی ۱۹۸۵ء

اور حیدر آباد آصفی

۶- موت الابرار کراچی ۱۹۸۷ء

۷- رموزِ سورۂ یوسفؑ کراچی ۱۹۹۲ء

۸- گلدستہ نماز اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ وقف عام ہے۔

۹- سکرات سے موت تک ایضاً

۱۰- ارمغان سلیمان کلام منظوم علامہ سید سلیمان ندویؒ کراچی ۱۹۶۵ء

۱۱- حکمت ایمانیاں کلامی اور فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ کراچی ۱۹۸۲ء

۱۲- جواہر الفوائد تلخیص فوائد الفواد کراچی ۱۹۸۲ء

۱۳- رقعات ماجدی کراچی ۱۹۸۲ء

تدوینیات

۱۴- تدوین حدیث تصنیف مولانا مناظر احسن گیلانی ؒ

۱۵- مقالات احسانی ایضاً

۱۶- تذکیر سورۃ الکہف ایضاً

ترجمہ وتحشیہ

۱۷- ارشاد الطالبین فارسی کراچی ۱۹۸۳ء تصنیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ

۱۸- تبیین الطرق الی اللہ عربی باراول لکھنؤ ۱۹۶۳ء کراچی ۱۹۶۴ء تصنیف محدث جلیل علی متقی ؒ

یہ عاجز اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے باعث حضرت والا قدس سرہٗ کی پاکیزہ سیرت اور اوصاف کے باب کو نظیری نیشاپوری کے اس شعر پر ختم کرتا ہے۔

دامان نظر تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین نگاہ تو زد اماں گلہ دارد

حضرت مولانا عبدالکریم قریشی رحمۃ اللہ علیہ بیر شریف والے

مدیر ماہنامہ ''الہادی'' لکھتے ہیں کہ:

موت ہی ایک وہ اٹل حقیقت ہے کہ جس کا آج تک کوئی حتیٰ کہ خدا کی ذات کا منکر بھی انکار نہیں کر سکا- کسی شاعر نے کہا ہے کہ ۔

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَدُوْمُ لِوَاحِدٍ لَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْهَا مُخَلَّدًا

کہ اگر زندگی کسی کے ساتھ وفا کرتی تو وفا کے زیادہ مستحق حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ تھے اسی طرح انبیاءؑ کے وارثین صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، فقہاء اور علماء سے دنیا وفا کرتی- ایسے ہی گزرتا ہوا سال دینی و علمی حلقوں کے لیے خصوصاً اور مسلمانان پاکستان کے لیے عموماً بڑے بڑے صدمات و سانحات کا سال ثابت ہوا ہے ایک صدمے کا اثر ختم نہیں ہوا کہ دوسرا بڑا سامنے آ گیا جو قلب و دماغ کو نیا جھٹکا لگا گیا-

پچھلے دنوں قطب العالم اور دلوں کے مسیحا سرپرست جمعیت علماء اسلام اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' مدرسہ عربیہ سراج العلوم بیر شریف کے بانی و مہتمم پاکستان کی ممتاز مذہبی شخصیت اور دینی جماعتوں و اداروں کے مربی و محسن حضرت مولانا عبدالکریم قریشی سولہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ بمطابق چار جنوری ۱۹۹۹ء پونے سات بجے شام کراچی میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال فرما گئے- اِنَّا لِلّٰہِ و انا الیہ راجعون. مرحوم اپنے وقت کے متبحر عالم دین- نبض شناس مرشد اور متبع سنت بزرگ تھے اور اپنی ان ہمہ گیر خصوصیات کی بنا پر مرجعیت کا مقام رکھتے تھے-لیکن بطور خاص سندھ کے نوتعلیم یافتہ طبقے میں آپ کو قبول عام حاصل تھا آج اندرون سندھ جامعات اور کالجوں میں جہاں کہیں تدین انابت اور تقویٰ کے مظاہر نظر آ رہے ہیں ان میں سے بیشتر کے پیچھے اسوۃ الصلحاء حضرت مولانا عبدالکریم قریشی کی تربیت صحبت اور مجالست کی اثر انگیزی کارفرما ہے-

چنانچہ کئی حضرات سے بندہ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے روتے ہوئے اپنی داستانیں بیان کیں کہ ہم منشیات استعمال کرتے تھے اور دیگر حرام کی لت میں پڑے ہوئے تھے۔

کمال تقویٰ:

حضرت ہی کی صحبت کی وجہ سے راہِ حق ہمیں نصیب ہوئی۔ایک مرتبہ بندہ نے حضرت کی خدمت اقدس میں پیر شریف حاضری دی (یادرہے کہ حضرت والا کے ہاں ہر وقت علماء طلبہ اور مجمع خواص وعام کا جم غفیر رہتا تھا اور حضرت گھنٹوں بھر مجالس فرماتے اور تھکاوٹ کا نام تک زبان پر نہ آتا ایسے بندہ کا بارہا تجربہ ہوا ہے) جب حضرت والا گھر تشریف لے گئے تو شکار پور کے ایک صاحب نے بندہ کو واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ شکار پور میں جلسہ تھا۔ شکار پور کی جماعت حضرت اقدس کی دعوت کی غرض سے حاضر ہوئی جماعت نے آنے کی غرض بیان کی حضرت نے بشرط زندگی اور صحت کے ساتھ وعدہ فرمایا۔ جلسہ شروع ہوئے کافی دیر ہوگئی کہ حضرت والا تشریف نہیں لائے ساری جماعت پریشان تھی اس لیے حضرت کو لانے کے لیے ایک بہترین نئی یلو کیپ کا انتظام کیا گیا۔ گاڑی ابھی روانہ ہونے کو تھی کہ حضرت والا نمودار ہوئے پوری جماعت پر حضرت کی تشریف آوری پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مصافحہ کے بعد حضرت نے خود ہی وجہ بیان کی کہ پنجاب سے علماء کی ایک جماعت بغرض اہم مشورہ تشریف لے آئی تھی ان کی وجہ سے دیر ہوگئی ہے جماعت نے اپنی پریشانی ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت جماعت نے جناب کو لانے کی غرض سے یلو کیپ تیار کی ہوئی تھی جو کہ سامنے کھڑے ہوئی ہے حضرت نے فوراً جوش میں فرمایا کہ یہ سود کی گاڑی ہے اور سود کی گاڑی کو میں استعمال نہیں کرتا اچھا ہوا کہ آپ لوگ نہیں آئے وگرنہ میں اس گاڑی پر نہ آتا۔ مخدوم العلماء حضرت مولانا عبدالکریم قریشی صدیق النسل تھے چالیسویں پشت میں جاکر آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے آپ کے آباؤ اجداد فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسمؒ کے ہمراہ حجاز مقدس سے سندھ میں تشریف لائے تھے گذشتہ دو سو سال سے آپ کے خاندان کے بزرگوں نے پیر شریف میں رہائش اختیار کی تھی۔ ۷ ستمبر ۱۹۲۳ء میں

حضرت مخدوم العلماء مولانا عبدالکریمؒ صاحب قریشی بیر شریف میں پیدا ہوئے۔ ضلع لاڑکانہ کے ایک تعلق قنبر علی خان میں انڈس ہائی وے سے جانب مغرب تقریباً چھ کلو میٹر پر ایک گوٹھ واقع ہے جس کو بیر شریف کہا جاتا ہے۔ والد کا اسم گرامی حضرت مولانا محمد عالم قریشی رحمۃ اللہ علیہ اور دادا کا اسم گرامی حضرت مولانا محمد عبداللہ قریشی تھا۔ اور بیر شریف میں یہ خاندان کئی پشتوں سے علم وفضل کا نشان ہے حضرت بیر شریفؒ کے متعلقین بیان کرتے ہیں کہ طالب علمانہ دور میں مرحوم یومیہ سترہ سترہ اور اٹھارہ اٹھارہ اسباق پڑھتے تھے اور صرف پانچ سال کے قلیل عرصہ میں مروجہ علوم وفنون کی تحصیل کر کے فارغ ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی مولانا محمد عالمؒ ہٹی پھر گاؤں کے مولانا محمد ایوبؒ اور گوٹھ لاکھا کے مولانا تاج محمودؒ مگسی سے حاصل کی پھر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم کے وارث حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ صاحب سے تکمیل کی گھوٹکی اور دیگر مقامات پر جہاں جہاں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی تعلیم دیتے رہے آپ ان کے ہمراہ رہے۔ علوم اسلامیہ اور حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد کراچی مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ مارکیٹ میں مولانا محمد صادق صاحبؒ کے ہاں تین سال تک تدریس کے فرائض انجام دیئے اسی دوران میں آپ نے حج کی سعادت حاصل کی ان دنوں درخواستیں اور ویزہ وغیرہ کی موجودہ مشکلات نہ تھیں نہ ہی تصویر کی پابندی تھی بحری جہاز کا ٹکٹ لیتے اور حج پر روانہ ہو جاتے چنانچہ حضرت والا نے بھی ایسے ہی حج کیا بعد میں جب پاسپورٹ اور تصویر کی حکومت نے پابندی لگائی حلقہ ارادت کے اصرار کے باوجود حضرت نے نہ حج کیا اور نہ عمرہ کا سفر کیا بلکہ جواباً فرمایا کرتے تھے کہ فرض ادا ہو گیا ہے اب عمرہ وغیرہ کی حیثیت سنت کی ہے اور تصویر کھنچوانا حرام ہے صرف سنت کو ادا کرنے کے لیے حرام کا مرتکب نہیں ہو سکتا بلکہ اس دور میں حضرت بیر شریفؒ والوں کو تصویر سے جتنی نفرت تھی اس پر ان کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے حضرت والا ایک مرتبہ چنیوٹ تشریف لائے کسی اخباری نمائندہ نے آپ کا فوٹو لے لیا۔ حضرت والا فوراً اسٹیج سے اتر کر قیام گاہ پر آ گئے جب تک کیمرہ مین کی فلم منگوا کر آپ کو نہیں دی گئی آپ اسٹیج پر نہیں گئے حضرت والا نے فلم لے کر پہلے ضائع کی پھر

اسٹیج پر تشریف لے گئے ساری زندگی شناختی کارڈ نہیں بنوایا دوبارہ حج کے لیے درخواست نہیں دی آپ کا تقویٰ تھا کہ قدرت نے آپ میں ایسی خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں ان پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے- سات سال مدرسہ انوار العلوم کنڈیارو میں آپ نے علوم اسلامیہ کی تدریس کے فرائض سرانجام دیئے بعد میں اپنے شیخ امام الاولیاء حضرت قبلہ مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ کے حکم پر ۱۹۵۸ء میں اپنے گاؤں بیر شریف میں مدرسہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی اور زندگی کے آخری لمحات تک اس گلشن نبوی کی خون جگر سے آبیاری کرتے رہے آپ کے ہزاروں شاگرد اور فیض یافتہ اس وقت درس و تدریس اور اصلاح میں مصروف اور دینی علمی خدمات انجام دے رہے ہیں- حضرت والا کا معمول تھا کہ صبح نماز کے بعد درس قرآن ارشاد فرماتے- ابتدائی فارسی وصرف کے درجہ کے طلباء سے لے کر مفتی طلباء تک سب اس میں شریک ہوتے- جوہر تین سال کے بعد پورا ہو جاتا تھا- افہام وتفہیم کا قدرت نے حضرت والا کو ایسا ملکہ نصیب فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ آپ چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے اس لیے حضرت والا کے ہاں ہر وقت علماء کا اطراف سے جم غفیر رہتا اور حضرت والا سے مشکل مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا رہتا- آپ کے اخلاص وتقویٰ کی برکت اور اساتذہ ومشائخ کی نظر کرم سے حق تعالیٰ نے آپ کو ایسی شان محبوبیت نصیب فرمائی تھی کہ شاگرد آپؒ پر جان چھڑکتے تھے اور دل و جان سے آپ پر فدا ہوتے تھے- یہ سب اخلاص اور ذکر الٰہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے بہت جلد پورے صوبہ سندھ میں ایسا علمی مقام حاصل کر لیا کہ تمام ہم عصر پیچھے رہ گئے- پیر طریقت حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ کے ہاتھ پر آپ نے ۱۹۴۸ء میں بیعت کی- حضرت ہالیجوی کی بیعت کا تعلق حضرت مولانا تاج محمود امروٹی اور ان کا حضرت حافظ محمد صدیق صاحبؒ بھر چونڈی شریف والوں سے اور ان کا سوئی شریف کی خانقاہ سے تھا-

حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ سے آپ کو اجازت وخرقہ خلافت حاصل ہوا اور ان کے وصال کے بعد ایسی نسبت شیخ منتقل ہوئی کہ آپ دیکھتے ہی دیکھتے صوبہ بھر میں محبوب المشائخ بلکہ شیخ المشائخ ہو گئے بلاشبہ لاکھوں فرزندان توحید نے آپ سے بیعت کا

تعلق قائم کیا اور ذکر الٰہی کی نعمت سے اپنے قلوب وجگر کی دنیا کو آباد کرنے والے بن گئے۔

تحریکی زندگی:

۱۹۵۶ء میں آپؒ نے جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے اپنے تحریکی دور کا آغاز کیا۔ ایوب خان کے عائلی قوانین' ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ تحریک نظام مصطفیٰ غرض یہ کہ تمام ملکی وقومی تحریکوں میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی اور مرکزی عہدوں پر فائز رہے جمعیت علمائے اسلام کل پاکستان کی امارت بھی آپ کے حصہ میں آئی آج کل اہل حق کے قافلہ جمعیت علمائے پاکستان کے آپ سر پرست اعلیٰ تھے۔ شیخ الاسلام مولانا محمد عبداللہؒ درخواستی' قائد جمعیت مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ روح رواں جمعیت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ حضرت مولانا گل بادشاہ اور دیگر اکابرین اور مذہبی رہنماؤں سے آپ کے نہ صرف مثالی تعلقات تھے بلکہ وہ تمام حضرات آپ کی قدر دانی کرتے تھے اور آپ کے علم وفضل کے نہ صرف معترف بلکہ مداح تھے۔

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی تردید کے لیے اس وقت اپنے اکابرین کے جانشین تھے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں اپنے شیخ حضرت ہالیجویؒ کے ہمراہ سکھر کی عظیم الشان کانفرنس میں شرکت کی ہزاروں بندگانِ خدا کو دن رات ایک کر کے تحریک سے وابستہ کر دیا تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں لاہور انجمن خدام الدین شیرانوالہ کے مدرسہ میں آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان میں آپ نے شرکت فرمائی اور قادیانیوں کے ارتداد و زندقہ پر ایسی جامع علمی گفتگو فرمائی جس پر تحریک ختم نبوت کے قائد شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ نے آپ کی گفتگو کو بہت سراہا شیعہ مکتب فکر کے رہنما اور مجلس عمل کے ممبر سید مظفر علی شمسی نے اٹھ کر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور مجاہد ختم نبوت آغا شورش کاشمیریؒ نے آپ کو گلے لگا لیا اور بے ساختہ کہا کہ حضرت آپ نے فتنہ قادیانیت کے ارتداد و زندقہ پر ایسی علمی گفتگو فرمائی

ہے جس سے نہ صرف اس فتنہ کی سنگینی ہم پر واضح ہوگئی بلکہ اس کی شرعی سزا (سزائے ارتداد) پر بھی ہمیں انشراح ہوگیا اس وقت تحریک ایسے مرحلہ میں داخل ہوگئی ہے کہ جو مطالبہ ان کے غیر مسلم اقلیت کا ہم نے کر رکھا ہے اس کو لے کر آگے چلنا ہوگا ورنہ شرعاً قادیانی فتنہ کا علاج وہی ہے جو آپ نے واضح فرمایا- قرن اول میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا فتنہ قادیانیت کے خلاف قدرت نے آپ کے دل میں ایسی تڑپ پیدا فرمادی تھی کہ آپ کی مساعی جمیلہ سے سندھ کی دھرتی کا ہر عالم دین قادیانیت کے خلاف سنت صدیقی کا علمبردار بن گیا آپ نے بارہا چنیوٹ کی ختم نبوت کانفرنس میں خطاب فرمایا آپ کا خطاب اتنا دلنشین ہوتا تھا کہ سامعین عش عش کر اٹھتے تھے حق تعالیٰ شانہٗ نے ہمارے اس دور میں متکلم اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھری اور مجاہد اسلام حضرت پیر شریف کو سمجھانے کا خوب ملکہ عطا کیا- طالبان کی جہادی تحریک کے آپ دل سے قدردان تھے- بیماری کے باوجود تھوڑا سا افاقہ ہوتے ہی افغانستان تشریف لے گئے- امیر المومنین ملا عمر دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کی اور ہمیشہ ان کی مالی اعانت فرماتے رہے بلکہ ایک مرتبہ مجاہدین کا قافلہ جو کہ کافی علماء پر مشتمل تھا بغرض ملاقات رات گئے دیر تک پہنچے جیسے ہی مجاہدین کے قافلہ کی حضرت کو اطلاع ہوئی فوراً ہی وضو کر کے تشریف لے آئے حالانکہ اسی دن صبح حضرت کو دل کا اٹیک بھی ہوا تھا- خیریت کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی مجاہدین نے عشاء کی نماز ادا نہیں فرمائی- حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ' اب بھی باوضو ہوں لیکن تھوڑی سی انتظار کر لیں تا کہ تجدید وضو کرلوں اور مجاہدین کی اقتدا میں نماز ادا کرنا چاہتا ہوں ممکن ہے خداوند قدوس میری کل کو قیامت کے دن اسی وجہ سے مغفرت فرمادیں اور عموماً فرمایا کرتے تھے کہ رات کا آخری حصہ میری دعاؤں کا مجاہدین کے لیے وقف ہے اور دل چاہتا ہے- کہ سرزمین افغانستان میں جہاں دین اسلام کا بول بالا ہے- جا کر سجدہ شکر ادا کروں' ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ مجھے موت افغانستان میں آئے اور دفن بھی اسی مٹی میں ہوں تا کہ کل قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر اٹھوں بلکہ ایک صاحب نے

بتلایا کہ جن کے پورے خاندان کا تعلق حضرت والا سے ہے کہ میں نے کابل میں حضرت والا کو دیکھا کہ رات کے آخری حصہ میں سجدہ کی حالت میں حضرت والا ایسے بلبلا کے رو رہے تھے کہ جیسے بچہ والدہ کے لیے بلبلا کر رو رہا ہوتا ہے۔ حضرت والا رات کو پابندی سے طالبان کی خبریں سنا کرتے تھے۔

مبارک خواب:

ایک مرتبہ حضرت قبلہ مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی بیر شریف تشریف لے گئے تو آپ کو حضرت بیر شریف والوں نے اپنا خواب سنایا کہ خواب میں دیکھا کہ میں مدینہ طیبہ میں ہوں آپ ﷺ کمبل مبارک لے کر استراحت فرما رہے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کے قدمین شریفین دبانے کی سعادت حاصل کی میری اہلیہ پردہ میں میرے ساتھ تھیں انہوں نے بھی پاؤں مبارک کو دبانے کی اجازت کے لیے مجھے کہا میں نے آپ ﷺ سے استدعا کی کہ آپ ﷺ کی خادمہ بھی پاؤں مبارک کو دبانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتی ہے آپ ﷺ اس پر خاموش رہے آپ ﷺ کی خاموشی سے میں عدم اجازت سمجھا چنانچہ وہ باپردہ علیحدہ بیٹھی رہیں حضرت بیر شریف والے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ قادیانی شرارتوں' قادیانی ارتداد و زندقہ سے آپ ﷺ کی امت بہت پریشان ہے اس پر آپ ﷺ نے امت کی تسلی کے لیے چند خیر و برکت کے کلمات ارشاد فرمائے جنہیں سنتے ہی میں بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ یہ قادیانی فتنہ آخر ختم ہونے والا ہے۔ فللہ الحمد

حضرت والا کا ہر بیان تقریباً خوف خدا فکر آخرت اور عشق رسول ﷺ کے ساتھ لبریز ہوتا تھا اور بیان کئی گھنٹوں پر محیط ہوتا تھا' ایک مرتبہ بندہ نے حضرت والا کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضرت کراچی کے احباب بالخصوص علماء حضرات جناب کے بیان کا بڑا شوق رکھتے ہیں براہ کرم جب بھی کراچی تشریف آوری ہو جمعہ جامعہ انوار الصحابہ کے لیے مختص فرما دیں۔ حضرت والا نے وعدہ بشرط زندگی اور صحت کے ساتھ موقوف فرمایا بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کسی جمعہ کی تعیین ہو جائے تا کہ ساتھی بھرپور

شرکت کر سکیں- حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ بھی یقین نہیں ہے کہ اپنے مصلیٰ سے اٹھ بھی سکوں گا کہ نہیں بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس مسجد کے دروازہ سے گزر بھی سکوں گا کہ نہیں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ پوری زندگی میں نے گھر والوں کو یہ کبھی نہیں کہا کہ فلاں چیز تیار رکھو میں واپس آ رہا ہوں اس لیے کہ مجھے اپنی زندگی پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے-

معمولات:

عمر بھر سفر و حضر میں نماز ہمیشہ باجماعت ادا فرمائی زندگی بھر کی ایک نماز بھی وفات کے وقت تک آپ کے ذمہ نہیں تھی ایک مرتبہ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ بطور تحدیث نعمت کے اور آپ حضرات کو ترغیب کی وجہ سے بتلاتا ہوں کہ الحمدللہ پچاس سال ہو گئے ہیں کہ فجر کی کوئی ایسی نماز نہیں گزری کہ باجماعت نہ ادا ہوئی ہو- حالانکہ اسی دن حضرت کو دل کا زبردست اٹیک ہوا تھا اپنے ہی گھر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کے زیر علاج تھے تمام ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر عرض کیا کہ حضرت کسی سے بات نہ کریں اور نہ کسی سے مصافحہ کریں بلکہ چارپائی سے نیچے اترنے کو بھی منع کر دیا تھا سوائے استنجاء کے- اسی دن راقم الحروف کے ساتھ ستر علماء وطلبہ پر مشتمل قافلہ حاضر تھا حضرت والا نے سب کو اپنے گھر بلایا اور فرداً فرداً مصافحہ کیا اور خیریت دریافت فرمائی اور کم از کم ایک گھنٹہ نصیحت فرماتے رہے اور ارشاد فرمایا کہ باوجود ڈاکٹروں کی سخت ہدایت کے آج بھی الحمدللہ صبح کی نماز باجماعت ادا ہوئی اور آپ ﷺ سے اتنی محبت اور عشق تھا کہ ہر وقت حضرت والا کی زبان آنحضرت ﷺ کے ذکر سے تر رہتی تھی ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ اڑتالیس سال ہو گئے ہیں کہ پگڑی کو بحیثیت سنت کے اپنے سر کی زینت بنا رکھا ہے اور فرماتے تھے کہ مجھے اسم ذات کا علم ہے اس اسم ذات کو میں نے فرائض کی پابندی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہمیشہ کا معمول بنایا ہوا ہے اسماء الحسنیٰ سورۂ یٰسین، درود شریف وظائف اور ذکر الٰہی آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا دین کی تعلیم و ترویج آپ کی زندگی کا نصب العین تھا- حضرت والا اگرچہ کافی عرصہ علیل رہے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں

چھوڑا۔ حضرت والا کے غدود بڑھ گئے تھے تمام ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ بغیر آپریشن کے یہ تکلیف رفع نہ ہو سکے گی جب ڈاکٹر آپریشن تھیٹر روم میں بیہوشی کا انجکشن لگانے لگے تو حضرت نے سختی سے انکار کر دیا کہ میں نشے کا انجکشن نہیں لگواؤں گا ڈاکٹروں نے اصرار کیا کہ حضرت عمر کا تقاضا ہے بغیر انجکشن کے بغیر تکلیف زیادہ ہوگی۔ حضرت والا نے وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ. پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس ذات نے تکلیف دی ہے وہی ذات صبر بھی دے گی لیکن میں انجکشن نہیں لگواؤں گا کہ اگر اسی حالت میری موت آ جائے تو خدا کی جناب میں بے ہوشی کی حالت میں کیوں حاضری دوں۔ بغیر بے ہوشی کے حضرت کا آپریشن ہوا بعد میں عمر کا تقاضا اور نقاہت کی وجہ سے خون کا مسئلہ پیش آیا حضرت والا نے کسی کا خون لینے سے صاف انکار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے کسی پر اعتماد نہیں ہے ممکن ہے کہ غلط صحبت کی وجہ سے غلط لقمے اور حرام مال سے مشروبات استعمال کی ہو اور وہ خون پھر میرے خون کا حصہ بنے اس لیے کسی کا خون لینے سے صاف انکار کر دیا حضرت ایک عرصے سے زائد عارضہ قلب میں مبتلا تھے رمضان المبارک سے پہلے بھی علاج کے لیے کراچی تشریف لائے تھے اور ضروری تشخیص و معائنہ کے بعد اپنی بستی بیر شریف تشریف لے گئے تھے مرحوم نے رمضان المبارک کے روزے بھی رکھے لیکن دوسرے عشرے میں طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی۔ حضرت کے متعلقین انہیں پھر کراچی میں امراض قلب کے ڈاکٹر عبدالصمد صاحب اور معروف ہسپتال کارڈیو ویسکولر لے کر آئے لیکن بلاوا آ گیا تھا سولہ رمضان المبارک کی شام پونے سات بجے ہسپتال ہی میں مرحوم کی روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی وفات سے چند ساعت پہلے فرمایا۔ تکلیف ہے یہ بھی قدرت کا عطیہ و نعمت ہے اس پر بھی خوش ہوں۔ کلمہ شریف تین مرتبہ پڑھا اور اللہ اللہ اللہ کہا اور یہ کہتے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو گئے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

جسد خاکی کو بیر شریف لے جایا گیا دوسرے دن سترہ رمضان المبارک کو سوا

تین بجے وفات کی اس خبر کی کوئی باقاعدہ تشہیر بھی نہیں کی گئی لیکن پورے سندھ اور بلوچستان کے ملحقہ علاقوں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی- لوگ جنازہ میں شرکت کے لیے بڑے بڑے قافلوں کی شکل میں جوق در جوق پہنچے اور شاید کہ سندھ کی حالیہ تاریخ میں پہلی دفعہ اتنی بڑی خلقت نے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اس وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول یاد آ رہا تھا کہ حق اور باطل کے درمیان جنازہ سے فیصلہ کریں گے- تا حد نگاہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اور گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں جو بلا مبالغہ ایک لاکھ سے کم نہ ہوگا- آپ کی مسجد شریف سے متصل پہلے سے موجود قبرستان میں آپ کو سپرد رحمت باری کر دیا گیا۔

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے
آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہان ایک مٹی کی عمارت ایک مٹی کا مکان
خون سے گارا بنایا اینٹ جس میں ہڈیاں چند سانسوں پہ کھڑا ہے یہ خیالی آسمان
موت کی پرزور آندھی جس دم آ کر ٹکرائے گی پس یہ عمارت ٹوٹ کر خاک میں مل جائے گی

آپؒ کے پانچ صاجزادے ہیں مولانا حافظ عبدالعزیز' مولانا عبدالحفیظ مولانا عبدالمجیب عالم دین ہیں' حافظ محمد عبداللہ' حافظ عبدالرحمٰن زیر تعلیم ہیں پانچ صاجزادیاں ہیں اہلیہ محترمہ بقید حیات ہیں- ہزاروں شاگرد لاکھوں متعلقین سب آپ کے ورثاء ہیں جو سب ہی بجا طور پر تعزیت کے مستحق ہیں-

حضرت مولانا پیر شریفؒ کی ذات میں سندھ کے باشندوں کو اس دور پرفتن میں ایک سایہ عافیت میسر تھا اور اب یہ سایہ اٹھ گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ مولانا کے نسبی اور نسبتی متعلقین پیر شریف کے چشمہ فیض کو خشک نہیں ہونے دیں گے اور علم معرفت اتباع سنت اور اصلاح خلق کا یہ مرکز انشاء اللہ تعالیٰ مزید درخشندہ و تابندہ ہو گا و ما ذالک علی اللہ بعزیز حضرت پیر شریف کی علمی و اصلاحی خدمات میں جہاں تلامذہ اور سالکین طریقت کی ایک بڑی تعداد ہے وہاں سندھی زبان میں بعض تصانیف بھی ہیں ترجمہ قرآن کریم تحت اللفظ شمائل ترمذی کا ترجمہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر اور مختلف

موضوعات پر کتابیں اور رسائل ہیں جن میں سے کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ مسودات کی شکل میں اصلاحی بیانات کا بھی ایک بڑا حصہ آڈیو کیسٹوں میں محفوظ کرلیا گیا ہے۔ غیر مطبوعہ پر اگر نظر ثانی اور قرینے سے لکھوا کر طبع کرایا جائے تو سندھی زبان میں اچھی دینی وعلمی خدمت ہوگی۔

رب کریم حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اس سرزمین سے بدعات ومنکرات کا ازالہ ہو ہر سو حق و ہدایت کی شعاعیں پھیلیں اور یہ خطہ ماضی کے عہد اسلامی کی طرح فقہاء ومحدثین کے وجود سے منور و مبارک ہو۔ آمین

بحرمة النبی الامی الکریم و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم.

سچ فرمایا رحمت دوعالم ﷺ نے:

مُوتُ الْعالِمِ مُوتُ الْعالَمْ.

اور سچ فرمایا پروردگار باری تعالیٰ نے:

کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال و الاکرام.

(ماخوذ ماہنامہ الہادی کراچی)

حضرت الحاج ڈاکٹر شاہ حفیظ اللہ سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

عارف باللہ حضرت اقدس الحاج ڈاکٹر شاہ حفیظ اللہ سکھروی ثم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی وروحانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے والد ماجد حضرت مولانا نذیر احمد گجراتی ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے' حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے براہ راست بیعت اور حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی ولادت باسعادت ۱۶ رمضان ۱۳۳۶ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۱۸ء کو گجرات کے ایک قصبہ میں ہوئی ابتدائی تعلیم قصبہ منادر میں حاصل کی' میٹرک کمالیہ پنجاب سے کیا اور پھر ڈاکٹری کی ڈگری امرتسر سے جون ۱۹۴۰ء میں حاصل کی' میڈیکل میں داخلہ سے قبل ان کے والد ماجد نے ترجمہ قرآن' مشکوٰۃ شریف' گلستان بوستان خود پڑھا دی تھیں' ۱۹۳۵ء میں امرتسر میڈیکل کالج میں داخلے کے وقت انہیں حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس لے گئے جو اس وقت مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں صدر مدرس تھے اور ان سے عرض کیا کہ اس لڑکے کو ڈاکٹری میں داخل کرایا ہے۔ یہ ہر اتوار کو چھٹی کے دن صبح کے درس قرآن میں شامل ہو کر آپ سے ملے گا چنانچہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ باقاعدگی سے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں مسجد نور میں حاضر ہوتے رہے اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرواتے رہے چونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب کو بچپن ہی سے علم دین کے حصول اور اس پر دل و جان سے عمل کا اہتمام تھا اس لیے ہونہار بروا کو دیکھ کر ان کے والد ماجد نے ایک مرتبہ فرمایا تھا؟ میرا بیٹا مادر زاد ولی ہے۔ ان کا یہ مقولہ آگے چل کر سولہ آنے صحیح ثابت ہوا۔

ڈاکٹری تعلیم کے دوران ہی حضرت ڈاکٹر شاہ حفیظ اللہ صاحب کو عنوان شباب

میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا- اور بیعت سے نوازے گئے پھر ان کے حکم پر حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق اصلاح جاری رکھا- اور ۱۹۳۵ء سے جو تعلق حضرت مفتی صاحبؒ سے قائم ہوا تھا وہ حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال یکم جون ۱۹۶۱ء تک جاری رہا' حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے کیا کچھ حاصل کیا اور کس کس طرح اپنے ظاہر و باطن کو انوار نبوت سے منور کیا اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے-

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے خلافت و اجازت حاصل کرنے کے بعد آپ آخر دم تک عوام وخواص کی اصلاح میں مصروف رہے اور ہزاروں کی اصلاح وفلاح کا ذریعہ بنے- حضرت مفتی صاحبؒ کی رحلت کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ایک اور خلیفہ ارشد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی قدس سرہٗ سے تعلق روحانی قائم کیا اور انہوں نے بھی خلافت سے نوازا' ان کے بعد مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب سے رجوع کیا-

حضرت مسیح الامتؒ نے بھی خلعت خلافت سے نوازا' علاوہ ازیں حضرت حکیم الامتؒ کے دیگر اکابر خلفاء سے بھی طویل نیاز مندانہ تعلقات رہے' اسی لیے اس آخری دور میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی شخصیت ''مجمع البحار'' بن گئی تھی اور آپ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک و مشرب کے اس وقت امین تھے- فرائض و واجبات کی ادائیگی حقوق العباد کا اہتمام' رزق حلال تواضع وفنائیت' صدق و اخلاص اتباع سنت' اخلاق حسنہ کی تعلیمات کا خاص اہتمام تھا' ایک سچے عاشق رسولؐ تھے- اسی لیے چند سال قبل جوار حبیب ﷺ میں مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تھے اور وہاں بھی شب و روز اصلاح عوام میں مصروف رہے اور یہی آرزو رہی کہ مدینہ منورہ میں آخری لمحات گزریں' للہ رب العالمین نے یہ دیرینہ تمنا پوری کی اور ۱۲ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ ۱۹' فروری ۲۰۰۰ء کو مدینہ منورہ ہی میں رحلت فرمائی- مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی' اور ہمیشہ کے لیے جوار حبیب ﷺ میں آرام

فرما ہوئے- رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ.

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم المرتبت شخصیت پر میرے جیسے تہی دامن آدمی کا کچھ لکھنا بہت مشکل ہے ان کے اوصاف و کمالات کے لیے تو دفتر درکار ہے- حضرت علیہ السلام کی شفقتیں وعنایتیں ہمیشہ یاد رہیں گی' ان کی شخصیت کو بھلایا نہیں جا سکتا' احقر نے اپنی کتاب ''سوانح خلیل'' (حضرت مفتی محمد خلیل آف گوجرانوالہ) کے لیے کچھ لکھنے کے لیے درخواست کی تو آپ نے بڑی محبت و شفقت فرماتے ہوئے- پیش لفظ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون تحریر فرما کر ارسال فرمایا جو ''سوانح خلیل'' میں طبع ہوا ہے- بار بار حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا' ہمیشہ نہایت متواضع' منکسر المزاج' خندہ جبین اور بلند اخلاق کا مالک پایا-

ہماری بدقسمتی ہے کہ آج ہم آپ کی شفقتوں وعنایتوں سے محروم ہو چکے ہیں اور علمیت و روحانیت کے حلقے یتیم ہو گئے ہیں' آپ اس وقت بزم تھانویؒ، بزم حسن' بزم عارفی' اور مسیح الامتؒ کے درخشندہ اور روشن چراغ تھے حق تعالیٰ شانہٗ درجات بلند فرمائیں- آمین!

(ماہنامہ الصیانہ لاہور)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء راس الاتقیاء فقیہ العصر سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کو ایک سال گزر گیا مگر آپ کی جدائی کے زخم ابھی تک تازہ ہیں- آپ گزشتہ سال یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو ہمیشہ کے لیے ہم سے رخصت ہو گئے تھے- حضرت کی شفقتیں اور عنایتیں ہمیشہ یاد رہیں گے ان کے دینی و علمی، تبلیغی و تصنیفی اور اصلاحی کارنامے تاریخ کا حصہ ہیں- ان کی حیات طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ تھی، وہ ایک عظیم محدث و مفسر، رفیع الشان فقیہ و مفتی، شیخ کامل اور عارف باکمال تھے، ان کا وجود مسعود ہمارے لیے سایہ رحمت تھا- آپ اکابر علماء دیوبند اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم و معارف کے ترجمان تھے- مسلک علماء دیوبند کے عظیم محافظ و امین تھے- آپ کے والد گرامی بھی ایک جید عالم دین، عظیم مفتی و فقیہ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے- حضرت حکیم الامت کو ان کے علمی و فقہی مقام پر مکمل اعتماد تھا ان کا اسم گرامی حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ تھا-

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کی ولادت باسعادت ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو ہوئی ابتدائی تعلیم حضرت حکیم الامتؒ کے زیر نگرانی مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں اور ثانوی و اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی- جہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی، علامہ شبیر احمدؒ عثمانی، مولانا اعزاز علی امروہیؒ مولانا مفتی شفیعؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا جلیل احمد کیرانویؒ جیسے اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیے اور ۱۳۵۹ھ میں تمام علوم و فنون میں سند الفراغ حاصل کی پھر پہلے والد ماجد کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ میں ایک سال رہ کر ملا قاری فتح محمدؒ پانی پتی، قاری حسن شاہ صاحبؒ اور حضرت قاری محی الاسلام صاحبؒ سے قراءت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا- فراغت کے بعد درس و تدریس کے سلسلہ کا آغاز مدرسہ عربیہ راجپوری ریاست پٹیلہ سے کیا اور پھر قیام پاکستان کے بعد ساہیوال ضلع سرگودھا میں جامعہ حقانیہ کی

بنیاد رکھی اور آخر دم تک تدریس و افتاء اور تبلیغ و اصلاح میں مصروف رہے- شہر کی جامع مسجد میں بحیثیت خطیب وعظ و نصیحت فرماتے رہے' تدریس و تبلیغ اور خدمت افتاء وارشاد کے علاوہ آپ نے ایک سو سے زائد مختلف موضوعات پر تصنیف و تالیف کی خدمت بھی سر انجام دی- اور سینکڑوں مقالات بھی ملک بھر کے دینی جرائد کی زینت بنے' آپ نے بچپن ہی میں حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت کا شرف حاصل کر لیا تھا پھر حضرتؒ کے خلفاء عظام حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے اصلاحی تعلق قائم رکھا- بعد ازاں حضرت مولانا ظفر احمدؒ عثمانی سے تعلق قائم کیا اور خلافت حاصل کی ان کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے تعلق قائم فرمایا تھا ان کی طرف سے بھی مجاز بیعت قرار پائے' اس طرح سے اکابر علماء اولیاء کی صحبت سے آپ کی شخصیت کو چار چاند لگ گئے اور آپ ان سب بزرگوں کے محب و محبوب رہے- آپ فرماتے تھے کہ:

"شیخ الاسلام علامہ ظفر احمدؒ عثمانی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تو اتنے احسانات عظیمہ ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا' یہ حضرات مجھ ناکارہ پر ہمیشہ اپنی اولاد کی طرح شفقت فرماتے تھے اور ہمیشہ میرے کاموں کی ہمت افزائی فرماتے تھے"-

بہر حال سیدی و مرشدی حضرت قبلہ ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی درس و تدریس' تبلیغ و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں گزار دی اس کے ساتھ ساتھ باطل نظریات کے خلاف مصلحت و مداہنت سے کام نہ لیا' تحریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا' سوشلزم اور دوسری لادینی تحریکات کے خلاف سینہ سپر رہے اور اسی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی رہنما کی حیثیت سے بڑا کام کیا' مجلس میں منسلک رہ کر تبلیغی اصلاحی خدمات انجام دیں' کئی دینی مدارس اور کئی دینی تنظیموں کے سربراہ سرپرست رہے' مجھ جیسے تہی دامن سے بھی بڑی محبت و شفقت فرماتے رہے اور اخلاق و اوصاف میں سلف صالحین کا عین نمونہ رہے- حق تعالیٰ شانہ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے- آمین! (ماہنامہ الحسن لاہور)

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاتقیاء والاصفیاء حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس آخری دور میں ان چند عظیم ہستیوں میں سے ایک تھے جن کا علم وفضل، زہد وتقویٰ، سادگی وتواضع اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اس زمانہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، ایک سچے عاشق رسولؐ تھے اور اخلاق و اوصاف میں اپنے اکابر و اسلاف کی یادگار تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۴۳ھ مین ضلع بلند شہر (صوبہ یوپی) کے ایک گاؤں ''بستی'' میں صوفی محمد صدیق صاحبؒ کے گھر ہوئی جو نہایت نیک اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ نے مولانا حافظ محمد صادق پنجابی سے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر مولانا موصوفؒ ہی سے فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد حسن پور مراد آباد کے مدرسہ امدادیہ میں داخلہ لے کر دو سال میں شرح وقایہ، قدوری، کنز الدقائق، اصول الشاشی، شرح تہذیب، نور الانوار، نفحۃ الیمن اور شرح جامی تک کتابیں پڑھیں۔ پھر شوال ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ خلافت جامع مسجد علی گڑھ میں داخل ہوئے اور مولانا فیض الدین بلخی سے مختصر المعانی اور سراجی وغیرہ پڑھیں۔ دیگر مدرسین سے ہدایہ اولین، حسامی، سلم العلوم، شرح عقائد وغیرہ کتب پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور ہدایہ ثالث، دیوان متنبی، حماسہ، توضیح اور ملا حسن سے مظاہر العلوم میں اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ مدرسہ مظاہر العلوم میں اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور بخاری شریف جلد اول شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے اور مسلم شریف حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے پڑھی۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے ترمذی شریف، شمائل ترمذی اور طحاوی شریف پڑھیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ سے نسائی، ابن ماجہ پڑھیں اور مولانا منظور احمد خانؒ

سے مؤطا امام مالکؒ، مؤطا امام محمدؒ اور دیگر کتب پڑھ کر ۱۳۶۳ھ میں سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ آثار ولی (قائم کردہ مولانا ولی محمد بٹالویؒ) اور پھر مدرسہ اسلامیہ کٹھور ضلع میرٹھ میں سال بھر تدریس و تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

بعد ازاں مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور جو کہ ضلع گوڑ گانوہ میں ایک سال تک پڑھایا۔ اس کے بعد ۱۳۷۳ھ میں کلکتہ چلے آئے اور ۱۳۸۱ھ تک یہیں قیام فرمایا اور متعدد مدارس دینیہ میں پڑھاتے رہے۔ کئی جدید مدرسے بھی قائم کیے۔ پھر شوال ۱۳۸۱ھ میں حج کے لیے چلے گئے اور وہاں سے واپس آ کر مولانا محمد حیات صاحبؒ کے مدرسہ حیات العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ حیات العلوم مراد آباد میں جو کتابیں زیر درس رہیں ان میں بیضاوی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف، طحاوی شریف، مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمدؒ وغیرہ شامل ہیں۔

رمضان ۱۳۸۴ھ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر دارالعلوم کراچی چلے آئے اور تفسیر و حدیث کے اسباق کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کی خدمات بھی آپ کو سونپی گئیں۔ دارالعلوم کراچی میں تقریباً بارہ سال آپ کا قیام رہا۔ اس دوران ہزاروں طالبان علم و فضل کو آپ نے اپنے فیض علمی سے سیراب و شاداب کیا۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ وہاں بھی آپ کا فیض علمی و روحانی آخر دم تک جاری رہا۔ درس و تدریس اور خدمت افتاء کے علاوہ سینکڑوں کتابیں آپ کے قلم فیض رقم سے منصہ شہود پر آئیں جو مختلف موضوعات پر نہایت علمی و اصلاحی انداز سے لکھی گئی ہیں، جن میں ''مجانی الآثار من شرح معانی الآثار عربی، تیج الروی بتخریج احادیث الطحاوی عربی، الفوائد السنیہ فی شرح الاربعین النوویہ، تفسیر سورۃ فاتحہ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت ابودرداءؓ، امت مسلمہ کی مائیںؓ، رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاںؓ، صحابہ کرامؓ کی جانبازی، تذکرہ اصحاب صفہ، پچاس قصے، چھ باتیں، مسنون دعائیں، شرعی پردہ، اخلاص نیت، اکرام المسلمین، فضائل علم، مصیبتوں کے بعد ان کا علاج، اصلاحی مواعظ، مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

فضائل امت محمدیہ، تحفہ خواتین، خواتین سے رسول اللہ کی باتیں، اصلاحی خطبات، اور اس دور کی عظیم شاہکار تفسیر 'انوار البیان' (۹ جلد) قابل ذکر ہیں۔

سلوک وتصوف میں آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا اور مدینہ منورہ ہی میں رہ کر حضرت شیخ الحدیثؒ سے سلوک کے منازل طے کیے اور بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا۔ پھر خود بھی ایک شیخ کامل اور عارف کامل بن گئے اور ہزاروں کی اصلاح کا ذریعہ بنے اور حرمین شریفین میں رہ کر دینی، علمی، تبلیغی و اصلاحی خدمات میں مصروف رہے۔ آخر دم تک عبادات و معمولات میں مشغول رہے۔ ۱۲رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۸ نومبر ۲۰۰۱ء بروز بدھ صبح کی نماز حرم پاک خود جا کر باجماعت ادا کی۔ پھر قیام گاہ تشریف لائے اور صبح ساڑھے دس بجے تک قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہے اور پھر آرام کے لیے لیٹ گئے اور اسی دوران ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

یہ ہے قابل رشک ایک ولی اللہ کی رحلت، پھر رات کو تراویح کے بعد حرم نبویؐ ہی میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت البقیع کی خاک پاک نصیب ہوئی۔

"آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے"

(ماہنامہ الخیر ملتان)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار پاکستان کے جید ترین علماء وفقہاء میں ہوتا تھا' ان کا علم وعمل' زہد وتقویٰ' حق گوئی و بے باکی اور اوصاف و کمالات سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی- آہ وہ بھی رخصت ہوئے- ابھی تو حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ اور حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ثم مدنی کی مفارقت سے زخم تازہ ہی تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ بھی اسی کاروان آخرت سے جا ملے-

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

علماء واولیاء کا یہ قافلہ بڑی تیزی سے سفر کر رہا ہے' جو علامات قیامت میں سے ہے- حق تعالیٰ شانہٗ ہماری حالت پر رحم فرمائیں' آمین! حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالوف لدھیانہ ہے جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے- آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے صحبت یافتہ تھے اور بزم اشرف میں ''صاحب الرویا'' کے لقب سے معروف تھے- آپ ۳ صفر المظفر ۱۳۴۱ھ/ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے- ابتدائی اور ثانوی تعلیم مختلف دینی مدارس میں پڑھ کر ۱۳۶۰ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں تمام علوم وفنون اور دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی- آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، جامع المعقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی ریاض الدینؒ' حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ اور حضرت مولانا عبدالحق نافع جیسے مشاہیر علماء واساتذہ قابل ذکر ہیں- اسی سال دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید حضرت قاری عزیز احمد صاحبؒ اور حضرت

قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ صدر قراء دارالعلوم دیوبند سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مدینۃ العلوم حیدر آباد سندھ سے شروع ہوا۔ ۱۳۶۴ھ میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا اور اسی سال بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث کی تدریس بھی فرمائی۔ پھر ۱۳۶۶ھ سے دارالافتاء کا کام بھی سنبھالا اور اس طرح آپ ۱۳۶۹ھ تک بیک وقت شیخ الحدیث اور مفتی رہے۔ ۱۳۷۰ھ میں آپ بحیثیت شیخ الحدیث مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی تشریف لے گئے اور ۱۳۷۱ھ میں سیدی و مرشدی حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے حکم پر بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور شعبان ۱۳۸۳ھ تک آپ دارالعلوم کراچی ہی میں رہے۔ اس دوران بڑے بڑے علماء و فضلاء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ ملک بھر میں دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ درس حدیث کے ساتھ ساتھ آپ نے فتاویٰ نویسی' شان تحقیق و تفقہ اور تعمق نظر میں اس قدر شہرت حاصل کی کہ ملک و بیرون ملک کے علماء و فقہاء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ کے مستند فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں جو بے حد مقبول ہوئے ہیں۔ فتاویٰ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کی طرح آپ کو بھی بلند مقام حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں تدریسی و فقہی خدمات کے علاوہ ایک سو سے زائد تصانیف مختلف موضوعات پر تالیف کیں۔ ۱۳۸۳ھ میں آپ نے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی خواہش کے مطابق مدرسہ اشرف المدارس کی بنیاد رکھی جو ناظم آباد کراچی میں واقع ہے۔ پھر اسی سے ملحقہ عوام و خواص کی اصلاح کے لیے خانقاہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ بعد ازاں دارالافتاء والارشاد کے نام سے ایک عظیم ادارہ قائم فرمایا' جہاں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کو تمرین افتاء کے لیے داخل کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ فیض باطنی اور تقویٰ' استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت

سے بھی مالا مال کیا جاتا ہے- اور اس کے نشست و برخاست کا مستقل سبق شریعت محمدیؐ پر چلانا ہے اور ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں- آپ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری قدس سرہٗ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے- ساری زندگی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک ومشرب کے مطابق تبلیغ واصلاح میں مصروف رہے- ہزاروں افراد کی اصلاح وتربیت کی- دور دراز سے لوگ آپ کے مواعظ حسنہ میں شریک ہوتے تھے اور آپ کے فیض علمی وروحانی سے استفادہ کرتے تھے- ساری عمر شریعت مقدسہ کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنے رہے اور حق گوئی وبے باکی سے کلمہ حق بلند کرتے رہے اور بالآخر یہ مردِ حق ۶ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ/ ۱۹ فروری ۲۰۰۲ء بروز منگل کو دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرما گئے- حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے مشن مقدس کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے' آمین!

(ماہنامہ الخیر ملتان)

شیخ طریقت رہبر شریعت

حضرت الحاج ڈاکٹر عبدالمجید ریواڑوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ طریقت حضرت الحاج سیدی ڈاکٹر عبدالمجید صاحب ریواڑوی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا عبدالمجید بچھرانویؒ کے معتمد علیہ اور خلیفہ اعظم تھے۔ آپ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خاص متعلقین میں سے تھے اور آپ کو حضرت مولانا جالندھریؒ نے جامعہ خیر المدارس کا ناظم مقرر فرمایا تھا اور آپ پر مکمل اعتماد کیا تھا آپ کی سادگی' بے تکلفی' بے ساختگی' مسلکی پختگی' بزرگی اور سب سے بڑھ کر شفقت اور رحمت اور خصوصی محبت کا تعلق ہمیشہ دل پر نقش رہے گا۔ آپ تواضع وانکساری' حلم اور بردباری اور صبر وقناعت کا پیکر تھے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی اور ساری عمران ہی کے مسلک ومشرف پر بڑی سختی سے عمل پیرا رہے نجی مجالس ہوں یا علمی محفلیں ہمیشہ اپنی گفتگو میں حضرت تھانویؒ کے حوالے سے بات چیت فرماتے اور حضرتؒ اور دیگر اکابر دیوبند کے حالات وواقعات ہر مجلس اور ہر محفل میں بڑی محبت سے بیان فرماتے رہتے تھے۔ آپ کا حلقہ متوسلین و متعلقین بہت وسیع تھا خصوصاً ڈیرہ غازی خاں اور جامپور میں آپ کثرت سے تشریف لاتے تھے اور متعلقین کو اپنی نصائح اور ہدایات سے نوازتے تھے۔ حضرت سید غلام ادیس شاہ صاحب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب' حضرت مولانا قادر بخش صاحب' مولانا نذیر احمد صاحب' اور دیگر حضرات متعلقین کے ہاں زیادہ آنا جانا تھا۔ مدرسہ عطاء العلوم شاہ جمالی نوتک بھی تشریف لاتے تھے۔ وہیں پر حضرت کی سب سے پہلی زیارت ہوئی اور آپ سے تعلق قائم ہوا پھر آپ کی شفقت نے ہمیں گرویدہ بنایا اور الحمدللہ حضرت سے آخر تک تعلق قائم رہا بہت سے احباب کو بندۂ ناچیز کی درخواست پر بیعت فرمایا اور بارہا جام پور

تشریف لائے اور شفقتوں اور عنایتوں سے نوازتے رہے حضرت ہی کی سرپرستی میں ۱۹۷۸ء میں ہم نے مجلس صیانۃ المسلمین جامپور کی تشکیل کی تھی اور پھر آپ ہی کی سرپرستی میں جامپور میں کئی تاریخی جلسے کرائے جن میں حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، حضرت مولانا نجم الحسن تھانویؒ، حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ جیسے اکابر علماء تشریف لاتے رہے یہ سب حضرت کی کرامت اور برکت تھی اور آج بھی الحمدللہ مجلس کا کام ہو رہا ہے- آپ کو مجلس صیانۃ المسلمین سے ایک خاص تعلق و انس تھا پیرانہ سالی وضعف اور علالت کی حالت میں بھی مجلس کے پروگراموں میں تشریف لے جاتے تھے، لاہور کے اجتماع میں تو آپ ہرصورت میں پہنچتے تھے اور باقاعدگی سے ہر سال مجلس کے سالانہ اجتماع پر مع پندرہ بیس حضرات کی جماعت کے شرکت فرماتے تھے، اور حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ سابق صدر مجلس صیانۃ المسلمین کی محفل مجذوب میں شرکت فرماتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی اشعار سنایا کرتے تھے بہرحال حضرت کی عنایتیں اور شفقتیں ہمیشہ یاد رہیں گی اور ان کا سراپا مجسم شفقت کبھی نہیں بھول سکیں گے سینکڑوں افراد نے آپ سے اصلاح وتربیت کرائی اور ہزاروں نے آپ کے مجالس اور بیانات سے استفاذہ کیا افسوس کہ آپ ۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے- آپ کے صاحبزدگان میں تین صاحبزادے مولانا محمد ابراہیم صاحب اور مولانا عبدالدیان صاحب اور مولانا عبدالخالق باقاعدہ عالم ہیں- حضرت مولانا عبدالدیان صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل اور مجلس صیانۃ المسلمین کے ناظم عمومی ہیں اور نیپاک کالونی کی جامع مسجد کے خطیب ہیں اور ملتان میں حضرت ڈاکٹر صاحب، حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز حضرت الحاج الشاہ محمد شریف صاحبؒ کے پہلو میں دفن کیے گئے- حق تعالیٰ آپ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں- آمین!

(ماہنامہ الصیانۃ لاہور)

حضرت الحاج محمد فاروق سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

آپ کے مرید خاص جناب مولوی محمد نعیم صاحب لکھتے ہیں کہ:

میرے محبوب شیخ، شفیق الامت حضرت مولانا شاہ محمد فاروق صاحب قدس اللہ سرہٗ ۲۰ محرم ۱۴۲۰ھ بمطابق ۷ مئی ۱۹۹۹ء شب جمعہ میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

حضرت والا کی وفات حسرت آیات جہاں بالعموم امت مسلمہ کے لیے عظیم سانحہ ہے وہاں بالخصوص ناچیز راقم الحروف کے لیے اور حضرت قدس سرہ کے جملہ متعلقین واحباب اور اعزہ واقارب کے لیے عظیم سانحہ ہے، امت مسلمہ کے ہزاروں افراد حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد اپنے آپ کو لق ودق صحرا میں تنہا کھڑے محسوس کر رہے ہیں، خود راقم الحروف جو حضرت والا کی بے پناہ شفقتوں اور بے شمار احسانات میں ڈوبا ہوا ہے ایسا محسوس کر رہا ہے کہ سر پر سے سایہ ہٹ گیا ہے اور روشن دن تاریک ہو گیا، آج یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے کہ احقر اتنے محبوب مرشد، باپ کی طرح شفیق اور دقیقہ شناس مرشد کے وجود مسعود سے محروم ہو گیا ہے، وفات کو اتنے دن بیت جانے اور خود اپنی نظروں کے سامنے جنازہ وتدفین وغیرہ کے مراحل گزرنے کے باوجود ذہن یہ بات قبول کرنے کو تیار نہیں کہ میرے محبوب شیخ اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما چکے ہیں اور بلاشبہ یہی حالت ہے۔

نوٹ: یہ مقالہ مولوی محمد نعیم درجہ تخصص فی الافتاء دار العلوم کراچی کا ہے۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہیں آستین نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے افق پر مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل' خستہ کام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم خواص پہنچے' عوام پہنچے
تری لحد پر خدا کی رحمت' تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

ابتدائی تعلیم وتربیت:

حضرت قدس سرہٗ نے درجہ موقوف علیہ تک درس نظامی کی تعلیم سکھر کے جامعہ اشرفیہ میں حاصل کی' حضرت مولانا محمد احمد تھانوی' حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی' حضرت مولانا عبدالعلیم صاحبؒ جالندھری (شیخ الحدیث جامعہ مدینۃ العلم فیصل آباد) آپ کے نامور اساتذہ میں سے ہیں' اپنے شیخ حضرت مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحبؒ (خلیفہ اجل حضرت مجدد تھانوی قدس سرہٗ) کے حکم پر دورہ حدیث شریف کے لیے جلال آباد (انڈیا) تشریف لے گئے' اور تین' تین ماہ کے ویزا ملنے کی وجہ سے تین سال میں دورہ حدیث شریف اپنے محبوب شیخ کے حلقہ تلمذ میں پورا کیا۔

تقریباً ۱۲ سال کی عمر میں ہی حضرت مسیح الامتؒ سے بیعت واصلاح کا تعلق قائم کیا' اور تقریباً چالیس سال تک مسلسل اپنے شیخ قطب وقت کے ساتھ مکاتبت جاری رکھی' اپنے مرشد کی صحبت میں رہ کر مذاق اشرفیہ رگ و ریشے میں بس گیا تھا' کم سنی ہی میں میرے دادا پیر حضرت مسیح الامتؒ نے میرے شیخ سے سوال کیا تھا کہ بتاؤ مذاق اشرفیہ کی کیا حقیقت ہے؟ حضرتؒ نے جواب دیا کہ مذاق اشرفیہ کی حقیقت ہے ''اتباع سنت بکمال اعتدال'' جواب ہی کچھ ایسا وجد آفریں تھا کہ حضرت مسیح الامت کو اتنا پسند آیا کہ بار بار یہی سوال دھرا کر حضرتؒ سے اس جواب کو سن سن کر لذت حاصل فرماتے رہے'

چنانچہ اسی مبارک ذوق کی پاسداری میں میرے حضرتؒ نے ۵۶ سال کی قلیل مدت عمر میں دنیا کے گوشے گوشے میں شریعت مقدسہ کی معتدل تعلیمات کی دعوت پھیلائی۔

میرے محبوب حضرتؒ نے اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر اپنے قلب کو مصفی و مجلی کیا' اور مجاہدات و ریاضات کی بھٹیوں سے گزر کر کندن بنے' تصوف کے اذکار و اشغال کی خوب مشق کی اور ۲۴' سال کی عمر میں ہی حضرت مسیح الامتؒ نے خلافت خاصہ سے نوازا' اس وقت حضرتؒ حرمین کے سفر پر تھے۔

فضائل وکمالات:

میرے شیخ مجسم شفقت' پیکر تواضع اور انابت وتقویٰ کا پرتو تھے رب کریم نے بے شمار فضائل سے نوازا تھا' جود وسخا اور دستر خوان کی کشادگی کو دیکھ کر حضرات چشتیہ کی سخاوت کے بارے میں سنے اور پڑھے ہوئے واقعات کا حضرت کے ہاں مشاہدہ ہو جاتا تھا' مقام احسان اس مرتبے کا حاصل تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ "الحمدللہ ثم الحمدللہ" میرے شیخ کی برکت سے ہر وقت یہی دھیان غالب رہتا ہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے بلکہ میں اپنے پیارے اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔

خود راقم الحروف کا بار بار کا مشاہدہ ہے کہ میرے محبوب شیخ دن بھر کے تھکے ماندے جب تھوڑی دیر کے لیے رات کو لیٹتے اور نیند غالب آ جاتی تو جب کروٹ بدلتے یہی دعا دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی سنی کہ "یا اللہ! اپنی محبت نصیب فرما"۔

اور اس دعا ہی میں کچھ ایسی حلاوت ہوتی تھی کہ پاس بیٹھنے والا بھی واضح طور پر اس کو محسوس کرتا تھا...... خدا کرے اللہ تعالیٰ کی محبت کی مٹھاس اس راقم الحروف کو اور پوری امت مسلمہ کو بھی حاصل ہو جائے' ۵۶ سالہ عمر میں تقریباً تیس حج کیے اور عمروں کی تعداد تو بہت ہی زیادہ ہے۔

میرے محبوب شیخ سے خلق کثیر کا استفادہ:

میرے محبوب شیخ سے امت مسلمہ کے ہزاروں افراد استفادہ کر رہے تھے' پوری دنیا سے خطوط' فیکس اور فون اور مہمانوں کی آمد کا تانتا بندھا رہتا تھا' خود طالبین کے استفادہ

کے لیے حضرت نے بنفس نفیس بہت سے ممالک کے سفر فرمائے' جن میں سعودی عرب' ابو ظہبی' دبئ' ترکی' مصر' بنگلہ دیش' بھارت' اردن' عراق' شام' سنگاپور' بنکاک' ملائیشیا' جنوبی افریقہ' برطانیہ' اسکاٹ لینڈ' فرانس' ویسٹ انڈیز' مڈغاسکر اور موریشش وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت والاؒ سے اپنی اصلاح کے سلسلہ میں استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے خود حضرت والاؒ نے ایک مرتبہ ایک نجی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ شیخ سے اپنی زندگی کے ہر معاملہ کی اصلاح میں رہنمائی لینا چاہیے حتیٰ کہ اپنے خرچ و آمدن کا حساب بھی اپنے شیخ کے سامنے پیش کرے' پھر حضرت والا نے فرمایا کہ افسوس! ۲۰' ۲۵ ہزار آدمیوں میں سے صرف ایک عالم میرے پاس اپنی آمدن و خرچ کا حساب لکھتے ہیں۔

حضرت قدس سرہ' کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ بیس پچیس ہزار آدمی تو مکاتبت کے ذریعے حضرت والاؒ سے فیض یاب ہو رہے تھے اس کے علاوہ فون' فیکس' زبانی ملاقات والوں کا سلسلہ الگ تھا۔

حضرت قدس سرہ' نے اپنا آخری اعتکاف اسی سال دارالعلوم زکریا جوہانسبرگ (ساؤتھ افریقہ) کی جامع مسجد میں کیا جس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں بیشتر مشائخ' علماء اور طلباء حضرات تھے' اور ایام اعتکاف میں حضرت کی روزانہ عشاء کی اصلاحی مجلس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد پندرہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

حسن خاتمہ:

میرے محبوب حضرت قدس سرہ' کو تقریباً ۲۰ سال سے دل کی تکلیف تھی اس کے علاوہ دس دائمی بیماریاں لاحق تھیں' ان کی شدید تکلیف کے باعث پورا جسم متورم تھا' اور ورم بھی اتنا شدید کہ بعض جگہ سے جسد اطہر کو چھونے سے اس کے فولادی ہونے کا احساس ہوتا تھا' اس قدر سخت تکالیف تھیں (اللہ تعالیٰ ہی میرے محبوب شیخ کو خوب خوب جزا عطاء فرمائیں اور ان پر ہمیشہ اپنی رحمتوں اور انعامات کی بارش برساتے رہیں) کہ شاید عام آدمی ان کے تصور سے ہی حواس باختہ ہو جائے مگر میرے محبوب اپنے چہرے پر کرب بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔

میرے محبوب شیخ نے کمال اخلاص و احسان کے ساتھ' کمال اتباع شریعت و اتباع سنت کے ساتھ' کمال ضبط وتحمل کے ساتھ ہزاروں قلوب کو جو دنیا کی کثافتوں سے آلودہ تھے آن کی آن میں اللہ سے جوڑ دیا' اب تو میرے حضرت کی یہ حالت تھی' بخدا! چہرہ انور کی زیارت سے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی ۱۹ محرم الحرام جمعرات کے دن عصر کے بعد ہونے والی آخری مجلس کو جو صبر کے موضوع پر تھی ان کلمات پر ختم فرمایا:

''کہ اہل اللہ دنیا میں آتے ہیں اور اپنا کام پورا کرنے کے بعد دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون''۔اس کے بعد دعا فرمائی۔

عشاء کے بعد کراچی کے لیے بذریعہ ٹرین سفر شروع فرمایا حسن اتفاق سے روہڑی اسٹیشن پر حضرت والاؒ کی بوگی جہاں کھڑی تھی کچھ عرصہ پہلے اسی جگہ حضرت مسیح الامت کا وعظ بھی ہوا تھا میرے حضرت کو وہ زمانہ یاد آ گیا چنانچہ اپنے شیخؒ کو یاد کر کے روتے رہے راستہ میں دل کی تکلیف بڑھی' حضرت والا نے سورۂ اخلاص کی ایک تسبیح پوری فرمائی' تکلیف جب شدت اختیار کر گئی تو حضرت نے اپنے خادم خاص مرشدی حضرت ڈاکٹر محمد صابر صاحب مدظلہ' کا نام لے کر فرمایا کہ! اب ہم تو اللہ کے پاس جانے والے ہیں' آواز بلند کلمہ شہادت کا ورد شروع فرمایا' آخری الفاظ جو دہن مبارک سے نکلے وہ تھے' مکہ.....مدینہ (جیسے اللہ تعالیٰ نے دونوں مقامات مقدسہ کو حضرت کے سامنے کر دیا ہو) اور شہادت کی انگلی کھڑی ہی تھی کہ بغیر کسی آواز اور ہچکی کے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ۔

بیمار عشق لے کے تیرا نام سو گیا ۔ مدت کے بے قرار کو قرار آ گیا

جمعہ کے دن عصر کے بعد جم غفیر نے حضرت کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور سکھر ہی میں (مجوزہ) خانقاہ مسیحیہ کے قبرستان والے پلاٹ میں حضرت کی تدفین ہوئی ہے ۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

اللھم لا تحرمنا اجرہ' و لا تفتنا بعدہ' و اغفر لہ و ارحمہ' و ارفع درجتہ فی جنات عدن' و انزلہ المقعد المقرب عندک' آمین!

(ماخوذ ماہنامہ البلاغ کراچی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث والفقہ حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحبؒ دور حاضر کے ایک عظیم محدث، مفسر، فقیہ عارف اور شیخ کامل تھے، ان کا وجود مسعود اہل وطن کے لیے عظیم سرمایہ اور نعمت عظمیٰ تھا وہ زہد وتقویٰ، اخلاق و اوصاف اور اخلاص وللہیت میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، اتباع سنت کا مجسم پیکر تھے آپ ایک علمی خاندان کے فرد تھے، آپ کے والد ماجد ایک عالم باعمل بزرگ تھے آپ کے سب برداران عالم و حافظ اور مستند قاری ہیں جو مختلف دینی مدارس میں تدریس وتعلیم کی خدمت میں مصروف ہیں۔

آپ ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کے لگ بھگ کوٹ سلطان ضلع لیہ پنجاب میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی و اعلیٰ تعلیم کے لیے کبیر والا میں داخلہ لیا اور اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھا ۱۳۸۹ھ میں سند الفراغ حاصل کی، بعد ازاں اپنے استاذ و مربی حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے توسط سے فتویٰ میں مہارت و قابلیت حاصل کرنے کے لیے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں دارالعلوم کراچی کے تخصص فی الافتاء کے شعبہ میں داخل ہوئے اور حضرت مفتی اعظمؒ کے منظور نظر رہے، آپ نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے خوب خوب علمی اور روحانی فیوضات حاصل کیے اور فتویٰ نویسی میں مہارت حاصل کی، پانچ سال حضرت مفتی اعظمؒ کی خدمت میں رہ کر دارالعلوم میں تدریس و افتاء کی خدمت بھی انجام دی، بعد ازاں حضرت مولانا مفتی علی محمد صاحب مہتمم دارالعلوم کبیر والا کے ایماء پر دارالعلوم کبیر والا کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور آخر

وقت تک اسی منصب جلیلہ پر رہ کر بخاری شریف پڑھاتے رہے' اس دوران ہزاروں طالبانِ علم نے آپ سے علمی استفادہ کیا اور اس طرح ملک بھر میں آپ کے تلامذہ آج خدمتِ دین میں مصروف ہیں' علمی' تعلیمی' تصنیفی و تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی تبلیغی اور اصلاحی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں' آپ کی زندگی تدریس حدیث کی خدمت کے ساتھ تبلیغ وارشاد اور وعظ ونصیحت میں گزری ہے' آپ نے سلوک کے منازل طے کیے اور خلافت واجازت حاصل کی' حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم' حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب اور حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ سکھروی مہاجر مدنی آپ کے شیوخ طریقت تھے' آپ نے زمانہ تعلیم ہی سے اکابر علماء مشائخ سے رابطہ رکھا تھا اور حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی صحبت میں رہ کر اصلاح باطن کی اور پھر خود بھی مرشد کامل بنے' ہزاروں کی اصلاح کی اور سینکڑوں حلقہ ارادت سے وابستہ ہوئے' بہت سے حضرات کو خلافت سے نوازا' تبلیغی اجتماعات اور دینی مدارس میں آپ نے ہزاروں کے مجمع میں تبلیغ وارشاد اور وعظ ونصیحت کے ذریعے لاکھوں افراد کی اصلاح کی' مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے پلیٹ فارم سے شہر شہر آپ کے اصلاحی بیانات ہوتے تھے' جامعہ خیر المدارس ملتان' جامعہ اشرفیہ لاہور' جامعہ احتشامیہ کراچی' جامعہ اشرفیہ سکھر' جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا' مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ اور بہت سے دیگر مدارس دینیہ آپ کے تبلیغی واصلاحی مراکز رہے' آپ کی تقاریر و بیانات انتہائی سنجیدہ اور اصلاحی ہوتے تھے' آپ سادگی وتواضع کا پیکر اخلاق واوصاف میں اسلاف کی یادگار اور اتباع سنت کا مجسمہ تھے' آپ ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک عالم ربانی اور کامل شیخ تھے' حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ کے علوم و معارف کے عظیم ترجمان تھے اور ان کے خلفائے عظام کے عاشق صادق اور اکابر علماء ومشائخ کے محب و محبوب تھے۔

الغرض ساری زندگی تدریس وتبلیغ واصلاح میں گزاری اور بالآخر ۱۲؍رمضان

المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۸؍نومبر ۲۰۰۲ء بروز پیر مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

ہزاروں علماء صلحاء اور طلباء اور لاکھوں عقیدت مندوں نے دارالعلوم کبیر والا میں نماز جنازہ پڑھی' دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان کے رئیس حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم نے امامت کی اور دارالعلوم کے عقب میں تدفین عمل میں آئی۔

حق تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے۔آمین

تصانیف حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

اکابر علماء دیوبند	تذکرہ خطیب الامتؒ
حیات احتشام	خطبات احتشام ۴ جلدیں
تذکرہ شیخ الاسلامؒ	خطبات شیخ الاسلامؒ
تحریک پاکستان اور علماء دیوبند	کاروانِ تھانویؒ
خطبات مفتی اعظمؒ	مقالاتِ مفتی اعظمؒ
خطبات اکابر ۵ جلدیں	خطبات ادریسؒ
مقالات عثمانیؒ	حیات مولانا ظفر عثمانیؒ
تذکرہ مفتی اعظم پاکستانؒ	مفتی اعظم اور ان کے خلفاء وتلامذہ
مفتی محمد حسنؒ اور ان کے خلفاء وتلامذہ	پچاس مثالی شخصیات
بیس بڑے علماء	ذکر طیبؒ
سوانح خلیلؒ	ذکر حسینؒ
تذکرہ اولیائے دیوبند	آپ بیتی سید مناظر احسن گیلانیؒ
حیات مالکؒ	خطبات مالکؒ
چند عظیم شخصیات	سیرت بدر عالمؒ
تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین	اکابرین مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان
سلسلہ اشرفیہ کے سو بڑے علماء	چالیس بڑے مسلمان ۴ جلد
ذکر خیر محمدؒ	یادِ شریفؒ

تذکرہ
علمائے پنجاب
اردو بازار لاہور

ہماری چند دیگر
خوبصورت اور
معیاری مطبوعات

حضرت مولانا
محمد انعام الحسن کاندھلوی
جلد اول

تذکرہ
مصنفین درس نظامی

آپ بیتی

MAKTABA-E-REHMANIA